پریم کتھا کا انت نہ کوئی



یاسمین نشاط اختر

پیش لفظ

لکھنے کی ابتداء شعر کہنے سے ہوئی اور شاعری کرتے کرتے میں نے کہانیاں لکھنا شروع کر دیں۔

''پریم کتھا کا انت نہ کوئی'' کے بارے کچھ نہ کہوں گی سوائے اس کے کہ یہ سب کردار میرے اپنے ہیں۔ ان سب سے مجھے یکساں محبت ہے۔ حفیظہ سے لے کر رومانہ تک، ہر کردار میں نے دل سے تخلیق کیا ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ چلی ہوں اور ان کے سارے غم اور خوشیاں محسوس کر کے لکھی ہیں۔

زندہ رہنے کے لیے چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہوا، خوراک، پانی اور محبت۔ اور میں سمجھتی ہوں محبت ان سب سے اہم ہے۔ محبت مل جائے تو باقی تینوں ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔

یہ اوائل ۹۶ء کی بات ہے جب میں نے اس کہانی کا آغاز کیا۔ محرک ایک حقیقی واقعہ تھا جو بعد میں کہانی کی شکل اختیار کر گیا۔ تین یا چار اقساط لکھ کر میں نے اس کہانی کو رکھ چھوڑا کہ میرا موڈ نہ بنا۔ تقریباً چار سال کے بعد پرانے کاغذات میں سے یہ اقساط برآمد ہوئیں اور میں نے پھر سے اس کہانی پر ہوم ورک شروع کیا۔ اور یوں اس کہانی کا تانا بانا بنتا چلا گیا۔

محرک ایک حقیقی واقعہ تھا اور اس کا انجام بھی میرے ذہن میں تھا اور میں اسی طرح اس کہانی کو لے کر چلی لیکن عین آخری اقساط لکھتے ہوئے از خود میرے قلم سے وہ تحریر ہو گیا جس نے کئی مہینے مجھے اُلجھائے رکھا۔ میرے قارئین کی سوچ کچھ اور تھی اور میرا قلم کچھ اور لکھ بیٹھا تھا۔ میں نے بہت دفعہ اس کا اختتام لکھا لیکن کسی سے بھی میں مطمئن نہ ہوئی۔ بالآخر مجھے یہی انجام دینا پڑا۔

میں نے کبھی فرضی کردار لے کر کہانی نہیں لکھی۔ میری کہانیوں کے کردار جیتے جاگتے ہوتے ہیں۔ میں ان کا مشاہدہ کرتی ہوں۔ پھر لکھتی ہوں۔ کہانی کی تکمیل ہونے تک وہ کردار میرے ساتھ چلتے ہیں، باتیں کرتے ہیں، اپنی خوشی غم میرے ساتھ شیئر (Share) کرتے ہیں۔

مجھے زبردستی کے ''خوشگوار انجام'' لکھنا کبھی پسند نہیں رہا۔ ہمیشہ اس کا منطقی انجام ہی میرے قلم سے تحریر ہوا۔ یہ کہانی ''پریم کتھا کا انت نہ کوئی'' مجھے بے حد عزیز ہے۔ اپنی سب کہانیوں سے زیادہ۔ اگرچہ یہ ایک افسردہ کر دینے والی کہانی ہے لیکن میں یہ بھی کہتی ہوں کہ دکھوں کو پرچم بنا کر جسموں کی فصیلوں پر نہیں لہرانا چاہئے۔ غم کو کبھی خون میں نہیں گھلنے نہیں دینا چاہئے آنسو کی طرح بہا دینا چاہئے۔

رہی بات ''عشق'' کی تو اس کھیل میں ہر دو صورت خسارہ ہی خسارہ ہے۔ پا کر بھی اور کھو کر بھی۔ کہ:

دل تو دل تائیں لمبے پینڈے
دل تائیں اپڑن گھٹ
دل دے محرم دل تے ہمیشہ
مارن ڈونگھی سٹ

قصوروار ہمیشہ عورت ہی رہی ہے اور میں یہی مانتی ہوں۔

عورت نہ تو بے اختیار ہے، نہ کمزور، اور نہ مظلوم۔ بس یہ وقت اور حالات ہوتے ہیں جو عورت کو مطلوبہ چولا پہنا دیتے ہیں اور وہ مہر بہ لب ہو کر حالات سے سمجھوتہ بھی کر لیتی ہے اور خودسری کا چولا پہن کر ساری حدیں بھی توڑ لیتی ہے۔

بات صرف خواہش کی ہے۔ زندگی سے خواہش کی ''شدت'' نکال دیں تو پھر کوئی نقصان، کوئی بے سکونی باقی نہیں رہتی۔ بس دلوں پر مہر نہیں لگنی چاہئے۔ کہ جن کے دلوں پر اللہ مہر لگا دیتا ہے، وہ کچھ کہنے کچھ سننے کے قابل نہیں رہتے۔ تب ان کے لئے نہ کوئی پناہ بچتی ہے اور نہ ہی آسمانوں سے کوئی مدد اترتی ہے۔

نیک خواہشات کے ساتھ!
یاسمین نشاط اختر

عورت۔
کتنے روپ؟
عورت! ماں، بیٹی، بہن، بیوی۔
مگر ان سارے رشتوں سے ہٹ کر
کبھی عورت محض عورت
کبھی وفا کا پرچم اٹھائے
شرم وحیا کا سمبل بنی
شملوں کی حفاظت کرتی
محبتوں کا پرچار کرتی عورت!
تو کبھی کائنات کے رنگوں میں دلکشی کا باعث
عزت کے بلند مینارے پر بیٹھی مشرقی عورت
مگر یہی عورت۔
جب سفا کی پر اُتر آئے تو بڑے بڑے ظالموں کو پیچھے چھوڑ دے۔
اپنی حیا کی قیمت لگا دے تو عورت کے نام پر دھبا بن جائے۔
جفا پر اُترے تو اپنے زہریلے ناخن ہر سینے میں گاڑتی چلی جائے۔
مگر عورت!
عورت اصل میں ہے کیا؟

☆======☆======☆

ڈاک بنگلے سے چند قدم آگے پکی سڑک سے ملحقہ ''ملک پور'' کو جاتی وہ کچی پگڈنڈی آج نرالی چھب دکھا رہی تھی۔ اس پر ہمہ وقت اُڑنے والی دھول کمیوں نے ڈھیر سارا پانی

چھڑکاؤ کر کے جمادی تھی۔ پگڈنڈی سے لے کر ملکوں کی حویلی تک سارا راستہ رنگ برنگی جھنڈیوں سے سجا تھا۔ حویلی کے پچھواڑے کھن کھنا کھن، دیگوں کی ٹکرانے کی آوازیں جب فضا میں گونجتیں تو کمیوں کے پیروں میں مزید تیزی آجاتی۔ ذرا پرے وسیع میدان میں حدِ نگاہ تک شامیانے لگے نظر آتے تھے۔

''ملک پور'' خوشیوں میں ڈوبا نظر آتا تھا ہر چہرے پر خوشی جگمگا رہی تھی۔ حویلی کی رونق سب سے سوا تھی۔ رنگین آنچل زنان خانے میں لہراتے پھر رہے تھے۔ لڑکیوں کی ہنسی کی آواز ڈھولک کی تھاپ میں گم ہوتی۔ ساتھ ہی کوئی گیت چھیڑ دیتی۔ پھر تالیوں کا شور بلند ہوتا اور بڑی بوڑھیاں بھی ''وجد'' میں آجاتیں۔ سب کو اپنا زمانہ یاد آتا اور کوئی نہ کوئی اپنی شادی کا قصہ سنانے لگتی۔ تمام بوڑھیاں از حد توجہ سے وہ واقعہ سنتیں کہ کسی لڑکی کا قلقل کرتا قہقہہ ان کی محویت میں خلل ڈال دیتا اور سب کی سب ناگواری سے اس جرأت کرنے والی لڑکی کو نظروں ہی نظروں میں جھاڑ پلا ڈالتیں۔

قابلِ دید منظر اس وقت ہوتا جب لڈی ڈالتی لڑکیوں میں کوئی بوڑھی اماں بھی شامل ہو جاتیں اور پھر جس انداز سے وہ رقص کرتیں لڑکیوں کا ہنس ہنس کر برا حال ہو جاتا۔

ادی جان الگ گھبراہٹ کا شکار تھیں۔

بار بار لڑکیوں کو ہدایت دینے آموجود ہوتیں۔ فکر ان کے سر پر ہونے کی طرح سوار تھی اور ہوتی بھی کیوں نہیں؟

آج ان کی لاڈلی بیٹی کی شادی تھی۔

وہ بیٹی جس کے انہوں نے بہت زیادہ ناز اٹھائے تھے۔

جسے ایک پل کے لیے بھی نظروں سے دور کرنا منظور نہیں تھا آج وہی، ان کو چھوڑ کر جا رہی تھی۔

اس کی جدائی کے تصور سے آنکھیں بار بار بھیگ جاتیں۔

مردان خانے کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔

تمام نوجوان لڑکے اپنے اپنے پسندیدہ کھیلوں میں مگن ہوتے اور ایسے میں جو ملک صاحب کا گزر ادھر سے ہو جاتا تو گویا سب کو سانپ سونگھ جاتا۔

پُر رونق حویلی کا ایک حصہ ایسا بھی تھا۔ جہاں خاموشیوں نے اپنے پر پھیلا رکھے تھے۔ جو کوئی حویلی کے اس حصے میں جانکلتا تو گماں تک نہ ہوتا کہ یہ بھی اس حویلی کا ایک حصہ ہے جہاں شادی کی رونقیں عروج پر ہیں اور حفیظہ ملک اس وقت وہاں موجود تھی۔ سب سے چھپ

کر۔

''میں نے بابا جان سے کہا تھا مگر۔'' اس کی آواز آنسوؤں میں بھیگ گئی۔

''وہ نہیں ماننے ہے ناں!'' ایک طنزیہ ہنسی اطراف میں پھیل گئی۔ حفیظہ خاموشی سے اس چہرے کو دیکھے گئی، جو زمانے کے سرد گرم سے پوری طرح آشنا تھا۔ جس نے عمر کا سنہری دور اس قید خانے میں گزار دیا تھا۔ کیوں؟ یہ اسے کوئی نہ بتاتا تھا۔

''اب تم جاؤ۔ کہیں کسی کو خبر نہ ہو جائے۔'' اس نے کھڑکی کی سلاخوں میں سے ہاتھ نکال کر اس کے چہرے پر رکھا۔ جسے حفیظہ نے تھام لیا۔ پھر ان پر لبوں کا لمس چھوڑتی وہاں سے چلی آئی۔

''لڑکی تُو کہاں خوار ہوتی پھر رہی ہے۔'' سیڑھیاں اترتے پہلی نظر ادی جان کی پڑی۔ وہ خاموش رہی۔ وہ بھی شاید جلدی میں تھیں اس لیے آگے بڑھ گئیں۔ حفیظہ نے گہری سانس لے کر اپنے کمرے کا رخ کیا جہاں دھما چوکڑی مچی تھی۔

☆======☆======☆

''شاہ سلجوق نے بہت بڑے بڑے لوگوں کو انوائیٹ کیا ہے اور ہماری خوش قسمتی ہے کہ ان میں ہم بھی شامل ہیں۔''

عاصمہ نے آئینے میں اپنے سراپے کا جائزہ لیا۔

''اگر تم بھی Well Educated ہوتے تو تمہاری دوستی بھی یقیناً اتنے اونچے لوگوں میں ہوتی۔'' فرحان احمد کا موڈ خراب ہو گیا۔

''کیا یہ ضروری ہے عاصمہ حیات کہ تم قدم قدم پر میری تعلیم کو نشانہ بناؤ۔''

''میں تو حقیقت کہتی ہوں تمہیں سچ کڑوا لگتا ہے کیا؟'' وہ اطمینان سے گویا ہوئی۔

''یہ سچ۔'' فرحان نے مٹھیاں بھینچیں۔

''ہاں یہ سچ ہے اور اس سے بھی بڑا سچ یہ ہے کہ تمہیں اپنی تعلیم کا کامپلیکس ہے۔ تم جب بھی میرے ساتھ چلتے ہو ایک دبو زر خرید غلام کی طرح۔ تم میں اعتماد ہے ہی نہیں۔''

''بکواس نہیں کرو۔'' فرحان دھاڑا۔

''ہونہہ۔'' عاصمہ زور سے ہنس دی۔

''یہ جاہل لوگوں والا طریقہ اپنا کر تم ثابت کر رہے ہو کہ..... تعلیم یافتہ لوگ یوں چیخا چلایا نہیں کرتے۔''

''خاموش ہو جاؤ..... ورنہ۔'' فرحان نے ہاتھ میں پکڑی پرفیوم کی شیشی فرش پر دے

ماری۔

''اوہ یو شٹ اپ Mind It میں ان رویوں کی عادی نہیں ہوں اپنے غصے پر قابو رکھا کرو۔'' عاصمہ تنی ہوئی گردن سمیت باہر نکل گئی۔

''عذاب...... عذاب۔'' فرحان احمد نے مٹھیوں میں لے کر اپنے ہی بال کھینچے اور خود کو بیڈ پر گرا دیا۔ اب شادی پر جانے کا تو سوال ہی نہ تھا۔ نوما نے ڈرتے ڈرتے کمرے میں جھانکا۔ فرحان احمد بیڈ پر آڑا ترچھا لیٹا تھا۔

''بھائی چائے لاؤں؟'' وہ قریب آتے ہوئے دھیرے سے گویا ہوئی۔

''نہیں۔'' وہ یوں ہی اوندھا لیٹا رہا نوما واپس آ گئی۔ عاصمہ بھابی حسبِ سابق لڑ جھگڑ اکیلی ہی روانہ ہو گئی تھیں۔

☆======☆======☆

''تم نے میرے سائیکالوجی کے نوٹس تو نہیں دیکھے؟'' ارمغان نے دروازے سے سر نکال کر پوچھا۔

''جہاں تک میرا خیال ہے مسٹر ارمغان اعجاز، سائیکالوجی آپ کا مضمونِ خاص ہے۔'' وہ وہیں رک کر کہنے لگی۔

''اوہو! تم بھی تو میری بہن ہو ناں۔ ڈاکٹر بن جاؤں سب سے پہلے تمہارا علاج کروں گا قسم سے مفت بغیر کسی فیس کے۔''

''جی نہیں شکریہ!'' وہ رکھائی سے کہتی آگے بڑھی۔

''سنو پلیز اندر آ کر نوٹس ڈھونڈ دو۔''

''میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔''

''پلیز۔'' وہ ملتجی ہوا۔

''پھر مجھے ناجیہ کے ہاں چھوڑ کر آؤ گے؟'' نوما نے فوراً شرط پیش کی۔

''کیا اس فضول لڑکی کے ہاں ٹائم برباد کرنے جاؤ گی؟'' وہ بدکا۔

''یہ فضول کس کو کہا ہے؟'' وہ غرائی۔

''تمہاری دوست کو ناجیہ...... کو وہی جو اتراتی بہت ہے۔ اپنی پکوڑا ناک پر اور بھینس جیسی آنکھوں پر۔'' اس نے مزید تشریح کر دی۔

''ارمغان کے بچے یہ سب تم میری دوست کے لیے کہہ رہے ہو؟'' وہ چیخی کوئی ناجیہ کے خلاف کچھ بولے یہ کہاں گوارا تھا۔

''ہاں اگر تمہاری دوست کا نام ناجیہ...... ہے تو یقیناً۔'' اس نے اطمینان سے کہہ کر دروازہ بند کر لیا کہ نوما بڑے خطرناک تیور سے آگے بڑھی تھی۔

''اب کہنا مجھے کوئی کام...... صاف جواب نہ دیا تو۔''

''نوما اعجاز تمہارا نام نہیں۔'' وہ کھڑکی سے چہرہ ٹکائے اسے سنا رہی تھی کہ جواباً اس نے بات مکمل کر دی۔ وہ بھناتی وہاں سے ہٹ آئی۔ ارمغان کی باتوں نے وقتی طور سے فرحان کا خیال ذہن سے محو کر دیا تھا۔ مگر تھوڑی دیر بعد پھر اس کی پریشان صورت خیالوں میں چلی آئی۔ بھابی ہمیشہ ہی تو کہا کرتی تھیں۔ وہ بھیا سے تعلیمی میدان میں آگے تھیں۔ ایک گریڈ بھی آگے تھا۔ سو احساسِ برتری نے فرحان کی زندگی اجیرن کر دی تھی۔ قدم قدم پر اسے کمتری کا احساس دلا کر وہ اسے ذہنی اذیت میں مبتلا کیے رکھتیں۔ نتیجتاً گھر کی فضا میں عجیب سا تناؤ پیدا ہو گیا تھا۔ ہر کوئی ایک دوسرے سے کھنچا کھنچا رہنے لگا تھا۔ امی کو الگ چپ گھیرے رکھتی۔ لے دے کے وہ اور ارمغان ہی تھے۔ ارمغان بھی آج کل اپنی پڑھائی میں مصروف تھا اور نوما اس ٹینشن سے نجات حاصل کرنے کے لیے سوچ رہی تھی کہ کچھ دنوں کے لیے عافیہ بجو کے پاس چلی جائے۔

☆======☆======☆

فون کی گھنٹی بڑی دیر سے بج رہی تھی۔ شور اور عجلت میں کوئی سن نہیں پا رہا تھا۔ اِک ہنگامہ بپا تھا اور جیسا کہ عموماً شادی کے موقعوں پر ہوتا ہے۔ عین وقت پر بہت سے کام یاد آتے ہیں۔ سو اب بھی ایسی ہی صورتِ حال تھی۔ ہما کی شرٹ درزی کے ہاں رہ گئی تھی اور کچن میں مصروف ربیعہ کے میچنگ شوز کسی نے نہیں خریدے تھے اور اب وہ رونے کو تیار تھی۔ دوستوں کے نرغے سے نکل کر سلجوق شاہ کچھ دیر کے اندر آئے تو ہما اور ربیعہ کو منہ بسورے بیٹھے دیکھ کر وجہ پوچھی۔

''بھائی میری شرٹ Tailor کے ہاں رہ گئی۔ میرے گھاگھرے کے ساتھ تو اور کوئی میچ بھی نہیں کرتی۔'' ہما نے فوراً دکھڑا رو دیا۔

''اور بھائی میں صبح سے مہمانوں کو چائے پلا پلا کر تھک گئی ہوں اور کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ میرے لیے جوتے خرید لائے۔ حالانکہ صبح سے کئی چکر بازار کے لگ چکے ہیں۔'' ربیعہ نے بھی دیر نہیں کی۔

سلجوق شاہ نے دونوں کا مسئلہ سنا پھر گاڑی کی چابیاں اٹھا لائے۔

''اماں ہم لوگ بازار جا رہے ہیں۔'' وہ اماں کو بتانے لگے۔

''اس وقت بیٹا مہندی لے کر جانا ہے اوپر سے وقت دیکھ کیا ہو رہا ہے یہ کوئی موقع ہے۔''

''ربیعہ اور ہما کی کچھ چیزیں رہتی ہیں اماں اور اگر یہ نہ گئیں تو مہندی کیا سجے گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے انہیں آنے کا اشارہ کرتے لاؤنج کی طرف چلے گئے۔ دونوں نے چادریں لیں اور فوراً پیچھے بھاگیں۔

فون کی گھنٹی ابھی تک چیخ رہی تھی۔ رضیہ بیگم کسی کام سے ادھر آئیں تو آواز کانوں میں پڑی گئی۔ آگے بڑھ کر اٹھایا۔

''کہاں تھیں آپ اتنی دیر سے؟'' دوسری طرف سے آنے والی آواز کا لب ولہجہ چغلی کھا رہا تھا کہ بولنے والی کا تعلق حویلی سے ہے۔

''آپ کی تعریف؟'' وہ قدرے سنبھل گئیں۔

''ہم حفیظہ کی ریسپشن بول رہی ہیں۔ ہمیں سلجوق شاہ کی والدہ محترمہ سے بات کرنی ہے۔'' اب کے لہجے میں رعونت کا عنصر بھی شامل ہو گیا تھا۔

''جی فرمائیے۔ میں بول رہی ہوں۔'' ان کا دل کسی انجانے وہم میں گھر گیا۔

''ہمیں یہ کہنا ہے کہ حفیظہ کا حق مہر دس لاکھ لکھا جائے گا۔''

''کیا؟'' ریسیور ان کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

''کیا کہہ رہی ہیں آپ دس لاکھ یہ تو بہت زیادہ ہے۔'' ان کی آواز دھیمی ہو گئی۔

''حق مہر دس لاکھ ہی ہوگا۔'' انہوں نے حتمی لہجے میں کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ سر تھام کر رہ گئیں۔ یہ کون سا موقع تھا ایسی بات کرنے کا۔ مہندی کی شام تھی سب لوگ مہندی لے جانے کی تیاریوں میں مگن تھے۔ بارات کی تیاری بھی مکمل تھی اور اب اس وقت یہ سب کہنے کا مقصد بھلا کیا ہو سکتا تھا۔ وہ فوراً شاہ صاحب کے کمرے کی طرف آئیں۔

''خیریت؟'' ان کی حالت دیکھ کر انہوں نے پوچھا تو انہوں نے دھیرے سے ساری بات کہہ سنائی۔

''کمال ہے پہلے تو انہوں نے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی۔'' سن کر وہ بھی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

''اب تو رکھ دی ناں میں نے پہلے ہی کہا تھا۔ سوچ سمجھ کر رشتہ طے کریں مگر آپ کی آنکھوں پر تو دوستی کا پردہ چڑھا تھا۔''

''تم بدگمان ہونے میں بہت جلدی کرتی ہو، میں بات کرتا ہوں رحمٰن سے تم فکرمند مت ہو اور یوں بھی یہ ایسی پریشان ہونے والی بات نہیں ہے۔'' وہ اطمینان سے گویا ہوئے۔

''آپ کے خیال میں دس لاکھ معمولی رقم ہے کیا؟'' وہ چڑ گئیں۔ اسی وقت دروازے پہ

دستک ہوئی اور ان کی بڑی بیٹی صوفیہ اندر داخل ہوئیں۔

''امی شگن کے طور پر جانے والی ساری چیزیں پیک ہو گئی ہیں۔ آپ دیکھ لیں کوئی کمی نہ رہ گئی ہو۔''

''کمی ہی کمی رہ گئی۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ صوفیہ ان سے پہلے ہی باہر چلی گئیں۔

''سنو رضیہ بیگم!'' شاہ صاحب نے پکارا۔ وہ پلٹیں۔

''بیزاری سے نہیں، خوشی خوشی، یہ کوئی بات نہیں ہے۔ ہم نے خدانخواستہ کون سا حفیظہ کو چھوڑنا ہے اور اگر وہ ایسا چاہ رہے ہیں اپنی بیٹی کے تحفظ کے لیے تو یہ کوئی بری بات نہیں۔ دل خراب مت کرو۔'' رضیہ بیگم کی سمجھ میں بات آ گئی۔ اس لیے وہ ہلکی پھلکی ہو کر باہر آ گئیں۔ شاہ صاحب ٹھیک ہی تو کہہ رہے تھے۔ انہوں نے بھی تو صوفیہ کی سسرال سے مرضی کا حق مہر لکھوایا تھا۔ اگرچہ وہ اس قدر نہ تھا۔ پھر بھی ان کی بات مانی گئی تھی اور اصولاً اب انہیں بھی مان لینا چاہیے تھی۔

☆======☆======☆

نصیب آزمانے کے دن آ رہے ہیں
قریب ان کے آنے کے دن آ رہے ہیں
جو دل سے کہا، جو دل سے سنا ہے
سب ان کو سنانے کے دن آ رہے ہیں
ابھی سے دل و جاں سرِراہ رکھ دو
کہ لٹنے لٹانے کے دن آ رہے ہیں
صبا پھر ہمیں پوچھتی پھر رہی ہے
چمن کو سجانے کے دن آ رہے ہیں
چلو فیض پھر سے کہیں دل لگا لیں
سنا ہے ٹھکانے کے دن آ رہے ہیں

سلجوق شاہ نے ڈائری پر غزل لکھ کر نیچے تاریخ لکھی اور ڈائری بند کر کے دریچے میں آن کھڑے ہوئے۔ سیّد منزل کی رونق دیدنی تھی۔ اونچی نیچی محرابوں سے لے کر بیرونی گیٹ تک قمقمے جگمگا رہے تھے یوں کہ رات پر دن کا گمان ہو رہا تھا۔ تمام لوگ مہندی کی رسم کے لیے ''ملک پور'' روانہ ہو چکے تھے۔

وہ تنہا تھے، اور ایسے میں آنے والے دن کی تمام تر حسین رعنائیاں ان کی آنکھوں میں اُتر کر رقص کر رہی تھیں۔ حفیظہ ملک، وہ جو ابھی کوسوں دور تھی بس چند گھنٹوں کے بعد ان کی ملکیت ہونے والی تھی۔ حفیظہ ملک کو پالینا کوئی ایسا آسان تو نہیں تھا۔ انہوں نے بڑی مشکل سے، بہت کوششوں سے یہ معرکہ جیتا تھا۔

سلجوق شاہ!

جو زندگی کے کسی

میدان میں شکست سے دوچار نہیں ہوئے تھے۔

کامیابی نے ہر موڑ پر ان کے قدم چومے تھے۔

خاندانی جاہ وجلال سے ہٹ کر ذاتی طور پر ان کے کیریئر میں اتنی شاندار کامیابیاں تھیں کہ ان سے نظریں ہٹا کر کسی اور کی طرف دیکھنا مشکل ہو جایا کرتا مگر حفیظہ ملک ان کے لیے چیلنج بن گئی تھی۔ وہ بابا کے دوست ملک عبدالرحمٰن کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ملک پور کی اتنی بڑی جاگیر کی تنہا وارث، خوبصورتی اور خوب سیرتی میں یکتا۔

اور ایسے میں اگر خاندان میں بھی اس کے بہت سے امیدوار تھے تو کچھ ناممکن بھی نہیں تھا کہ ملک عبدالرحمٰن اس نادر نایاب موتی کو کسی کی جھولی میں بھی ڈال دیتے کہ خاندان سے باہر تو آج تک ان کی کوئی بیٹی نہیں گئی تھی۔

آج تک خاندان میں ہی سب رشتے طے ہوتے آئے تھے خواہ جوڑ تھا یا نہیں۔ مگر پتہ نہیں کیوں حفیظہ کے لیے انہیں خاندان کا کوئی لڑکا مناسب نہیں لگتا تھا۔ پھر بھی روایت توڑنے کے متعلق انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا اور جب ان کے جگری یار سیّد جہانگیر شاہ نے دستِ سوال دراز کیا تو ایک لمحے کو تو وہ سناٹے میں رہ گئے۔

''کیا کہہ رہے ہو شاہ؟'' وہ کافی دیر بعد گویا ہوئے تھے۔

''کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی؟'' جہانگیر شاہ کو اس قسم کے ردِعمل کی توقع نہیں تھی۔

''تم جانتے ہو شاہ ملکوں کی کوئی دھی غیر برادری میں نہیں گئی۔''

''اوہ کم آن یار، یہ کیا ابھی تلک فرسودہ رسموں میں الجھے ہوئے ہو، یار تم پر تمہاری تعلیم نے بھی اثر نہیں ڈالا؟ یہ سب باتیں اب آؤٹ آف فیشن ہیں۔''

''تعلیم بغاوت کا درس نہیں دیتی شاہ۔ یہ رسمیں، یہ رواج ہماری پہچان ہیں۔ قانون سے زیادہ ہمارے لیے قابلِ احترام۔ میں ان سے کسی طور انحراف نہیں کر سکتا۔''

''تو کیا تم اپنی تعلیم یافتہ بیٹی کو خاندان کے کسی گنوار، اجڈ سے بیاہ دو گے؟''

جہانگیر شاہ کا سوال چبھتا ہوا تھا۔ ملک عبدالرحمٰن چپ رہ گئے۔ مگر جہانگیر شاہ سے متفق نہیں ہوئے تھے۔ وہ اپنی بیٹی کیسے غیروں میں دے دیتے، کیسے رسموں سے انحراف کرتے۔

''تم سوچ لو۔ میں پھر آؤں گا۔'' جہانگیر شاہ انہیں مہلت دے کر چلے گئے۔ انہیں کیا سوچنا تھا۔ اس لیے جب چند دنوں بعد جہانگیر شاہ نے اپنا سوال دہرایا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

''میں مایوس نہیں ہوا، میں تب تک تمہیں فورس کروں گا جب تک تم میری بات کا مثبت جواب نہیں دو گے۔'' جہانگیر شاہ کے لہجے میں عزم تھا۔

اور پھر جہانگیر شاہ کا اصرار ملک عبدالرحمٰن کو روایات توڑنے پر مجبور کر گیا۔ انہوں نے خاندان بھر سے ٹکر لے لی۔ کہ سلجوق شاہ کو دیکھ لینے کے بعد انہیں یہ کوئی نقصان کا سودا نہیں لگا تھا۔ سلجوق شاہ حفیظہ ملک کے لیے بہترین انتخاب تھے اور جس روز ہاں ہوئی تھی۔ سنجیدہ اور بے حد سلجھے ہوئے سلجوق شاہ کا ایک لمحہ کو دل چاہا تھا کہ مارے خوشی کے رقص کرنے لگیں۔

وہ اپنی تمام تر بے تابیاں حفیظہ ملک کو سنانے کے لیے بے چین تھے اور ان کے درمیان فقط ایک رات کے چند گھنٹے حائل تھے اور اس کے بعد...... بعد کے تصور نے پر پھیلائے اور انہوں نے پلکیں موند کر سر دیوار سے ٹکا دیا۔

☆======☆======☆

''لڑکیو، راستہ چھوڑو!'' انابی اپنا غرارہ سنبھالتی اندر داخل ہوئیں۔

''کیوں انابی کیا یہاں جہاز لینڈ کروائیں گی۔'' شریری فاطمہ نے آنکھیں گھمائیں۔

''اے ہٹ!'' انہوں نے دھموکا جڑا۔ ''ہر وقت مذاق کی سوجھتی ہے تمہیں۔ پیچھے ہٹو مجھے سلجوق تک جانے دو۔''

''نہیں انابی آج تو انہیں اسپیشل لوگ ہی دیکھ سکتے ہیں۔'' فاطمہ پر دھموکے کا قطعی اثر نہیں ہوا تھا۔

''کیا مطلب؟ مطلب کیا ہے تمہارا؟'' وہ اس پر چڑھ دوڑیں۔ ''کیا آج کے روز سلجوق شاہ کو دیکھنے کے لیے شپیشل (اسپیشل) ہونا ضروری ہے۔''

''بالکل انابی۔ آج وہ لگ بھی تو سپر اسپیشل رہے ہیں۔''

''اے یہ موئی انگریجی کا روب مجھ پر تو نا ہی ڈالا کرو۔'' انہوں نے ہاتھ سے آگے کھڑی فاطمہ کو پیچھے کیا اور اندر کی سمت بڑھ گئیں جہاں سلجوق شاہ دولہا بنے تیار کھڑے تھے۔

"ماشاءاللہ، چشم بددور۔" انابی نے آگے بڑھ کر بلائیں لیں۔ سلجوق شاہ پر ٹوٹ کر روپ چڑھا تھا۔ سب بھائیوں سے زیادہ۔ خوبصورتی وجاہت میں تو سب ہی ایک سے بڑھ کر ایک تھے مگر دولہا بن کر جتنے خوبصورت سلجوق شاہ لگ رہے تھے، کوئی بھی نہ لگا تھا۔

"بیگم جی بوا کی نجرا تاری یا نا ہی۔" وہ رضیہ بیگم کی طرف مڑیں۔

"اتاری انابی۔" وہ مسکرائیں۔ ربیعہ نے کلاہ اٹھا کر بھائی کے سر پر رکھا اور ہما کو اشارہ کرتے ہوئے آگے کھڑے ہوگئیں۔ آپا بھی مسکراتی ہوئی چلی آئیں۔

"چلو بھئی سلجوق نیگ نکالو پھر پروانہ راہداری ملے گا۔" آپا نے پہل کی۔

"کیا مطلب وہ جو صبح میری جیب ہلکی ہوئی ہے؟" سلجوق شاہ نے حیرانی سے پلکیں پٹپٹائیں۔

"وہ تو "گھڑولی" کی رسم تھی اور پھر وہ بھابی نے لیے۔ اب ہماری باری ہے۔"

"کیا ہر رسم پر اتنا ہی پیسہ خرچ ہوگا؟" سلجوق نے مصنوعی اداسی سے پوچھا۔ انہیں صبح والا واقعہ یاد آ گیا۔ امی جان کا ارمان تھا کہ اس بار تمام رسمیں پوری کی جائیں گی اور روایتی انداز سے، جیسے بارات گھوڑے پر جائے گی، دلہن پالکی میں آئے گی اور تو اور گھڑولی بھرنے کی رسم بھی کی گئی تھی۔ فارحہ بھابی نے بخوشی اس کام کا ذمہ لیا تھا۔ بڑے ارمانوں سے وہ گھڑولی بھرنے گئی تھیں۔ ماہر ہاتھوں سے چمکتا ہوا چھوٹا سا گھڑا انہوں نے سر پر رکھا اور اوپر گوٹے سے بھرا سرخ دوپٹہ ڈالا۔ بڑے بھیا کے بیٹے عمیر جو کہ شہ بالا بن رہا تھا نے ایک پلو پکڑ کر آگے چلنا تھا۔

پنجاب کے دیہات میں گھڑولی کی یہ رسم خاصے اہتمام سے منائی جاتی ہے۔ دولہا کی بہن یا بھابی مٹی کا گھڑا سر پر رکھ کر اپنے گھر سے چند قدم کے فاصلے پر بنے کنوئیں سے پانی بھر کر لاتی ہے۔ اس کے ساتھ دوسری عورتیں بھی ہوتی ہیں جو کہ گا بجا رہی ہوتی ہیں۔ گھڑے کے اوپر ڈالا گیا سرخ دوپٹہ آگے چلنے والا چھوٹا بچہ پکڑ کر چلتا ہے۔ گھر پہنچ کر اسی پانی سے دولہا غسل کرتا ہے اور پھر نیگ کی صورت پیسے دیتا ہے۔

اماں بی کو جانے کیا سوجھی تھی کہ اب کی بار وہ اڑ ہی گئی تھیں۔ خیر فارحہ بھابی تھرل کی شائق تھیں۔ اس لیے گھڑا سر پر رکھ کر چل پڑیں اب یہاں کنواں تو کوئی تھا نہیں اس لیے چار گھر چھوڑ کر بصیر کے گھر سے انہوں نے پانی لانا تھا۔ اماں جی کی ہدایت کے مطابق سب لڑکیاں بھی ہمراہ ہولیں۔ وہ بھی اس رسم کو انجوائے کر رہی تھیں۔ بھابی پانی بھر کر باہر نکلیں۔ عین اسی لمحے جانے کہاں سے پتھر آیا۔ جو سیدھا گھڑے میں لگا اور گھڑا ٹوٹ گیا۔ بھابی سر سے

پیروں تک بھیگ گئیں۔ ایک بے ساختہ قسم کا قہقہہ ابھرا تھا۔ شرمندگی سے وہ سر جھکا کر رہ گئیں اور تب ہی انہیں احساس ہوا کہ وہ مووی کیمرہ کی زد میں ہیں۔ وہ فوراً واپس اندر چلی گئیں۔ لڑکیوں کو اپنے قہقہے روکنا مشکل ہو رہا تھا۔

کچے گھڑے پہ تیرا کرتے تھے کچھ لوگ
سات سمندر حائل کر کے کہتے ہو!

کسی منچلے نے شعر بھی اچھالا تھا۔ بھابی نے شور مچا رکھا تھا یہ بیہودگی کی کس نے۔ جبکہ اتنے زیادہ لوگوں میں "مجرم" کا پتہ چلانا مشکل کام تھا۔ ربیعہ وغیرہ نے مل کر ان کا موڈ ٹھیک کیا۔ ہما ان کا دوسرا سوٹ پریس کر کے لائی اور اب کی بار انہوں نے احتیاطاً پیتل کی گڑوی اٹھائی، جو کہ اماں جان کے جہیز کی تھی۔

"لو بھئی دولہا میاں رسم پوری کرو۔" وہ سلجوق کے سر جا پہنچیں۔

"کیا اتنے سے پانی سے غسل کروں گا؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"بالکل۔" وہ سب کورس میں چلائیں۔

"مگر اس میں تو صرف ڈوب کر مرا جا سکتا ہے، وہی چلو بھر پانی۔"

"اے ہائے کیسی بدفالیں منہ سے نکالتے ہو۔" پھوپھی جان دہل کر آگے بڑھیں۔

"چلو بھئی شگن ہی پورا کرنا ہوتا ہے یہ لو۔" انہوں نے گڑوی اٹھائی اور آناً فاناً سلجوق کے سر پر الٹی کر دی۔ وہ اس اچانک افتاد سے بوکھلا ہی تو گئے۔

"یہ کیا کر رہی ہیں پھوپھی جان۔" وہ چلائے، مگر لڑکیوں کے قہقہے میں آواز دب کر رہ گئی۔

ان کی ڈیمانڈ کی صورت میں مطلوبہ رقم ادا کرتے ہوئے وہ باتھ روم میں گھس گئے اور اب پھر وہ انہیں گھیرے کھڑی تھیں۔

"ابھی تم وہ باگ پکڑائی بھی لوگی۔" انہیں ایک دم یاد آ گیا۔

"ظاہری بات ہے شاہی سواری ہے۔ مفت میں تو ہو گی نہیں۔" فاطمہ نے اندر آتے ہوئے کہا۔

"تو یہ آفت کی پرکالہ یہاں بھی آ گئیں۔" انابی بڑبڑائیں۔ وہ انہیں دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"امی جان ہمارے لیے گاڑی کا بندوبست کیا جائے۔" وہ کرسی پر ڈھے سے گئے۔

"ہم نہیں جا رہے گھوڑے پر۔"

''بھائی کنجوسی نہیں چلے گی۔ یہاں تو ایک باگ پکڑائی دینا ہوگی، گاڑی میں بیٹھیں گے تو چاروں پہیے پکڑائی دینا ہوگی، ہم چاروں ایک ایک پہیئے کے آگے لیٹ جائیں گی؟'' ربیعہ نے دھمکی دی اور سلجوق شاہ نے خود پر مصنوعی بے بسی طاری کر کے ان کے ہاتھوں پر پیسے رکھ دیئے۔

''اب مزید گنجائش نہیں ہے۔'' وہ تینوں کھلکھلا کر ہنس دی تھیں۔

☆======☆======☆

''ارے واہ حفیظہ تمہاری تو انوکھی ہی شادی ہو رہی ہے، دولہا گھوڑے پر آئے گا، اور تمہیں پالکی میں بٹھا لے جائے گا، کیا رومینٹک سین ہوگا۔'' پچیاز اد رومانہ اس کے ساتھ لگی بیٹھی رشک وحسد سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بس مسکرانے پر اکتفا کر رہی تھی۔

میراثنیں ڈھولک پر گا رہی تھیں۔ لڑکیوں کو آج تیاریوں سے ہی فرصت نہیں تھی اس لیے گانے بجانے کا سلسلہ موقوف کر رکھا تھا۔

موہے رکھ لے تُو آج کا دن
میا میں تو پاہونی رہے
چھوڑو چھوڑو اماں مورا آنچرا
ہمرے بابا نے ہارے ہیں بول
میا میں تو پاہونی رے

حفیظہ کے نین کٹوروں میں پانی جمع ہونے لگا۔

چھوڑو چھوڑو بھابی مورا آنچرا
ہمرے بھیا نے ہارے ہیں بول

اسی دم سجاول اندر داخل ہوا اور حفیظہ کو آنسوؤں قابو پانا مشکل ہو گیا۔

''آہا...... حفیظہ نے سرخ کپڑے پہنے ہیں۔'' وہ تالیاں بجاتا اس کی طرف آ گیا۔

''دیکھو، حفیظہ کتنی پیاری لگ رہی ہے دیکھو بالکل دلہن لگ رہی ہے۔ اماں کہہ رہی ہیں وہ میرے لیے بھی دلہن لائیں گی، پیاری سی، خوبصورت سی، مگر مجھے تو سلونی اچھی لگتی ہے۔'' بولتے بولتے آخری جملے پر وہ اداس ہو گیا۔

''اس کو کس نے چھوڑا ہے؟'' رومانہ ڈر کر پیچھے ہٹی۔

''یوں تو نہ کہو۔'' حفیظہ کا دل دکھ سے بھر گیا۔ جیسا بھی تھا وہ اس کا بھائی تھا۔

''یہاں آؤ سجاول۔'' اس نے بیڈ پر بکھری چیزیں سمیٹیں اور اس کے بیٹھنے کے لیے جگہ

بنائی۔'' وہ بہت خوش ہو کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''حفیظہ اماں کہہ رہی تھیں تم یہاں سے جا رہی ہو، میں کیا کروں گا اکیلا؟''

''ابھی تم نے خود کہا کہ اماں تمہاری لیے دلہن لے آئیں گی، پھر اداس کیوں ہو؟'' حفیظہ نے پیار سے اس کی طرف دیکھا۔

''مگر یہ اتنا بڑا گھر ہے، میں تو یہاں گم ہو جاؤں گا۔'' وہ بسورا۔

''یہ اپنا گھر ہے چندا اور اپنے گھر میں تو کوئی گم نہیں ہوتا۔''

''مگر وہ کرمو کہہ رہا تھا۔ اس حویلی میں سب کچھ گم ہو جاتا ہے۔ سب کچھ تم بھی گم ہو جاؤ گی میں بھی گم ہو جاؤں گا۔ پھر یہ دیواریں ہمیں ڈھونڈیں گی آہا، آہا دیواریں ہمیں ڈھونڈیں گی آہا، آہا'' وہ اچھل اچھل کر تالیاں بجانے لگا۔ ادی جان اندر داخل ہوئیں۔

''اس کو ادھر کون لایا۔'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے حفیظہ اور پھر دوسری لڑکیوں کو دیکھا۔

''خود ہی چلا آیا ہے میں اسے چھوڑ آتی ہوں۔'' حفیظہ اس کا ہاتھ تھام کر کھڑی ہوئی۔

''نہیں تم بیٹھو رومانہ اسے چھوڑ آؤ اس کے کمرے میں۔'' وہ رومانہ کی سمت مڑیں۔

''میں چچی جان...... مم مجھے اس سے ڈر لگتا ہے۔'' وہ بدک گئی۔

''کیوں؟ ہم کہہ رہے ہیں چلو اسے چھوڑ کر آؤ۔'' ان کے لہجے میں سختی چہرے سے ظاہر تھی۔ رومانہ ڈرتے ڈرتے آگے بڑھی۔ سجاول پر اک نظر ڈالی۔ وہ بے نیازی سے سر کھجانے میں مصروف تھا۔

''چچ، چلو سج آول۔'' مارے خوف کے اس کی گھگی بندھی ہوئی تھی۔

''میرا ہاتھ پکڑو پھر چلوں گا۔ میں دلہن ہوں نا میں دلہن ہوں ناں۔'' وہ پھر شور مچانے لگا۔ رومانہ نے ہمت کر کے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''اس کو کمرے میں بند کر کے باہر سے کنڈی چڑھا دینا۔ رخصتی کے بعد کھول دیں گے۔'' ادی جان کی آواز کی کڑک نے سجاول کے کمرے تک اس کا پیچھا کیا تھا اسے سجاول سے بہت ڈر لگتا تھا اور جتنا وہ اس سے دور بھاگتی تھی، چچی جان (ادی جان) اتنا ہی اسے اس کے سر پر سوار کراتیں پتہ نہیں، کیوں۔ ابھی وہ سجاول کے کمرے کی چٹخنی چڑھا رہی تھی کہ بارات آنے کا شور اٹھا۔ وہ اندر جانے کی بجائے تیزی سے باہر کی جانب بھاگی۔ دریچے میں کھڑے ہو کر دولہا دیکھنے کا اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

☆======☆======☆

شہر سے حفیظہ ملک کو سنوارنے کے لیے ماہر بیوٹیشن بلوائی گئی تھی۔ جو آتے ہی تندہی سے اپنے کام میں جت گئی تھی۔

''ایسی دلہن بنایئے گا کہ سلجوق شاہ دیکھتے ہی ہوش کھو بیٹھیں۔'' فوزیہ نے بیوٹیشن کے ماہرانہ ہاتھوں کو مشاقی سے چلتے ہوئے بغور دیکھا۔

''خیر اتنا ڈرانے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ تمام عمر اسی صورت کو دیکھا کریں گے، اب پہلی ہی رات خوفزدہ کر دیا جائے تاکہ وہ پلٹ کر اس کی شکل نہ دیکھیں۔'' رومانہ نے ہنستے ہوئے کہا تو بیوٹیشن کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

نکاح ہو چکا تھا اور حفیظہ کی پھوپھی کی ڈیمانڈ کے مطابق حق مہر بھی دس لاکھ رکھا گیا تھا۔

''ہم آجائیں۔'' ربیعہ، ہما اور صوفیہ نے اندر جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں نہیں آپ کی اپنی دلہن ہے۔''

''ہماری بھابی ہیں، دلہن تو سلجوق بھائی کی ہیں۔'' ربیعہ مسکرائی۔

''ابھی اور کتنی دیر لگے گی؟'' ہما نے پوچھا۔

''صوفیہ بات سنو۔'' رضیہ بیگم گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔

''خیریت؟'' وہ بھاگ کر ان کی طرف گئیں۔

''باہر لڑائی ہو گئی ہے۔'' ان کی دھیمی آواز بھی اتنی اونچی تھی کہ کمرے میں موجود سب افراد نے سن لی۔ سب کے دل زور سے دھڑکے تھے۔

''کیوں، کس کی؟'' صوفیہ خود بھی حواس باختہ ہو گئیں۔ ابھی تو وہ باہر سے اٹھ کر آئی تھیں۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ کوئی الجھن کوئی مسئلہ، کچھ بھی تو نہیں تھا۔ سب کے چہرے پر خوشی رقصاں تھی۔ پھر ایک لمحے میں کیا ہو گیا تھا۔

''پتہ نہیں کیوں۔ مگر باہر مردانے میں زبردست ہنگامہ ہو رہا ہے۔ میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔''

''آپ یہاں بیٹھیں۔'' وہ انہیں لے کر آئیں اور صوفے پر بٹھا دیا۔

''میں پتہ کرتی ہوں۔'' وہ ربیعہ کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتی باہر کی طرف لپکیں۔ دونوں کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔

''اللہ خیر کرے۔'' حویلی میں الگ بھگدڑ مچ چکی تھی۔ وہ تیزی سے چلتی مردانے کی طرف پہنچیں، اس سے پہلے کہ دروازہ کھول کر باہر جھانکتیں۔ فائر کی آواز گونجی۔ ربیعہ کے لبوں سے چیخ نکلی اور اس نے صوفیہ کا بازو زور سے تھام لیا۔

''بارات واپس جائے گی، لڑکی کی رخصتی نہیں ہو گی۔'' ایک سخت آواز ابھری تھی۔ اس دھماکے کی آواز فائر کی آواز سے کہیں زیادہ تھی۔ صوفیہ اور ربیعہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھتی رہ گئیں۔

☆======☆======☆

اقرار ہے کہ دل سے تمہیں چاہتے ہیں ہم
کچھ اس گناہ کی بھی سزا ہے تمہارے پاس

نقشم نے قدرے جھک کر شعر پڑھا۔ ناجیہ مارے شرم کے سرخ ہو گئی۔ نقشم نے بے حد دلچسپی سے اس کا سرخ چہرا دیکھا پھر شعر پڑھ دیا۔

جو اس کے چہرے پر رنگِ حیا ٹھہر جائے
تو جیسے وقت سمندر ہوا ٹھہرا جائے

''نقشم کیا ہو گیا ہے آپ کو؟'' اس نے ہاتھ میں پکڑی قمیص بے ساختہ ہی چہرے پر رکھ لی تھی۔

''وہ کیا کہتے ہیں، وہی جو قیس کو ہوا تھا۔ جس مرض میں رانجھا مبتلا ہوا تھا اور...... اور......''

''اور جس میں اب یہ اپنے نقشم میاں گرفتار ہوئے ہیں بہت برا مرض ہے اللہ ہی شفا دے تو دے ورنہ......'' اندر داخل ہوتے عذیر نے بات کاٹی تھی۔

''تم اس وقت یہاں کیا کرنے آئے ہو؟'' سارا رومینٹک موڈ اُڑنچھو ہو گیا۔ تیوری چڑھا کر پوچھا۔

''مجھے اطلاع ملی تھی۔ یہاں عشق کی کلاس ہو رہی ہے استفادے کے لیے چلا آیا آخر کو میں بھی اب جوان ہو چلا ہوں۔ مجھے بھی ان سب لیکچرز کی ضرورت ہے، اور کہیں اناڑی پن میں مارا گیا تو......'' وہ معصوم سی صورت بنائے بیٹھ گیا۔

''مارے تو تم میرے ہاتھوں سے اب بھی جاؤ گے، اگر اپنی چونچ لے کر غائب نہ ہوئے۔'' نقشم نے گھورا۔

''بھائی یہ اپنی دو دو کلو کی لال آنکھوں سے مجھے نہ گھورا کریں میں ڈوبنے لگتا ہوں۔''

''اور ابھی کہتے ہو عشق کی کلاس اٹینڈ کرنا ہے، ٹرینڈ ہونے کے لیے۔'' نقشم نے فوراً دھموکا جڑا۔

''اوئی ماردیا ظالم۔'' وہ کراہا۔

"اب بھلا اس زخمی حالت میں ایئرپورٹ کیسے جاؤں گا۔"

"کیوں تمہارے لیے عقل اسمگل ہو کر آ رہی ہے۔" نقشم جل کر بولا۔

"نہیں۔" عذیر نے اطمینان سے سر ہلایا۔

"تمہارے متوقع سُسر اسمگل ہو کر آ رہے ہیں کیا خیال ہے، اچھا موقع ہے۔ دل میں جگہ بنانے کا۔ ابھی سے آگے پیچھے پھرو گے تو کام ہو گا۔ پھر چل رہے ہو ایئرپورٹ، اپنے سسر صاحب کو ریسیو کرنے؟"

"کیا کہہ رہے ہو؟ عزیز چچا آ رہے ہیں تمہیں کس نے بتایا؟" اسے جیسے یقین نہیں آیا۔

"میں نے بھی یہی سنا ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔ نقشم نے پلٹ کر اس سمت دیکھا جہاں ناجیہ بیٹھی تھی۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ باہر جا چکی تھی۔

"ناجیہ کو پتا ہے؟"

"شاید خبر نہیں اگر تمہارے اشعار کا کوٹہ ختم ہو گیا ہو تو ابھی چلتے ہیں۔"

"چلو۔" دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆======☆======☆

"میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ شدید نفرت سنا تم نے مت قریب آیا کرو میرے۔" وہ چیخی تھی۔ فرحان اعجاز نے کمبل اٹھا کر پرے پھینکا اور بیڈ سے نیچے اتر آیا۔ احساسِ توہین سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

"آج تم بتا ہی دو۔ کیا چاہتی ہو تم؟" اس کے لہجے میں بلا کی ٹھنڈک اُتر آئی تھی۔

"مجھے کیا چاہنا ہے فرحان صاحب۔" وہ زہر خند ہوئی۔

"میں تو ایک بے بس عورت ہوں۔ جسے ہر کوئی اپنی مرضی کے کھونٹے سے باندھنے پر مُصر ہے۔ حیثیت کیا ہے اس معاشرے میں عورت کی ہر وقت مساوات کا پرچار کرنے والا یہ منافق معاشرہ، جی چاہتا ہے اس معاشرے کے چہرے پر تھوک دوں۔ کب دیتا ہے عورت کو اس کے حقوق، کیا عورت کی تخلیق محض مرد کی حاجت روائی کے لیے کی گئی۔"

"تم حد سے بڑھ رہی ہو، عاصمہ حیات۔" وہ اس کی بات کاٹ کر غرایا۔

"میں جانتی ہوں تمہیں سچ کڑوا لگتا ہے بلکہ تمہیں کیا اس معاشرے کے ہر مرد کو سچ کڑوا لگتا ہے۔ خصوصاً جب اسے کوئی عورت بولے۔"

"تمہارا مسئلہ کیا ہے عاصمہ، آج کلیئر کر دو۔ یہ روز روز کی لڑائیاں، سکون برباد کر رہی ہیں میرا، تباہ ہو گیا ہے اس گھر کا ماحول۔"

"اس کی ذمہ دار میں نہیں ہوں تم خود ہو فرحان اعجاز تمہارے کامپلیکسز ہیں۔"

"اوہ یو شٹ اَپ۔" وہ دھاڑا۔

"اس لہجے میں میرے ساتھ بات مت کیا کرو۔ میں جانتی ہوں تم جاہل ہو جاہلِ مطلق۔" عاصمہ نے کہہ کر منہ تک کمبل اوڑھ لیا۔ فرحان مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

"اور ہاں کہیں اور جا کر سو جاؤ مجھے ڈسٹرب نہیں کرنا۔"

فرحان کا میٹر گھوم گیا۔ وہ آگے بڑھا اور اس پر سے کمبل کھینچ دیا۔

"یہ میرا بیڈروم ہے تم کہیں اور بندوبست کر لو۔" ایک لمحہ کو تو عاصمہ حیران ہو کر رہ گئی اس کی جرأت پر پھر سر ہلاتے ہوئے اٹھی۔ تکیہ اور کمبل اٹھایا اور پاؤں پٹختی باہر نکل گئی۔

"یا خدا۔" وہ بیڈ پر آن گرا۔ عاصمہ حیات نے تو اس پر حیات کے دائرے تنگ کر دیے تھے صبح عاصمہ کے چیخنے کی آواز سن کر ہی اس کی آنکھ کھلی تھی۔

وہ تیزی سے بیڈ سے اترا اور باہر آیا۔

لاؤنج کے دروازے میں امی کھڑی تھیں خاموش اور عاصمہ جانے کس بات پر چلا رہی تھی۔

"بھابی پلیز کچھ عقل سے کام لیں۔" ارمغان جھنجلا کر باہر نکلا تھا۔

"ہاں، ہاں میں تو عقل سے پیدل ہوں۔ سارے جہاں کی عقل تمہارے گھر والوں کو ودیعت ہوئی ہے۔ تبھی تو عقلمندی کا شاندار مظاہرہ کیا ہے آپ نے مجھے بیاہ کر لے آئے ہیں اس جہنم میں۔"

"ارمغان تم چلو کمرے میں۔" اس نے ارمغان کو واپس اندر دھکیلا۔ امی کو تھام کر دوسری طرف لے گیا۔

"یہاں بیٹھیں، نوما امی کے لیے پانی لاؤ۔"

"کیوں چلا رہی تھیں محترمہ؟" نوما پانی لے کر آئی تو پوچھا۔

"مجھے تو پتہ نہیں بھائی۔" وہ خود بے حد سہمی ہوئی تھی۔

"صبح میں نماز کے لیے اٹھی تو یہ لاؤنج میں پڑی سو رہی تھی۔ اسی حلیہ میں، میں نے بس پوچھا کہ کیا پھر جھگڑا ہو گیا اور وہ......" امی اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں۔ فرحان کی رگیں سلگنے لگی تھیں۔

"میں تو امی کسی سے شکوہ بھی نہیں کرسکتا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆======☆======☆

''بارات واپس جائے گی۔'' ایک دھماکے کی طرح یہ آواز حویلی کے در و دیوار میں گونجی تھی۔ ادی جان نے گھبرا کر دل پر ہاتھ رکھا تھا۔ بیوٹیشن کے تیزی سے چلتے ہاتھ اسی زاویے پر ساکت ہو گئے تھے۔

''چاچا سائیں کدھر ہیں؟'' رومانہ نے بھاگ بھری سے پوچھا۔

''مردانے میں جی بڑی زبردست لڑائی ہوئی ہے جی۔ دولہا والوں نے تو کمال کر دیا۔ کمی ملکوں نے بھی نہیں کی دو چار تو زخمی کر ہی ڈالے ہوں گے۔ بڑا ہی ہنگامہ ہو گیا ہے۔'' وہ فخریہ بتا رہی تھی۔

''مگر کیوں؟ ہوا کیا تھا؟'' پھپھو بیگم آگے بڑھیں۔

''اس کا تو کسی کو نہیں معلوم۔''

رضیہ بیگم، ربیعہ، ہما حیران و ششدر کھڑی تھیں۔ صوفیہ حفیظہ کے پاس بیٹھی تھیں جو بس ساکت ہو کر رہ گئی تھی۔

''آپ کو باہر بلایا جا رہا ہے۔'' ملازم نے آ کر اطلاع دی۔ رضیہ بیگم باہر کی جانب بڑھیں اسی وقت تایا جان اندر داخل ہوئے۔ ''بھائی جی۔'' ادی جان ان کی طرف لپکیں۔

''کیا ہو رہا ہے یہ ہوا کیا ہے؟''

''کچھ نہیں دھیرج رکھیں۔ حفیظہ تم کپڑے بدل لو۔''

''مگر بھائی صاحب ہم لڑکی لے کر جائیں گے۔'' رضیہ بیگم نے آگے بڑھ کر کہا۔

''ہماری لڑکی اتنی گری پڑی نہیں ہے جو آپ جیسوں تھڑدلوں کے ہاں جائے۔ حفیظہ نہیں جائے گی۔''

''آپ بات تو بتائیں آخر ہوا کیا ہے؟''

''آپ کو باہر بلایا جا رہا ہے۔'' وہ سرد مہری سے کہتے حفیظہ کے قریب آن کھڑے ہوئے۔

''کچھ فیصلے قدرت کی طرف سے ہوتے ہیں بیٹی!'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ رضیہ بیگم تینوں بیٹیوں کو لے کر باہر نکل گئی تھیں۔

حفیظہ بغیر پلکیں جھپکائے انہیں جاتے دیکھ رہی تھی۔ ادی جان خاموش کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں وہ اچانک آگے بڑھیں اور حفیظہ کو لپٹا کر رونے لگیں۔

''یہ کیا ہو گیا۔ میری جان یہ کیا ہو گیا۔'' حفیظہ نے بے حد سکون سے انہیں پرے کیا۔

''رومانہ انہیں سنبھالو۔ میں کپڑے بدل لوں۔'' اس کے لہجے میں اس قدر ٹھہراؤ تھا کہ

ایک لمحے کو وہ سب ہی حیران رہ گئے تھے، رومانہ نے ادی جان کو بیڈ پر لٹایا۔ حفیظہ کپڑے اٹھا کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ صورتِ حال کیسے ایک دم سے پلٹا کھا گئی تھی۔

کپڑے بدل کر آئی تو کمرے میں موجود سب ہی افراد رو رہے تھے۔ پھپھو نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ اس نے خاموشی سے انہیں الگ کیا اور ادی جان کے پاس آ گئی۔

''حوصلہ کریں ادی جان پلیز۔'' وہ ان کے ٹھنڈے یخ ہاتھ ہاتھوں میں لیتے ہوئے انہیں تسلی دینے لگی اس کا رویہ لوگوں کے لیے ناقابلِ فہم تھا۔

''رومانہ تم مہمانوں کو دوسرے کمرے میں لے جاؤ اور ہاں ادی جان کے لیے جوس منگواؤ۔'' وہ حوصلے اور ہمت کی چٹان بنی ہدایات دیتی جا رہی تھی۔ رومانہ سب مہمانوں کو باہر لے گئی۔ ادی جان اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''میں انہیں روکتی ہوں۔ وہ ایسے واپس نہ جائیں۔'' حفیظہ کے روکنے سے قبل ہی وہ باہر چلی گئیں۔ حفیظہ ان کے پیچھے پیچھے آئی۔ ان کا رخ مردانے کی طرف تھا۔

''سنو اسد۔'' انہوں نے باہر کی جانب آتے اسد ملک کو پکارا۔

''جی ادی جان۔'' وہ مودب بنا سامنے کھڑا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔ تم انہیں روکو...... روکو انہیں حفیظہ کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ ہم سب برباد ہو جائیں گے، وہ جو کہتے ہیں مان لو یہ سب کچھ دے دو۔''

''وہ تو چلے گئے ادی جان۔'' اسد نے سر جھکا کر کہا اور ادی جان نیچے بیٹھتی چلی گئیں۔

☆======☆======☆

''بابا پلیز آپ کوشش تو کریں ایک بار آپ انکل ملک سے بات کریں۔ دوسروں کی چھوڑیں۔'' سلجوق شاہ بے حال تھے۔ دوسرے افراد بھی کچھ کم افسردہ نہیں تھے۔ بہر حال بے عزتی تو دونوں گھرانوں کی ہوئی تھی۔

''رحمٰن کے بہن بھائی اسے کچھ سننے دیں تو وہ سنے۔'' جہانگیر شاہ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولے۔ جب بارات خالی واپس جانے کا فیصلہ ہوا تو انہوں نے کتنی منتیں کی تھیں۔ اس فعل کے ہر برے پہلو سے انہیں آگاہ کیا تھا مگر شہباز ملک نے رحمٰن ملک کو کچھ سننے ہی کب دیا تھا سارے فیصلے تو انہوں نے خود سے صادر کر دیئے تھے۔

''بابا پلیز میں ہارنا نہیں چاہتا اور اس سارے کا الزام صرف اور صرف حفیظہ پہ آئے گا۔ یہ بھی تو سوچیں آپ۔''

''تو اس میں ہمارا کیا قصور؟'' رضیہ بیگم تیکھے انداز میں بولیں۔ وہ بے عزت ہو کر لوٹی تھیں۔ یہ احساس انہیں زندگی بھر سلگانے کے لیے کافی تھا۔

''ہم نے تو ان کی بیٹی کو نہیں ٹھکرایا۔ پھر ہمیں پشیمانی کیوں ہو۔''

''بات ٹھکرانے کی نہیں امی لڑکی کی ہے وہ سب ناعاقبت اندیش لوگ اس کی زندگی تباہ کر رہے ہیں۔''

''ہم کوئی لڑکی کو بھگانے نہیں گئے تھے۔ جائز طریقے سے بیاہنے گئے تھے ایسی کیا قیامت آگئی تھی۔ ایک ذرا سا مذاق ہی تو تھا۔ اس پر اتنا سیخ پا ہونے کی کیا ضرورت تھی؟''

''بات ناجائز تھی رضیہ بیگم!'' شاہ صاحب نے دخل دیا۔

''آپ کے بھانجے صاحب کو کیا ضرورت تھی اس قدر گھٹیا مذاق کرنے کی؟''

''شادی بیاہ کے موقعوں پر تو اس سے بڑے بڑے مذاق ہوتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کا اپنا ارادہ ہی نہیں تھا بیٹی بیاہنے کا، ورنہ مہندی کی رات دس لاکھ مہر کا شوشا کیوں چھوڑتے۔'' رضیہ بیگم تاؤ کھائے بیٹھی تھیں۔

''بہر حال میں پھر کوشش کرتا ہوں سمجھانے کی کچھ لوگوں کو لے کر جاتا ہوں۔ شاید ان کے دماغ میں بات آجائے۔'' جہانگیر شاہ باہر چلے گئے۔ سلجوق شاہ نے سر دونوں ہاتھوں میں تھاما اور وہیں بیٹھے رہے۔ گھر بھر میں سناٹا تھا۔ اتنے مہمان ہونے کے باوجود کوئی آواز نہیں تھی۔ بہنیں الگ سہمی بیٹھی تھیں۔

''اماں۔'' کافی دیر بعد سلجوق شاہ مخاطب ہوئے۔

''مجھے حفیظہ ملک ہر حال میں چاہیے ورنہ......''

''ورنہ۔'' انہوں نے دہل کر بیٹے کی سمت دیکھا۔ جس کی لال انگارہ آنکھوں میں اضطراب ہلکورے لے رہا تھا۔

''شکست میرے لیے بہت اذیت ناک ہوگی۔ بہت زیادہ۔''

☆======☆======☆

''وہ لوگ طلاق کا مطالبہ کر رہے ہیں؟'' سب ساکت ہی رہ گئے۔

''کون؟ کون مانگتا ہے طلاق، کیا حفیظہ یا رحمٰن انکل......'' سلجوق شاہ جیسے پھٹ پڑے تھے۔

''کوئی بھی ہو مگر ان کا کہنا ہے وہ رخصتی نہیں دیں گے، انہیں طلاق چاہیے۔''

''میں ہرگز طلاق نہیں دوں گا۔'' سلجوق شاہ کرسی پیچھے دھکیل کر اٹھ کھڑے ہوئے اور

باہر چلے گئے۔

رضیہ بیگم نے جہانگیر شاہ کی سمت دیکھا۔

''میں بے بس ہوں وہ لوگ تو کوئی بات سننے کے روادار نہیں بلکہ ہمیں بے عزت کر کے نکال دیا انہوں نے۔ وہ کہتے ہیں۔ سیدھے طریقے سے طلاق دے دیں ورنہ وہ عدالت سے رجوع کریں گے۔''

''میری تو خود سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ سلجوق کہتا ہے کہ اگر حفیظہ نہ ملی تو......''

''ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' جہانگیر شاہ کے لہجے سے بے بسی ظاہر تھی۔

☆======☆======☆

''ہوش کے ناخن لیں ملک صاحب کیوں بیٹی کی زندگی خراب کرنے پر تُلے ہیں۔'' ادی جان نے گم صم بیٹھے عبدالرحمٰن ملک سے کہا۔

''وہ تو ہوگئی۔ جتنی ذلت لکھی تھی وہ تو ہوگئی۔ جن بیٹیوں کی باراتیں واپس مڑ جائیں وہ کبھی اپنے گھروں کی نہیں ہوتیں۔ تمام عمر اٹھی انگلیوں کی صلیب پر ٹنگی رہتی ہیں۔ مان جائیے آمنہ بیگم ہماری بیٹی سیاہ مقدر لے کر آئی ہے۔''

''ایسا تو نہ کہیں۔'' انہوں نے دہل کر اندر آتی حفیظہ کو دیکھا۔ کل سے اب تک وہ اتنی مطمئن اور شانت نظر آرہی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ یا پھر یہ سب کسی اور کے ساتھ بیت رہی ہو۔

''بابا سائیں، میں آپ کے لیے مزید ارسی چائے لے کر آئی ہوں۔ جلدی سے پی لیجیے اور مجھے دعائیں دیجیے۔'' وہ تپائی پر ٹرے رکھتے ہوئے دوزانو بیٹھ کر چائے بنانے لگی۔ اذیت کے ایک سمندر نے دونوں کے دل میں ٹھاٹھیں ماری تھیں۔ کوئی زور زور سے بین کرنے لگا تھا۔

''آپ اتنے خاموش کیوں ہیں کوئی بات کریں نا؟'' حفیظہ نے چائے کا کپ انہیں تھمایا۔

آمنہ بیگم نے بمشکل سسکیاں روکیں۔ رحمٰن ملک کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے اور گریبان میں جذب ہو گئے۔

''اچھا تو آپ کو میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگا۔ میں ہی چلی جاتی ہوں۔'' وہ منہ بناتی اٹھی۔ رحمٰن ملک نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر آنکھوں سے لگا کر اونچی آواز میں رونے لگے۔

''مجھے معاف کر دینا بیٹی میں تمہیں رسوائیوں سے نہیں بچا سکا۔ مجھے معاف کر دینا میری

جان۔'' وہ ساتھ ساتھ اس کا ہاتھ بھی چومتے جارہے تھے۔ وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ آنسو حلق میں پھنس رہے تھے مگر وہ انہیں بہانا نہیں چاہتی تھی۔ ماں باپ کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو حوصلہ نہیں دینا چاہتی تھی۔

''بابا آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' اس نے بے حد آہستگی سے اپنے ہاتھ چھڑائے اور باہر نکل آئی۔

وہ خود نہیں جانتی تھی اس میں اتنا صبر، اتنا ضبط کہاں سے آگیا تھا۔ جو سانحہ اس پر بیت گیا تھا۔ جو سانحہ اس پر بیت رہا تھا۔ ایسے میں ضبط کی طنابوں کی مضبوطی پر وہ خود حیران تھی۔ اور تو سب تھے ہی۔

گھر میں جتنے مہمان تھے۔ سب ہمدردی کی آڑ میں اپنے اپنے نوکیلے نشتر اس کے وجود میں گاڑ رہے تھے۔ کچھ اس فرض سے خوش اسلوبی سے نمٹ کر اپنے اپنے گھر سدھار رہے تھے اور اب گاہے بگاہے فون پر ''کیا بنا؟'' کے استفسار کے ساتھ خود کو یہاں کا حصہ بنائے بیٹھے تھے۔

تایا جان، پھپھو جان سب روزِ اول کی طرح اپنے مطالبے پر قائم تھے اور بابا جان کو باور کرادیا گیا تھا کہ انہوں نے حفیظہ ملک کی بے عزتی کی ہے اور باعزت، اونچے شملے رکھنے والوں کا وطیرہ نہیں کہ وہ اس قدر بے عزتی کے بعد بیٹی کو اس کے گھر میں بھیج کر بے غیرتی کا ثبوت دیں۔

''تم نے پہلے ہی خاندانی روایات سے بغاوت کر کے جرم کیا ہے عبدالرحمٰن۔''

تایا جان کی رعب اور دبدبے والی آواز ابھری۔

''اور ہمارے ہاں بغاوت کی سزا کیا ہے تم اچھی طرح جانتے ہو مگر یہ کہ قدرت نے خود تمہیں سزا دے دی ہے۔''

رحمٰن ملک کا ندامت سے جھکا سر اور جھک گیا۔

''انہوں نے شہباز ملک کی بھتیجی کو رسوا کیا ہے اور اب اس کا مزہ بھی چکھیں گے۔ ہماری بیٹی بھاری نہیں ہے ہم پر۔''

''ہاں فیصلہ ہو جائے۔ ہم حفیظہ کو سائبان دیں گے۔ ہمارے بیٹے آخر کس لیے ہیں۔''

پھپھو نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اپنا ارادہ بھی واضح کر دیا تھا۔

اور وہ خاموش تھی۔ یوں جیسے یہ سارے فیصلے اس کی ذات سے متعلق نہ ہوں۔

☆======☆======☆

تم بن کون سنے ماہ راج
راکھو بانہہ گہے کی لاج
برجموہن جب سے من بسے
ہم بھولن سب کام کاج
تم بن کون سنے ماہ راج
تم بن کون سنے

اس نے گاتے گاتے سر اٹھا کر سلاخوں کے اس پار دیکھا۔ حفیظہ بڑی محویت سے اسے تک رہی تھی۔

''آپ کی آواز بہت اچھی ہے۔'' اور وہ ہنس دی۔

''ہاں میری آواز بہت اچھی ہے۔''

تم بن کون سنے ماہ راج
راکھو بانہہ گہے کی لاج

وہ پھر گنگنانے لگی۔

''اچھا یہ تو بتاؤ، بارات واپس کیوں گئی؟''

اچانک ہی سُر ادھورا چھوڑ کر وہ پوچھنے لگی۔ یہ ذکر اب اسے اکتانے لگا تھا۔ ہر کسی کی نظر میں ایک ہی سوال پڑھ پڑھ کر وہ وحشتوں میں گھر گئی تھی۔ اسے چپ دیکھ کر وہ ہنسنے لگی۔

''پتا ہے کیا؟ ہم میں سے اکثر دوسروں کا کیا بھوگتے ہیں۔ یقین مانو ہم اتنے گناہگار نہیں ہیں۔ ہمیں تو زیادہ سزائیں ہی دوسروں کے حصے کی ملتی ہیں۔ ماں باپ کے کیے کی سزا۔ بہن بھائیوں کے کیے کی سزا۔''

''آپ کون ہیں؟'' بے ساختہ ہی حفیظہ کے منہ سے نکلا۔

''خبر نہیں۔ خبر نہیں تم بن کون سنے ماہ راج۔'' وہ سر جھکائے گانے لگی۔ حفیظہ نے کچھ دیر اسے دیکھا پھر اٹھ آئی۔

ہاں شاید ہم دوسروں کے کیے کا ہی بھوگتے ہیں۔ مگر وہ کس کے کیے کا بھگت رہی تھی۔ نہیں جانتی تھی کہ آج تک اس نے تو ملازماؤں سے بھی درشتی سے بات نہیں کی تھی۔ وہ نرم خو لڑکی تھی۔ سب سے عزت و احترام سے پیش آنے والی۔ اتنی بڑی جائیداد کی مالک ہونے کے باوجود غرور نام کو نہیں تھا۔ ہر کوئی اس کے اخلاق کا گرویدہ تھا۔ سب زبانوں پر حفیظہ ملک کی تعریفیں تھیں۔ اس نے تو کسی بے زبان تک کا دل نہیں دکھایا تھا۔ پھر اسے یہ کس کی بددعا لگی۔

''حفیظہ تم رو رہی ہو؟'' سجاول نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔تو وہ جیسے چونک گئی۔

''سب لوگ کہتے ہیں کہ دولہا واپس چلا گیا۔کیوں چلا گیا۔تمہیں پتہ ہے۔'' اس کی خاموشی پر وہ خود ہی گویا ہوا۔

''میں کہہ رہا تھا اس حویلی میں سب کچھ کھو جاتا ہے۔ ہر چیز، تمہارا دولہا بھی یہیں کھو گیا، کھو گیا۔کھو گیا۔'' سجاول تالیاں بجانے لگا۔حفیظہ دکھ سے اسے دیکھتی رہی۔تالیاں بجاتے بجاتے اس کی نظر حفیظہ کے اداس چہرے پر پڑی تو سنجیدگی سے کہنے لگا۔

''تم اداس نہ ہو حفیظہ میں ابھی ڈھونڈتا ہوں تمہارا دولہا۔پھر اسے ہم خوب ماریں گے وہ کیوں چھوڑ گیا ہمیں، اس سے پوچھیں گے۔ضرور پوچھیں گے چلو اسے ڈھونڈتے ہیں اٹھو۔'' وہ اسے بازو سے پکڑ کر اٹھانے لگا۔''اٹھو ناں!'' اور وہ اٹھ کر سجاول کے پیچھے چل دی۔

☆======☆======☆

''تم بڑی خاموش ہو ناجیہ عزیز احمد۔'' ٹھوڑی کو گھٹنوں پہ ٹکائے خاموش بیٹھی ناجیہ سے عذیر نے پوچھا۔

''نہیں۔'' اس نے انکار کیا۔

''کیا پاپا کے آنے کی خوشی نہیں ہوئی؟'' وہ سامنے آبیٹھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ اتنے عرصے بعد آئے ہیں۔خوشی نہیں ہو گی کیا؟''

''اصل میں ناجیہ میں نے نوٹ کیا ہے کہ انکل تم سے ویسے نہیں ملے جیسا ملنا چاہیے۔ آئی مین اتنے عرصے بعد نہایت نارمل سا انداز تھا۔''

''ہر بندے کا اپنا اسٹائل ہوتا ہے۔'' وہ مسکرائی۔''بھئی جہاں سے وہ آئے ہیں وہاں ایسا ہی رواج ہے کچھ سرد سا۔ہمیں شکوہ نہیں کرنا چاہیے۔''

''ہاں ویسے بھی، ان کے پاس دو بیٹیاں ہیں تو سہی۔ پیار جتانے کے لیے۔'' عذیر کا انداز مذاق اُڑانے والا ہو گیا۔

''پلیز عذیر۔'' اسے اچھا نہیں لگا۔

کٹ گئی احتیاط عشق میں عمر
ہم سے اظہارِ مدعا نہ ہوا

نقشم نے اندر آتے ہوئے شعر پڑھا۔عذیر نے منہ بنا لیا۔

''تمہیں اس کے علاوہ کوئی کام نہیں آتا۔''

''آتا ہے مگر کوئی یقین نہیں کرتا۔'' اس کی معنی خیز نظریں ناجیہ پر جا ٹھہریں

دھیانی سے اسے دیکھ رہی تھی فوراً نظروں کا زاویہ نہ بدل سکی، نیوی یونیفارم میں وہ لگ بھی تو اچھا رہا تھا۔

''مانا بہت اچھا لگ رہا ہوں مگر کیا نظر لگاؤ گی؟'' وہ اس کی محویت پر دلچسپی سے مسکرایا۔

ناجیہ نے جھینپ کر فوراً رخ موڑ لیا۔

''نیلے پانیوں سے کب لوٹے؟'' عذیر نے پوچھا۔

''پانیوں کے سفر سے کب کوئی لوٹا کرتا ہے۔'' نقشم کا لہجہ معنی خیزی لیے ہوئے تھا۔ناجیہ نے دہل کر اسے دیکھا۔کیسی بات کر رہا تھا وہ۔

''کیوں جی کچے گھڑے پہ سفر کرتے ہیں آپ؟''

''نہیں عذیر یار ہمارے پاس تو کچا گھڑا ابھی نہیں ہے۔'' لہجہ مایوس تھا ناجیہ کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''عذیر بھائی چائے پئیں گے؟'' اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں مجھے نہیں پینی۔'' عذیر کی بجائے نقشم بولا۔

''آپ کو پلا کون رہا ہے؟'' وہ ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔

''یا الٰہی وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات''

نقشم نے ٹھنڈی آہ بھری عذیر ہنسنے لگا۔

☆======☆======☆

جس نے سنا حق دق رہ گیا۔شہباز ملک ٹہل ٹہل کر تھک گئے۔پھپھو بیگم کی زبان گالیاں دے دے کر نہیں تھک رہی تھی۔ چپ تھے تو بابا سائیں، خاموش تھیں تو ادی جان اور ایک حفیظہ ملک تھی بے پروا جیسے اس کی بات نہ ہو رہی ہو کسی دوسرے کا ذکر ہو رہا ہے۔

''وہ سمجھتا ہے کہ امریکہ جا کر چھپ سکے گا تو اس کی خام خیالی ہے۔'' تایا جان کی بلند آواز گونجی۔

''ہم عدالت سے بھی خلع لے سکتے ہیں۔'' پھپھو بیگم کا دھمکی دیتا لہجہ تھا۔

''یہ دولت، ملک پور کی جاگیر، کسی اور کے کام نہیں آئے گی۔'' انہوں نے خود کلامی کی پھر رحمٰن ملک کے پاس جا بیٹھیں۔

''بھائی صاحب میرا اسد کس لیے ہے۔آپ بے فکر رہیں۔سلجوق کے طلاق دیتے ہی میں حفیظہ کو اپنی بہو بنا لوں گی، اسد میں کیا کمی ہے؟''

''ایسی باتیں مت کرو صفیہ حفیظہ میری بیٹی ہے۔کوئی گائے یا بھینس نہیں جس کی بولیاں

لگ رہی ہیں۔'' رحمٰن ملک کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

''مگر سلجوق تو امریکہ چلا گیا۔'' پھپھو بیگم جانے کیوں فکر مند تھیں۔ حفیظہ نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا پھر تایا جان کی طرف۔ دونوں کے چہرے پر ایک سی ہوس تھی، ایک ہی طلب تھی دولت کی، حفیظہ ملک تو ان کی ڈیمانڈ ہی نہیں۔

''امریکہ زیادہ دور تو نہیں ہے، ہم اپنی بیٹی کی خاطر اسے پاتال سے بھی کھینچ لائیں گے۔'' تایا جان بولے۔

''بھائی جان پلیز۔'' رحمٰن ملک نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔ پھر سر جھکا کر گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

☆======☆======☆

''ناجیہ۔'' انہماک سے کتاب کا مطالعہ کرتی ناجیہ نے پکار پر سر اٹھا کر دیکھا۔ عزیز احمد کھڑے تھے۔

''جی بابا سائیں۔'' اس نے کتاب بند کر کے ٹیبل پر رکھ دی اور کھڑی ہو گئی۔

''تم یہاں خوش تو ہو ناں؟'' وہ پوچھ رہے تھے۔

''جی بابا سائیں۔'' اس نے نظریں ناخنوں پر جما دیں۔

''بہت خوش ہوں سب لوگ بہت خیال رکھتے ہیں میرا مگر بابا پتہ نہیں کیوں میں یہاں ابھی تک خود کو اجنبی محسوس کرتی ہوں۔ یہ گھر میرا نہیں آپ پلیز مجھے اپنے ساتھ لے جائیں۔ میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔''

بالآخر وہ دل کی بات لبوں پر لے ہی آئی۔

''یہ تمہارا اپنا گھر ہے ناجیہ اور پھر تم اُس ماحول میں ایڈجسٹ نہیں کر سکو گی۔'' عزیز احمد کا وہی بودا بہانہ تھا اور ناجیہ ہزار دلائل رکھنے کے باوجود کچھ نہ بول سکی۔ خاموشی سے انہیں جاتا دیکھتی رہی، خبر نہ ہوئی کہ کب نقشم آ کر بیٹھ گیا اور اب مسلسل اسے تکے جا رہا تھا۔ اسے اپنی یہ سنجیدہ سی کزن بہت اچھی لگا کرتی۔ ہمہ وقت خود کو مصروف رکھتی۔ اچھی تو وہ اسے شروع سے ہی لگا کرتی تھی۔ مگر جب سے وہ نیلے پانیوں کا ہمسفر ہوا تھا اسے احساس ہوا تھا کہ وہ سنجیدہ سی لڑکی اس کے دل میں بہت گہرائی میں جگہ بنا چکی ہے۔ اس کی پسندیدگی کوئی ڈھکی چھپی نہ تھی سب ہی جانتے تھے کہ ناجیہ نقشم کے لیے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے اور اس حوالے سے اکثر چھیڑ چھاڑ چلتی رہتی تھی۔ عذیر تو منتظر رہتا تھا کہ کہیں نقشم ناجیہ کے پاس کھڑا نظر آئے اور وہ اس کا ریکارڈ لگائے۔

''کیا کھو گیا ہے میرے بھائی؟'' عذیر نے زور سے کندھے پر ہاتھ مار کر اسے چونکایا تھا اور تبھی گم صم بیٹھی ناجیہ نے بھی حرکت کی اور ان دونوں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں حیرانی اتر آئی۔

سامنے بیٹھ کے جو دل کو چرائے کوئی
ایسی چوری کا پتہ خاک لگائے کوئی

اس نے با آواز بلند شعر پڑھا۔ ناجیہ کنفیوز ہو گئی۔ جبکہ عذیر کی آنکھوں میں شرارت کی چمک اتر آئی تھی۔

''آپ چائے پئیں گے؟'' وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ایک بات تو سنو ناجیہ۔'' اسے بھاگتے دیکھ کر نقشم نے پکارا۔

''کیا انکل نے چائے کے باغات خرید لیے ہیں؟''

اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

وہ حیرانگی سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

''تو کیوں میری جان کی دشمن ہو رہی ہو جانِ نقشم۔'' اور اب کی بار ناجیہ نے دوڑ لگا دی تھی۔ عذیر کا قہقہہ فضاؤں میں بکھرا اور نقشم اس کی طرف دیکھ کر کھجانے لگا۔

☆======☆======☆

''سنو!'' حفیظہ ملک نے جالی کے پار دیکھا وہ سر کھجاتے ہوئے اس کی طرف بغور دیکھ رہی تھی۔

''یہ جو حویلی ہے۔ اس کے پچھواڑے ایک باغ ہے ناں۔''

''ہاں ہے۔ مگر آپ کو کیسے پتہ؟'' حفیظہ حیران ہوئی۔

''میں اسی باغ کی تو بلبل ہوں۔'' وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ ''سنو تم اُڑ جاؤ اس سے پہلے کہ تمہارے پر کاٹ کر تمہیں قید کر دیا جائے۔ تم اُڑ جاؤ، اُڑ جاؤ، اُڑ جاؤ۔''

''اُڑ جاؤ۔'' حفیظہ زیر لب بڑبڑائی اور وہاں سے اٹھ گئی۔ منڈیر کی طرف آئی۔

پرانی طرز کی بنی اس حویلی کے پچھواڑے باغ کسی زمانے میں خوب ہرا بھرا ہوا کرتا تھا دور تک آموں کے درخت پھیلے ہوئے تھے۔ برسات کے موسم میں آموں کی مہک ہر سُو پھیل جایا کرتی ہر قسم کے آم حویلی میں آ جاتے۔ پھر جانے کیا ہوا باغ کی رکھوالی کرنے والوں نے شاید خیال رکھنا چھوڑ دیا کہ سارے درخت سوکھ گئے۔ ہرا بھرا علاقہ سوکھ کر بنجر ہو گیا اور کسی نے اسے آباد کرنے کی کوشش ہی نہ کی۔

''اور پتہ نہیں یہ عورت کون ہے؟ میرا اس سے کیا رشتہ ہے۔'' حفیظہ کا خیال ادھر مڑ گیا۔

''میں کیوں اس سے ملنے کو بے چین رہتی ہوں اور بابا جان نے اسے کیوں بند کر رکھا ہے کسی سے پوچھ بھی تو نہیں سکتی اور خود میں.....'' اس نے ہونٹ کاٹے۔'' خود میں کیا ہو گئی ہوں۔ ایک جہاں کے لیے تماشا بنا دیا گیا مجھے۔ کیا سلجوق شاہ کی محبت اتنی بودی تھی جو مجھے لیے بغیر چلے گئے۔'' وہ وہیں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی بیتے دن کتنی آب و تاب رکھتے تھے۔ انسان کے پاس اگر ماضی نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ اسے یاد آئی سلجوق شاہ سے اپنی پہلی ملاقات۔

☆======☆======☆

جہانگیر انکل نے سلجوق کے ایم اے کرنے پر دعوت کا اہتمام کیا تھا اور بصد اصرار رحمٰن ملک فیملی کو انوائیٹ کیا تھا۔ رحمٰن ملک نے دوستیاں اپنے تک ہی محدود رکھی تھیں لیکن اب جہانگیر جیسے دوست کے آگے انکار کرنا مشکل تھا۔ سو وہ حفیظہ اور اپنی بیگم کو لے ہی گئے۔ اب تک انہوں نے خاندانی تقاریب میں ہی شرکت کی تھی۔ حفیظہ ملک نے گو اپنی تعلیم شہر کی سب سے اچھی تعلیم گاہوں میں حاصل کی تھی لیکن پردے میں رہ کر اس نے خاندانی روایات کی مکمل پاسداری کی تھی۔ جہانگیر شاہ کے ہاں کی تقریب میں سب کچھ نیا ہی تھا۔ سلجوق شاہ کی نظریں بھی اس پر جو اٹھیں تو پھر جھکنا بھول گئی تھیں۔ جہانگیر انکل تعارف کروا رہے تھے جبکہ سلجوق پتہ نہیں کہاں پہنچ گئے تھے۔ چونکے اس وقت جب ان کے دوست نقشم نے کندھے پر ہاتھ مار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

پھر اسے بابا جان اور دادی جان کے درمیان ہونے والی گفتگو سے پتہ چلا تھا کہ سلجوق شاہ اسے اپنانے کے خواہشمند ہیں۔ وہ خاموش ہی تھی کہ ابھی وہ خود اپنی کیفیات کو کوئی نام نہ دے سکی تھی، لیکن پھر رفتہ رفتہ سلجوق کی محبت اس کے دل میں جگہ بناتی چلی گئی تھی۔

اور وہ بھی اس کے متعلق سوچنے لگی تھی۔ پھر یکا یک کیا سے کیا ہو گیا تھا۔

بھاگ بھری نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ چونکی۔ شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ حفیظہ بھی تھکے تھکے قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگی۔

☆======☆======☆

خوابوں میں تُو ہے، خیالوں میں تُو ہے
جدھر دیکھتا ہوں تُو ہی رو برو ہے

وہ ابھی ابھی کالج سے لوٹی تھی اور لاؤنج سے آتی با آوازِ بلند گنگناہٹ نے اس کو وہاں جانے سے باز رکھا وہ بے حد تھکی ہوئی تھی اور اس وقت نقشم کی بکواس کی متحمل نہ ہو سکتی تھی۔ اس

نے برآمدے میں ہی بیگ اور فائل رکھی اور چچی کی چپل پاؤں میں ڈال کر باتھ روم میں گھس گئی۔ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے منہ پر مارنے کے بعد وہ باہر آئی تو نقشم اب برآمدے میں بچھے تخت کو میوزک اسٹوڈیو بنائے بیٹھا تھا گانا بدل گیا تھا۔

تم ایک بار میرے پیار پہ یقین تو کرو
ہم اپنے دل میں تیرے سارے غم چھپالیں گے

اس کی سنجیدہ سی صورت دیکھ کر وہ گنگنایا تھا، وہ جھنجھلاتی اس کے پاس آئی۔

''نقشم ایک صرف تم بکواس نہ کرو تو معقول آدمی ہو۔''

اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''ہاہا، ناجیہ عزیز احمد۔ تمہیں کیا معلوم نقشم علی کو زندہ رہنے کے لیے جن چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان میں سے یہ بکواس، بقول تمہارے، اہم ترین ہے۔ اگر میں بکواس نہ کروں تو زندہ کیسے رہوں اور اگر زندہ نہ رہا تو تم سی اداس صورت سے شادی کیسے کروں گا اور اگر شادی نہیں ہوگی تو ڈھیر سارے مما پپا کہنے والے کہاں سے آئیں گے۔ مجھے پپا کہلوانے کا کس قدر شوق ہے، تمہیں کیا خبر۔''

ناجیہ نے غصے میں آ کر اپنا بیگ اس کے سر پر دے مارا تھا اور پاؤں پٹختی اندر چلی گئی تھی۔

تیرے کوچے میں جا کر ہم ہمیشہ خوار ہوتے ہیں

عذیر بھی عین موقع پر ٹپکتا تھا اب بھی وہ اس کی عزت افزائی دیکھ کر بے حد مسرور تھا۔

''تم سے تو میں نبٹ لوں گا عذیر کے بچے۔'' اس نے دانت پیسے۔

''لو جی گرا گدھے پر سے اور غصہ کمہار پر۔ میرا کیا قصور ہے؟'' عذیر بیٹ گھماتا اندر غائب ہو گیا۔

نقشم کچھ دیر وہیں لیٹا رہا پھر اٹھ کر اندر آیا۔ ناجیہ کچن میں کھانا کھا رہی تھی۔ وہ دروازے پر ٹک گیا اور محویت سے اسے تکنے لگا۔ ناجیہ نے دیکھ تو لیا مگر جان بوجھ کر نظر انداز کر گئی تھی۔

''ناراض ہو؟'' اس نے پوچھا ناجیہ نے پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا۔ نقشم پھر کچھ کہنے لگا تھا کہ وہ بول پڑی۔

''مزید کوئی بکواس مت کرنا ورنہ میں چچی جان سے شکایت کر دوں گی۔'' وہ ہنس پڑا۔

''ویری گڈ میری مشکل آسان ہو جائے گی۔ تم کتنی اچھی ہو ناج۔'' ہنستا ہوا وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ غصے سے کھول کر رہ گئی۔ برتن سنک میں رکھنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

آج ضرورت سے کچھ زیادہ ہی تھکن ہوگئی تھی۔ پھر شام کو نوما کی طرف بھی جانا تھا۔ اس کی برتھ ڈے تھی اور اس کے لیے اسے لازمی طور پر نقشم کی خدمات لینی تھیں اور یہی سوچ سوچ کر وہ مزید جھنجھلاہٹ کا شکار ہوئی جا رہی تھی کہ ایک دم سے اس کے ذہن میں آئیڈیا آ گیا اور اس نے فوراً ہی اس پر عمل کیا۔ اس نے نوما سے کہا تھا کہ وہ شام میں اسے پک کرے اور اس نے وعدہ کرلیا تھا۔

شام کو وہ تیار ہو رہی تھی کہ نقشم نے اندر جھانکا۔

''کہاں کی تیاری ہے چپکے چپکے؟''

''میں نے چچی جان کو بتا دیا ہے۔'' مختصراً کہہ کر اس نے جان چھڑانی چاہی تھی۔

''میں چھوڑ آؤں؟'' ویسے یقین تھا کہ ابھی وہ اس سے کہے گی۔

''نہیں۔'' اس نے لائٹ براؤن کلر کی لپ اسٹک کی تہہ ہونٹوں پر جمائی اور سائیڈ پر پڑا گفٹ اٹھا کر دروازے کی طرف آئی۔ نقشم حیرت سے اسے تک رہا تھا۔ اسی دم باہر گاڑی کا ہارن بجا وہ سائیڈ سے ہو کر نکلتی چلی گئی۔ نقشم اپنی کیفیت پر قابو پاتا اس کے پیچھے آیا اور اس کے گیٹ تک پہنچنے سے قبل ہی وہ گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی۔ اس کا دماغ انتہائی درجے پر کھولا تھا۔

☆======☆======☆

''سنو عاصمہ نوما کی ساری Friends آئی ہیں۔ تم بھی جا کر اسے وش کردو۔ اس نے تمہارا بہت اچھا Image بنا رکھا ہے۔'' فرحان اپنی سی کوشش کر رہا تھا جبکہ عاصمہ کا دماغ حسبِ معمول پھر الٹ گیا۔

''کیا مطلب ہے اچھا امیج بنا رکھا ہے۔ کیا میں بری ہوں۔ بدصورت ہوں اَن پڑھ ہوں۔'' وہ چیخی تھی، اور ڈرائنگ روم میں بیٹھی نوما کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا اس نے گھبرا کر اپنی دوستوں کی طرف دیکھا تھا۔ سوائے ناجیہ کے سب ہی مگن تھیں۔ ناجیہ اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی وہ کترا کر اٹھ گئی۔ گولہ باری کی آواز واضح تھی۔ اس نے ڈیک کا والیوم تیز کر دیا اور خود وہاں آ گئی جہاں قیامت بپا تھی۔

''یہ کہتے ہیں کہ میں بری ہوں۔ میرا اچھا امیج لوگوں کے سامنے بنایا گیا ہے جبکہ میں ایسی ہوں نہیں۔'' عاصمہ نے چیخ چیخ کر اپنا حشر کرلیا تھا۔ فرحان جانے کہاں چلا گیا تھا۔ اس نے دروازہ بند کرکے باہر سے کنڈی لگا دی کہ کم از کم آواز باہر تو نہ آئے اور اس کا یہ کرنا غضب ہو گیا۔ عاصمہ نے دروازہ پیٹ ڈالا۔ نوما آنسو بھری آنکھوں سے مما کے کمرے میں چھپی رہی۔

اس کی ساری عزت خاک میں مل گئی تھی۔ وہ کیسے بھابی کی محبتوں کے قصے سب کو سنایا کرتی تھی اور آج سارا کچھ مٹی میں مل گیا تھا۔ امی الگ دوپٹے میں منہ چھپائے لیٹی تھیں۔ ارمغان نے اندر جھانکا۔

''نوما بی بی تمہاری فرینڈز تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔'' وہ یونہی پڑی رہی۔

''اٹھو نا کیا حماقت ہے میں بڑی مشکل سے انہیں Convince کر کے تمہاری ناک اونچی کر کے آیا ہوں اور تم ہو کہ میرے سارے کیے کرائے پر پانی پھیرنا چاہ رہی ہو چلو اٹھو۔'' وہ اسے زبردستی اٹھا کر ڈرائنگ روم میں لے آیا۔

''خواہ مخواہ Conscious ہونے کی ضرورت نہیں میں نے کہہ دیا ہے کہ بھابی سائیکی کیس ہیں۔ ان کا علاج ہو رہا ہے۔'' آتے آتے اس نے کہا تھا وہ تشکرانہ نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ کتنا اچھا تھا اس کا بھائی اور فرحان بھی تو ایسا ہی تھا۔ اب تو وہ بے چارہ الجھ ہی گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد امی بھی آ گئیں تھیں اور یوں کچھ دیر پہلے والا تناؤ ختم تو نہیں البتہ کم ضرور ہو گیا تھا۔ واپسی پر بھی نوما نے ارمغان کی مدد سے ناجیہ کو ڈراپ کروا دیا تھا اور گاڑی سے اترتے ہوئے نقشم نے اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھا تھا جسے وہ مکمل نظرانداز کر گئی تھی۔

☆======☆======☆

''ربیعہ اگر فارغ ہو تو ذرا میرے سر میں تیل لگا دو۔ قسم سے بہت دکھ رہا ہے۔'' ہما تیل کی شیشی اٹھائے چلی آئی۔ ربیعہ جو کہ بڑے انہماک سے مطالعہ کر رہی تھی اس دخل در معقولات پر گھور کر دیکھا لیکن اٹھ کر آ بھی گئی۔

''تمہیں ہمیشہ ہر کام بے وقت ہی کیوں سوجھتا ہے؟'' تیل کی شیشی ہاتھ میں لے کر اس نے کہا۔

''کیا کروں۔ نیند آ نہیں رہی پڑھنے کو دل نہیں چاہ رہا۔ فضول سوچ سوچ کر سر دُکھنے لگا۔'' ہما نیچے آلتی پالتی مارتے ہوئے بولی۔ ''انا بی کو ڈھونڈا تو سو رہی تھیں۔ اس لیے تمہارے پاس آ گئی۔ ٹھیک ہے تو کرو۔''

''میں کوئی حجام یا مالشی نہیں ہوں۔ چپ کر کے بیٹھو۔'' ربیعہ نے اسے ڈانٹ دیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ مگر تھوڑی دیر بعد کہنے لگی۔

''رات جب تم سو رہی تھیں تو سلجوق بھائی کا فون آیا تھا۔''

''ہیں اور تم مجھے اب بتا رہی ہو۔'' ربیعہ مالش چھوڑ چھاڑ خفا ہو کر بیٹھ گئی۔

''ذہن سے نکل گیا تھا۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے۔'' ہما نے فوراً صفائی پیش کی۔

"کیا کہہ رہے تھے؟"

"ابو سے ہی بات ہوئی۔ وہ کافی پریشان لگ رہے تھے۔ رحمٰن انکل نے بھی تو دھمکیاں دی ہیں اور شاید دعویٰ وغیرہ دائر کر دیا ہے۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"یار کیا عجیب سا مسئلہ ہو گیا ہے کتنے خوش تھے۔ سب کچھ ہو گیا تھا پھر ایک دم۔ مذاق کیا کس نے تھا اور کیا مذاق تھا۔" ربیعہ سمیت سب ہی اس "مذاق" سے لاعلم تھے۔

"یہ تو ابو جان ہی بتا سکتے ہیں اور وہ کچھ نہیں کہہ رہے۔ سنو ربیعہ ہم ملک پور فون کر کے بھابی سے بات کریں۔ وہ کیا چاہتی ہیں آخر۔" ہما کوئی ہی سوجھی۔

"ظاہر ہے وہ بھی اپنے گھر والوں کی ہم خیال ہوں گی۔"

ربیعہ کو امید نہ تھی کہ ملک پور کا کوئی بندہ اب بات کرنے پر رضامند ہو گا۔ ابو جان اب تک کئی کوششیں کر چکے تھے۔

"کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔" ہما کو جانے کیوں یقین تھا کہ کم از کم حفیظہ اپنے گھر والوں کا ساتھ نہیں دے گی۔

"اچھا کر لینا کوشش۔" ربیعہ چڑ کر بولی تھی۔ ہما نے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا اور تیل کی شیشی اٹھا کر باہر آ گئی۔ ربیعہ کو کسی گہری سوچ نے گھیرا تھا۔

"اگر حفیظہ بھابی گھر والوں کی ہم خیال ہوئیں تو سلجوق بھائی کا کیا ہو گا۔"

☆======☆======☆

"May i come in sir!" مہین سی آواز پر سلجوق شاہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ سنہرے بالوں اور سنہری رنگت والی لڑکی دروازے میں کھڑی تھی۔

"یس۔" وہ پین بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"آئی ایم راضیہ۔ راضیہ احمد۔" اس نے کھڑے کھڑے اپنا تعارف کروایا۔

"Please sit down" سلجوق شاہ نے اشارہ کیا تو وہ بڑی نزاکت کا مظاہرہ کرتے کرتے صوفے پر ٹک گئی۔

"آپ کو سیکرٹری کی ضرورت تھی میں اسی سلسلے میں آئی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں یہ جاب بہترین طریقے سے کر سکوں گی۔" بلا کا پُراعتماد لہجہ۔ سلجوق شاہ نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور مسکرا دیئے۔

"آپ کا خیال کیوں ہے۔ یقین کیوں نہیں۔"

"یقین تو آپ کے Confirm کرنے کے بعد ہو گا ناں سر۔" وہ بڑے دلفریب

انداز میں مسکرائی تھی۔

"ہوں۔" انہوں نے پُرخیال انداز سے سر ہلایا۔

"اپنا بائیو ڈیٹا باہر کاؤنٹر پر جمع کروا دیں بمعہ ایپلی کیشن۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تھینک یو سر۔ تھینک یو ویری مچ۔" وہ شکریہ ادا کرتی باہر نکل گئی۔

اس ملک میں اس طرح کا اعتماد کوئی نئی یا بڑی بات نہیں تھی۔ چونکانے والی بات یہ تھی کہ دیکھنے میں وہ فارنر لگتی تھی جبکہ رواں اردو اسے مشرقی ثابت کر رہی تھی انہوں نے کچھ دیر سوچا پھر سر جھٹک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ مشرق کا نام ہی ان کے لیے ڈسٹرب کر دینے والا تھا۔ انہوں نے باہر نکل کر کچھ دیر ادھر اُدھر دیکھا پھر گاڑی کو بیچ کے رستے پر ڈال دیا۔ گھر جانے کا قطعاً موڈ نہ ہو رہا تھا۔

پُرسکون بیچ پر وہ کافی دیر ٹہلتے رہے۔ جب سردی بڑھ گئی تو انہوں نے قریبی کافی بار کا رخ کیا۔ وہاں حسب معمول رش تھا۔ وہ کافی کا آرڈر دے کر شیشے سے باہر دیکھنے لگے۔

"ارے سر آپ یہاں۔ یقیناً کافی پینے آئے ہوں گے۔ May i have a set۔"

عین ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے رسماً پوچھا تھا۔ سلجوق شاہ کو اس وقت اس کا دخل دینا بہت برا لگا تھا اور چہرے پر یہ تاثر واضح تھا لیکن جانے وہ کس مٹی سے بنی تھی۔ ہنس کر کہنے لگی۔

"آپ کو میرا بیٹھنا بہت برا لگا ہے، لیکن وہ کیا ہے کہ جب تک جوزف نہیں آ جاتا آپ کو مجھے برداشت کرنا پڑے گا۔ Don't worry میں کافی آپ کے ساتھ شیئر نہیں کروں گی۔"

سلجوق چپ کے چپ رہ گئے۔ ویٹرس کافی کا مگ ان کے آگے رکھ گئی تھی۔ انہوں نے خاموشی سے مگ اٹھایا اور سِپ لینے لگے۔

"آپ پاکستانی ہیں ناں سر؟" چپ بیٹھنا شاید اس کی سرشت میں نہ تھا۔

"یس۔" وہ مختصراً بولے۔

"I am too۔" وہ خوش ہو کر بولی۔

"اچھا۔" اب کے قدرے انہوں نے طنزیہ اس کا جائزہ لیا تھا۔ Slow less شرٹ اور تنگ جینز، سنہرے بال لاپروا سے انداز میں لہراتے ہوئے...... حالانکہ شام میں جب وہ آفس آئی تھی تو بہت معقول حالت میں تھی...... وہ اٹھ گئی۔

"او کے سر۔ میرا پارٹنر آ گیا۔" وہ ہاتھ ہلاتی چلی گئی۔ انہوں نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ جلدی جلدی کافی ختم کی اور اٹھ گئے۔ اب ایک دم ہی ان کا دل گھر جانے کو چاہنے لگا تھا۔ باہر کا کہر آلود موسم انہیں مزید اداسیوں میں دھکیل گیا تھا۔

☆======☆======☆

''ناجیہ عزیز آخر تم کس مٹی سے بنی ہو؟'' وہ پھر اس کے سر پر سوار تھا۔

''ڈھیٹ پن کی نہایت اعلا پائے کی جو مٹی ہے اس سے۔'' اس نے بڑے آرام سے جواب دیا تھا جو کہ نقشم کو تپا گیا تھا۔

''اور یہ اس روز تم کس کے ساتھ گئی اور آئی تھیں؟'' اس کا انداز جارحانہ تھا۔

''اگرچہ میں تمہیں جوابدہ نہیں پھر بھی تمہاری تسلی کے لیے بتائے دے رہی ہوں کہ ارمغان تھا۔ میری دوست نوما کا بھائی اور اسے میں نے بلایا تھا۔''

''کیوں میں ابھی مرا تو نہیں۔'' اس کا لہجہ ایک دم سے پست ہو گیا تھا اور وہ جو شدید ردعمل کی توقع کی رہی تھی اس کے یوں کہنے پر ایک دم سن ہو گئی۔ پھر خود پر قابو پا کر کہنے لگی۔

''میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ اگر تم یہ بکواس نہ کرو تو معقول آدمی ہو۔''

''اور میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ یہ بکواس میرے زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے۔'' وہ عجیب سے لہجے میں کہتا پلٹ گیا۔ وہ اسے جاتا دیکھتی رہی۔ پہلی بار اسے اپنے لہجے کے ترش ہونے کا احساس ہوا۔ پتہ نہیں کیوں وہ ایسی ہو جایا کرتی تھی۔ پھر وہ بکواس بھی تو بہت کرتا تھا اور اسے اس کی ایسی باتوں سے ہی چڑ ہوتی تھیں۔ اس نے سوچا وہ صبح اس سے معذرت کرلے گی لیکن صبح اسے پتہ چلا کہ وہ رات کو ہی واپس چلا گیا تھا۔ چلو کوئی بات نہیں۔ چند ہی دنوں میں بھاگا چلا آئے گا۔ وہ سب جھٹک کر مگن ہو گئی تھی۔

☆======☆======☆

''لائیں بی بی آپ کے سر میں تیل ڈال دوں۔ ادی جان نے کھاص (خاص) آپ کے لیے بادام کا تیل نکلوایا ہے۔'' بھاگ بھری حسب عادت بولتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔ حفیظہ نے میگزین پر سے توجہ ہٹا کر اسے دیکھا۔

''نہیں بھاگ بھری۔ شام کو سہی۔''

''پر ادی جان کا حکم ہے کہ میں آپ کے سر میں مالش کر کے ہی آؤں۔'' وہ پسر کر بیٹھ گئی۔ حفیظہ جانتی تھی اب وہ اپنا کام کیے بغیر ہٹنے والی نہیں اس لیے ہتھیار ڈال دیئے۔

''اب بالکل چپڑ ہی نہ دینا۔'' کرسی پر بیٹھتے ہوئے ہدایت کی۔ بھاگ بھری پیچھے آ کھڑی ہوئی اور اس کی چٹیا کے بل کھولنے لگی۔ سیاہ ریشمی بال ہاتھوں سے پھسلے جا رہے تھے۔

''آپ کے بال بوت کھوبصورت ہیں بی بی۔'' بھاگ بھری نے ہاتھ میں لے کر بہت

تعریف کی۔ اس کی آنکھوں میں رشک ہی رشک تھا۔ اس کا اپنا دل چاہتا تھا کہ اس کے بال لمبے اور خوبصورت ہو جائیں۔ ریشمی بھی یوں کہ ہاتھوں سے پھسلتے جائیں، پر کپڑے دھونے والے صابن سے بال ریشم تو کیا ہوتے البتہ گچھا سا بن جاتے تھے۔ وہ سرسوں کا تیل مل کر بال دھوتی اور اپنے تئیں جب وہ خوبصورت بال لہرا رہی ہوتی تو اماں پکڑ کر اس کے سر میں پھر سے تیل انڈیل دیتی۔ وہ احتجاج کرتی رہ جاتی۔

''بابا جان سو رہے ہیں کیا؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں جی۔ وہ تو شام کے زمینوں پر گئے ہیں۔ وہاں کوئی جھگڑا ہو گیا ہے۔ دِتے مزارعے کے بیٹے نے رکھے کی بیٹی کو اغوا کر لیا ہے۔ دونوں طرف ڈانگیں چل رہی ہیں۔ خوب خون خرابا ہو رہا ہے۔'' بھاگ بھری صحیح سسپنس پیدا کیا کرتی تھی۔

''اچھا تمہیں بولنے کی اور بات پھیلانے کی بہت عادت ہے۔ خوامخواہ۔'' حفیظہ نے اسے ڈانٹ دیا۔

''بی بی آپ کا فون ہے۔'' نوراں اندر آئی تھی۔

''میرا۔'' اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

''کہیں سلجوق۔'' اس نے سوچا پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

''کہہ دو میں نہیں ہوں۔''

''اچھا جی۔'' وہ واپس مڑی پھر رک کر کہنے لگی۔

''بی بی وہ کہہ رہی ہے بہت دور سے فون کیا ہے۔ کام ضروری ہے۔''

''کہہ رہی ہے۔'' اس جملے نے اسے اٹھا دیا۔

ہال کمرے میں کوئی نہ تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا اور دوسری طرف سے آتی آواز اتنی مانوس تو بہرحال تھی کہ وہ پہچان لیتی۔

''پلیز بندمت کیجئے گا۔'' اُدھر سے التجا کی گئی تھی۔

''مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ اس سارے قصے میں سلجوق بھائی اور ہم بے قصور ہیں۔ اگر آپ خلع چاہتی ہیں تو میں خود بھائی کو راضی کروں گی، لیکن ایک بار آپ اپنی زبان سے کہہ دیں۔''

وہ خاموشی رہی۔ خبر نہیں وہ کیا چاہتی تھی۔ یا حالات کس بات کے متقاضی تھے۔

''آپ نہیں جانتی ہیں یہ سب ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ہو رہا ہے۔'' اس کی خاموشی نے ربیعہ کو مزید بات کرنے کا حوصلہ دیا تھا۔ ''کیا آپ اس سازش کا شکار ہو کر اپنی

محبت سے منہ موڑ لیں گی۔ اپنے خواب اپنے ہاتھوں اجاڑ لیں گی؟''

''خواب تو اُجڑ گئے ربیعہ۔'' اس کے لبوں سے سرد آہ نکلی اور اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ آنکھیں دھواں ہونے لگی تھیں۔

اس نے تو سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا، کون کیا کرتا پھر رہا تھا اس نے کبھی نہ پوچھا تھا۔ بابا جان اور ادی جان اس سے کترائے پھرتے تھے وہ اپنے آپ کو اس کا مجرم گردانتے تھے۔ تایا جان اور ان کی فیملی برملا ان کو قصوروار ٹھہراتی تھی۔ پھپھو جان علی الاعلان اس بغاوت کو نشر کیا کرتیں اور بغاوت کی سزا کے جملہ پہلوؤں پر خوب زور دیا کرتیں اور وہ ایک چپ لیے سب کو تکا کرتی۔ مجرم کون تھا؟ بغاوت کس نے کی تھی اور اصل میں سزا یافتہ کون ٹھہرتا، یہ سب جانتے تھے لیکن پہلو تہی کر رہے تھے۔

☆======☆======☆

راضیہ احمد اگر کمبل نہ ہو جاتی تو وہ اسے کبھی اپائنٹ منٹ لیٹر نہ دیتے، لیکن اس کی ''نیچر'' دیکھتے ہوئے سلجوق شاہ کو اسے جاب دینا ہی پڑی تھی اور اب انہیں احساس ہو رہا تھا کہ انہوں نے فاش غلطی کی ہے۔ راضیہ احمد کام کم اور اپنے دوست زیادہ Attend کیا کرتی تھی۔ صدیقی صاحب بارہا شکایت کر چکے تھے کہ مس احمد کے Visitors بہت زیادہ ہیں اور وہ ہر بار راضیہ کو سخت سُست کہنے کا ارادہ کرتے رہ جاتے تھے اور محض اس خیال سے چپ کر جاتے تھے کہ وہ پاکستانی ہے۔ شاید خود ہی سمجھ جائے لیکن وہ شاید ایسی کوئی حِس رکھتی ہی نہ تھی تبھی تو انہوں نے بالآخر اسے وارننگ دینے کے لیے طلب کر لیا تھا۔

وہ اس وقت بھی کسی ''وزیٹر'' کے ساتھ مصروف تھی اس لیے قدرے تاخیر سے پہنچی اور آتے ہی معذرت کرنے لگی۔

''سوری سر میرے ایک فرینڈ آئے ہوئے تھے۔''

''مس راضیہ آپ جاب کیوں کر رہی ہیں؟'' سلجوق شاہ نے سوچا تھا سیدھے سیدھے بات کر ہی لیں۔

''جی سر؟'' اسے شاید توقع نہ تھی کہ یہ پوچھا جائے گا۔

''دیکھیے راضیہ ابھی اس کمپنی کا New start ہے اور ہم نے یہاں ایسے ورکرز رکھے ہیں جو ضرورت مند ہیں تا کہ وہ محنت سے کام کریں۔ آپ نے دیکھا ہو گا یہاں سب بہت محنت سے کام کر رہے ہیں۔ آپ کو Appoint کرنے کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ آپ نے پاکستانی ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور میرا خیال تھا کہ آپ ضرورت مند ہیں۔ ہم وطن ہونے

کے ناتے میں نے آپ کا خیال رکھا تھا لیکن دونوں باتیں غلط ہو گئی ہیں۔ نہ تو آپ ضرورت مند ہیں اور نہ ہی پاکستانی۔ یہ حوالے تشخص کی ضمانت نہیں ہوا کرتے۔ I am sorry to say کہ میرے آفس میں اس قسم کی تفریح کی قطعاً گنجائش نہیں ہے اگر آپ کام کر سکتی ہیں تو ٹھیک ورنہ اکاؤنٹینٹ کے پاس جا کر اپنا حساب کر لیں۔ تھینک یو۔'' انہوں نے بات مکمل کر کے فائل آگے کھسکا لی گویا اب وہ جا سکتی تھی۔ راضیہ کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا۔ ایک جا رہا تھا۔

''سر آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے شاید؟'' وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی تھی۔

''مثلاً مجھے کیا غلط فہمی ہوئی ہے؟'' انہوں نے کڑے تیوروں سے پوچھا تھا۔

''سر میں ایسی نہیں ہوں۔ جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔ میں حقیقتاً پاکستانی لڑکی ہوں۔''

''اچھا!'' انہوں نے اس پر استہزائیہ نظر ڈالی۔

''ذرا آئینہ میں آج اپنے آپ کو غور سے دیکھیے گا۔ کنٹیکٹ لینز اتار کر۔ شاید آپ کو اپنی اصلیت معلوم ہو جائے۔''

''Belive me sir اب میں ایسی نہیں ہوں۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے باہر بھاگ گئی۔ سلجوق شاہ نے حیرت سے اسے جاتے دیکھا پھر سر جھٹک کر کام میں محو ہو گئے ایک دردِسر سے تو نجات ملی تھی۔ انہوں نے فون پر Receptionist کو نئے انٹرویوز کے لیے کہہ دیا۔

☆======☆======☆

''کیا سوچ رہے ہو؟'' سمیر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ جو بپھرتی موجوں پر نظر جمائے جانے کہاں گم تھا ایک دم چونک پڑا اور خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا یار!'' سمیر اس کے یوں دیکھنے پر گھبرا گیا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرتے ہوئے بالوں کو سیدھا کیا۔

''چلو آؤ چائے پیتے ہیں۔'' وہ اسے بازوؤں کے گھیرے میں لیے کیفے ٹیریا آ گیا۔ چائے کا آرڈر دے کر وہ بغور اسے دیکھنے لگا جو اب بھی کسی گہری سوچ میں تھا۔

''آخر وہ اتنی پتھر کیوں ہے؟'' اندر کی کشمکش جانے کیسے زبان پر آئی اور اس نے فوراً ہی لبوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

''ہوں!'' سمیر سرا ہاتھ آ جانے پر پُر خیال انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

''کون پتھر ہے اور تمہیں کیوں فکر ہو رہی ہے؟'' اس نے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا تھا۔

نقشم کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے منہ سے غیر ارادی طور پر نکل جانے والا جملہ اسے بے نقاب کر گیا ہے اور اب وہ سمیر سے بچ نہیں سکتا۔ اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور سامنے بیٹھے لوگوں پر نظریں جما دیں۔ اس کے دل پر بہت بوجھ تھا۔

ناجیہ کے رویے نے سے بہت کچھ سوچنے سمجھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ تو اس کے گریز کو شرم پر محمول کرتا آیا تھا، لیکن اس روز اس کی کھلم کھلا نفرت کا اظہار بار بار اس کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح برسنے لگتا تھا۔

''کزن ہے میری لیکن جانے کس مٹی سے بنی ہے اثر نہیں ہوتا اس پر مجھے بہت امید تھی سمیر کہ شاید، لیکن ایسا نہیں ہے وہ سرے سے میری حیثیت تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔ یار یہ دل آخر وہیں کیوں جا کر ٹھہرتا ہے جو اس کی منزل نہیں ہوتی؟''

''دل جو ہوا۔'' سمیرا ہنس پڑا۔

''اور پھر تم خود ہی تو کہتے ہو دل ناداں ہے اور وہ کیا بھلی سی نظم ہے تمہاری شاید اکلوتی بھی، وہی جو تم نے Night function (نائٹ فنکشن) میں سنائی تھی اور لڑکیوں نے بھرپور Appreciate کیا تھا سناؤ ذرا؟'' سمیر اس کا دھیان بٹانا چاہ رہا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے انکار کیا۔

''پلیز اس پتھر کے صدقے۔'' سمیر نے حربہ آزمایا۔ جو کہ کارگر رہا۔

''اب تم مجھے اسی طرح ہر معاملے میں بلیک میل کرو گے۔'' وہ بے بس ہوا تھا اور سمیر نے مسکراتے ہوئے تائید کی تھی۔ وہ چائے کے کپ پر شہادت کی انگلی پھیرتے ہوئے دھیرے دھیرے بولنے لگا۔

بار ہا ہم نے اس کو آزما کے دیکھا ہے
بار ہا وفا کا گیت ہم نے گا کے دیکھا ہے
بار ہا اس کوچے میں دل جلانے پہنچے ہیں
بار ہا ہم حالِ دل اس کو سنانے پہنچے ہیں
لیکن وہ جو لڑکی ہے!
نین جھروکوں کی اوٹ سے
چوری چوری تکتی ہے
اور پھر ہم پہ ہنستی ہے
یہ جو گیت محبت کا تم روز مجھے سناتے ہو

یہ جو ہر روز گلی میں میری چلے آتے ہو
کیسے تم سمجھو گے؟ کیسے تم جانو گے
تیری دستک پر جو کھل جائے
یہ وہ در نہیں ہے
تُو جہاں آن بسے
میرا دل وہ گھر نہیں ہے
تم اپنے دل کو لے جاؤ
کسی اور پہ وار ڈالو تم
ورنہ دل تو دل ہی ہے
اس کو مار ڈالو تم!

اس کا لہجہ اس کے اندرونی کرب کا غماز تھا۔ سمیر کو افسوس ہوا۔ انجانے میں وہ اسے مزید ٹینشن میں مبتلا کر گیا تھا۔

''اچھا چھوڑو یہ شاعری واعری تو ہوتی ہی اداس کرنے کے لیے ہے۔ Come on cheer on ہنس دو میں ابھی بیٹے کو ٹافیاں اور بسکٹ دلاؤں گا، شاباش۔'' وہ پچکارنے لگا اور اس کے اس انداز پر نقشم بے ساختہ ہی ہنس پڑا تھا۔

☆======☆======☆

تایا جان بمعہ اپنی فیملی کے آئے بیٹھے تھے اور ابھی ان کے چائے ناشتے کا انتظام ہو رہا تھا کہ پھپھو جان بھی آ موجود ہوئیں اور حفیظہ کے خیال میں ان دونوں کی آمد کسی طوفان کا پیش خیمہ ہی ثابت ہوتی تھی۔ بابا جان نڈھال سے صوفے پر بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ پھپھو جان ادی جان سے راز و نیاز کر رہی تھیں بھاگ بھری سجی ٹرالی رکھ گئی تھی۔ حفیظہ اٹھ کر چائے بنانے لگی تو پھپھو نے منع کر دیا۔

''ابھی نہیں حفیظہ بھائی جان سے البتہ پوچھ لو اور ہاں پھر اپنے کمرے میں چلی جانا۔ ہمیں کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' اس نے سر ہلا کر تایا جان سے پوچھا تو انہوں نے بھی منع کر دیا۔ وہ چپ چاپ اٹھ کر باہر چلی آئی۔

وہ جانتی تھی بات اس کے متعلق ہوگی۔ دونوں یقیناً کوئی نئی سازش تیار کر کے آئے تھے۔ اسے کن سوئیاں لینے کی عادت تو نہیں تھی اور نہ ہی وہ ایسی غیر اخلاقی حرکت کرنا پسند کرتی تھی لیکن تجسس اسے پچھواڑے باغ میں لے گیا۔ ہال کمرے کی کھڑکیاں ادھر کھلتی تھیں اور اندر

ہونے والی گفتگو واضح طور پر سنائی دیتی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ بنے ٹوٹے پھوٹے بینچ پر بیٹھ گئی۔

''پہلا حق میرے اسد کا بنتا ہے۔'' پھپھو بیگم کی آواز آئی تھی۔

''نہیں!'' تایا جان کی گرجدار آواز گونجی تھی۔''حق صرف اور صرف میرے سجاول کا ہے۔حفیظہ کی شادی صرف اور صرف سجاول سے ہوگی۔''

حفیظہ کو پیروں تلے سے زمین کھسکتی محسوس ہوئی۔ یہ کیا کہہ رہے تھے تایا جان، سجاول لیکن وہ تو اس کا بھائی ہے اندر شاید ادی جان نے دبے لفظوں میں یہی کہا تھا لیکن تایا جان بھڑک گئے تھے۔

''بھائی صرف ماں جائے ہوتے ہیں بھرجائی، میں نے سجاول کو بچپن میں اس لیے دے دیا تھا کہ رحمٰن بہت خاموش رہتا تھا اسے بیٹے کی شدید تمنا تھی لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں وہ حفیظہ کا بھائی ہو گیا۔ آپ فیصلہ کروائیں۔ اس کے بعد سجاول سے اس کی شادی ہو جائے گی۔ رحمٰن تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں حفیظہ کو میں سنبھال سکتا ہوں۔'' تایا جان نے ساتھ ہی خاموش بیٹھے بھائی کو اپنے تئیں تسلی دی تھی۔

''وہ تو ٹھیک ہے بھائی لیکن حفیظہ کو ایک پاگل میرا مطلب ہے ذہنی طور پر معذور بچے سے بیاہنے کی کیا تک ہے جبکہ اسد موجود ہے۔''

پھپھو جان نے سمجھداری سے کام لیتے ہوئے نرم لہجے میں اپنے مؤقف کی حمایت کی تھی۔

''اسد میں کون سے لعل جڑے ہیں؟'' انہیں سجاول کو پاگل کہنا تپا گیا تھا۔

''آپ لوگ خواہ مخواہ آپس میں الجھ رہے ہیں۔'' بالآخر رحمٰن ملک کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔''حفیظہ میری بیٹی ہے اور اس کے مستقبل کا فیصلہ میں خود کروں گا۔ اسے کہاں بیاہنا ہے یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے نہ سجاول نہ اسد پلیز اس معاملے کو یہیں ختم کر دیں۔''

اپنی بات مکمل کر کے وہ اٹھ کھڑے ہوئے ادی جان نے انہیں روکنا چاہا لیکن تب تک وہ باہر جا چکے تھے۔ تایا جان اور پھپھو بیگم کے چہرے اس کھلم کھلا توہین پر سرخ پڑ گئے تھے لیکن دونوں ہی اپنی بات گنوانا نہیں چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے حالات کو اپنے بس میں کیا جا سکتا ہے۔ سو دونوں نے بظاہر کوئی Re-Action ظاہر نہ کیا تھا۔

''ہم پھر آئیں گے۔'' تحمل کا مظاہرہ پہلے تایا جان کی طرف سے ہوا۔

''آپ محسوس نہ کیجئے گا بھائی صاحب اصل میں حفیظہ کے سلسلے میں وہ بہت پریشان

ہیں۔'' ادی جان نے ندامت سے کہا تھا۔

''کوئی بات نہیں بھرجائی۔ اپنا گھر ہے۔'' انہوں نے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔ پھپھو بھی گرمجوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مل کر رخصت ہو گئیں۔ حفیظہ بابا جان کی شفقتوں پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

☆======☆======☆

''وہ جس شادی پر تم دھوم دھام سے بلائی گئی تھیں۔ اس کا کیا بنا؟''

فرحان نے پوچھا تو عاصمہ نے تیکھے چتونوں سے اسے گھورا پھر جانے کیا سوچ کر کہنے لگی۔

''بارات واپس ہو گئی۔ دولہا والوں میں سے کسی منچلے نے دلہن کے رشتہ دار کو چھیڑا بات بڑھ گئی۔ دونوں طرف فائرنگ ہوئی اور بارات واپس آ گئی۔ بے چارے سلجوق بھائی امریکہ چلے گئے ہیں سنا ہے دلہن والے طلاق کا مطالبہ کر رہے ہیں اور سلجوق بھائی اس بات پر راضی نہیں ہیں۔ دلہن والے بہت زور والے ہیں۔ اس لیے وہ امریکہ چلے گئے ہیں۔''

''یعنی ڈر کے بھاگ گئے ہیں بزدل بے چارے سارے مرد ہی بزدل ہوتے ہیں۔''

فرحان نے استہزائیہ کہا اور عاصمہ حیات کو تو موقع چاہئے ہوتا تھا۔ اس نے فوراً اسٹارٹ لیا۔

''ہاں واقعی مرد بزدل ہی ہوتے ہیں اپنی مثال ہی لے لو کیا تھا اگر تم اسٹینڈ لے لیتے۔ انکار کر دیتے مجھ سے شادی سے نہ میری زندگی برباد ہوتی۔ تم بھی سکھ چین کی بنسی بجا رہے ہوتے۔ اپنی من پسند مڈل اسٹینڈرڈ لڑکی کے ساتھ اور میں بھی کسی اپنے طبقے کے مرد کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہی ہوتی۔''

اور فرحان کو پتہ نہیں کیا ہوا۔ اس کا ہاتھ اٹھا اور عاصمہ کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا۔ زناٹے دار آواز کمرے کی خاموش فضا میں گونجی تھی پھر اس کے بعد کوئی آواز نہ آئی تھی۔ عاصمہ اسے حیرت سے تکتی گم صم سی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ فرحان غصے سے کھولتا چابیاں اٹھا کر باہر نکل گیا تھا اور گیٹ بند کرتی نوما بے اختیار رو دی تھی۔ اسے پتہ تھا اب بھائی ساری رات واپس نہیں آئے گا۔ امی کو بتانے کا فائدہ نہ تھا اور پریشان ہوتیں۔ اس نے بھائی کے کمرے میں جھانکا عاصمہ وہاں نہیں تھی۔ جانے کیسی عورت تھی۔ وہ سوچتی کمرے میں چلی آئی۔

تمام رات کروٹیں بدل کر گزر گئی۔ صبح دم اس کی آنکھ لگی ہی تھی کہ بیل کی آواز پر کھل گئی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر بھاگی مبادا کوئی اور دیکھ لے گیٹ کھول کر وہ پیچھے ہٹ گئی اور پھر فرحان کے لڑکھڑاتے قدم دیکھ کر وہ سکتے میں رہ گئی تھی۔

☆======☆======☆

''کیا بات ہے پریشان ہو؟'' ناجیہ نے گھاس نوچتی نوما کو مخاطب کیا تو وہ چونک پڑی۔

''ہوں، نہیں۔'' اس نے انکار کیا۔

''جھوٹ بول رہی ہو اپنی دوست سے۔'' ناجیہ ہولے سے مسکرائی تو وہ اس کے ہاتھ تھام کر بے اختیار رو دی۔

ناجیہ نے اسے رونے دیا تاکہ جو غبار اس کے دل پر کئی دن سے چھایا تھا وہ ڈھل جائے جب وہ جی بھر کے رو چکی۔ تو ناجیہ نے ٹشو اسے تھما دیا۔ وہ چہرہ صاف کرنے لگی۔

''آئی ایم سوری ناجیہ۔ میں جذباتی ہو گئی۔ اصل میں مَیں ٹینس ہی بہت ہوں سمجھ نہیں آتا یہ بات کس سے کہوں، مما سے؟ وہ برداشت نہیں کر پائیں گی۔ ارمغان سے' وہ لاپروا ہے اور بھابی تو خیر خود وجہ ہیں ان سارے حالات کی وہ کیا سمجھیں گی۔ شاید جب سب کچھ لٹ جائے گا انہیں تب عقل آئے گی۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''پتہ ہے فرحان بھائی نشہ کرنے لگے ہیں۔ پچھلی کئی راتوں سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ وہ شام ہوتے گھر سے نکل جاتے ہیں اور سورج نکلنے پر گھر آتے ہیں لڑکھڑاتے قدموں سے۔ اس بات سے فی الحال میں واقف ہوں اور جس دن مما کو خبر ہو گئی وہ نہیں بچیں گی۔ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی میں کیا کروں کیسے اپنے بھائی کو بچا لوں۔'' ناجیہ نے دکھ سے اسے دیکھا۔

''آخر کوئی وجہ تو ہو گی جو وہ یوں غلط راہوں پر جا نکلے ہیں۔''

''وجہ ہے تو، پچھلے چار سال سے عاصمہ بھابی نے ان پر دائرہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ انہیں اپنی بے جا امارت، اپنے حسن اور اپنی تعلیم پر حد سے زیادہ غرور ہے وہ بھائی کو اپنے سے کمتر صرف سمجھتی ہی نہیں بلکہ ثابت کرنے پر تلی رہتی ہیں۔ ہم نے کبھی ان کو ہنستے بولتے یا اکٹھے بیٹھے نہیں دیکھا، جب بھی بیٹھیں گے لڑ جھگڑ کر الگ ہو جائیں گے۔ بھابی الگ کمرے میں ہوتی ہیں بھیا الگ کمرے، میں سارا گھر ان کی وجہ سے اَپ سیٹ ہے۔ مما سارا دن یا تو روتی رہتی ہیں یا پھر بھائی کا گھر آباد ہونے کے وظیفے کرتی رہتی ہیں۔ ہم تو بھائی کی شادی کر کے بس تباہ ہو گئے ہیں۔''

''شادی کس کی مرضی سے ہوئی میرا مطلب ہے کیا باہمی پسند شامل نہیں تھی۔''

''پتہ نہیں کیا ہوا۔ بھائی اور بھابی ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ انکل حیات اور ڈیڈی بہت گہرے دوست تھے۔ بھابی بھیا کو پسند کرتی تھیں۔ جبکہ بھیا اپنی کلاس فیلو صبا کو، بھابی کے علم میں یہ بات نہیں تھی۔ ڈیڈی اور انکل کے متفقہ فیصلے سے دونوں کی منگنی کر دی گئی۔ بھیا چاہنے

کے باوجود احتجاج نہ کر سکے تھے کیونکہ انہیں یہ بھی یقین نہ تھا کہ صبا بھی ان کے لیے اس قسم کے جذبات رکھتی ہے۔ منگنی ہو گئی۔ بھیا نے دل سے رفتہ رفتہ انہیں قبول بھی کر لیا، لیکن جب بھیا تھرڈ ایئر میں تھے ڈیڈی کی Death ہو گئی۔ یہ صدمہ ہمارے لیے بہت بڑا تھا۔ عافیہ بجو کی شادی ہو چکی تھی ارمغان ابھی چھوٹا تھا بہت اور بھیا ہی بڑے تھے۔ انہیں تعلیم ادھوری چھوڑ کر جاب کرنا پڑ گئی۔ انکل حیات نے ہمارا بہت ساتھ دیا۔ عاصمہ نے اس دوران اپنی تعلیم نہ صرف مکمل کی بلکہ باہر جا کر انٹیریئر ڈیزائننگ کا کورس بھی کر آئیں۔ یوں ان کا دماغ بہت ہی اونچا ہو گیا۔ اب ان کی نظر میں بھیا کی کوئی اہمیت نہ رہی تھی اور پھر کسی طرح انہیں یہ بھی علم ہو گیا کہ وہ صبا میں انٹرسٹڈ تھے۔ بس پہلے تو انہوں نے بے چاری صبا کو ڈھونڈ ڈھانڈ بے عزت کیا جو بے چاری لاعلم تھی۔ پھر بھیا سے کہا کہ وہ اس شادی سے انکار کر دیں۔

بھیا حیات انکل کا ڈیڈی کی طرح احترام کرتے تھے پھر آڑے وقت میں جس طرح انہوں نے ہمارا ساتھ دیا وہ اس احسان فراموشی کی اجازت نہ دیتا تھا۔ بھیا نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ خود انکار کر دیں اور جو کچھ بھی تھا ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ انکل حیات کے سامنے انکار کرتیں۔ سو یہ شادی ہو گئی اور اب بھابی ہم سب سے بدلہ لے رہی ہیں کہ ہم نے انہیں اس جہنم میں لا پھینکا۔ دبے لفظوں میں وہ صبا کے طعنے بھی دیتی رہتی ہیں اور تنگ آ کر بھیا نے باہر پناہ ڈھونڈ لی ہے۔ بھابی کا تو کوئی نقصان نہیں ہو رہا۔ یا شاید ہو بھی رہا ہو لیکن انہیں کیا فرق پڑتا ہے۔ اصل میں تو ہمارا گھر تباہ ہو رہا ہے۔''

نوما چپ ہوئی تو کئی ثانیے وہ بھی ان حالات پر سوچتی رہ گئی۔ وہ خود بھی اتنی ہی بے بس تھی جتنی نوما وہ اس کی کیا مدد کر سکتی تھی؟ سو سوائے لفظی تسلی دینے کے وہ اور کچھ نہ کر سکی تھی دونوں اَپ سیٹ تھیں اس لیے باقی کی کلاسز بنک کر کے وہ گھر آ گئیں۔ دروازے پر ارمغان مل گیا۔

''اوہو سوارِ بادِ بہاری کدھر سے تشریف لا رہی ہے۔ لگتا ہے کالج سے چھٹ کے آئی ہو؟'' وہ شرارتی نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''ہٹو پیچھے تمہیں ہر وقت مذاق ہی سوجھتا ہے۔'' نوما نے چڑ کر کہا تھا۔

''اوہو، گرمی۔ سن اسٹروک۔ تم اندر چلو میں تمہارے لیے ٹھنڈی پیپسی لے کر ابھی آیا۔ بال جاتے ہی ٹھنڈا پانی سر پر ڈالو۔ تاکہ مزید کوئی نقصان نہ ہو۔'' وہ اس کے چڑنے کی ذرا بھی پروا کیے بغیر مزید مشورے سے نواز گیا تھا اور پھر تھوڑی دیر بعد واقعی وہ ٹھنڈی پیپسی ٹرے میں رکھے داخل ہوا تھا۔

"لیجیے لیڈیز ٹھنڈا ٹھار مشروب نوش فرمایئے آپ یقیناً کہیں گی۔ یہ دل مانگے اور۔" ا نے ٹرے پہلے ناجیہ کے آگے کی۔ تھوڑی ہچکچاہٹ کے بعد اس نے پیپسی تھام لی۔ اس۔ پیپسی لیتے ہوئے شکریہ کہا تو اس نے سر جھکا دیا۔

"اِٹس مائی پلیژر (Its my pleasure) لیڈیز۔" ناجیہ نے گھر فون کر کے بتا تھا کہ وہ شام تک نوما کے پاس رہے گی۔

عذیر کو کہہ دیا تھا کہ وہ اسے شام کو لے جائے ارمغان آنے بہانے وہاں کتنی دیر چکر رہا پھر دال نہ گلنے کی صورت میں اداس سی شکل بنائے اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ اس کا فائ چل رہا تھا اور وہ ارادہ رکھتا تھا کہ بھائی کا ہاتھ بٹائے اور اس کا بوجھ شیئر کرے۔

☆======☆======☆

"سجاول بھائی ہے میرا؟" اس نے ادی جان سے پوچھا تھا اور ان کی آنکھیں جھلملا لگی تھیں۔

"ہاں۔" توقف کے بعد وہ بولی تھیں۔ "ہاں وہ کرموں جلا تیرا بھائی ہے مگر سگا نہیں تیرے بابا کی جو بہت زیادہ جائیداد ہے ناں اسے سنبھالنے کے لیے بیٹا چاہیے تھا انہیں جا میں انہیں سوائے تمہارے اور کوئی اولاد نہ دے سکی۔ وہ تم سے بے تحاشا پیار کرتے ہیں، لیکن بیٹے کی خواہش ان کی آنکھوں کی حسرت بن گئی تھی۔ تبھی بھائی صاحب نے اپنا سجاول انہیں دے دیا۔ بہت چھوٹا سا تھا شاید دس گیارہ ماہ کا انہوں نے اپنی جھولی خالی کر کے میرا دامن تھا۔ ان کی یہ قربانی بہت بڑی تھی۔ ہم دونوں دل سے ان کے شکرگزار تھے۔ پھر سجاول ایک دن کچھ ایسا دیکھ لیا جس سے وہ حواسوں میں نہ رہا۔ تب وہ یہی کوئی تین ساڑھے تین سا کا تھا۔ تم سے ایک سال ہی تو چھوٹا ہے۔ دن بدن اس کی حالت بگڑتی چلی گئی اور اب لوگ اسے پاگل کہتے ہیں لیکن مجھے تو بیٹوں کی طرح عزیز ہے۔ تیرے بابا بھی اسے بہت چا ہیں۔ پر اب بھائی صاحب نے نیا شوشا چھوڑ دیا ہے۔ ایک بات بتا حفیظہ تُو کیا چاہتی ہے سلجوق......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھیں اور اسے پتہ نہیں کیا ہوا ایک دم سے نظریں چرا گئی پھر۔

"میں سجاول کو دیکھتی ہوں۔" کہہ کر اٹھ گئی۔

ادی جان نا سمجھ نہیں تھیں، لیکن وہ بھی اتنی ہی بے بس تھیں جتنی حفیظہ۔

سجاول اسے دیکھ کر تالیاں بجانے لگا۔

"حفیظہ آئی ہے ہو ہو حفیظہ آئی ہے۔" پھر اس کا بازو پکڑ کر ہولے سے بولا۔

"تیرا دولہا مل گیا ہے؟ ہاں...... بتا ناں۔"

"تُو نے کھانا کھایا سجاول؟" وہ بات بدل کر بولی۔

"ہاں کھایا تھا وہ چڑیل جو ہے مجھے بہت بری لگتی ہے روز کھانا لے کر چلی آتی ہے۔ میں نے بھی آج اسے خوب مارا۔ ہو ہو خوب مارا۔" وہ خوش ہو ہو کر تالیاں پیٹنے لگا۔

"کیوں مارا اسے سجاول کتنی بری بات ہے یہ وہ بڑی ہے۔" وہ اسے پیار سے سمجھانے لگی۔

"تُو میری بہن ہے ناں حفیظہ۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"وہ چڑیل کہتی ہے تمہاری شادی مجھ سے ہو گی۔ دیکھو میں تمہارا دولہا ڈھونڈ دوں گا تم مجھ سے شادی نہ کرنا۔ میں تو پاگل ہوں حفیظہ میں تو پاگل ہوں۔ ہا ہا میری شادی رومانہ سے ہو گی وہ مجھ سے بہت ڈرتی ہے بہت ڈرتی ہے کہتی ہے میں پاگل ہوں۔ حفیظہ میری شادی اس سے ہو گی ناں پھر میں دولہا بنوں گا پھر میں بھی اس حویلی میں کھو جاؤں گا یہاں سب کچھ کھو جاتا ہے۔ سب کچھ تم بھی کھو جاؤ گی۔ ویسے میں نے تمہارا دولہا دیکھا ہے۔ بڑا خوبصورت ہے تمہاری طرح چلو ہم اسے مل کر ڈھونڈیں چلو اٹھو اٹھو ناں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگا۔ حفیظہ آنسو پیتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کھوئی چیزیں کبھی یوں بھی ملتی ہیں پاگل۔" اس نے سوچا تھا۔

☆======☆======☆

اس نے نماز پڑھ کر سلام پھیرا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ باہر کھٹر پٹر کی آوازیں آنے لگیں۔ اس نے مختصر دعا کی اور اٹھ کر دروازے کی طرف آ گئی اور ہمیشہ کی طرح دروازہ کھول کر وہ پیچھے نہیں ہٹی بلکہ لڑکھڑاتے فرحان کو بازو سے گھسیٹتی باہر لان میں لے گئی۔ وہ حیران حیران سا اسے دیکھے گیا۔

سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ اس قدر پُرنور لگ رہا تھا کہ ایک لمحے کو فرحان ڈگمگا گیا۔

"بیٹھیے بھائی۔" لان چیئر پر بیٹھتے ہوئے اس نے فرحان کو بھی اشارہ کیا۔ نشے کا بہت ہلکا اثر باقی تھا وہ چپ چاپ بیٹھ گیا۔ نظریں جھکی ہوئی تھیں نوما نے کچھ دیر اس کی طرف دیکھا پھر گویا ہوئی۔

"ایک بہن چھوٹی بہن اپنے باپ جیسے بھائی سے اگر یہ پوچھ لے کہ وہ شراب کے نشے میں دھت ہو کر راتیں کہاں گزارتا ہے تو کیسا لگے گا آپ کو؟" فرحان کو لگا جیسے کسی نے

انگاروں سے بھرا تھال اس پر انڈیل دیا ہو۔ اس نے بے تحاشا سرخ آنکھوں سے نوما کو دیکھا پھر شرمندگی سے پلکیں جھکاتا چلا گیا۔

''میرے پاس فرار کا اور کوئی رستہ نہ تھا۔'' پست لہجہ تھا اس کا۔

''ایک بندے کے کیے کی سزا آپ سب کو تو نہ دیں اور نہ ہی اپنے آپ کو۔'' وہ خود دکھی ہونے لگی تھی۔

''وہ سزا نہیں نوما۔ عذاب ہے سزا ختم ہو جاتی ہے۔ عذاب نہیں ٹلتا مجھے اس جہنم میں ہمیشہ ہی جلنا ہے اور یہ اس تپش سے کچھ دیر سکون دلاتی ہے۔ تم دعا کرو نوما میں مزید نہ بھٹکوں۔''

فرحان نے ٹوٹے لہجے میں کہا اور پھر لڑکھڑاتے قدموں سے اندر بڑھ گیا۔ اپنے کمرے کی کھڑکی سے مما نے صاف سنا تھا اور پھر دل پر ہاتھ رکھے وہ گرتی چلی گئی تھیں۔

☆======☆======☆

''یہ کیا ہے ہما؟'' ربیعہ جو ابھی اندر داخل ہوئی تھی ہما کو عجلت میں کچھ چھپاتے دیکھ چکی تھی۔

''یہ کک کچھ بھی نہیں، نوٹس ہیں۔'' وہ بوکھلائی تھی۔ ربیعہ نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ ان دنوں اس کے طور طریقے کچھ بدلے بدلے تھے۔ اکثر کتاب لیے بیٹھی رہتی حالانکہ وہ اتنی پڑھاکو تو ہرگز نہ تھی۔ امتحان کے امتحان پڑھا کرتی۔ پھر آج کل تو ویسے بھی فرسٹ ایئر کے امتحانات دے کر فارغ تھی۔

''اچھا تو اب جھوٹ بھی بولنا شروع کر دیا ہے۔'' ربیعہ تپ کر بولی۔

''تم کیوں ہر وقت انویسٹی گیشن (Investigetion) کرتی رہتی ہو میں عاقل وبالغ ہوں اپنا اچھا برا سمجھتی ہوں۔'' وہ جانے کس رو میں بول گئی تھی۔ غلطی کا احساس ہوا تو ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔

''میں اماں کو بتا دوں گی پھر مت کہنا۔'' اس کے یوں سلگ کر بولنے سے ربیعہ کے کان تو کھڑے ہوئے مگر اس نے ظاہر نہ کیا تھا۔

''ہاں بس تمہیں ایک یہی تو کام آتا ہے۔'' وہ بری طرح خفا ہو گئی تھی۔ مگر ربیعہ نے پروا نہ کی۔

وہ حقیقتاً اس کے بارے میں فکر مند ہو گئی تھی۔ وہ ہما کے سونے کا انتظار کرتے ہوئے بہت ساری باتیں سوچ رہی تھی اور ساری کی ساری باتیں رونگٹے کھڑے کر دینے والی تھیں۔ ہما کے سونے کا مکمل یقین کر کے وہ دبے پاؤں اس کے پاس آئی اور پھر آہستگی سے تکیے کے نیچے

ہاتھ ڈال دیا۔ اس کی توقع کے عین مطابق وہاں تہہ کیا کاغذ کا ٹکڑا موجود تھا۔ اس نے ٹکڑا نکالا اور جلدی سے باتھ روم میں گھس گئی۔ کوئی انہونی اسے ہولا رہی تھی۔ اس نے کاغذ کھولا اور پڑھنے لگی لکھا تھا۔

''جانِ تمنا جانِ وفا جانِ من۔''

ربیعہ کو پسینہ آ گیا۔

''تسلیمات۔

بہت دنوں سے سوچ رہا ہوں کہ آپ سے کیسے رابطہ کروں لیکن کوئی حل نہ پا کر آخر میں دل کا حال کاغذ پر لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے آپ کو بہت برا لگے۔ بلکہ یقیناً برا لگا ہو گا، لیکن میں بہت بے بس ہو گیا ہوں۔ آپ کی موہنی صورت مجھے نہ دن کو چین لینے دیتی ہے نہ رات کو سمجھ میں نہیں آتا مجھے ہو کیا گیا ہے۔ کچھ آپ ہی بتاؤ۔

اِک نظر بے پرواہ ڈالی انہوں نے ہم پر
ہم جل کر گرے اور خاک ہوئے

ربیعہ نے بہت مشکل سے دھڑکتے دل پر قابو پایا اور باہر آ گئی۔ ہما بے خبر سو رہی تھی۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ خط کو اپنے پاس رکھ لے۔ پھر جانے کیا سوچ کر اسے دوبارہ ہما کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ ہما کا متوقع انجام اسے ہولائے دے رہا تھا۔ صبح جب ہما کالج جانے کے لیے تیار ہونے لگی تو وہ اس کے پاس چلی آئی۔ ''کلاسز تو ہو نہیں رہیں پھر کالج جانے کا فائدہ!''

ہما نے تیکھی نظر اس پر ڈالی پھر کہنے لگی۔

''ہم لوگ اگلی کلاس کی تیاری کر لیتے ہیں۔ گھر میں بیٹھ کر تو کچھ ہوتا نہیں۔ گپ شپ ہی ہو جاتی ہے۔''

''کیا خیال ہے میں بھی چلوں کون سی کلاسز ہو رہی ہیں۔'' ربیعہ نے ایک دم پروگرام بنایا تھا۔ ہما ٹپٹا گئی۔

''لیکن تم ہمارے ساتھ بیٹھ کر کیا کرو گی۔ تمہاری تو میری کسی فرینڈ سے فرینڈ شپ بھی نہیں ہے۔''

''چلو ویسے ہی کالج گھوم پھر لوں گی۔ میں بھی گھر بیٹھے مسلسل ٹینس رہنے لگی ہوں۔ اتنے ڈھیر سارے مسائل جن کا بظاہر کوئی حل نہیں۔ سلجوق بھائی بھی قصہ ختم کریں۔ خواہ مخواہ بات بڑھانے کا فائدہ۔'' وہ ہما پر ظاہر کرنا چاہ رہی تھی کہ وہ یونہی جا رہی ہے ہما نے کوئی تبصرہ نہیں

کیا۔اماں کو بتا کر وہ تیار ہونے لگی۔ ہما کا منہ بن گیا تھا۔سارے راستے وہ کپا بنی رہی۔

''تمہیں میرا آنا اتنا ناگوار لگا ہے تو گھر میں ہی منع کر دیتیں۔'' بالآخر ربیعہ نے کہہ ہی دیا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں میں تو کسی اور وجہ سے۔'' اس نے جھٹ صفائی پیش کی تھی۔

''اور اس وجہ کا نام اسد ہے۔'' بہت پُرسکون لہجے میں ربیعہ نے کہا تھا اور ہما اسے حیرت سے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆======☆======☆

''سر میں آپ سے ایکسکیوز کرنے آئی ہوں۔'' انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔راضیہ احمد سر جھکائے کھڑی تھی۔

''کس بات کی؟'' انہوں نے لہجہ نارمل رکھا۔

''سر یہی کہ میں اب ٹھیک ہو جاؤں گی سر آئی پرامس۔'' انہوں نے اس کا بھرپور جائزہ لیا۔شلوار قمیص میں ملبوس۔دوپٹہ گلے میں ڈالے وہ پہلے سے یکسر مختلف لگ رہی تھی۔

''دیکھیے مس راضیہ ہمیں آپ کے پہننے اوڑھنے پر قطعاً اعتراض نہیں اور نہ ہی آپ کی دوستیوں پر، یہ سراسر آپ کا ذاتی معاملہ ہے ہمیں صرف یہ پرابلم تھی کہ آپ کام کم اور وزیٹرز زیادہ اٹینڈ کرتی تھیں اس سے ایک طرف تو کام کا حرج ہو رہا تھا دوسری طرف ماحول خراب ہو رہا تھا۔آپ کے متعلق طرح طرح کی افواہیں گردش کرنے لگی ہیں اس صورت میں مجھے بہتر حل یہی نظر آیا۔عورت کو ہمیشہ احساس ہونا چاہیے کہ وہ عورت ہے مستور ہے۔آپ ارد سمجھتی ہیں ناں؟''

''جی سر ڈیڈی اور مما نے ہمیں اردو ہی تو سکھائی ہے مشرقیت کی ایک ہی چیز ہے ہمارے پاس ورنہ تو ہم پوری طرح مغربیت زدہ ہیں۔اینی وے سر آپ کو آئندہ شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔''

''او کے آپ ابھی سے اپنی سیٹ سنبھال سکتی ہیں۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا پھر بیل بجائی۔پیون اندر داخل ہوا تو انہوں نے راضیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''مس کو ان کی سیٹ پر لے جاؤ اور اچھی سی چائے پلاؤ۔مسٹر پیٹر کو میرے پاس بھیج دینا۔''

پیون سر جھکاتا راضیہ کو ہمراہ لے گیا۔انہوں نے کچھ دیر دروازے کی سمت دیکھا پھر فون پر نمبر ڈائل کرنے لگے۔

لائن ملتے ہی انہوں نے ہیلو کہا۔دوسری طرف بابا جان تھے۔

''کیسے ہو سلجوق۔'' بے تابی ان کے لہجے سے عیاں تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔آپ سنائیے کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں بیٹا۔ربیعہ نے حفیظہ سے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔اس سے پوچھا تھا، لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔عدالت کی طرف سے دوسرا نوٹس موصول ہو چکا ہے۔تمہیں پیروی کرنا پڑے گی۔یہ نہ ہو عدالت یکطرفہ فیصلہ سنا دے۔''

''آپ بتائیے بابا جانی مجھے کیا کرنا چاہیے۔آپ کو پتہ ہے اس سارے چکر میں حفیظہ کو عدالت میں پیش ہونا پڑے گا اور یہی میں نہیں چاہتا۔'' وہ بے بس ہوئے تھے۔

''تو پھر کیا دستبردار ہو جاؤ گے اس سے؟''

''نہیں بابا جانی۔یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا۔حفیظہ صرف میری ہے اور ہمیشہ میری رہے گی۔ہم شاہ اپنی عزت نہیں چھوڑتے۔خواہ اس کے لیے ہمیں جان کیوں نہ دینا پڑے۔''

''مجھے وکیل نے ایک اور مشورہ دیا ہے اگر ہم رحمٰن ملک پر کیس کر دیں کہ انہوں نے ہماری بہو کو زبردستی رکھا ہوا ہے اس کی رخصتی نہیں دے رہے تو شاید بات بن جائے گی۔''

''لیکن یہ بھی اس صورت میں ہوگا جب حفیظہ ہمارا ساتھ دے۔اگر وہی عدالت میں بیان دے کہ خلع کا دعویٰ اس کی مرضی سے دائر کیا گیا ہے تو پھر ہم کیا کر سکیں گے۔'' جہانگیر شاہ کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا اس لیے چپ کر گئے۔

''میں خود کچھ کرتا ہوں۔اچھا اماں، ربیعہ اور ہما کو سلام کہیے گا۔میں پھر آپ کو فون کروں گا۔خدا حافظ۔''

''خدا حافظ بیٹا ہم اور ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' بابا جان نے کہا انہوں نے فون رکھ دیا۔اب وہ مسلسل یہی سوچ رہے تھے کہ حفیظہ سے رابطہ کیسے ہو۔

☆======☆======☆

''رحمٰن وکیل کہہ رہا تھا کہ خلع کے کاغذات پر حفیظہ کے سائن ہونا ضروری ہیں۔ویسے تو میں نے اپنی طرف سے نوٹس بھجوا دیا ہے، لیکن حفیظہ کے سائن بھی لینا ضروری ہیں۔میں یہ کاغذات ساتھ لایا ہوں۔'' تایا جان نے بریف کیس میں سے چند صفحات نکال کر بابا جان کی طرف بڑھائے انہوں نے لینے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

''کیا بات ہے رحمٰن؟'' تایا جان ٹھٹکے۔

''حفیظہ ان کاغذات پر سائن نہیں کرے گی۔'' ان کا مضبوط لہجہ تایا جان کو ہلا گیا۔

''کیوں نہیں کرے گی۔'' وہ بھڑک ہی تو گئے۔

''اس لیے بھائی صاحب کہ میں اپنی بیٹی کو مزید ذلیل نہیں کرنا چاہتا۔ جتنی ذلت نے سمیٹ لی ہے وہی کافی ہے۔''

''میں وہی ذلالت دھونا چاہتا ہوں رحمٰن۔'' تایا جان کے تو الٹی آنتیں پڑ گئی تھیں۔

''کیسے دھوئیں گے آپ؟'' بابا جان کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں میں دبی چھ کانپ رہی تھی۔ ''کیا عدالت میں ٹکے ٹکے کے لوگوں کے سامنے کھڑا کر کے۔ اخبار تصویریں لگوا کر؟ وکیل کے سامنے اُلٹے سیدھے سوالات کے جوابات دینے کے لیے کریں گے تو کون سی ذلالت باقی بچے گی بھائی صاحب؟'' شدتِ جذبات سے ان کا آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

''میرا یا میری بیٹی کا گناہ اتنا بڑا نہیں ہے بھائی صاحب کہ حفیظہ کو یوں سنگسار ک جائے۔ آپ ختم کریں اس معاملے کو۔ مجھے طلاق لینا ہے میں جہانگیر کو ایک فون کر دوں اس کی مجال نہیں کہ انکار کرے۔ پھر یہ سب کچھ کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ بس آپ رہنے د پلیز۔''

وہ اپنی بات مکمل کر کے باہر نکل گئے اور تایا جان ہاتھ میں پکڑے کاغذات کو دیکھ گئے تھے۔

بابا جان کا رخ حفیظہ کے کمرے کی طرف تھا، حفیظہ منتظر تھی۔ وہ جانتی تھی۔ تایا جان آئے ہیں تو کوئی نیا طوفان لے کر آئیں گے۔ اس لیے وہ نئے طوفان بارے میں سوچ رہی تھی کہ بابا جان اندر داخل ہوئے۔ وہ کھڑی ہو گئی۔

''آپ نے مجھے بلایا ہوتا بابا جان۔'' وہ دوپٹہ ٹھیک کرتی انہیں سہارا دینے آگے آئی۔

''کام مجھے تم سے تھا۔ اس لیے مجھے ہی آنا چاہیے تھا۔'' وہ اس کے ساتھ چلتے ہو صوفے پر آ بیٹھے وہ بھی سائیڈ پر ٹک گئی اور منتظر نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''حفیظہ بیٹی اب تک جو کچھ ہوا ہے اس میں کسی حد تک ذمہ دار میں ہی ہوں۔'' انھ نے کہنا شروع کیا وہ چپ رہی۔

''مجھے برادری سے باہر رشتہ کرنے پر ہامی نہیں بھرنی چاہیے تھی۔ یہ میری پہلی غلطی اور شاید بلکہ یقیناً یہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے جس کا دکھ مرتے دم تک میر

پیدا کرنے کی ابتدا ہماری طرف سے ہوئی جب تہمینہ نے دس لاکھ روپے حق مہر کی بات کی۔ میں نے اور تمہاری ماں نے سمجھایا لیکن بھائی صاحب اور تہمینہ کی رٹ ہی ایک تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ حفیظہ کے فائدے ہی کی بات ہے۔ بیٹی غیروں کو دے رہے ہیں تو اس کا مستقبل محفوظ ہونا چاہیے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تہمینہ نے انہیں فون پہلے ہی کر دیا تھا۔ مجھے تو جہانگیر نے فون پر بتایا تھا بلکہ اپنی رضامندی دی تھی کہ انہیں دس لاکھ تو کیا بیس لاکھ بھی منظور ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوا، لیکن خاموش رہا نکاح ہو گیا مرضی کا حق مہر لکھوا لیا گیا تو تہمینہ اور بھائی صاحب کی پلاننگ فیل ہو گئی ان کے ہاتھ سے سب کچھ نکل گیا تھا۔ تبھی اسد نے سلجوق کے دوست پر کوک گرا دی اور اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی اسے گالی بھی دے ڈالی۔ وہ بھی غصے میں آ گیا۔ دونوں میں تُو تُو مَیں مَیں ہونے لگی۔ ایسے میں اسد کے دوستوں نے ریوالور نکال کر فائرنگ شروع کر دی۔ سلجوق کے دوست نے اسد کے منہ پر مکا جڑ دیا اور بات بڑھ گئی۔ تمہارے تایا جان نے طیش میں آ کر کہہ دیا کہ بارات واپس جائے گی اور یوں سب کے سمجھانے کے باوجود یہ کام ہو گیا۔ تمہیں پتہ ہے میں یہ سب تمہیں کیوں بتا رہا ہوں؟''

وہ رک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ حفیظہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیا شروع دن سے لے کر اب تک تمہیں پتہ نہیں چلا کہ تمہارے تایا اور پھپھو اس رشتے کی مخالفت کر رہے تھے؟ انہوں نے ہر حربہ استعمال کیا۔ روڑے اٹکائے۔ مجھے ورغلاتے رہے لیکن جب وہ ہر طرح سے ناکام ہو گئے تو انہوں نے جان بوجھ کر لڑائی کر کے بارات واپس لوٹا دی۔''

''کیوں بابا جانی۔ میں نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟'' وہ اس انکشاف پر انگشت بدنداں تھی ان کی محبتیں ان کی عنایتیں سب فراڈ تھیں۔ وہ جو اس کے واری صدقے جایا کرتے تھے سب ڈرامہ تھا، لیکن کیوں؟ کس لیے؟ اس نے سوالیہ نظریں رحمٰن ملک کے چہرے پر گاڑ دیں۔

''جائیداد کے لیے، ملک پور کے لیے۔ انہیں جو بھی غرض ہے ملک پور سے ہے۔ تم سے یا مجھ سے صرف اس لیے کہ فی الحال یہ ہمارے پاس ہے۔ یہ سارا کھیل بھی اس لیے کھیلا گیا کہ تمہاری منگنی ٹوٹ جائے یا بارات واپس چلی جائے تو وہ اپنے بیٹوں کو تمہارے لیے پیش کر دیں اور میں اس احسان پر سرنگوں ہو جاؤں ملک پور تمہاری صورت ان کی تحویل میں آ جائے اور پھر ان کا کام ختم۔

لیکن یہ بھی طے ہے حفیظہ کہ بے شک ساری عمر اس دہلیز پر گزار دو، لیکن میں بھی تمہیں

پرشرمندگی نہیں ہے۔ وہ ہر لحاظ سے تمہارے قابل تھا ہے اور رہے گا۔ وہ امریکہ بھاگ گیا ہے تو یہ اس کی بزدلی نہیں دانشمندی ہے۔ یہاں رہتا تو تمہارے تایا اسے کسی نہ کسی طرح مروا دیتے۔ بے عزتی ہماری ہی نہیں ان کی بھی ہوئی ہے۔ میرا صرف یہ کہنا ہے کہ اگر سلجوق سب کچھ بھلا کر تمہاری طرف ہاتھ بڑھائے تو اسے جھٹکنا مت صرف وہی ہے جو تمہیں تحفظ دے سکتا ہے۔ میری بات پر غور کرنا اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے، باہر نکل گئے۔ حفیظہ کو حیرانی و پریشانی کے سمندر میں چھوڑ کر۔

وہ ساری رات حفیظہ نے ٹہل کر گزاری تھی۔ چہرے بے نقاب ہوئے تھے تو منظر ایک دم سے کریہہ ہو گیا تھا۔ کیا دولت اتنی طاقتور ہے کہ اس کے سامنے رشتے بھی ہیچ ہو جاتے ہیں۔

کتنی طویل رات تھی جو اس نے رشتوں ناتوں پر غور کرتے گزاری تھی۔ وہ سلجوق کے متعلق سوچ رہی تھی اور ابھی وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچی تھی کہ بھاگ بھری گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''بی بی..... جلدی آؤ ملک صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔''

حفیظہ اسی حلیئے میں بھاگی تھی بابا جان کے کمرے کا منظر بہت عجیب سا لگا۔ خاموشی سے وہ تیزی سے ان کے بیڈ تک گئی وہ آنکھیں بند کیے لیٹے تھے۔ وہ ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر کہنے لگی۔

''بابا جان، بابا جان کیا ہوا ہے آپ کو؟'' اس کے دل کو جیسے کوئی انہونی مسل رہی تھی۔

''انہیں ڈسٹرب مت کریں بی بی۔'' نامانوس آواز پر اس نے سر اٹھایا۔ دائیں پائینتی کی طرف وہ شاید ڈاکٹر تھا۔ اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ سامنے صوفے پر وکیل انکل کچھ کاغذات لیے بیٹھے تھے۔ ایک طرف منشی کاکا تھے۔ اس کے ساتھ ہی ادی جان بیٹھی بابا جان کا سر ہولے ہولے دبا رہی تھیں۔ ان کا ڈھیرے ڈھیرے کانپتا وجود ان کی زندگی کی گواہی دے رہا تھا۔

''کیا ہونے چلا ہے؟'' اس نے دہل کر سوچا۔

''حفیظہ بیٹی ادھر آؤ۔'' وکیل انکل نے اسے بلایا۔ وہ پرسوچ نگاہوں سے بابا جان کو تکتی آہستگی سے ادھر بڑھ گئی۔ انہوں نے اپنے ساتھ اس کے لیے جگہ بنائی۔ وہ بیٹھ چکی تو انہوں نے کاغذات اس کی طرف بڑھا دیئے۔

''ان کاغذات پر سائن کر دو بیٹا۔''

''کیوں؟'' وہ سوالیہ ہوئی۔

''رحمٰن نے ملک پور سمیت تمام جائیداد تمہارے نام منتقل کر دی ہے۔'' وکیل انکل نے

بتایا تو کاغذات اس کے ہاتھ سے گر گئے۔ اسے دھچکا لگا تھا۔ ''کیوں کیا ہو گیا ہے ایسا؟'' وہ دبی آواز میں چیخی تھی۔

''دھیرج بیٹی اس پر سائن (Sign) کرو۔ قبل اس کے دوسرے آ پہنچیں۔'' انہوں نے اس کے سر پر تھپکی دیتے کاغذات دوبارہ اس کی طرف بڑھائے۔ کاغذات لیتے ہوئے اس نے ادی جان کی طرف دیکھا۔ ان کا سفید پڑتا چہرہ بہت کچھ کہہ رہا تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے پین پکڑا اور سائن کرنے لگی۔ اسی دم ادی جان کی چیخ کمرے میں گونجی۔

''سرتاج!'' اور پھر وہ لڑھکتی چلی گئیں سب ایک ساتھ بھاگ کر ان کی طرف بڑھے تھے۔ بابا جان کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا ڈاکٹر نے فوراً نبض چیک کی۔ وہاں کچھ نہ تھا۔ اس نے سوری کہتے ہوئے چادر سے ان کا چہرہ ڈھک دیا تھا۔

☆======☆======☆

وہ پہلی بار ایسی حرکت کی مرتکب ہو رہی تھی۔ تبھی حد درجہ کنفیوز تھی۔ دوپٹے میں خود کو لپیٹے اپنے تئیں وہ خود کو محفوظ کر رہی تھی کہ کوئی پہچان نہ لے۔ رکشے سے اترنے سے قبل اس نے دوپٹہ پورے چہرے پر لپیٹ لیا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ مطلوبہ مقام سے ذرا ادھر ہی اس نے رکشہ رکوا لیا۔ نیچے اتر کر اس نے جلدی جلدی پیسے رکشے والے کو تھمائے اور یونہی ایک گلی میں گھس گئی۔ رکشہ والا اسے بڑی معنی خیز نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اس سے بچنے کا فی الفور یہی طریقہ سمجھ میں آیا تھا۔

گلی بند تھی۔ اس نے یونہی رک کر جائزہ لیا۔ چھوٹی سی گلی تھی جس کے دونوں اطراف مکان تھے اور اس وقت سبھی دروازے بند تھے۔ یکا یک اسے محسوس ہونے لگا کہ اس کے گلے میں پیاس سے کانٹے پڑ گئے ہیں۔ اس نے گلے پر ہاتھ پھیرا اور مڑ کر دیکھا۔

رکشہ والا جا چکا تھا وہ تیزی سے گلی سے نکل آئی۔ وہ ان راستوں سے انجان تھی۔ اسد نے جیسے سمجھایا تھا اس کے مطابق وہ پہنچ گئی تھی لیکن اسد کہیں نظر نہ آ رہا تھا۔ شاید اس نے یہیں کا کہا تھا۔ چلتے چلتے وہ کھلی سڑک پر آ گئی۔

تپتی دوپہر میں وہ تن تنہا سڑک پر کھڑی تھی۔ اس نے ٹائم دیکھا ساڑھے بارہ ہو چکے تھے۔ اگرچہ اس نے آج اماں سے کہہ دیا تھا کہ وہ دیر سے آئے گی کیونکہ انہیں ایک ٹیچر کے گھر جانا تھا۔ اماں تفصیلات میں نہ پڑتی تھیں۔ ربیعہ تھی نہیں۔ اس لیے وہ بے فکر تھی۔ پھر بھی اکیلے پن کا خوف اور پھر اب یہ سوچ ستا رہی تھی کہ اسے نہیں آنا چاہئے تھا۔ یوں ایک انجان پر بھروسہ کر کے، لیکن پتہ نہیں اسے ہوا کیا تھا کہ جب اسد نے اپنے چلنے کا کہا تھا تو وہ انکار نہ کر سکی تھی

اور ہامی بھرلی تھی، لیکن اب وہ پریشان ہو رہی تھی۔ اسی لمحے اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ رکشہ پکڑے اور سیدھی گھر پہنچ جائے لیکن اس خیال کو عملی جامہ پہنانے سے قبل ہی اسد نے گاڑی اس کے قریب لا روکی تھی۔ وہ ایک دم سے ڈر کر پیچھے ہٹی تھی۔

اسد نے ہنستے ہوئے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔

''ڈر گئیں بڑی بزدل ہو تم۔'' وہ کچھ کہے بنا گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اسد نے گاڑی آگے بڑھائی اور ساتھ ہی معذرت کرنے لگا۔

''سوری یار ذرا دیر ہو گئی۔ گاڑی کا پچھلا ٹائر پنکچر ہو گیا تھا۔ پھر میں حامد کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ ہی کمبخت لیٹ آیا۔''

''کتنی بار کہا ہے گالی مت دیا کر۔'' پچھلی طرف سے آئی آواز پر چونک کر پلٹی اس کا رنگ اُڑ گیا۔

''ارے دیکھ رہا ہے بھابی کیسے ڈر گئی ہے۔ اسے بتا کہ تُو اپنا جگری یار ہے۔'' پان سے لتھڑے ہوئے ہونٹوں سے وہ ہنسا تھا۔ اسد نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''ڈرو مت یہ اپنا راز دار ہے جان وارتا ہے مجھ پر۔ ہم اسی کے گھر جا رہے ہیں۔ ریلیکس ہما۔ اب اس طرح مت کرو یہ نہ ہو کوئی راستے میں دیکھ کر یہ سمجھے کہ ہم تمہیں زبردستی اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔'' اس کا ڈرا ڈرا چہرہ دیکھ کر وہ سنجیدگی سے بولا۔

ہما نے کہا کچھ نہیں سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ وہ حقیقتاً پچھتا رہی تھی۔ اس کے ساتھ کیا ہو سکتا تھا وہ بخوبی جان گئی تھی۔ آئے دن ہونے والے واقعات سے وہ بے خبر تو نہیں تھی۔

''یا اللہ مجھے معاف کر دے آج بچا لے۔ میں آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گی۔'' وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھی۔ اسد اور اس کے دوست کی نوک جھونک چل رہی تھی اسد وقتاً فوقتاً اس پر نظر ڈال لیتا جو دونوں ہاتھ گود میں رکھے شاید دھیرے دھیرے کانپ رہی تھی۔ بالآخر ایک ٹرن لے کر گاڑی رک گئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کوئی کچی بستی تھی اور وہ مکمل ناواقف۔

''چلو اب اتر بھی آؤ۔ ایسی بھی کیا بے اعتباری۔'' اسد بگڑ کر بولا تھا۔ وہ جلدی سے نیچے اتر آئی۔ حامد ذرا پرے دروازے پر لگا تالا کھول رہا تھا۔ اسد بھی آہستہ آہستہ چلتا ادھر ہی جا رہا تھا۔ اس کے جی میں آئی وہ دوڑ لگا دے کہیں تو چھپ ہی جائے گی، لیکن اسی وقت اسد نے مڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔

''اب آ بھی جاؤ۔ وہاں کیوں کھڑی ہو؟'' اور وہ مرے مرے قدموں سے پیچھے چل

پڑی تھی۔

☆======☆======☆

دکھ اگر کہیں پھینک دینے والے ہوتے تو وہ سارے دکھ اٹھاتی اور کہیں دور پھینک آتی۔ جہاں سے ان کی ہلکی جھلک بھی نظر نہ آتی، لیکن ایسا ناممکن تھا۔

دکھ روگ تو بن سکتے ہیں پھینکے نہیں جا سکتے۔ پھر جو دکھ مقدر میں ہوں۔ ان سے رہائی کیونکر؟ چھٹکارا کیسے؟

اور وہ بھی مقدر دکھوں میں گھر گئی تھی۔ اتنا بڑا ملک پورا سے دکھ میں ڈوبا نظر آتا۔ حویلی کے در و دیوار بَین کرتے نظر آتے۔ وہ خود جی بھر آنے پر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا کرتی۔ واحد دادی جان تھیں جو چپ تھیں۔ وہ پہلے بھی کہاں بولتی تھیں۔ ضرورتاً بات کیا کرتیں اور اب تو جیسے سارے جواز ہی ختم ہو گئے تھے۔ وہ چپ چاپ تسبیح کے دانے گرائے جاتیں۔

ملک پور کی عورتیں آتیں سیپارے پڑھتیں۔ افسوس کرتیں چلی جاتیں اس افسوس میں رحمٰن ملک کی موت اور حفیظہ ملک کی بارات لوٹ جانے کا تذکرہ ایک ساتھ ہوتا۔

''بیٹی کا دکھ کھا گیا ملک صاحب کو ورنہ کیسے کڑیل تھے اب بھی۔'' کوئی کہتا اور حفیظہ کے دل پر بارش ہونے لگتی۔

پھپھو اور تائی جان آتیں اسے لپٹا لپٹا کر رو دیا کرتیں اور بس ایک وہی وقت ہوتا جب اس کی آنکھیں سوکھ جاتیں۔ اگر جانے سے پہلے بابا جان ان کے چہرے سے نقاب نہ اتار جاتے تو اس وقت وہ انہیں اپنا غمخوار سمجھ رہی ہوتی۔ ان کے گلے لگ کے اپنا دکھ روتی، لیکن اب تو ان کے ساتھ لگتے ہی اس کے وجود میں کانٹے چبھنے لگتے اور فوراً الگ ہو جاتی۔

پھپھو جان جھٹ آنسو پونچھ کر تائی جان کے ساتھ کھسر پھسر کرتیں پھر دونوں بَین کرنے لگتیں۔ حفیظہ کا دم گھٹنے لگتا۔ اس کا جی چاہتا انہیں چپ ہو جانے کو کہے۔ ان سے کہے یہ ڈرامہ ختم کریں، لیکن وہ چپ چاپ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی جاتی۔ جہاں کچھ ہی دیر بعد ''حفیظہ میری بیٹی'' کہتے تایا جان چلے آتے۔ وہ چھپنا چاہتی، لیکن تایا جان اسے زبردستی بانہوں کے گھیرے میں لے لیتے۔ اس کا سر سینے سے لگا کر بھرائی آواز میں کہتے۔

''تُو یہ مت سمجھنا بیٹی تیرے سر پر چھت نہ رہی۔ میں ہوں نا تیرا باپ جو بھی مانگنا ہو مجھ سے مانگنا تُو میری بیٹی ہے۔ سگی بیٹی۔''

اسے کراہیت محسوس ہونے لگتی۔ محبت سے، دولت سے۔ رشتے ناتوں سے۔ اسے ان سے کوئی اچھی امید نہ تھی۔ وہ کچھ بھی کر سکتے تھے۔ تمام رشتے بھلا کر وہ ان کے اصلی چہرے

سامنے آنے کی بے چینی سے منتظر تھی۔

☆======☆======☆

''عذیر ذرا مجھے نوما کے ہاں لے چلو۔'' وہ ہاتھ میں کتاب پکڑے عذیر کے کمرے میں آئی تھی۔

''خیریت ہے؟'' وہ فوراً اٹھ گیا۔

''ہاں پتہ نہیں کئی دن سے وہ کالج نہیں آ رہی۔ فون بھی ریسیو نہیں ہو رہا مجھے یونہی وہم ہو رہا ہے۔ کہیں کچھ ہو نہ گیا ہو۔'' فکرمندی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ عذیر نے دیکھ لی تھی پھر بھی ہنس کر بولا۔

''مثلاً کیا متوقع ہے؟ نوما کی شادی؟ ارمغان کا ولیمہ یا پھر فرحان کے بچے کا عقیقہ؟''

''پلیز عذیر۔ میں واقعی پریشان ہوں۔'' اسے عذیر کا انداز بھی نہ ہنسا سکا۔

''او کے۔ تیار ہو؟'' اس نے بائیک کی چابی اٹھائی۔ ''ہاں بس چچی جان کو بتا دوں۔ بتا تو صبح بھی تھا۔ اب جانے کا کہہ دوں'' وہ باہر نکل گئی۔

عذیر کے ذہن میں نقشم کا سراپا آ گیا۔ دونوں کی جوڑی اگر بن جائے تو زبردست ہو لیکن پتہ نہیں وہ آیا کیوں نہیں پہلے تو بھاگا چلا آتا تھا۔ فون بھی ریگولر کرتا تھا اور اب تین ماہ سے کوئی خیر خبر نہیں ہے۔ ہے تو لاپروائی۔ فکر کرنے پر آئے تو کرتا چلا جائے اور نہ کرے تو پلٹ کر نہ پوچھے۔

''چلیں!'' ناجیہ چادر لے کر آ گئی تھی۔

''ہاں!'' وہ باہر نکل آیا اب اسے نقشم کی فکر ستانے لگی تھی۔

تیسری بیل کے بعد گیٹ کھلا تھا اور گیٹ کھولنے والی نوما تھی۔

''نوما'' وہ اسے اس حالت میں دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ بکھرے بال ملگجا لباس۔ سوجی آنکھیں۔ وہ اس کے ساتھ لپٹ کر دھواں دھار رونے لگی۔

''نوما ہوش کرو کیا ہوا ہے۔'' وہ اسے ساتھ لگائے عذیر کو جانے کا اشارہ کرتی اندر چلی آئی۔ گھر میں بلا کی خاموشی تھی۔ کوئی نظر بھی نہ آ رہا تھا۔ نوما کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔ وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو ارمغان کو فرش پر بیٹھے دیکھ کر ٹھٹکی اس کی حالت بھی نوما سے مختلف نہ تھی۔

''کیا ہوا ہے نوما۔ کچھ تو بتاؤ۔'' اس کا حوصلہ جواب دے گیا۔

''مما چھوڑ گئیں ناجیہ ہمیں مما چھوڑ گئیں۔'' نوما چیخنے لگی اس کے دل کو دھکا سا لگا۔ وہ بمشکل نوما کو سنبھال کر صوفے تک لائی۔ ارمغان یونہی خالی خالی نظروں سے ان دونوں کو دیکھ

رہا تھا۔

''کب ہوا یہ سب اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں۔ کیا اپنا نہیں سمجھتیں تم مجھ کو۔'' وہ گلے مل کے روتی ہوئی شکوہ کر رہی تھی۔

''بس اچانک ہی ہو گیا سب کچھ۔ نوما ناشتے کے لیے مما کو بلانے گئی تو...... ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ کسی صدمے کی وجہ سے دماغ کی نس پھٹ گئی ہے۔ پتہ نہیں کیا ہوا ہم تو بالکل ہی خالی ہاتھ رہ گئے ہیں۔'' بولتے بولتے ارمغان کی آواز بھرا گئی تو وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ بڑی دیر بعد نوما کی طبیعت سنبھلی رو رو کر نڈھال ہو رہی تھی۔ وہ اس کے لیے پانی لینے کچن میں آئی تو ارمغان وہاں موجود تھا۔ اس نے فریج سے پانی کی بوتل نکالی اور گلاس لے کر پلٹنے کو تھی کہ اس نے پکار لیا۔

''ناجیہ بات سنیں۔'' وہ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

''آپ کسی بھی طرح نوما کو کالج جانے پر رضامند کر لیں۔ پچھلے پندرہ دن سے وہ صرف رو رہی ہے۔ اگر اس کی یہ حالت رہی تو وہ بیمار پڑ جائے گی پلیز۔''

''ہاں میں کوشش کرتی ہوں۔'' اس کا انداز تسلی دینے کا سا تھا۔

''تھینک یو۔'' وہ مشکور ہوا۔ وہ چپ چاپ باہر آ گئی۔ پھر اس نے نوما کو کالج جانے پر بمشکل رضامند کر ہی لیا۔ عذیر شام کو اسے لینے آ گیا وہ نوما کو ڈھیر ساری تسلیاں دے کر رخصت ہوئی وہ ایک بار پھر رونے لگی تھی۔

''اچھا اس وہم کا کیا ہوا؟'' راستے میں عذیر نے پوچھا۔

''اس کی مما کی ڈیتھ ہو گئی۔ پچھلے فرائیڈے۔''

''اوہ ویری سیڈ تم بھی پاگل ہو وہیں بتا دیتیں تو میں بھی تعزیت کر لیتا۔'' وہ اس پر خفا ہونے لگا۔

''دھیان نہیں رہا۔'' اس نے اپنی غلطی مان لی۔

''گھر میں کچھ اور لوگ بھی آ کے بیٹھے ہیں۔'' عذیر نے کہا لیکن اس نے سنا نہیں اپنے دھیان میں بیٹھی رہی۔ عذیر اسے گھر کے باہر ہی اتار گیا تھا۔ وہ چادر سمیٹتی اندر آئی تو ایک لمحے کو ٹھٹک گئی۔ کتنے دنوں بعد اس کو دیکھا تھا۔ وہ چچی جان کے پاس بیٹھا ہولے ہولے کچھ کہہ رہا تھا۔ اس نے قریب جا کر سلام کیا۔ وہ اَن سنی کیے بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر اندر چلا گیا۔ اس کے ذہن پر ابھی تک نوما کی کیفیت طاری تھی۔ اس نے چچی جان کو سب بتایا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

نقشم کا رویہ مبہم تھا۔ شاید وہی بات، لیکن پہلے تو کبھی اتنی لمبی ناراضگی نہیں رکھی اس نے چلو معذرت کرلوں گی۔ اس نے سوچا تھا، لیکن نقشم موقع ہی نہ دے رہا تھا۔ وہ اندر جاتی تو اٹھ کر باہر چلا جاتا وہ باہر آکر بیٹھتی تو چچی جان سے باتوں میں محو ہو جاتا۔ پھر اسے بھی غصہ آ گیا۔

''نہیں تو نہ سہی۔ پتہ نہیں سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو۔'' وہ بے نیاز بن گئی۔ رات کھانا اس کی پسند کا بنایا تھا۔ کوفتے اور چاول سویٹ ڈش میں کھیر، لیکن اس نے ایک لقمہ بھی نہیں لیا۔ بھوک نہیں کا ورد کرتا رہا۔ جب وہ اور چچی جان کھا کر فارغ ہو گئیں تو عذیر کو لے کر باہر چلا گیا اور عذیر نے واپس آکر بھانڈا پھوڑا کہ وہ لوگ بڑا شاندار ڈنر کر کے آرہے ہیں وہ سر جھکائے بے نیاز بنی رہی۔

اور اگلی صبح وہ فجر کے بعد ہی واپس چلا گیا۔ اسے دکھ تو ہوا پھر بھول بھال گئی۔

☆======☆======☆

ربیعہ نے بڑی گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔ وہ بڑے اعتماد سے چلتی کمرے تک گئی تھی پھر پلٹ کر اسے دیکھا اور ہنستی ہوئی اندر داخل ہوگئی۔ ربیعہ پیچھے آئی تھی۔

''کون سی ٹیچر کے گھر گئی تھیں؟'' اس نے بلا تمہید پوچھا تھا۔

''کوئی سی بھی۔ تم کون سا کسی ٹیچر کو جانتی ہو۔'' وہ لاپرواہی سے جاگرز کے تسمے کھولنے میں مصروف رہی۔

''کیا خبر میں جانتی ہی ہوں۔''

''ربیعہ جہانگیر شاہ۔'' اس نے سر اٹھایا۔ ''میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا بہن ہی رہو Investi gator مت بنو۔'' وہ انتہائی بدتمیزی سے بولی تھی۔

''مجھے اماں کو بتانا ہی پڑے گا۔'' وہ جارحانہ عزائم لیے پلٹ گئی۔ ہما کا دل ایک لمحے کو کانپا۔ پھر خود کو تسلی دے کر نارمل ہوگئی۔ کون سے ثبوت لیے بیٹھی تھی ربیعہ، منہ ہاتھ دھونے کے بعد اس نے کپڑے بدلے اور بیڈ پر دراز ہوگئی۔ آج اس کے پاس سوچنے کو بہت کچھ تھا اور اس کے لیے رات کا انتظار مشکل تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا وہ اٹھ کر رقص کرنا شروع کر دے وہ چیخ چیخ کر سب کو بتائے کہ اسد اس سے کتنی محبت کرتا ہے۔ اس نے آنکھیں میچیں وہ کتنا ڈر رہی تھی۔ اس سے جب اسد کے ساتھ اس خالی گھر کے ایک پکے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ دل میں ٹھان چکی تھی کہ وہ اسد کو کچھ نہ کچھ مار کر بھاگ نکلے گی اور اسد نے اس کے چہرے پر لکھی تحریر پڑھ لی تھی۔

''میں جانتا ہوں تم اس وقت کیا سوچ رہی ہو۔'' وہ چونکی۔

''نن نہیں۔'' وہ کچھ قدم پیچھے ہٹی تھی۔

''میں تم سے محبت کرتا ہوں ہما تمہاری عزت میری عزت ہے۔ پتہ نہیں تمہارے دل میں یہ خیال کیوں آ گیا۔ شاید ابھی تک تمہیں میرا اعتبار نہیں آیا۔ یا تم نے مجھے جانا نہیں، تم مجھے راہ چلتا اوباش سمجھ رہی ہو ہے ناں۔'' وہ افسردہ ہوا۔ ہما پشیمان ہوگئی۔

''نہیں ایسی بات نہیں۔ بس ہمیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ اگر کوئی دیکھ لے تو کتنی رسوائی ہو کیا بات بن جائے۔'' اس نے وضاحت کی تھی۔

''یہاں کوئی نہیں دیکھنے لگا تمہیں اور نہ ہی کوئی آئے گا۔ حامد چلا گیا ہے باہر سے تالا لگا کر۔ ہم جب تک چاہیں یہاں بیٹھ کر باتیں کر سکتے ہیں۔ تم کھڑی کیوں ہو، بے فکر ہو کر یہاں بیٹھو۔'' وہ خود بھی ایک چارپائی پر بیٹھ گیا اور سامنے اسے بٹھا دیا۔ پھر وہ بہت باتیں کرتا رہا اپنی۔ گھر والوں کی۔ اس کی۔ وہ سنتی رہی۔ جب کافی دیر ہوگئی تو خود ہی اٹھا اور باہر کا چکر لگا آیا۔

''پتہ نہیں حامد کدھر رہ گیا ہے کہا بھی تھا چار بجے آجائے۔ تب ہما نے دیکھا ساڑھے چار ہو رہے تھے۔ وہ گھبرا گئی اتنی دیر ہوگئی تھی۔ کہیں ربیعہ فون کر کے پوچھتی نہ پھرے۔ اماں کی نسبت اسے ربیعہ کا خوف رہتا تھا۔ پونے پانچ بجے حامد آیا تو اسد اس پر برس پڑا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں ہنستا رہا۔ اسے حامد ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ پھر بہت تیز ڈرائیونگ کر کے وہ اسے بس اسٹاپ تک چھوڑ گیا تھا جہاں سے وہ گھر آئی تھی۔

اسد اس کی توقع سے بڑھ کر شریف نکلا تھا وہ چار گھنٹے اس کے ساتھ تنہا گزار کر آئی تھی اور اس نے ایک بار بھی اسے چھونا تو درکنار نظر بھر کے دیکھا بھی نہ تھا۔ اس سے بڑھ کر اور ثبوت کیا ہوتا۔ وہ مسرور تھی بے حد۔ اسد کی باتوں نے اس کا حوصلہ بے حد بڑھا دیا تھا۔ اب وہ ربیعہ سے بھی خوف نہ کھا رہی تھی۔

''کیا کرے گی زیادہ سے زیادہ۔'' وہ مطمئن تھی۔

☆======☆======☆

''سر مس راضیہ رو رہی ہیں۔'' صدیقی نے آکر بتایا۔

''کیوں؟'' وہ اسی طرح مصروف رہے۔

''میں نے پوچھا ہے سر، لیکن وہ کچھ نہیں بتا رہی ہیں۔''

''اچھا آپ انہیں میرے پاس بھیجیں۔'' صدیقی باہر گیا تو وہ فائل بند کر کے راضیہ کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہ سوں سوں کرتی اندر داخل ہوئی۔

''سر آپ نے بلایا؟'' بھیگی آواز میں اس نے پوچھا۔

''جی بیٹھیے!'' انہوں نے اشارہ کیا وہ بیٹھ گئی۔ قدرے توقف کے بعد سلجوق گویا ہوئے۔

''اینی پرابلم مس راضیہ؟'' اور اس نے جواب دینے کی بجائے رونا شروع کر دیا۔

''Oh take it easy میں نے آپ سے پرابلم پوچھی ہے۔ چپ ہو جائیں۔'' انہوں نے ڈانٹا۔ تو وہ خاموش ہو کر ٹشو سے منہ صاف کرنے لگی۔ پھر دھیرے سے بولی۔

''سر یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے میں Share نہیں کر سکتی لیکن حقیقتاً مجھے بہت پریشانی ہے۔'' وہ انگلیاں چٹخانے لگی۔

''ٹھیک ہے اگر آپ نہیں بتانا چاہتی ہیں تو نہ سہی۔ ایک انسان ہونے کے ناتے یہ میرا فرض بنتا ہے جو میں نے نبھایا۔ آپ جا سکتی ہیں۔'' انہوں نے دوبارہ سے فائل کھول لی۔ راضیہ نے کچھ دیر کھڑے ہو کر انہیں دیکھا۔ پھر کہنے لگی۔

''سر میں آپ کو فون پہ بتا دوں گی آج شام۔'' وہ کچھ نہیں بولے تو وہ باہر نکل گئی۔ وہ واقعی بری طرح پریشان تھی۔

☆======☆======☆

نوما کو دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی پھر اس کا ہاتھ تھامے کامن روم کی طرف لے گئی۔

''کیسی ہو۔ شکل سے تو بڑی نکھری لگ رہی ہو کیا فارمولا استعمال کر رہی ہو۔'' ناجیہ نے جان بوجھ کر ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا تھا۔ وہ چپ رہی۔ کامن روم میں چند ایک لڑکیاں موجود تھیں جو اپنے آپ میں مگن تھیں۔ وہ اس کو کونے میں لے گئی۔ تاکہ آرام سے بات کر سکے۔

''ہاں تو کالج کس کے ساتھ آئی ہو؟'' بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''ارمغان چھوڑ کر گیا ہے۔ میرا تو موڈ نہیں ہو رہا تھا لیکن وہ زبردستی چھوڑ گیا۔'' اس نے دھیرے سے بتایا تو ناجیہ نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

''ہاں تو اچھا کیا ناں۔ گھر میں رہ کر سوائے رونے کے اور تم نے کرنا بھی کیا تھا۔'' نوما کی آنکھیں پھر بھرنے لگیں۔

''اونہوں خبردار جو روئیں تو اب اگر میں نے تمہیں روتے دیکھا یا سنا تو میں ہمیشہ کے لیے تم سے قطع تعلق کر لوں گی اور یہ تم جانتی ہو میں اپنی بات کی کس قدر پکی ہوں۔'' ناجیہ کی دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ اس نے فوراً آنکھیں پونچھ ڈالیں۔

''ویری گڈ۔ اچھی بچی ہو یہ بتاؤ ناشتا کیا یا نہیں؟'' اس نے بات کرنے کا ارادہ ملتوی کر

دیا تھا۔

''نہیں۔'' نوما نے نفی میں سر ہلایا۔

''مروا دیا ناں میں بھی بھوکی ہوں چلو کچھ کھاتے ہیں چل کے اس کے بعد کوئی پیریڈ اٹینڈ کرنے کی ہمت ہو سکے گی۔'' وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں رخ کینٹین کی طرف تھا۔ کینٹین میں بیٹھ کر ناجیہ نے گزشتہ دنوں کی ساری روداد اسے سنا ڈالی۔

''میں نے تمام لیکچرز نوٹ کر لیے ہیں تمہارے لیے، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اور ہاں آج واپسی میں تم میرے ساتھ گھر چلو گی۔ چچی اماں پوچھ رہی تھیں تمہارا۔ مجھے کہا بھی تھا کہ تمہاری طرف لے چلوں، لیکن ان کے مسئلے کا تو تمہیں پتہ ہے۔ سفر کر نہیں سکتیں۔ بس اسی وجہ سے یہ بتاؤ تمہاری بھابی صاحبہ کے مزاج درست ہوئے کہ نہیں۔'' یونہی روانی سے بات کرتے کرتے وہ عاصمہ کا پوچھ گئی تھی۔

''ہونہہ نفرت ہو گئی ہے مجھے ان سے شدید نفرت۔'' پہلی دفعہ وہ بھابی کے متعلق بات اتنے تنفر سے کر رہی تھی۔ ورنہ تو ہمیشہ رو پڑتی تھی۔

''تباہ کر دیا ہے اس عورت نے ہمارا گھر۔ پتہ نہیں کیسی عورتیں گھر جنت بناتی ہیں۔ ہم تو اس دن سے سولی پر لٹک رہے ہیں۔''

''فرحان بھائی میرا مطلب ہے ان کی روٹین میں فرق آیا؟''

''تمہیں پتا ہے ناجیہ مما کی ڈیتھ کیسے ہوئی؟ کوئی نہیں جانتا۔ میں جانتی ہوں۔ انہوں نے اس صبح بھائی کو لڑکھڑاتے ہوئے گھر میں آتے دیکھ لیا تھا۔ ہماری باتیں سن لی تھیں۔ میں نے کہا تھا مما یہ صدمہ نہیں سہار سکیں گی اور ایسا ہی ہوا۔ انہوں نے دوبارہ آنکھیں نہیں کھولیں۔ وہ بہت شرم والی خاتون تھیں۔ انہیں بیٹے کا دکھ بیٹے کا گناہ مار گیا۔'' ناجیہ کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔

''بھائی اس دن کے بعد سے گھر نہیں آئے۔ بھابی نے میکے جا کر رہنے کی کوشش کی لیکن انکل نے انہیں واپس بھجوا دیا خواہ مخواہ ہی۔ رکھ لیتے اپنے پاس۔ ہمارے کس کام کی اب ان کی اپنی Activities ہیں جو کہ رات گئے تک چلتی ہیں۔ کبھی اپنے گھر میں کبھی کسی اور کے گھر میں۔ خالی ہو گیا ہے ہمارا گھر، مما تھیں تو سائبان کی طرح ان کا سایہ محسوس ہوتا تھا اب تو لگتا ہے جیسے میں بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی ہوں۔ ایک ارمغان ہے۔ دونوں مل بیٹھ کر رو لیتے ہیں۔ بس یہی رہ گئی ہے ہماری زندگی۔''

ناجیہ اسے بس تسلی ہی دے سکتی تھی سو اسے بہلاتی رہی کالج آف ہونے کے بعد وہ اسے

اپنے ساتھ لے آئی تھی ارمغان کو اس نے فون پر بتا دیا تھا۔ پھر وہ شام تک کافی بہل گئی تھی۔

عزیر نے جتنے چٹکلے یاد تھے سب چھوڑے۔ ہنستے ہنستے ان کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ پھر شام کو وہ آئس کریم لے آیا اور شرط لگا دی کہ جو سب سے پہلے سب سے زیادہ کھائے گا اسے اور ملے گی۔ ناجیہ جیت گئی۔ پھر وہ حسبِ وعدہ مزید آئس کریم لینے بازار جا رہا تھا لیکن انہوں نے پھر کسی دن پر اٹھا رکھا۔ چچی جان نے بھی اسے بے حد پیار کیا تھا اور اسے آتے رہنے کی تاکید کی تھی۔ وہ پہلی بار اتنی دیر کے لیے ناجیہ کے پاس ٹھہری تھی۔ پہلے تو بس کھڑے کھڑے ہی آنا ہوتا وہ بھی یوں کہ ناجیہ کو پک کرنا ہوتا پھر ڈراپ۔ باقی گھر والوں کو بائی نیم ہی جانتی تھی۔ اب ان کے ساتھ رہی تو اسے اندازہ ہوا تھا وہ سب کس قدر پیار کرنے والے تھے۔

''میں آیا کروں گی۔'' جاتے سمے اس نے چچی جان کے گلے لگتے ہوئے وعدہ کیا تھا اور انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔ بالکل مما کی طرح۔ اس کی آنکھیں بھیگنے کو تھیں۔ ناجیہ نے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا۔

''اوں ہوں ہم جو ہیں تمہارے اپنے۔ اکیلی نہیں ہو تم۔'' اور وہ محبتوں سے دامن بھرے لوٹ آئی تھی۔

☆======☆======☆

''میرے ڈیڈی سر! پاکستانی ہیں اور مما فرانسیسی۔ ہم دو بہنیں ہیں ایک میں ایک مجھ سے چھوٹی ثوبیہ۔ ہم نے یہیں آنکھ کھولی۔ پلی بڑھیں اسی ماحول میں رنگ گئیں۔ جوزف، پال، پیٹر ہمارے دوست ہیں۔ ہم لوگ کھلم کھلا ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ ایک ساتھ وقت گزارتے ہیں کیونکہ ہمیں منع کرنے والے خود اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ڈیڈی کی کبھی کبھی پاکستانیت بیدار ہو جاتی ہے۔ تو وہ روک ٹوک بھی کرتے ہیں لیکن مما ہمیشہ ہمارے آگے ڈھال بنی رہی ہیں اور یہی وجہ ہے سر ہم اخلاقی بے راہ روی کی آخری حد تک جا پہنچی ہیں۔ جوزف کا دعویٰ ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور شاید میں بھی لیکن وہ اس تعلق کو شادی کا نام دینے کو تیار نہیں۔ ہماری کچھ تصاویر پیٹر کے ہاتھ لگ گئی ہیں اور اب وہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ کہتا ہے کہ میں اس کے ساتھ...... اس کے ساتھ بھی ویسا ہی تعلق رکھوں جیسا کہ جوزف کے ساتھ ہے۔ ورنہ وہ یہ تصاویر ممی ڈیڈی کو دکھا دے گا اور سر کچھ بھی ہو ڈیڈی جتنے بھی Libral ہوں۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کی بیٹی...... میں نے جوزف سے بات کی تو اس نے مذاق میں اڑا دی۔ کہتا ہے اس سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے تو بے شمار لڑکیوں سے

تعلقات ہیں۔ میں تو سر بری طرح سے پھنس گئی ہوں۔ سمجھ نہیں آتا کیا کروں۔ اب تو ایک ہی راستہ ہے کہ مر جاؤں لیکن پیٹر کا کہنا ہے کہ وہ اخبار میں ساری تصویریں دے دے گا اگر میں نے ایسا کچھ کیا۔''

بات مکمل کر کے وہ رو پڑی تھی۔ سلجوق شاہ نے سب کچھ سنا اور فون بند کر دیا۔ فوری طور پر ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا کہ وہ اسے کیا کہیں۔ اس نے خود اپنی تباہیوں کے سارے سامان کیے تھے۔ ماں باپ نے نہیں روکا تھا تو وہ خود تو پڑھی لکھی تھی۔ اچھے برے کا شعور رکھتی تھی۔ وہ کیوں اس حد تک بڑھی؟ آزاد معاشرہ آزاد ماحول میں تو یوں بھی پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ تو پھر یہاں آ کر بس جانے والے والدین کیوں اپنی روایات پیچھے چھوڑ آتے ہیں کیوں ان کے نزدیک عزت کے معیار بدل جاتے ہیں؟

کیوں اندھی دوڑ میں شریک ہو کر خود کو بہت آزاد محسوس کرتے ہیں؟ کیوں اس رنگ میں رنگ جانے کو فخر محسوس کرتے ہیں جو کچا ہوتا ہے لیکن یہ کہ ان کا اپنا رنگ بھی لے اُڑتا ہے۔

کیوں خود کو Third world citizen complex سے نکالنے کے لیے حیا کی چادر اتار بیٹھتے ہیں؟

اور جب سب بویا پھل بنتا ہے تو پھر روتے ہیں۔ چیختے ہیں اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے بے بسی کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کو سرِ بازار رسوا کیا جائے۔ تو بھی ان کی غفلت کی سزا پوری نہ ہو۔

انہیں فوری طور پر راضیہ احمد سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی۔

☆======☆======☆

ایک بار پھر ملک پور کی رونق دیدنی تھی۔ حویلی جانے والے تمام راستے صاف کر کے ان پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا۔ مردان خانہ اور زنان خانہ مہمانوں سے بھرے تھے۔ پچھواڑے کے میدان میں دیگوں کی پکوائی کا انتظام تھا۔ بڑے ہال میں عورتیں قرآن خوانی کر رہی تھیں اور باہر مرد، حفیظہ ادی جان کو سنبھالے ہوئے تھی۔ ان کو بار بار غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ وہ خود اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ پا رہی تھی۔ پھپھو جان اور تائی جان خشک آنکھوں کو بار بار پونچھتی اور حفیظہ سے اپنی محبت کا قصہ لے بیٹھتیں۔ تایا جان آج سجاول کو بھی اپنے ساتھ لیے پھر رہے تھے۔

دعا ہوتے ہی کھانا کھول دیا تھا۔ پُرتکلف کھانا تھا۔ سب انتظام تایا جان نے کیا تھا۔ بقول ان کے ساری عمر دل کھول کر خرچ کرنے والے رحمٰن ملک کا چالیسواں یونہی نہیں ہو گا اور

واقعی ایسا ہوا تھا سب کے ہونٹوں پر تعریفی کلمات تھے اور ملکوں کی واہ واہ۔ شام ہونے تک دور سے آنے والے سب مہمان رشتے دار رخصت ہو گئے۔ چند ایک رہ گئے تھے۔ اس نے ادی جان کو نیند کی گولی دے کر سلا دیا تھا اور خود ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔ پھپھو اور تائی جان بھی وہیں آ بیٹھی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد تایا جان بھی چلے آئے۔ وکیل انکل ہمراہ تھے۔ حفیظہ سلگ کر رہ گئی۔ کتنی جلدی تھی انہیں۔ تایا جان نے وکیل انکل کو اشارہ کیا تو انہوں نے بریف کیس میں سے وصیت نامہ نکال لیا۔ کھولتے ہوئے انہوں نے سب کے چہرے پر طائرانہ نظر ڈالی اور جان گئے کہ ان کی نظروں میں کیسی ہوس تھی۔ انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔

''میں رحمٰن ملک ولد سلطان ملک اپنی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کی وارث اپنی بیٹی حفیظہ ملک کو مقرر کرتا ہوں۔ یہ ملک پور کے تمام سیاہ وسفید کی مالک ہے اور اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے جو فیصلہ چاہے کر سکتی ہے۔ اس جائیداد میں حفیظہ کا شوہر برابر کا حصہ دار ہے۔ یہ تمام جائیداد میری اپنی ہے...... اس لیے میرے بہن بھائی اس کے حقدار نہیں ہیں۔ میں نے اپنی بیوی کا حصہ اس کے نام منتقل کر دیا ہے اور وہ اس کو جس کو چاہے دے سکتی ہے۔''

سب کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ وکیل انکل نے سارے کاغذات حفیظہ ملک کے حوالے کیے تایا جان پہلو پر پہلو بدل رہے تھے۔ بالآخر بول اٹھے۔

''حفیظہ ابھی ناسمجھ ہے۔ رحمٰن نے مختار نامہ یقیناً میرے نام لکھا ہو گا وکیل صاحب۔''

''جی نہیں حفیظہ بیٹی قانوناً و شرعاً عاقل و بالغ ہے۔ وہ اپنی جائیداد کی دیکھ بھال کر سکتی ہے۔ اس لیے مختار نامہ آپ کے نام ہرگز نہیں ہے۔'' وکیل انکل نے گہری مسکراہٹ سے انہیں دیکھا اور شدتِ غیض سے وہ اٹھے اور باہر نکل گئے۔ تائی جان اور پھپھو جان بھی پاؤں پٹختی باہر نکل گئیں۔

''بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے بیٹا، سلیمان ملک سے مجھے کچھ اچھی امید نہیں ہے۔ وہ جائیداد کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔'' وکیل انکل نے حفیظہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے سمجھایا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''انکل آپ تو میرا ساتھ دیں گے ناں۔'' بہت امید سے اس نے پوچھا۔

''کیوں نہیں بیٹا، رحمٰن کے بہت احسانات ہیں مجھ پر تم یہ سارے فون نمبرز اپنے پاس محفوظ کر لو کبھی کوئی ایسا وقت آئے تو کہیں بھی پیغام چھوڑ دینا میں پہنچ جاؤں گا۔''

انہوں نے کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ حفیظہ نے اسے مٹھی میں دبا لیا۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر قدرے ہچکچاہٹ سے بولے۔

''مجھے شاید یہ نہیں کہنا چاہیے تمہیں برا بھی لگے گا لیکن ایک مشورہ ہی ہے۔ اگر سن لو تو میرے خیال میں بہتر یہی ہے کہ تم سلجوق کے پاس چلی جاؤ یا پھر اسے یہاں بلا لو جو ہو چکا اسے بھلا دینا ہی بہتر ہے۔ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی بات اتنی تھی نہیں جان بوجھ کر سازش کے تحت بڑھائی گئی تھی۔ تم درگزر کرو۔ طلاق حلال چیزوں میں سے رب کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔''

وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے اپنی بات مکمل کر کے باہر نکل گئے۔ حفیظہ سوچ کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔

☆======☆======☆

''نقشم مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' کتنے دنوں بعد بالآخر اسے موقع مل ہی گیا تھا۔ وہ رات ہی آیا تھا۔ ویسا ہی چپ چپ سا ناشتے پر ملاقات ہوئی تھی۔

عذیر کالج جا چکا تھا۔ چچی جان بھی اٹھ گئی تھیں اور اس نے اسے دیکھتے ہی کالج جانے کا ارادہ ترک کیا تھا۔ نقشم نے چائے کا خالی کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے یونہی سرسری نظر اس پر ڈالی تھی اور اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

''وہ دراصل مجھے اس روز والی بات پر سوری کرنا تھا۔ اصل میں، میں وہ نہیں کہنا چاہ رہی تھی۔ تم بھی تو حد کرتے ہو مذاق کی، کوئی سن لے تو کیا کہے یہی کہ میں اس گھر میں رہتے رہتے اس گھر کی مالک بننے کے خواب دیکھ رہی ہوں۔ تمہیں پھانس رہی ہوں، خواب دیکھ رہی ہوں۔ تمہیں اس بات کا خیال نہیں لیکن مجھے خیال رکھنا پڑتا ہے۔ تم تو ایک مذاق کر کے فارغ ہو جاتے ہو لیکن......''

نقشم سے ضبط کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ لب بھینچے ایک دم اٹھا اور تیز تیز ڈگ بھرتا چلا گیا۔

''بس یہ انسان نہیں بن سکتا۔'' اس نے افسوس سے اسے جاتے دیکھا پھر برتن اکٹھے کرنے لگی۔ نقشم کی حالت بری ہو رہی تھی۔

''تو وہ یہ سمجھتی ہے کہ یہ سب مذاق ہے۔ میں اس سے دل لگی کرتا ہوں۔ اس کو ڈی گریڈ کرنے کے لیے یہ حرکتیں کرتا ہوں۔ میری محبت کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔''

وہ کمرے کی چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینک رہا تھا۔ شور کی آواز سن کر ناجیہ ادھر آئی۔ دروازے سے اندر جھانکا۔ کمرے کی حالت ابتر ہو گئی تھی اور نقشم دونوں ہاتھوں میں سر تھامے فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔

وہ گھبرا کر اس کی طرف بڑھی تھی۔

"کیا ہوا نقشم طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری۔" اس نے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا اور اس نے ایک دم اس کو بازو سے کھینچ کر نیچے گرا دیا۔ وہ اس کے پیچھے ہی ہوتی ہوئی عین اس کے سامنے آ گری تھی اور وہ خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ کک، کیا مذاق ہے نقشم؟" وہ ہکلائی تھی۔ اس کا بازو اس کی مضبوط گرفت میں تھا اور وہ لال انگارہ آنکھوں سے اسے وحشت سے تک رہا تھا۔ اس نے مزاحمت کی تو وہ ایک جھٹکا دے کر اس پر جھک آیا۔ ناجیہ کی سانس رک گئی۔ ساری آوازیں اس کے حلق میں دم توڑ گئی تھیں۔

وہ غرایا۔ "تم ناجیہ عزیز احمد مجھ سے محبت کرو گی اتنی محبت کہ کسی نے کسی سے نہ کی ہو گی اور پھر میں تمہیں نہیں ملوں گا۔ چاہے کچھ کر لو یہ میری بددعا ہے تمہیں۔" وہ اسے ٹھوکر رسید کر کے تیزی سے اٹھا اور باتھ روم میں گھس گیا۔ ناجیہ دم بخود وہیں پڑی رہی۔ پھر جیسے خیال آنے پر اٹھی اور بھاگتی ہوئی کمرے میں آ گئی اور تکیہ بھینچ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

☆======☆======☆

"ہما تم ٹھیک نہیں کر رہی ہو۔" وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنا تنقیدی جائزہ لے رہی تھی کہ ربیعہ جو کافی دیر سے اسے دیکھ رہی تھی چپ نہ رہ سکی۔

"کیا ٹھیک نہیں کر رہی۔" وہ ہنسی۔ "میں کوئی انوکھی تو تیار نہیں ہوتی۔ اب سر جھاڑ منہ پھاڑ تو کالج جانے سے رہی۔ آخر کو لڑکیوں میں اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے اور پھر لڑکی بھی ایک سے بڑھ کر ایک۔ تم نے کبھی دیکھا نہیں۔ کیسا فیشن شو کا سماں ہوتا ہے اور میری تیاری تو صفر ہے ان کے مقابلے میں۔" اس نے لپ اسٹک اٹھا کر ہونٹوں پر جمائی۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو میں کیا بات کر رہی ہوں۔ مجھے تمہاری تیاری سے کوئی غرض نہیں کوئی اعتراض نہیں۔ اگر یہ غلط استعمال نہ ہو۔ تم کیا سمجھتی ہو میں بے خبر ہوں کہ تم یہ اہتمام کس کے لیے کر کے جاتی ہو۔ جن راہوں پر تمہارے قدم چل پڑے ہیں ہما۔ وہ صرف تباہی کی طرف لے جاتے ہیں اور میں تمہیں اس تباہی سے بچانا چاہتی ہوں۔"

ربیعہ کا لہجہ پست تھا۔ اتنے دنوں کے سمجھانے کا اس پر کچھ اثر نہ ہو رہا تھا۔

"ربیعہ ڈارلنگ میں پہلے بھی آپ سے کہہ چکی ہوں کہ آپ کو میری فکر میں گھلنے کی قطعاً ضرورت نہیں، میں اپنا اچھا برا سمجھتی ہوں۔ کون سی راہ کس طرف جاتی ہے مجھے پتہ ہے۔ آپ آئندہ سے یہ زحمت نہ کریں۔ ہونہہ۔

"خود نہیں رکھتے تو اوروں کے بجھاتے ہیں چراغ۔" اس نے نخوت سے کہتے ہوئے

پرس اٹھایا تھا۔

"جن چراغوں کو لے کر تم چل رہی ہو ہما وہ روشنی نہیں دھواں دیتے ہیں اور دھواں بھی ایسا جو چاروں طرف اندھیرا کر دیتا ہے اور اللہ کرے تم ان چراغوں کے دھواں ہونے سے پہلے پلٹ آؤ اصل روشنی کی طرف۔"

"بے فکر رہو تم سے روشنی مانگنے نہیں آؤں گی۔" وہ پاؤں پٹختی باہر نکل گئی۔ ربیعہ نے سر تھام لیا۔ وہ کیسے سمجھاتی اس کو اگر بابا جان یا اماں بی کو بتاتی ہے تو فوراً سے پہلے بابا جان اسے گولی مار دیں گے۔ دونوں بھائی اتنی دور تھے کہ انہیں بتا نہیں سکتی تھی۔ صوفیہ آپا کبھی کبھار آتیں تو اپنے ہی مسائل میں الجھی ہوتیں اور ویسے بھی انہیں کوئی بات بتانا اخبار میں دینے کے مترادف ہوتا۔ وہ تبصرہ اس قدر بلند آواز میں کیا کرتی تھیں کہ دس گھروں کو ان کے الفاظ سے ہی اصل واقعے کا پتہ چل جاتا تھا اور فارحہ بھابی تھیں۔ بظاہر بہت اچھی، لیکن تھیں تو بھاوج اور پھر مسئلہ تو وہی تھا دور کا اور خود وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ دھمکیوں سے اسے سمجھا چکی تھی، لیکن وہ شاید بہت بے خوف ہو گئی تھی۔ اس کی نظر میں کسی کی اہمیت نہیں رہی تھی۔ وہ انجام سے لاپروا ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں اس کی تربیت میں کہاں جھول رہ گیا تھا۔

"ربیعہ، سلجوق کا فون ہے۔ تمہیں بلا رہا ہے۔" بوا جی ہانپتی کانپتی آئی تھیں۔ وہ دوپٹہ کھینچ کر کاندھوں پر ڈالتی بھاگی۔

"ہیلو بھائی السلام علیکم کیسے ہیں آپ؟ بڑے بھیا ٹھیک ہیں۔" ہما کا رویہ اسے بہت Disheart (شکستہ دل) کر رہا تھا اور بھائی کی آواز سنتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"ارے گڑیا کیا ہوا؟" وہ پریشان ہو اٹھے۔

"آپ بس واپس آ جائیں۔ ہم آپ کے بغیر بہت اداس ہو گئے ہیں۔ بس جیسے بھی ہو۔" وہ مچلی۔

"ریلیکس گڑیا جانی آ جاؤں گا۔ کوئی مسئلہ ہے کیا؟" اس کے انداز پر وہ ٹھٹکے تھے۔

"جی بھائی بس آپ یہاں ہوں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ چلے آئیں۔"

"لو تم نے تو ایک نیا مسئلہ اٹھا دیا ہے۔ میری بات تو لگتا ہے آج نہیں سنی جانے والی۔" وہ ہنسے تھے۔

"نہیں بھائی۔ آپ کہیں سوری میں جذباتی ہو گئی تھی۔" اس نے فوراً معذرت کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا دیکھو۔ ربیعہ تم حفیظہ سے رابطہ کرواور اسے میرا رابطہ نمبر دو۔ اسے کہو مجھے ضروری بات کرنی ہے۔''

''بھائی آپ خود کیوں نہیں کر لیتے۔ میری بات تو وہ قطعاً نہیں سنیں گی۔ میں پہلے بھی کوشش کر چکی ہوں۔''

''میں نے کئی دفعہ ٹرائی کی ہے۔ وہاں سے ہر بار مردانہ آواز سنائی دیتی ہے۔ رحمٰن انکل کی تو نہیں ہے۔ اسے میں نے آنٹی کو بلانے کا کہا تو وہ کہہ دیتا ہے یہاں کوئی آنٹی وانٹی نہیں ہے مجھے تو لگ رہا ہے جیسے کوئی گڑبڑ ہے۔ رحمٰن انکل تو خیریت سے ہیں؟ بابا جان کو کچھ پتا ہے؟''

''ایسی کوئی بات کی تو نہیں بھائی، لیکن ہو بھی سکتا ہے۔ ڈیرے سے واپس آجائیں تو پوچھتی ہوں۔ بہر حال میں بھی کوشش کرتی ہوں اور آپ ٹھیک ہیں وہاں دل لگ گیا ہے؟'' اس نے پوچھا تو وہ ہنس دیئے۔

''پگلی دل تو میرا ملک پور ہی رہ گیا ہے۔ یہاں لگانے کو کچھ نہیں ہے او کے اماں جان کو سلام کہنا۔ ہیں کدھر وہ؟ اور ہما۔ ہاں رزاق نیویارک شفٹ ہو گیا ہے۔''

''اچھا اب آپ مزید اکیلے ہو گئے۔ آپ اپنا خیال رکھئے گا اور بھابی کو سلام کہئے گا۔'' وہ دانستہ ہما کا ذکر گول کر گئی۔ پھر خدا حافظ کہہ کر فون بند کرتے ہوئے اس کی سوچ کا دھارا حفیظہ کی طرف مڑ گیا اور اس کے متعلق سوچتے سوچتے ہی اس نے ملک پور کا نمبر ڈائل کر لیا۔ چوتھی گھنٹی پر ریسیور اٹھایا گیا تھا۔

''جی کون؟'' پوچھا گیا تھا۔

''میں صائمہ ہوں۔ حفیظہ سے بات کرنی ہے۔ کیا گھر میں ہے وہ؟'' اس نے غلط بیانی سے کام لیا۔

''کون صائمہ؟'' انداز تفتیشی تھا۔

''اس کی کلاس فیلو۔''

''پر اسے تو اسکول کالج چھوڑے دو سال ہو گئے۔'' ربیعہ کو غصہ آنے لگا۔

''دیکھیں آپ میری بات حفیظہ سے کرا سکتے ہیں تو کرا دیں۔ یا آنٹی انکل میں سے کوئی بھی ہو تو مجھے ضروری کام ہے۔'' اب کے قدرے غصے سے بولی تھی وہ۔

''آنٹی بیمار ہیں۔ انکل اب اس جہاں میں آپ سے بات نہیں کر سکتے۔ آپ کو عالم بالا رابطہ کرنا ہوگا۔ رہی حفیظہ تو وہ فون نہیں سنتی کسی کا بھی ہو۔'' اس نے نہایت بھونڈے انداز سے بکواس کی تھی۔ ربیعہ کے کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی۔

''تو کیا انکل اوہ خدایا۔'' اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔

''آپ کون ہیں؟''

''خاکسار کو اسد کہتے ہیں۔ حفیظہ کا پھپھوزاد ہوں۔ مزید کچھ جاننا ہے آپ کو؟''

''جی نہیں شکریہ۔'' ربیعہ نے کھٹاک سے فون بند کر دیا۔

''تو ادھر سب کچھ ہی بدل گیا ہے۔ کمال ہے رحمٰن انکل چل بسے اور کسی کو پتا ہی نہ چلا۔ ہو سکتا ہے بابا جان کو پتہ ہو اور انہوں نے ہمیں لاعلم رکھا ہو۔'' اس نے سوچا لیکن جہانگیر شاہ کو کب پتہ تھا۔ جب ربیعہ نے انہیں بتایا تو وہ سر تا پیر ہل گئے تھے۔ ان کا جگری دوست چل بسا تھا اور وہ لاعلم تھے۔ اس کا آخری دیدار نہ کر سکے تھے، کئی ثانیے خاموش بیٹھے رہے۔ پھر یکدم فیصلہ کن انداز میں بولے۔

''ہمیں ملک پور جانا ہوگا۔''

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' اماں چونکیں۔

''اس وقت حفیظہ اور اس کی ماں کو ہماری ضرورت ہے۔ ہمیں جانا پڑے گا۔ تم تیاری کرو۔'' انہوں نے حکماً کہا اماں جان مزید کچھ کہے بغیر اٹھ گئیں۔ بابا جان کا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔

☆======☆======☆

اس بار دونوں ایک ہوٹل میں مل رہے تھے۔ اسد نے ہوٹل کا کمرہ بک کروا لیا تھا۔ ہما کا خوف اُتر چکا تھا۔ وہ اسد سے یوں ملتی جیسے وہ کوئی لڑکی ہو اس کے دل میں ذرا سا بھی اندیشہ نہ رہا تھا۔ اسد نے تو کبھی اسے چھونے کا ارادہ بھی ظاہر نہ کیا تھا۔ وہ کتنی کتنی دیر اکیلے بیٹھے رہتے لیکن فاصلے پر، اسد نے کبھی یہ فاصلہ پاٹنے کی کوشش نہ کی تھی۔

''تم میری ہو ہما میں تم پر حق رکھتا ہوں میں تمہیں ٹچ بھی کر سکتا ہوں، لیکن نہیں۔'' وہ دھیمے دھیمے کہتا اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگتا اور ہما پر جیسے کوئی نشہ سا طاری ہو جاتا وہ جھومنے لگتی۔ اسد جیسا شریف النفس انسان اسے چاہتا ہے۔ اس کی عزت کو اپنی عزت سمجھتا ہے۔ وہ کتنی خوش قسمت تھی۔ آج وہ بڑے اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ پہلے پہل وہ اسد سے ملنے کی وجہ دریافت کیا کرتی اور وہ الجھا کرتا اور اب یہ حال تھا کہ وہ کہتا فلاں دن ہم چل رہے ہیں اور ہما یہ تک نہ پوچھتی کہاں؟

اسے اسد پر اندھا اعتماد ہو چلا تھا۔ وقت مقررہ پر وہ ہوٹل پہنچ گئی تھی

میں انتظار کرنے کا کہا تھا اور بار بار گھڑی دیکھتے ہوئے وہ عجیب طرح کی کوفت کا شکار ہونے لگی تھی۔ جب آدھا گھنٹہ گزر گیا تو وہ جھنجھلا گئی۔

''اب نہیں آئے گا وہ۔'' اس نے بیگ کندھے پر لٹکایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ عین اسی وقت ایک ویٹر اس کے قریب آیا اور اس کو کارڈ تھما گیا۔ اس نے بیزاری سے کارڈ لیا اور پلٹ کر دیکھنے لگی۔ اس پر جلدی سے کچھ لکھا گیا تھا۔ اس نے قریب لا کر پڑھا لکھا تھا۔

''Room No:15 I am Awaiting My Love۔''

وہ کارڈ مٹھیوں میں بھینچتی کاؤنٹر پر چلی گئی۔ پھر ویٹر کے ہمراہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ اسد سے لڑنے کا بھرپور ارادہ کر چکی تھی۔ ویٹر کے واپس جانے کے بعد اس نے دروازے کو ہلکا سا ناک کیا دروازہ فوراً کھل گیا۔ وہ جھجکتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ اسد سامنے بیڈ پر دراز تھا۔ کمرے میں نیم خوابیدہ روشنی ماحول کو رومانٹک بنا رہی تھی۔ دروازہ کھولنے والا حامد تھا۔ اس نے عجیب ناگواری سے اسے دیکھا بھلا اس چمچے کو ہر جگہ ساتھ رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ آگے نہیں بڑھی۔

''ہاں جانِ تمنا۔ وہیں کیوں رک گئیں۔'' اسد کا محبت بھرا لہجہ گونجا۔ اس نے پلٹ کر ایک نظر حامد پر ڈالی۔ اسد سمجھ گیا اور اس نے حامد کو جانے کا اشارہ کر دیا۔ وہ ڈیڑھ بجے آنے کا کہہ کر باہر نکل گیا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی صوفے پر بیٹھ گئی پھر قدرے توقف سے کہنے لگی۔

''اسد یہ کب تک چلے گا کہیں ایسا نہ ہو کسی کو خبر ہو جائے۔ کوئی مجھے یہاں سے نکلتا دیکھ لے تو کیا قیامت آئے تمہیں شاید اندازہ نہیں۔ بابا تو یہیں پر مجھے گولی مار دیں۔''

''یہ جو بابا قسم کے لوگ ہوتے ہیں بہت غیرت مند ہوتے ہیں۔'' وہ قہقہہ مار کر ہنسا۔ پھر بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

''زندگی بہت خوبصورت ہے جانم۔ اس طرح کے واہموں میں پڑ کر اسے ضائع نہیں کرنا ہمیں۔ میرا بس چلے تو میں روز تم سے ملوں۔ تمہیں کیا پتہ تمہارے بغیر زندگی کا ایک ایک پل کاٹنا مشکل ہو گیا ہے صرف، صرف تمہارے خیال سے میں ضبط کرتا ہوں کہ روز ملنے میں تمہیں پریشانی نہ ہو۔'' اب وہ اس کے بے حد قریب آ بیٹھا تھا۔ ہما کی سانسیں رکنے لگیں۔ شاید یہ کمرے کے پُرفسوں ماحول کا اثر تھا کہ اس کا دل دھڑک دھڑک کر کسی انہونی کی خبر دینے لگا تھا۔ اس نے گھبرا کر اسد کی طرف دیکھا۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں۔

کچھ ایسا تھا کہ ہما نے نظریں جھکا لیں اور وہاں سے اٹھنے کو تھی کہ اسد نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ جہاں کی تہاں رہ گئی۔

''اسد۔'' اس کے لبوں سے مری مری آواز نکلی۔ چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ اسد نے اس کی گھبرائی صورت دیکھی تو ہنس دیا۔

''تمہاری جان کیوں نکل رہی ہے ایک ذرا سا ہاتھ ہی تو پکڑا ہے۔''

''چھوڑو میرا ہاتھ۔'' وہ کسمسائی۔ اسد اس کا ہاتھ دھیرے دھیرے لبوں تک لے گیا پھر پشت پر مہر ثبت کر دی۔ ہما کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی تھی۔ ایسے لگا جیسے اس کے ہاتھ پر کسی نے انگارے رکھ دیئے ہوں۔ اسد ہاتھ چھوڑ کر اطمینان سے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپایا اور رو دی۔

''ارے یہ کیا۔'' وہ اس پر جھک آیا۔ وہ بدک کر کھڑی ہو گئی۔ صوفے پر سے بیگ اٹھایا اور باہر کی جانب قدم بڑھائے۔ اسد کو شاید اس اقدام کی امید نہیں تھی۔ وہ اس کے پیچھے لپکا اور بھاگ کر دروازہ کی چٹخنی چڑھا دی۔

''کیا ہو گیا ہما، پلیز اس طرح مت جاؤ۔'' وہ آگے دیوار بنا کھڑا تھا۔

''مجھے گھر جانا ہے پلیز۔'' اس نے ہونٹ کاٹے۔

''اچھا چلی جانا، لیکن اس طرح نہیں۔ وہاں بیٹھو چل کر۔ اپنا چہرہ ٹھیک کرو۔ اس طرح باہر جاؤ گی تو لوگ جانے کیا سمجھیں گے۔ چلو۔'' وہ اسے پچکارنے لگا۔

''نہیں میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔ گھر جاؤں گی۔'' وہ سختی سے بولی۔

''اچھا آئی ایم سوری۔'' اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''دیکھو مجھ سے غلطی ہو گئی۔ شدتِ جذبات سے شاید میں اندھا ہو گیا تھا یا پھر میری محبت نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ غلطی میری ہے جو میں یہ سمجھ بیٹھا کہ تم صرف میری ہو۔ میرا تم پر حق ہے اور تمہارا مجھ پر۔ قصور میرا ہی ہے جو میں یہ سمجھتا رہا کہ تم بھی میری طرح ہی مجھ سے دیوانہ وار محبت کرتی ہو۔ تم سے بھی جدائی برداشت کرنا اتنا ہی محال ہے جتنا کہ مجھ سے۔ آئی ایم سوری ہما، ویری ویری سوری۔ میں نے تمہارا ہاتھ پکڑا۔ میں قابلِ سزا ہوں۔ جو جی چاہے سزا دو بے شک تم تعلق توڑ لو مجھ سے کہ میرے گناہ کی یہی سزا ہونی چاہئے لیکن ہما یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ میں نے تم سے بے ریا محبت کی ہے اور میں دل سے تمہارا احترام کرتا ہوں اور تمہاری عزت مجھے عزیز ہے۔''

بولتے بولتے شدتِ جذبات سے اس کی آواز رندھ گئی۔ وہ دروازہ کھول کر مرے مرے قدموں سے چلتا صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ ہما کا دل اس کی باتوں پر پگھلا بھی لیکن اس وقت رک کر وہ اسے شہ نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس لیے ایک نظر مڑ کے دیکھتے ہوئے وہ دروازہ عبور کر گئی۔ اسد نے اس کو یوں جاتے دیکھا تو اپنی جلد بازی پر افسوس کرنے لگا تھا۔

☆======☆======☆

رنگ و بو کا ایک سیلاب تھا جو ڈرائنگ روم میں امڈ آیا تھا۔ رنگ برنگے لہراتے آنچل دھیمے دھیمے بجتا میوزک، مدھم روشنیاں اور ان سب میں ممتاز و منفرد نظر آنے کی کوشش کرتی عاصمہ حیات۔ Sea green half sleeveless blouse میں اس کا حسن دمک رہا تھا۔ بہت سی ستائشی نظریں اس کا گھیراؤ کیے ہوئے تھیں۔ آج اس نے اپنے سب ہی فرینڈز کو Invite کیا تھا۔ یونیورسٹی فیلوز (Felows) سے لے کر کالونی فیلوز تک۔ ندیم رضا ساجد علوی، احمر خان، زکی، مونا، سعدیہ، حمیرا اور سب سے نمایاں شخصیت اسد ملک۔

حقیقت میں یہ پارٹی اس نے ارینج ہی اسد ملک کے لیے کی تھی۔ کسی زمانے میں وہ اس کا فین رہا تھا۔ اس کی اسمارٹنس، اس کی خوبصورتی پر دل و جان سے فدا ہونے والا۔ اگر بیچ میں فرحان نہ آ گیا ہوتا تو ان کی شادی ہونے سے کوئی نہ روک سکتا تھا۔ اسد ملک کو کھو دینے کا ملال ہنوز اس کے دل میں تھا۔ تبھی تو اس نے سب سے پہلے اسد ملک سے کنٹیکٹ کیا تھا۔ وہ اس کی آواز فوراً پہچان گیا تھا اور فوراً دعوت قبول کر لی تھی۔ ''تم کیسی ہو کٹورئیہ؟'' اس کا لب و لہجہ ذرا بھی تو نہ بدلا تھا۔ آتے ہی بے تکلفی سے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا تھا۔

''جیسی بھی ہوں، تم نے کون سا پلٹ کر پوچھا؟'' اس نے فوراً ناراضگی دکھائی۔

''جس مکان پر Name plate لگ جائے۔ اسے خالی سمجھ کر کوئی بے وقوف یا احمق ہی رجوع کر سکتا ہے۔'' اس نے جھک کر سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے کہا۔ سب ہی ہنس پڑے۔

''بعض دفعہ نیم پلیٹ لگ جانے کے باوجود بھی مکان خالی ہی رہتا ہے۔'' عاصمہ کا لہجہ معنی خیزی لیے ہوئے تھا۔ اسد نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور مسکرا دیا۔

''پھر تو سوچا جا سکتا ہے۔'' اور عاصمہ زور سے ہنس دی تھی۔ ارمغان نے اندر داخل ہوتے ہی یہ سب دیکھا تھا اور اس کا غیرت مند خون کھول اٹھا تھا۔ اس کی بھاوج ایک غیر مرد کی بانہوں کے گھیرے میں تھی۔ کیا وہ شرم و حیا کے سارے باب بھلا بیٹھی تھی۔ وہ بہت تیزی سے عاصمہ کی طرف بڑھا تھا۔ اسے یوں اچانک دیکھ کر ایک لمحہ کو عاصمہ گڑبڑا گئی، لیکن اگلے لمحے ڈھٹائی کا شاندار مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''ارمغان یہ اسد ملک ہیں۔ میرے بہت قریبی دوست اور اسد یہ فرحان کا چھوٹا بھائی۔''

اس نے ہاتھ بڑھایا جسے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے ارمغان نے عاصمہ کو کھا جانے والی

نظروں سے دیکھا۔

''مما کے مر جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے بھابی کہ آپ ساری شرم و حیا بالائے طاق رکھ دیں۔'' وہ غرایا تھا۔

''مثلاً میں نے شرم و حیا کون سے طاق میں رکھ دی ہے؟'' وہ استہزائیہ ہوئی تھی۔

ارمغان نے مٹھیاں بھینچ کر امڈ کر آنے والے غصے کو روکا اور پھر زور زور سے پاؤں مارتا باہر نکل گیا۔ اس کی کنپٹیاں سلگ رہی تھیں۔ بے حیائی کا یہ کھیل اس کی برداشت سے باہر تھا۔ عاصمہ نے اس کی بے بسی پر کھل کر قہقہہ لگایا اور پھر مہمانوں کے ساتھ مصروف ہو گئی۔ ایک عجیب قسم کی فتح کا سرور اس کی رگ و پے میں اتر گیا تھا۔ یہ سارے مل کر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

آدھی رات تک یہ Function چلا تھا اور تب تک ارمغان باہر گیٹ کے آس پاس ہی ٹہلتا رہا تھا۔ اسے نوما کا خیال بھی آ رہا تھا جو کہ یقیناً اندر کمرہ بند کیے بیٹھی تھی۔ وہ اپنے آپ کو اندر جانے سے ہر ممکن باز رکھ رہا تھا۔ جب گاڑیاں نکلنی شروع ہوئیں تو وہ بھی اندر چلا آیا۔ عاصمہ اسد کو خدا حافظ کہہ رہی تھی اور آتے رہنے کا وعدہ لے رہی تھی اور وہ گرمجوشی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے وعدہ کر رہا تھا۔ ارمغان سیدھا نوما کے کمرے میں گیا تھا اور وہ حسبِ توقع منہ سر لپیٹے اوندھی پڑی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اٹھی اور اس سے لپٹ گئی۔

''ارمغان ہمیں یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ ورنہ یہ سب ہمیں نگل جائیں گے۔'' ارمغان نے اس کا سر تھپکا۔

''کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ بھائی کب تک لوٹتے ہیں؟''

''کوئی Time fix نہیں۔ شاید ابھی آ جائیں۔ کھانا لے کر آؤں تمہارے لیے۔'' اسے ایک دم خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

''نہیں۔ بھوک نہیں رہی تم کھا لو۔''

''مجھے بھی بھوک نہیں ہے۔'' وہ بستر کی چادر ٹھیک کرنے لگی۔

''اچھا سنو!'' وہ جاتے جاتے پلٹ آیا۔ ''تم اپنے کمرے میں رہا کرو خصوصاً جب محترمہ عاصمہ حیات کے مہمان آئے ہوں ان کے سامنے قطعاً نہیں جانا۔ پھر میں کوئی بندوبست کرتا ہوں۔''

نوما نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ باہر نکل گیا تھا تو اس نے کمرے کی چٹخنی چڑھا دی اور بیڈ پر لیٹنے کے بعد بھی نیند کافی دیر تک اس کی پلکوں سے دور ہی رہی تھی۔

☆======☆======☆

کتنے مہینوں بعد وہ ادھر آئی تھی اور ان مہینوں میں کتنا کچھ بدل گیا تھا، وہ جو ہر دم اس کے بارے میں جاننے کے لیے متجسس رہا کرتی تھی اتنے مہینوں بھولی رہی تھی کہ اسی حویلی میں کوئی ذی نفس شدت سے اس کا منتظر رہا کرتا تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگئی۔ آہٹ پہ اس ہڈیوں کے ڈھانچے نے سر اٹھا کر دیکھا تھا اور اس کی آنکھوں میں چمک اتر آئی تھی۔

''کہاں تھی تُو اتنے مہینوں سے؟'' اس نے اپنے کمزور بازو سلاخوں سے باہر نکال کر پھیلائے تھے۔ حفیظہ نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور زمین پہ دوزانو بیٹھ گئی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''تیرے سامنے ہوں۔ تُو کیوں اتنی دیر سے آئی۔ کیا تیرا آدمی تجھے لے گیا تھا؟''

''بابا مر گئے۔'' لب بھینچے اس نے کہا۔ تو وہ کئی ثانیے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی پھر اپنے میلے کچیلے دوپٹے میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ حفیظہ بھی آنسو بہانے لگی۔ پھر خود پر قابو پا کر اسے دیکھنے لگی جو یوں رو رہی تھی جیسے اس کا کوئی قریبی عزیز مر گیا ہو۔ حالانکہ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ بابا کی موت کی خبر سن کر وہ خوش ہو جائے گی کیونکہ اس کی رہائی کے چانسز زیادہ ہو جاتے۔

''تمہیں تو خوش ہونا چاہیے اب تمہیں آزادی مل جائے گی۔'' حفیظہ نے کہا تو وہ اسے یوں دیکھنے لگی جیسے کوئی انہونی کہہ دی ہو اس نے۔

''تم سے کس نے کہا کہ مجھے آزادی مل جائے گی۔ میری زندگی تو پہلے سے زیادہ مشکل ہو جائے گی۔ تم یوں کرو مجھے تھوڑا سا زہر لا دو بہت ہوگئی سزا۔''

کافی دیر بعد وہ بولی تو اس کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا۔

''آپ بتاتی کیوں نہیں کہ آپ کون ہیں۔ کیا رشتہ ہے آپ کا اس حویلی سے، کس گناہ کی سزا بھگت رہی ہیں آپ؟ بتائیں کچھ تو بتائیں۔'' حفیظہ ایک دم پھٹ پڑی تھی۔

''تم جاؤ اس وقت کبھی فرصت میں آنا۔'' اس نے منہ موڑ لیا۔ حفیظہ جانتی تھی اب وہ کچھ نہ بتائے گی۔ اس لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کا دھیان مسلسل اس کی طرف تھا۔ تبھی تو جب ایک دم کسی نے اس کا بازو کھینچا وہ توازن قائم نہ رکھ سکی اور پھسلتی چلی گئی۔

''کیا ہوا حفیظہ؟'' سجاول گھبرا کر اس کے پیچھے دوڑا۔

زیادہ سیڑھیاں نہیں تھیں۔ اس لیے اسے کچھ زیادہ چوٹ تو نہیں لگی لیکن فوراً وہ اٹھ بھی نہ سکی سجاول اسے جھنجوڑ رہا تھا۔

''حفیظہ میں تو تمہیں بتانے لگا تھا۔ میں نے نہیں گرایا تمہیں۔'' وہ رونے لگا۔ تب وہ فوراً اٹھی۔ اس کے ہاتھ تھامے اور اسے پیار کرنے لگی۔

''کوئی بات نہیں سجاول۔ کچھ نہیں ہوا مجھے۔'' وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے تسلی دینے لگی۔

''نہیں حفیظہ وہ کہہ رہے ہیں کہ تمہاری شادی مجھ سے ہونے والی ہے۔ کیا ایسا ہوگا۔ پھر تمہارا دولہا کیا کرے گا۔ اسے جب پتہ چلے گا کہ تمہاری شادی مجھ سے ہوگئی ہے تو وہ مار ڈالے گا مجھے۔ میں نہیں مروں گا۔ حفیظہ تم مجھ سے شادی مت کرنا۔ میں نہیں مروں گا۔''

''نہیں ایسا نہیں ہوگا سجاول۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ چلو اٹھو شاباش منہ ہاتھ دھو کر آؤ پھر چائے پیتے ہیں۔''

اس نے زبردستی اسے کھڑا کیا۔ پھر اسے باتھ روم میں بھیج کر اپنے کمرے میں آ گئی بائیں کہنی چھل گئی تھی اور دائیں پاؤں پر بھی خراش آئی تھی۔ اس نے کمرے میں آ کر ڈیٹول سے زخموں کو صاف کیا پھر مرہم لگا کر بیٹھی ہی تھی کہ بھاگ بھری بلاوا لے کر آ گئی۔

''تساں کو بلا رہے ہیں۔''

''کون؟'' اسے پتہ تھا پھر بھی پوچھا۔

''وڈے ملک صاحب جی اور ساتھ میں وکیل صاحب۔''

''کون انکل وکیل؟'' وہ ذرا ٹھٹکی۔

''نہیں جی کوئی ہور ہیں۔ او وڈے صاحب جی کہہ رہے سیں۔ تساں چھتی نال آؤ۔''

بھاگ بھری پلٹ گئی۔ حفیظہ سوچ میں پڑ گئی۔ یہ نئے وکیل صاحب کیا کرنے آئے ہیں اور وہ بھی تایا جان کے ہمراہ۔

اس نے بالوں میں ہلکا ہلکا برش پھیرا اور انہیں یونہی کھلا چھوڑ کر بڑی چادر اٹھا کر اوڑھتے ہوئے باہر نکل آئی۔ راستے میں ادی جان کا کمرہ تھا۔ وہ پل کی پل وہاں رکی۔ ان کی چپ ابھی تک نہ ٹوٹی تھی۔ بس تسبیح کے دانے گراتی رہتیں اور روتی رہتیں۔ اب بھی وہ ٹیک لگائے اسی پوزیشن میں تھیں۔ اس نے ان کے بال ٹھیک کیے پھر گال پر پیار کرتی وہ ہال میں داخل ہوئی جہاں تایا جان شدومد سے منتظر تھے۔ اسے دیکھتے ہی بے تابی سے بولے۔

''آؤ حفیظہ جلدی سے ان پیپرز پر سائن کر دو۔'' انہوں نے کاغذات اس کی طرف

بڑھائے۔

حفیظہ نے کاغذات لے لیے پھر صوفے پر بیٹھ کر کہنے لگی۔

''میں ان پر سائن نہیں کروں گی۔'' سلیمان ملک کو اس جواب کی توقع نہ تھی، پہلو بدل کر بولے۔

''بیٹا یہ خلع کے کاغذات ہیں۔''

''میں نے کہا ناں تایا جان میں سائن نہیں کروں گی خواہ کاغذات جیسے بھی ہوں۔'' اس کے لہجے میں لچک نام کو نہ تھی۔ تایا جان بپھر اٹھے۔

''تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟'' حفیظہ خاموش رہی۔ ''یہ تمہارے مرحوم باپ کی خواہش تھی کہ تمہیں سلجوق سے آزادی دلائی جائے۔'' انہوں نے فوراً پینترا بدلا۔ لہجہ بھی نرم ہوا۔

''لیکن میں ایسا نہیں چاہتی۔'' ان کے اس الزام پر اس کا خون کھول اٹھا لیکن وہ ضبط کر گئی۔

''دیکھو حفیظہ ہم جو کر رہے ہیں تمہاری بہتری کے لیے کر رہے ہیں ابھی تمہاری عمر کیا ہے؟ زندگی پڑی ہے تمہارے سامنے پھر ملک پور کی مالکہ ہونے کے ناتے تم پر کتنی حریص نگاہیں لگی ہوئی ہیں تمہیں اندازہ نہیں۔ تمہارا مستقبل محفوظ ہو جائے گا۔ پھر تم پر کوئی میلی نگاہ ڈال سکے گا تم یہ ساری باتیں ذہن میں رکھو۔ سلجوق تمہارے قابل نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو رحمٰن اپنے فیصلے پر کبھی نہ پچھتاتا اس نے خود بارہا مجھ سے کہا کہ جیسے بھی ہو حفیظہ کو آزاد کروا کے اس کا مستقبل محفوظ کیا جائے اور پھر جس رات اس کی موت ہوئی ہے، اس سے پہلے کا سارا دن میں نے اس کے ساتھ گزارا ہے اور اسی رات بارہ بجے اس نے فون پر مجھے کہا کہ میں اس کے بعد تمہارا وارث ہوں اور تمہیں کبھی باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دوں۔'' بولتے بولتے ان کی آواز رندھ گئی۔ حفیظہ حیران تھی۔ یہ اس کا اپنا خون تھا کیسے جھوٹ در جھوٹ بول رہے تھے وہ۔ جیسے بے خبر ہو اور ان سب باتوں پر وہ یقیناً یقین کر بھی لیتی اگر اس رات بابا جان اس کے پاس آئے ہوتے۔ اسے تو ان سب کے چہروں سے کراہیت محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ چاہتی تو انہیں حویلی آنے سے روک سکتی تھی، لیکن بدتمیز تو وہ ہرگز نہ تھی۔ ''ٹھیک ہے میں سوچوں گی۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کرمو شربت لے آیا تھا۔ ''آپ شربت پیئیں۔'' کہہ کر وہ باہر چلی آئی۔ وہ اپنے فیصلے پر قائم تھی۔ سوچنے کا تو اس نے یونہی کہہ دیا تھا۔

☆=====☆=====☆

''پلیز ہما۔ میری بات سنو۔'' وہ لجاجت سے کہہ رہا تھا۔

''کیا سنوں؟'' اس نے رکھائی سے کہا تو اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''تمہیں پتہ ہے ہما میں کئی دنوں سے سو نہیں سکا۔ تمہاری ناراضگی نے میرا چین چھین لیا ہے۔ خدا کے لیے ہما مجھے معاف کر دو۔ خدا کے لیے۔'' ہما کا دل نرم پڑنے لگا۔

''تم نے غلط حرکت کیوں کی؟''

''کہہ دیا نا بہک گیا تھا۔ اب نہیں ہوگا۔ یقین کرو شادی کے بعد بھی اگر تم کہو گی تو تمہیں چھوؤں گا۔ Promise۔'' اس کی نرمی بھانپ کر وہ فوراً شیر ہوا تھا۔ شادی کے نام پر ہما کا چہرہ سرخ ہوا۔ اس نے منہ دوسری جانب کر لیا۔

''چلو صلح کی خوشی میں آئس کریم کھاتے ہیں!'' اس نے فوراً آفر کر دی۔

''نہیں۔'' اس نے انکار کیا۔ ''میں اب اکیلی تمہارے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گی۔''

''اس کا مطلب ہے تم نے مجھے معاف نہیں کیا۔'' وہ بجھ سا گیا۔

''میں نے کب کہا۔'' اس کا لہجہ دھیما ہو گیا۔

''تو پھر ہما! اعتبار کرو میرا پلیز۔'' اور اس کا ارادہ زمین بوس ہو گیا۔ وہ اس کے سنگ چل دی۔ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے وہ بالکل ہی بھول گئی کہ اس نے اسد سے کبھی نہ ملنے کا تہیہ کیا تھا۔

''محبت۔'' اس کے دل نے سرگوشی کی۔ وہ اسد کے بغیر نہ رہ سکتی تھی۔ گزشتہ دنوں اسے ادراک ہوا تھا۔ وہ بے کل بے کل چکراتی پھرتی تھی اور اس کی بے چینی ربیعہ نے بھانپ لی تھی۔ تبھی تو اس نے پوچھ لیا تھا۔

''کیا اسد نے چھوڑ دیا تمہیں۔'' وہ حد درجہ صاف گو تھی، بات لگی لپٹی بغیر کیا کرتی تھی۔ خلاف توقع وہ بھڑکی نہیں تھی۔ آرام سے جواب دیا تھا۔

''نہیں! میں نے اسے چھوڑ دیا۔''

''کیوں؟'' ربیعہ کی تیکھی نظریں اس کے چہرے پر کچھ کھوجنے لگی تھیں۔

''میری مرضی۔ بس میں نے سوچا یہ ٹھیک نہیں ہے۔ تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔'' وہ تھوڑا بھڑکی تھی۔

''اچھا تو یہ گونگے فون اسد کے تھے۔ چلو شکر ہے تمہیں عقل آ گئی۔ ورنہ میں تو سوچ رہی تھی تمہارے قدم روکنے کا ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا اور وہ تھا بابا جان کو سب کچھ بتا دینا۔''

''ہاں ربیعہ شاہ۔ تمہیں مجھ سے پیدائشی بغض ہے۔ تمہارے بس میں ہو تو ایک منٹ کے اندر اندر مجھے قتل کروا دو لیکن افسوس تمہاری یہ خواہش کبھی نہ پوری ہو گی۔'' وہ زہر خند ہوتی اس

کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' اسد نے ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا تو وہ خیالوں سے چونکی۔

''کچھ نہیں یونہی۔'' وہ مختصراً کہہ کر باہر جھانکنے لگی۔ پھر جیسے اسے احساس ہوا۔

''ہم زیادہ دور نہیں آ گئے کیا۔ گھر جلدی پہنچنا ہے۔ اصل میں سلجوق بھائی کا مسئلہ پڑا ہوا ہے۔ تو بابا جان زیادہ تر گھر پر ہی ہوتے ہیں۔''

''کیا مسئلہ ہے؟'' اس نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ وہ بتانے لگی۔

''اوہو!'' اسد نے ساری بات سن کر افسوس سے سر ہلایا۔ پھر کہنے لگا۔

''تو دفع کریں سلجوق۔ کیا رکھا ہے اس لڑکی میں۔ کیا وہ بہت دولتمند ہے؟''

''ہاں دولت مند تو بہت ہے۔ خوبصورت بھی، لیکن اصل میں بھائی اس سے محبت کرتے ہیں یہ رشتہ بہت مشکل سے طے ہوا تھا۔ نہ تو ان کے ہاں باہر رشتے طے کیے جاتے ہیں نہ ہی ہمارے ہاں۔ بابا جان نے صرف سلجوق بھائی کی محبت دیکھتے ہوئے پیام دیا تھا۔ دولت ہمارا مسئلہ نہیں ہے، بھائی اپنی محبت سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہیں اور وہ لوگ بھابی کی رخصتی کرنے کو۔ دونوں ضدی ہیں۔ اب دیکھیے کیا ہو۔''

''لڑکی میرا مطلب ہے۔ تمہاری بھابی کا کیا کہنا ہے۔ وہ آنا چاہتی ہے یا نہیں۔''

''ان سے تو رابطہ ہی نہیں ہو رہا۔ بلکہ ان کے بڑوں کی طرف سے عدالت میں گھسیٹے جانے کی دھمکیاں مل رہی ہیں۔ نوٹس موصول ہو گئے ہیں۔ سلجوق بھائی کہتے ہیں کہ اگر بھابی خود سے کہہ دیں کہ وہ طلاق چاہتی ہیں تو وہ بھجوا دیں گے۔ انہیں یقین ہے کہ وہ بھی ایسا نہیں چاہتیں۔''

''ہوں مسئلہ تو کافی گمبھیر ہے۔'' اس نے فکرمندی سے سر ہلایا۔ گاڑی سگنل پر رکی تھی۔

''بس ہم سب اسی وجہ سے......'' ہما کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ اس نے زرد ہوتے چہرے کے ساتھ تصدیق کرنے کی غرض سے دوبارہ دیکھا۔ ساتھ والی گاڑی میں بلاشبہ جہانگیر شاہ تھے اور ادھر ہی دیکھ رہے تھے۔

☆======☆======☆

''اب آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟'' سلجوق شاہ نے الجھ کر راضیہ کو دیکھا۔ جو انگلیاں چٹخا رہی تھی۔

''میں سر۔ مجھے خود سمجھ نہیں آ رہی۔ سر آپ مجھ سے شادی کریں گے؟'' اس نے اچانک پوچھا تو سلجوق شاہ حیرت سے اسے دیکھتے رہ گئے۔ پھر خشک لہجے میں بولے۔ ''مانا مس راضیہ

آپ یہاں پلی بڑھی ہیں آپ کے لیے یہ کوئی بات نہیں لیکن مجھے اس قسم کی بیہودگی پسند نہیں۔ آپ جا سکتی ہیں۔ پلیز۔'' راضیہ مسکرا دی۔

''دیکھا سر! آپ بھی ویسے ہی ہیں۔ عورت کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے والے۔ اس کو جائز مقام دینے سے گھبرانے والے مرد ہونہہ۔''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ سلجوق شاہ کی کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔

''اوہ یو شٹ اپ مس راضیہ احمد' نہ تو میں نے آپ کی مجبوری سے کوئی فائدہ اٹھایا ہے اور نہ ہی میرا آپ سے کوئی تعلق ہے۔ یہ ساری باتیں اس پیٹر یا جوزف سے کہو۔ جس کے ساتھ رہ کر تم نے ساری حدیں توڑیں۔ تم بھول گئیں کہ تم ایک مسلمان لڑکی ہو؟ مشرقی لڑکی ہو؟ جینز اور اسکرٹ پہن لینے سے تمہارا مذہب تبدیل نہیں ہو گیا تھا نہ ہی تمہاری شرم و حیا کے معنی بدل گئے تھے۔ غیر مرد کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر رقص کرنے سے تمہارے ماتھے پر کوئی چاند نہیں اُگ آیا۔ کسی کو کیا پڑی ہے کہ تم ایسی لڑکی سے شادی کر کے تباہ ہو جائے۔ تم جیسی اخلاقی بے راہ روی کا شکار لڑکیاں یونہی بھٹکا کرتی ہیں۔ اپنا مقدر خود بگاڑ کر واویلا کیوں کر رہی ہو۔ یہ سب کرنے کی کوئی وجہ تو ہو گی تمہارے پاس تو پھر ڈر کا ہے کا۔''

راضیہ احمد کے الفاظ انہیں بھڑکا ہی تو گئے تھے اور انہوں نے جی بھر کے سنا ڈالی تھیں وہ چند ثانیے کھڑی انہیں گھورتی رہی پھر پاؤں پٹختی چلی گئی۔

سلجوق شاہ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے کنپٹیاں دبائیں۔ حقیقت میں انہیں آزاد روش لڑکیاں پسند نہیں تھیں اور پھر جس فیملی سے ان کا تعلق تھا وہاں تو پردے کا سخت رواج تھا۔ لڑکیوں کو بے جا آزادی ہرگز نہ دی گئی تھی۔ ضرورتاً باہر جانا پڑتا تو ڈرائیور کے ساتھ چلی جایا کرتیں۔ اگر گھر کا کوئی مرد دستیاب نہ ہوتا تو۔

جہانگیر شاہ نے تھوڑی سی بغاوت کی تھی لڑکیوں کو بے جا روک ٹوک سے آزاد رکھا۔ خاندانی روایات سے ہٹ کر انہیں سکول، کالج میں پڑھایا، لیکن ساتھ ہی سمجھا دیا بغاوت کی سزا صرف موت تھی۔ صوفیہ نے تو خیر میٹرک کے بعد خود ہی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ ربیعہ نے گریجویشن کی تھی اور اس نے خاندانی روایات کی مکمل پاسداری کی تھی۔

ہما سب سے چھوٹی تھی تھوڑی خودسر، تھوڑی ضدی، تاہم یہ بھی یقین تھا سب کو، کہ وہ ضدی اور خودسر ہونے کے باوجود کسی بھی قسم کی حماقت نہیں کرے گی ان کا حفیظہ کو پسند کرنا بھی شاید اسی وجہ سے تھا کہ تمام تر خوبیوں کے ساتھ ساتھ وہ آزاد روش کی بھی قائل نہ تھی۔ شرم و حیا اس کی ذات کا اہم حصہ تھیں۔ جہانگیر شاہ کو خود وہ بہت پسند تھی لیکن خاندانی روایات انہیں کوئی

فیصلہ کرنے سے ہر بار روک دیا کرتیں۔ پھر سلجوق شاہ کی خاطر انہوں نے یہ بغاوت بھی کر ہی ڈالی، گو کہ انہوں نے بہت پاپڑ بیلے تھے لیکن ہونی کو کون روک سکتا ہے۔

☆======☆======☆

گلوں میں رنگ بھرے، بادِ نو بہار چلے
چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے

عذیر نے سر اٹھایا تھا۔ ناجیہ نے ذرا کی ذرا اس کی طرف دیکھا پھر جرنل پر جھک گئی۔ عذیر کی معنی خیز مسکراہٹ اور گہری ہوگئی۔

قفس اُداس ہے یارو، صبا سے کچھ تو کہو
کہیں تو بہرِ خدا آج ذکرِ یار چلے

سر اونچا ہوا تھا۔ ناجیہ نے جھنجھلا کر جرنل بند کیا اور اس کے سر پر آن کھڑی ہوئی۔

''کیا مسئلہ ہے؟'' اس نے حتی الامکان کوشش کی تھی کہ اس کا لہجہ نارمل رہے لیکن وہ ناکام ہوگئی تھی۔ عذیر نے اس کے چڑنے کا مزید فائدہ اٹھایا اور لَے بدلی۔

موہے بھول گئے سانوریا،'' آآآآ
بھول گئے سانوریا
آون کہہ گئے

''عذیر۔'' اس نے تلملا کر عذیر کا منہ بند کیا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا ان باتوں سے کیوں تنگ کر رہے ہو مجھے؟''

''میں تو تمہارا دل بہلا رہا ہوں بلکہ تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ اس طرح کی Situations میں یعنی جب رُخِ یار کا دیدار مدتوں نہ ہو تو اس طرح کے گانے گانے چاہئیں۔ ان گانوں کی شاعری میں مقناطیسی قوت ہے۔ جو فوراً محبوب تک پہنچتی ہے اور اسے کھینچ کر لے آتی ہے۔ تم ایسا کرو آج شام چھت پر جا کر ''گلوں میں رنگ بھرے'' درد بھرے انداز میں گاؤ۔ یقین قوی ہے کہ آواز ہوا کے دوش پر سفر کرتی نیلے پانیوں تک جا پہنچے گی اور جواباً کوئی ایسا گیت تم تک پہنچے گا جس میں آنے کا وعدہ ہو۔ مجرب نسخہ ہے آزما کر دیکھ لو۔'' وہ اپنی جون میں تھا اور ناجیہ کو ایک دم پتہ نہیں کیا ہوا۔ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''ار...... رے۔'' عذیر بوکھلا گیا۔ ''میں نے تو صرف گانا گانے کے لئے کہا تھا۔ رم جھم رم جھم برسات کے لئے نہیں۔ پانی تو اس کے پاس پہلے ہی بہت ہے اور کہیں ڈوب گیا تو؟''

''عذیر کیسی باتیں کرتے ہو۔'' اس نے فوراً سر اٹھایا۔

''اللہ نہ کرے اسے کچھ نہ ہو، ہر وقت بک بک نہ کیا کرو۔'' اس نے جھاڑ ہی تو پلا دی۔ عذیر حیرت سے اسے دیکھتا چلا گیا سوں سوں کرتی، اسے نقشم کے لئے ڈانٹتی کتنی مختلف لگ رہی تھی۔

''اوہ میرے بھیا۔'' وہ خوشی سے چلایا۔ پھر اس کی طرف جھکتا ہوا بولا۔ ''میں یہ خوش خبری نقشم کو سنا دوں۔ اسی خوشی کی خبر میں تم مجھے آئس کریم کھلاؤ گی۔ مزہ آ گیا۔'' وہ لاؤنج کی طرف بھاگا۔ اور ناجیہ نے سر پیٹ لیا، بے خودی کے عالم میں وہ کیسا اعتراف کر گئی تھی۔ یہ شاید اتنے دنوں کا غبار تھا جو نقشم کی جدائی نے اس کے دل میں بھر دیا تھا۔ وہ یاد بھی تو کتنی شدتوں سے آنے لگا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے اس کی شوخ باتیں اس کے ذہن میں اودھم مچانے لگتی تھیں۔

وہی باتیں جنہیں وہ بکواس کہا کرتی تھی۔ وہی باتیں جن پر اسے غصہ آتا، وہ چڑ جاتی۔

جب وہ نقشم اور عذیر کو چچا چچی سے لاڈ کرتا دیکھتی۔ ان کی گود میں سر رکھے فرمائشیں کرتے دیکھتی تو اس کا دل مچل مچل جاتا۔ یہ نہیں تھا چچا چچی نے اسے محبت نہیں دی تھی وہ اس کا بھی اتنا ہی خیال رکھتے تھے جتنا نقشم اور عذیر کا لیکن اس کے اندر جو تشنگی تھی اس کی زبان پر لفظ ''ماں'' رقص کرتا۔ اور ماں نہیں تھی جو شیرینی اپنے ہونٹوں میں سمو کر اس کی پیشانی پر ثبت کرتی۔ اس کی بانہیں ''بابا'' کے گلے کا ہار بننے کے لئے تڑپتی رہتیں اور کوئی نہیں تھا جو اسے بیٹی کہہ کر کندھے پر بٹھا کر سیر کرایا کرتا۔

کبھی کبھار بابا کا فون آ جاتا۔ دو چار رسمی باتیں ہو جاتیں اور ساتھ ہی انہیں لانگ کال کا احساس مارنے لگتا اور وہ فون بند کر دیتے۔ وہ تیرہ برس کی تھی جب وہ پاکستان آئے اور وجہ وہ نہ تھی بلکہ چچا جان کی حادثے میں ڈیتھ اور چچی جان کا دونوں ٹانگوں سے معذور ہو بیٹھنا تھا۔

''کیسی ہو ناجیہ؟'' اسے پہچان کر وہ اسے گلے لگا رہے تھے اور تب اس کا دل شدت سے چاہا تھا کہ وہ ہمیشہ ان کی بانہوں میں چھپی رہے۔ ان کے سینے سے چمٹی لیکن اس کی خواہش اسی وقت دم توڑ گئی۔ جب بابا نے اسے ہٹایا اور کسی ملنے والی سے اپنی بیوی بچوں کا ذکر کرنے لگے۔ بچوں کی شرارتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک تھی اور لہجہ محبت میں گندھا ہوا۔ وہ کتنی دیر منتظر کھڑی رہی، لیکن وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے تھے اور اس طرح اٹھ کر باہر چلے گئے تھے۔ پھر جتنے دن وہ رہے بس دور دور سے ہی اسے دیکھتے رہے، ہاں جاتے جاتے سے ساتھ لگا کر پیار ضرور کیا تھا اور جلد آنے کا وعدہ کر گئے تھے لیکن وہ وعدہ نبھانے والوں میں سے نہیں تھے۔ انہیں اس کی کوئی چاہ ہوتی تو اسے ساتھ لے جاتے یا پھر دیکھنے کو ہی چلے آتے لیکن ان کا آنا سالوں بعد ہوتا اور وہ بھی بزنس کے سلسلے میں۔ چوبیس

سالوں میں وہ کوئی پانچ یا چھ مرتبہ آئے تھے اور ہر مرتبہ ان کی زبان پر ڈولی اور ڈنکی کا ذکر ہوتا
پھر ایک مرتبہ اس نے کہہ دیا۔

''بابا مجھے ساتھ لے چلیں۔ میں آپ کے ساتھ، ڈنکی ڈولی کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں
لیکن انہوں نے سختی سے منع کر دیا۔

''نہیں وہاں کا ماحول اچھا نہیں، تم وہاں ایڈجسٹ نہیں کر سکو گی۔'' اور وہ کہہ نہ سکی کہ ڈ
اور ڈولی بھی تو اسی ماحول میں رہ رہی ہیں۔ اس نے خود کو مصروف کر لیا۔ چچی بالکل معذ
ہو بیٹھی تھیں۔ وہ ان کی خدمت میں جت گئی۔ وہ اسے ڈھیروں دعائیں دیتیں۔

''بیٹی بہت بڑی نعمت ہے۔'' وہ اس کا ماتھا چوم کر کہتیں اور وہ اسی میں خوش ہو جاتی
لیکن وہ یہ ہرگز نہ بھولی تھی کہ اس گھر میں پرورش پانے کے باوجود یہ اس کا گھر نہیں اس کے
کا تھا، نقشم کا تھا، عذیر کا تھا اور چچی کا تھا۔ وہ تو عزیز احمد کی بیٹی تھی جسے وہ مجبوریوں کے باعث
اپنے پاس نہ رکھ سکتے تھے۔ وہ گھر ان کی بیوی کا تھا۔ اس کا گھر کون سا تھا وہ نہیں جانتی تھی،
اکثر اس پہلو پہ سوچتی کہ جب خدانخواستہ چچی جان نہ رہیں تو نقشم اور عذیر کی بیویاں اسے ا
ساتھ رکھنے پر آمادہ ہو جائیں گی؟ جب اسے اس کا باپ ہی رکھنے پر تیار نہ تھا تو پھر وہ کیو
رکھتیں۔ نقشم اسے اکثر چھیڑتا۔

''او موٹی آنکھوں والی کزن، یہ جو گھر کے سب سے اچھے کمرے پر تم نے قبضہ کیا ہوا
شادی کے بعد میں لے لوں گا۔'' وہ ایک نظر اپنے کمرے پر ڈالتی پر دھیرے سے کہتی۔

''ہاں لے لینا۔''

''میں کارنر والا لے لوں گی۔''

بے جا ہونے کا احساس شدت سے اس پر حاوی ہوتا اور اس کی آنکھوں میں نمی اتر آتی

''لیکن اس میں تو عذیر کی بیوی رہے گی۔'' وہ سنجیدہ ہو جاتا۔

''تو میں چچی جان کے ساتھ رہ لوں گی۔'' وہ مزید ڈھیلی پڑ جاتی۔

''لیکن امی کو اکیلے رہنے کی عادت ہے، وہ تمہیں اپنے کمرے میں سونے نہیں دی
گی۔''

''تو میں ڈرائنگ روم میں سو جاؤں گی۔''

'لو جی نویں گل، اب ڈرائنگ روم کو بیڈروم بنائیں گی۔ کوئی مہمان آجائے تو کیا ہو؟'
وہ سر پیٹ لیتا۔

''میں...... بابا کے پاس چلی جاؤں گی آپ فکر نہ کریں۔'' وہ اس کے ساتھ ساتھ ا

آپ کو بھی تسلی دیتی اور جواباً اس کا قہقہہ بکھر جاتا۔

''جیسے وہ تمہاری محبت میں مرے ہی تو جا رہے ہیں۔'' ناجیہ کی دکھتی رگ پر جیسے پاؤں
آ جاتا۔ وہ تڑپ کر اسے دیکھتی شاید مذاق، لیکن وہ بلا کا سنجیدہ ہوتا۔

''آپ کا گھر ہے رکھ لیں گے تو مہربانی ہو گی۔'' وہ کہہ کر اٹھنے کو ہوتی کہ وہ پھر ہنس پڑتا۔

''چلو تمہیں بھی کہیں نہ کہیں اڑا ہی لیں گے۔'' اور اسے خبر بھی نہ ہوئی وہ مذاق مذاق میں
سنجیدہ ہوتا چلا گیا۔ وہ اس کی باتوں کو اہمیت نہ دیتی اسے بس یہی فکر تھی کہ اگر اس کے دل میں
بھی ایسا کوئی جذبہ بیدار ہو گیا اور وہ نقشم پر آشکار بھی ہو گیا تو بہت سی انگلیاں اس پر اٹھ جائیں
گی۔

''دیکھا ایک گھر میں رہتے تھے دونوں۔''

''جانے کب سے ڈورے ڈال رہی تھی وہ اس پر۔''

''ہاں باپ پوچھتا نہیں سوچا ہو گا اسی گھر پر قبضہ کر لے بہت مکار ہے یہ۔''

اس طرح کے بے شمار لفظ اس کے خیالوں کو زخمی کرتے رہتے اور وہ اپنے آپ کو بے حس
بنائے پھرا کرتی۔ نہیں نہیں یہ نہیں ہو گا وہ مصمم ارادہ کرتی لیکن بات اس کے ارادوں کی نہیں
تھی۔ اس نے نقشم کو تو خبر نہیں ہونے دی تھی لیکن اپنے دل میں اس کی محبت جاگنے سے نہیں
روک سکی تھی۔ شاید یہ اس دن نقشم کی دی جانے والی دعا یا بددعا کا اثر تھا کہ چھپی محبت سامنے
آ گئی تھی اور اب اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔ اور وہ اس کے سامنے ہتھیار
پھینکنے کے سوا اور کچھ نہ کر سکی تھی۔

''تم اب تک یہیں بیٹھی ہو۔'' عذیر کی آواز پر وہ چونکی۔ دیکھا تو مغرب کا اندھیرا اچھل
چکا تھا۔

''یا اللہ میرے دل کو طاقت دے۔'' عذیر نے آسمان کی طرف دیکھ کر ہاتھ پھیلائے۔

''گوند قطیرہ کھاؤ۔'' وہ سنجیدگی سے مشورہ دیتی تیار ہونے چل دی تھی۔

☆======☆======☆

ایکسکیوزمی نوما...... تھوڑا سا ٹائم دیں گی؟'' وہ جو ''علی پور کا ایلی'' ابھی ابھی ایشو کروا کے
مڑی تھی آواز پر پلٹ گئی۔

''جی......؟'' ایک نامانوس چہرے پر شناسا مسکراہٹ کی جھلک اسے پریشان کر گئی۔

''مجھے رحمہ کہتے ہیں۔ پولیٹیکل سائنس فائنل کی سٹوڈنٹ۔'' اس نے تعارف کرواتے
ہوئے ہاتھ بڑھایا تو ذرا ہچکچاہٹ کے بعد نوما نے تھام لیا۔

''آیئے اُدھر چل کر بیٹھتے ہیں۔'' وہ لائبریری کے نسبتاً ویران گوشے کی سمت اسے لے گئی۔ نوما گھبرا گئی تھی۔ وہ اسے آج پہلی مرتبہ دیکھ رہی تھی۔ جب کہ وہ اس کا نام لے کر بلا رہی تھی۔ ناجیہ کو بھی آج ہی چھٹی کرنا تھی۔ اس نے چیئر پر بیٹھتے ہوئے الجھی الجھی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اس کی الجھن بھانپ گئی، تب ہی مسکرا کر بولی۔

''ارے آپ پریشان نہ ہوں ریلیکس۔'' پھر اپنا بیگ کھول کر اس میں سے چپس کے پیکٹ نکال نکال کر رکھنے لگی۔

''پیپسی ہم کینٹین میں چل کر پی لیں گے۔'' کام مکمل کرنے کے بعد بیگ بند کرتے ہوئے اس نے کہا۔ پھر چپس کا پیکٹ اس کی طرف بڑھا کر قدرے توقف سے بولی۔

''میں کچھ دنوں سے آپ کو Follow کر رہی ہوں۔'' نوما کے ہاتھ رک گئے۔

''آپ دوستی کریں گی مجھ سے؟'' اس نے بات مکمل کر کے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''لیکن مجھے دوست کی ضرورت نہیں ہے، میری بیسٹ فرینڈ ہے ناجیہ۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

''یار تم تو دل رکھنا بھی نہیں جانتی ہو۔'' وہ ایک دم سے بے تکلفی پر آ گئی۔

''میں چلوں؟'' نوما نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''ایک منٹ، چلو دوست نہ سہی، بھابی بنو گی؟''

ایک لمحے کو تو نوما چپ کی چپ رہ گئی۔ پھر رُکھائی سے بولی۔

''میرے خیال میں ہمارا مذاق کا رشتہ نہیں ہے اور نہ ہی مجھے اس قسم کی گفتگو پسند ہے۔'' اس نے ٹیبل پر رکھی بکس اٹھائیں اور چل دی۔ اس کا سارا موڈ غارت ہو گیا کلاس بنک کر کے اس نے گھر جانے کا ارادہ کر لیا۔ اگر ناجیہ ہوتی تو شاید وہ بہتر طریقے سے اس لڑکی کو جواب دیتی۔ وہ حقیقتاً ناجیہ کی بہت زیادہ عادی ہو گئی تھی۔ ان کے ہمراہ وہ خود کو محفوظ تصور کرتی۔ گھر پہنچی تو خلافِ توقع بیرونی گیٹ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر والوں کو ان کی اس نااہلی پر کوستی اندر داخل ہوئی تو گیراج میں کھڑی سفید شیراڈ کو دیکھ کر چونک گئی۔

''یہ کون آیا تھا اس وقت؟'' وہ سوچتی ہوئی لاؤنج میں آ گئی۔ نظر دوڑائی کہیں کوئی نہ تھا۔ آخر کدھر چلے گئے سب لوگ۔ ارمغان آج گھر پر ہی تھا اور بھابی کے تو خیر ابھی جاگنے کا ٹائم ہی نہ ہوا تھا۔ وہ کمروں میں جھانکنے لگی۔ اسی وقت کوئی سیڑھیوں سے اترا تھا۔ وہ پلٹی۔

''کک...... کون ہیں آپ؟'' سامنے ایک لمبے تڑنگے جوان کو دیکھ کر مارے خوف کے

اس کی گھگی بندھ گئی۔

''اسد...... رکو...... ایک منٹ یہ جیولری کچھ Suit نہیں کر رہی، میں چینج کر کے آ رہی ہوں۔'' سب سے اوپر والی سیڑھی سے بھابی کی آواز آئی تو جیسے اس کی سمجھ میں ساری بات آ گئی۔ تو اس کی غیر موجودگی میں یہ کھیل کھیلا جانے لگا تھا، اسے اس عورت سے بے پناہ نفرت محسوس ہوئی۔ جو اپنے شوہر کو تو اس کا حق دینے کو تیار نہ تھی اور ایک غیر مرد کے ساتھ اکیلے میں۔ اس کے آگے اس کی سوچ نے چپ سادھ لی۔ بھابی کس قدر غلط کر رہی تھیں، کاش کوئی انہیں سمجھا سکتا۔ وہ افسوس و ندامت سے سر جھکائے سوچ رہی تھی۔

''May i know your good namr?'' بہت قریب سے آواز آئی اور وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔ اسی وقت عاصمہ ہیل بجاتی نیچے اتری۔ ''May i know her good name?'' سگریٹ کیس میں سے سگریٹ نکالتا وہ عاصمہ سے پوچھنے لگا۔

''اس کا Good name جان کر کیا کرو گے تم ہاں۔'' عاصمہ تیکھی ہوئی تھی۔

''تمہیں تو پتہ ہے خوبصورت چہرے میری کمزوری ہیں۔'' وہ انتہائی بے ہودہ انداز میں ہنسا تھا۔ اس کے قدم من من کے بھاری ہو رہے تھے لیکن اس سے ہلنا مشکل ہو گیا تھا۔

''ارمغان...... ارمغان......'' یہ فرحان کی آواز تھی۔ نوما نے شکر کرتے ہوئے داخلی دروازے کی سمت دیکھا۔ فرحان کے آنے کا اب تو کوئی وقت مقرر ہی نہ تھا۔ آفس کبھی کبھار ہی جایا کرتے تھے۔ جاب صرف عاصمہ کے ڈیڈی کے لحاظ میں سلامت تھی ورنہ تو کب کے فارغ ہو گئے ہوتے۔ رات تو جلدی آ گئے تھے کہ نوما نے انہیں لاؤنج میں سوئے دیکھا تھا۔ پھر صبح جب وہ کالج جانے کے لئے نکلی تب وہ تیار ہو رہے تھے، غالباً آفس کے لئے اور اب لوٹ بھی آئے تھے۔ عاصمہ کا رنگ ایک لمحہ کو فق ہوا تھا۔ فرحان اندر آ چکے تھے اور گہری نظروں سے اسد کو تک رہے تھے۔ اسد لاپروائی سے سگریٹ کے مرغولے بنا رہا تھا۔

''کون ہے......؟'' ان کا لہجہ، انداز یکایک بدل گیا تھا۔ نوما نے عاصمہ کی طرف دیکھا لیکن وہ اس کے بولنے سے پہلے ہی بول پڑی۔

''اپنی بہن سے پوچھو۔'' نوما کے سر پر جیسے ساتوں آسمان آ گرے۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے عاصمہ پھر فرحان کو دیکھا۔ جواب اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظروں میں کیا تھا۔ وہ مارے خوف کے نظریں جھکا گئی۔ یہ بھابی نے کیا کہہ دیا تھا۔

''کون ہے یہ......؟'' انہوں نے اس کو گردن سے دبوچ لیا۔

''مم...... میں نہیں جانتی بھیا......'' اس کے حلق سے مری مری آواز نکلی۔ عاصمہ

نے اسد کو آنکھ سے اشارہ کیا اور آرام سے چلتی صوفے پر جا بیٹھی۔

"یہ کیوں بتائے گی؟" عاصمہ کی پھنکارتی آواز آئی۔

"یہی سب تو میں بھی پچھلے ایک گھنٹے سے پوچھ رہی ہوں اس سے۔" اس نے زہر اگلا
شروع کیا۔

"میں تو مسز ساجد کے ہاں جانے کو تیار ہو رہی تھی۔ گاڑی کل میں نے ورکشاپ بھجوا
تھی۔ اس نے سمجھا شاید میں گھر پر نہیں ہوں۔ فون کر کے بلوا لیا۔ استغفراللہ شکل سے کت
سیدھی اور معصوم ہے۔"

وہ آنکھوں میں آنسو بھرے اس بہتان کی نفی کرتی رہی۔

"نہیں بھیا...... میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں اسے نہیں جانتی۔ یہ بھابی کے کمرے......"

لیکن فرحان جیسے اندھے ہو گئے تھے۔ ہاتھ اٹھا تو پھر اٹھتا ہی چلا گیا۔

وہ چیخ چیخ کر اپنی بے گناہی کا یقین دلاتی رہی۔ عاصمہ اور اسد نے یہ ساری کارروا
ایک ڈرامے کے طور پر دیکھی۔ اسے مارتے مارتے فرحان نے اسد کا گریبان پکڑ لیا۔

"تم کیا کرنے آئے میرے گھر؟" انہوں نے لال انگارہ آنکھیں اس پر گاڑیں۔ اس
نے نہایت اطمینان سے اپنا گریبان چھڑایا۔

"مسٹر فرحان تم اپنے گھر کو سنبھالو، مجھے بلایا گیا تو میں آیا۔"

چبا چبا کر کہتا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

زمین کیوں نہیں پھٹ رہی تھی۔ جہاں وہ جا سماتی۔ اس قدر رکیک الزام، بہتان تراش
اس میں رونے کی سکت نہ رہی تھی۔ ورنہ وہ رو رو کر اپنے آپ پر لگا یہ داغ دھو ڈالتی۔

جانے کب تک وہ یونہی گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی رہی۔ سر اٹھایا تو کوئی بھی نہ تھا۔ بھیا
بھابی، وہ بمشکل تمام خود کو سمیٹتی اپنے کمرے تک لائی اور وہیں کارپٹ پر ڈھیر ہو گئی، سا
حسیات مفلوج ہو گئی تھیں۔

☆======☆======☆

وہ ادی جان کے بالوں میں کنگھا کر رہی تھی جب بھاگ بھری گھبرائی ہوئی اندر داخ
ہوئی۔

"وہ جی...... سنیں...... جہانگیر صاحب آئے ہیں۔" حفیظہ کے ہاتھ سے کنگھا چھوٹ
نیچے جا گرا۔

"کیا کہہ رہی ہو بھاگ بھری؟"

"ہاں جی میں اپنی آنکھوں نال دیکھ کر آئی ہوں۔ جمالا انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا رہا تھا۔"

"اچھا۔" اس نے جلدی سے پاؤں میں چپلیں پھنسائیں اور باہر نکلنے کو تھی کہ دروازہ کھٹاک سے بند ہو گیا۔ ساتھ ہی باہر سے کنڈی چڑھانے کی آواز سنائی دی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے بھاگ بھری کو دیکھا۔

"شاید بڑے ملک جی کو خبر ہو گئی ہے۔" وہ رازداری سے گویا ہوئی۔

"اوہ!" اس نے سر پیٹ لیا۔

"وہ نہیں چاہتے کہ آپ ان سے ملیں۔" بھاگ بھری نے مزید انکشاف کیا۔ اس نے دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا لیکن کوئی بھی نہ آیا۔ تھک ہار کر وہ ادی جان کے پاس آ بیٹھی۔

پتہ نہیں تایا جان ان سے کیا سلوک کرتے ہیں ظاہر تھا برا ہی کریں گے۔

"حفیظہ۔" پکار پر اس نے دیکھا۔ ادی جان اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی چپ ٹوٹی تھی۔ وہ خوشی سے مزید آگے بڑھ آئی۔

"جی ادی جان! جی۔ آپ نے مجھے بلایا۔" ان کے ہاتھ ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بولی۔

"تُو یہاں سے چلی جا حفیظہ۔ یہ تجھے مار ڈالیں گے۔ تُو چلی جا۔" لرزتا کانپتا لہجہ۔ اس نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ یہ وہ کیا کہہ رہی تھیں۔ اسے اپنا گھر، اپنا گاؤں چھوڑنے کا کہہ رہی تھیں۔

"کیوں ادی جان! کیوں؟" وہ سوالیہ ہوئی۔

"بس تیری بھلائی اسی میں ہے۔ یہ تجھے کبھی سلجوق کے ساتھ نہیں جانے دیں گے۔ تُو چلی جا سلجوق کے پاس چلی جا۔ میں بے بس ہوں۔ تجھے رخصت نہیں کر سکتی لیکن میری دعائیں تیرے ساتھ ہیں حفیظہ جا۔" وہ رونے لگیں۔

"وہ بھی یہی کہتی ہے۔ ادی جان۔" وہ پُرخیال انداز میں گویا ہوئی ادی جان چونک گئیں۔

"کون، کون کہتی ہے یہ؟"

"وہی جو اوپر مینار۔" یک لخت اس نے دانتوں تلے زبان داب لی۔ وہ کیا کہنے جا رہی تھی۔

"نن نہیں ادی جان کوئی بھی نہیں۔" اس نے فوراً انکار کیا۔

"تُو کب سے جا رہی ہے اس کے پاس؟" ادی جان نے اس کے انکار کو سنا ہی نہیں۔

''وہ میں بہت دیر سے بہت سالوں سے۔ ایک بار جب بچپن میں تایا اور پھپھو کے
آئے تھے اور ہم اوپر کھیل رہے تھے تو ہماری گیند مینار کے اندر چلی گئی تھی۔ سب بچے ڈر ر
تھے کہ وہاں پر بھوت ہے لیکن میں چلی گئی۔ وہاں پہ اس عورت کو سلاخوں کے پیچھے دیکھ کر پہلے
میں ڈر گئی لیکن جب اس نے پیار سے پاس بلایا تو میں چلی گئی۔ اس نے مجھ سے میرا
پوچھا۔ پھر یہ کہ میں کس کی بیٹی ہوں تو میرے بتانے پر اس نے مجھے ڈھیر سارا پیار کیا۔
میرے ساتھ باتیں کرتی رہی، پھر مجھ سے روز آنے کا وعدہ لے کر مجھے واپس آنے دیا۔
نیچے آنے کے بعد بھول بھال گئی، کافی دنوں بعد مجھے یاد آیا تو میں اوپر گئی۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت
روئی۔ پھر میں نے پکا وعدہ کیا اور اس کے بعد اب تک میں اس سے روز ملنے جاتی ہوں۔
بارہ سال گزرنے کے باوجود میں نہیں جانتی وہ کون ہے؟ اس حویلی سے اس کا کیا تعلق
اس کو کیوں قید کیا گیا ہے؟ میں نے کئی بار اس سے پوچھا ہے لیکن وہ نہیں بتاتی۔
ادی جان آپ کو تو پتہ ہوگا کہ وہ کون ہے؟ کیا رشتہ ہے اس کا ہمارے ساتھ؟ کیوں
دل اس سے ملنے کو تڑپتا ہے؟ بتائیں ادی جان کون ہے وہ ہماری؟'' وہ ایک دم مچل گئی۔

''تمہیں وہاں نہیں جانا چاہئے تھا۔'' ادی جان نے تھکے تھکے لہجے میں کہا اور لیٹ گ
یعنی وہ کچھ بتانے پر آمادہ نہ تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید اصرار کرتی دروازہ کھل گیا او
جان اندر داخل ہوئے۔ اس نے کھڑے ہو کر سلام کیا۔

''جیتی رہو۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر ادی جان کے پاس جا کر
لگے۔ ''بھرجائی جہانگیر شاہ آیا تھا۔ تم سے ملنے کا کہہ رہا تھا۔ میں نے کہہ دیا ہماری عور
انجان مردوں کے سامنے نہیں جاتیں۔'' حفطہ سلگ کر رہ گئی۔ پھر انہوں نے ایک نظر حفیظ
ڈالی اور کہنے لگے۔

''میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ حفیظہ طلاق چاہتی ہے۔''

''نہیں تایا جان۔'' لیکن وہ اَن سنی کر کے اپنی کہے جا رہے تھے۔

''کاغذات میں نے جمع کروا دیئے ہیں۔ حفیظہ کی طرف سے اور ایک دو دن میں ا
نوٹس مل جائے گا باقاعدہ۔ یہ ان کی مرضی ہے کہ عدالت میں ذلیل ہونے کے بعد طلاق د
ہیں یا......''

وہ بات ادھوری چھوڑ کر مسکرانے لگے۔

''آپ میری طرف سے خلع کا دعویٰ کیسے دائر کر سکتے ہیں جب کہ میں نہیں چا
اس نے ہمت سے کام لے کر کہہ ہی دیا۔ جواباً وہ زور سے ہنس پڑے۔

''ہم تو چاہتے ہیں۔ اب تم یہ کہو گی کہ تمہارے سائن کے بغیر دعویٰ کیسے دائر ہو گیا۔ تو یہ بھی مشکل کام نہیں ہے۔ ہم نے خود سائن کر لئے ہیں ہو بہو تمہارے۔ بس اب تم خود کو ذہنی طور پر تیار کر لو۔''

حفیظہ کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔ دولت کے لئے یہ اس حد تک جا سکتے تھے۔

''میں عدالت میں جا کر خود یہ بیان دوں گی کہ یہ سب کچھ میری مرضی کے خلاف ہوا ہے اور آپ لوگوں نے دھوکے سے......''

چٹاخ سے ایک تھپڑ حفیظہ کے چہرے پر پڑا تھا۔

''خودسری کی سزا دینا ہم بخوبی جانتے ہیں۔'' وہ دانت پیستے باہر نکل گئے۔ حفیظہ چہرے پر ہاتھ رکھے دم بخود کھڑی تھی۔

☆======☆======☆

''بابا جان مجھے قتل کر ڈالیں گے۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے روئے چلی جا رہی تھی۔

''کیوں تم نے کیا کیا ہے؟'' اسد بے فکری سے بیٹھا تھا۔

''میں نے۔ تمہیں نہیں پتہ میں ان کے اعتماد کو دھوکہ دے رہی ہوں۔ ایک غیر مرد کے ساتھ گھومتے دیکھا ہے انہوں نے مجھے۔'' اس کے رونے میں مزید شدت آ گئی۔

''تو اس کا حل ہے میرے پاس۔'' اسد نے سگریٹ کو ایش ٹرے میں مسلا۔

''کیا؟'' اس نے فوراً سر اٹھایا۔

''تم گھر مت جاؤ۔''

''کیا کہہ رہے ہو تم۔ میں گھر نہیں جاؤں؟'' وہ حیرت سے چلائی۔

''ہاں قتل ہونے سے بچنے کا تو یہی طریقہ ہے۔ بقول تمہارے، تمہارے بابا جان بہت غیرت مند ہیں تو وہ تم سے کوئی سوال نہیں کریں گے۔ بس سیدھی ایک گولی تمہارے سینے میں اتار کر تمہیں وہیں کسی کونے میں دفن کر دیں گے اور سوچو تمہاری عمر ابھی مرنے کی نہیں ہے۔ بے کار ہو جائے گا یہ حسن یہ جوانی۔'' اسد نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ سمٹ کر رہ گئی۔

''پھر میں کیا کروں؟'' رونے پر قابو پا کر اس نے پوچھا۔

''ہاں یہ سوچنے کی بات ہے۔ چلو اٹھو راستے میں سوچتے ہیں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''نہیں میں باہر نہیں جاؤں گی۔'' خوف سے وہ دبک گئی۔

''تمہارے بابا جان اتنے بیوقوف نہیں ہیں کہ بھرے بازار میں گولی مار دیں چلو اٹھو۔''

اس نے ڈپٹا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ چادر کو اچھی طرح لپیٹ کر سارا چہرہ بھی چھپایا۔ پھر اسد کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے ہوٹل سے باہر نکلی۔

اسے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ ابھی کوئی گولی سنسناتی ہوئی آئے گی اور اس کے آر پار ہو جائے گی۔ گاڑی کا لاک کھلتے ہی وہ فٹافٹ بیٹھی تھی۔ اسد نے اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔ کھلی سڑک پر آتے ہی وہ کہنے لگا۔

''تم اپنی کسی دوست کے ہاں کیوں نہیں ٹھہر جاتیں؟''

''میرے گھر نہ پہنچنے پر سب سے پہلے اُدھر ہی رجوع کیا جائے گا۔'' اب وہ قدرے حواسوں میں تھی۔

''تو پھر؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے ہما کو دیکھا۔

''ہم شادی کر لیں۔'' ہما نے اچانک فیصلہ کیا، اسد ہنستا چلا گیا۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟'' اس کا موڈ آف ہو گیا تو وہ سنجیدگی سے کہنے لگا۔

''کچھ نہیں۔ میں خود تم سے یہی کہنا چاہ رہا تھا لیکن ڈر رہا تھا کہ کہیں تم اس دن کی طرح مجھ سے خفا نہ ہو جاؤ۔''

''تم بہت اچھے ہو اسد۔'' وہ ایک دم ہی شانت ہو گئی تھی۔

''اچھا۔'' وہ معنی خیزی سے مسکرایا۔ پھر کہنے لگا۔

''اب کدھر چلیں۔ شادی تو اس وقت نہیں ہو سکتی کیونکہ عدالتیں بند ہو چکی ہیں اور یہاں چلتے میں کوئی نکاح خواں بھی ملنے کا نہیں۔ میرے ساتھ اکیلے میں رہتے ہوئے تمہیں ڈر لگے گا۔ کل تک پھر تو تم میری ہو گی مکمل میری۔ تب میں دیکھوں گا تم کیسے بھاگتی ہو مجھ سے۔'' اس کا لہجہ رومانٹک ہوا تو وہ گھبرا کر باہر دیکھنے لگی۔

''بتاؤ پھر کدھر کا رخ کریں؟'' اسد نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''تم جدھر لے چلو۔ مجھے تم پر اعتبار ہے اسد۔'' اس نے سر جھکاتے ہوئے کہا تھا۔

''تھینک یو۔'' اسد ممنون ہوا تھا۔

☆======☆======☆

مغرب کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ انا بی نے ابھی ابھی پچھواڑے والے صحن کی صفائی کروانے کے بعد پانی چھڑک دیا تھا اور چارپائیاں بچھوائی تھیں۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ ربیعہ کے کمرے میں چلی آئیں۔

''اوئی ماں کبھی اس ٹھنڈے کمرے سے باہر نکل کر کھلی ہوا کا لطف بھی لے لیا کرو

دونوں جب دیکھو کمرے میں ہی گھسی رہتی ہو۔'' وہ اپنی رو میں بولتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ ربیعہ سر جھکائے بیڈ پر بیٹھی تھی۔

''کیا ہوا ربیعہ اور ہما کدھر ہے؟'' انہوں نے فوراً پوچھا تھا۔

اور انا بی کو دیکھتے ہی اس کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ ان سے لپٹ کر رونے لگی۔

''ہما ابھی تک گھر نہیں آئی انا بی۔ اب وہ گھر نہیں آئے گی۔''

''کیا بک رہی ہے تُو۔'' انہوں نے جھٹکے سے اسے الگ کیا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں انا بی۔'' اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے اسد والی بات انا بی کو بتا ہی دی۔ کچھ بھی نہیں چھپایا۔ انا بی حیرت سے سب سن رہی تھیں۔

''اتنی بڑی بات ہو رہی تھی ربیعہ اور تُو نے ہم سب سے چھپائی۔'' وہ شاک کی کیفیت میں تھیں۔

''مجھے ڈر لگ رہا تھا انا بی کہ اماں کو بتاتی تو وہ بابا جان کو بتا دیتیں اور بابا جان ایک لمحے کی تاخیر کئے بغیر دونوں کو مار ڈالتے۔ میں تو سمجھاتی رہی لیکن اس کا خیال تھا کہ میں اس سے جلتی ہوں۔ اس کو مروانا چاہتی ہوں میں تو اس لئے خاموش رہی انا بی کہ شاید خود ہی ٹھوکر کھا کر سنبھل جائے۔ مجھے کیا پتہ تھا وہ یہ کرے گی۔'' وہ ہاتھ مسل رہی تھی۔ انہونی اس کے دل کو ہولائے دے رہی تھی۔

''ہما نہیں آئی اب تک؟'' اماں جان بھی چلی آئی تھیں۔

''کوئی کام ہے بی بی تو بتائیں؟'' وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھتے ہوئے بولیں۔

''نہیں انا بی آپ بیٹھیں۔ کیوں ربیعہ کیا کالج اب رات تک کھلے رہتے ہیں؟'' وہ پھر ربیعہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''بی بی یہ بات تم روزانہ چیک کرتیں تو شاید آج یہ وقت نہ آتا۔'' انا بی کے لبوں سے آہ نکلی۔

''کیسا وقت انا بی؟'' وہ گھبرا کر آگے بڑھیں۔

''بیٹیاں گھر نہ لوٹنے کا۔ ارے رضیہ بیگم بیٹیوں کے گرد پہرے نہ لگائے جائیں تو وہ یونہی ہاتھ سے نکل جاتی ہیں۔''

''ہما کدھر ہے ربیعہ؟'' وہ انا بی کی باتوں کو نظرانداز کر کے ربیعہ سے پوچھنے لگیں۔

''صبح کالج گئی تھی۔ ابھی تک......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی کہ دل پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

''کب سے ہو رہا ہے یہ، ایک دم تو نہیں ہوا یہ سب اور ربیعہ تم جانتی ہو۔'' وہ غیض کے عالم میں آ گئیں۔

''میں کیا کہوں اماں جان، میں نے تو اسے سمجھانے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ سمجھ رہی تھی کہ میں شاید اس کی دشمن ہوں۔ اس نے ایک نہیں مانی آپ نے بھی تو ایک دن اس سے لیٹ آنے کی وجہ نہ پوچھی۔ وہ بہانے بنا بنا کر آپ کو مطمئن کر کے آپ کی اجازت سے باہر رہی۔ اب وہ کس مقصد کے تحت باہر رہی۔ جب آپ نے نہیں پوچھا تو میں کس گنتی میں ہوں۔'' وہ نظریں جھکائے سچ بول گئی۔

ان کے پاس اس کی بات کا جواب نہیں تھا۔ وہ سچ کہہ رہی تھی کہ انہوں نے ایک دن بھی ہما سے لیٹ آنے پر باز پرس نہیں کی تھی لیکن وہ تو اس پر اعتبار کرتی تھیں۔ اس نے کہا اماں آج فلاں سہیلی کے گھر سالگرہ ہے۔ میں کالج سے وہیں چلی جاؤں گی آپ بابا جان کو سنبھال لیجئے اور وہ اسے اجازت دیتی رہیں۔ کبھی پریکٹیکل کی وجہ سے دیر ہو جائے گی اور وہ چپ۔ کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ سہیلی کا نام و پتہ ہی پوچھ لیں یا کالج سے پتہ کروائیں کہ یہ کون سا پریکٹیکل ہے جو شام گئے تک چلتا ہے۔ وہ محلے کی ساری عورتوں کے مسائل سلجھانے میں لگی رہیں اور ان کی اپنی بیٹی۔ وہ اس سے آگے کچھ نہ سوچ سکیں سر جھکائے باہر چلی گئیں۔

انابی اور ربیعہ نے ایک دوسرے کی سمت دیکھا۔

''اب کیا ہو گا؟'' دونوں کے چہرے پر رقم تھا۔

اماں بی لیٹی ایک ٹک چھت کو گھور رہی تھیں۔ یہ جو ہوا کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ انہوں نے بیٹیوں پر اندھا اعتماد کیا تھا۔ صوفیہ، ربیعہ اور ہما پر انہیں ہمیشہ فخر ہی رہا تھا۔ جہانگیر شاہ نے بیٹیوں کی تمام تر ذمہ داری انہیں سونپتے ہوئے کہا تھا۔

''رضیہ بیگم! تم اچھی طرح جانتی ہو کہ خاندانی روایات کیا ہیں۔ میں اپنی بیٹیوں پر تعلیم آگہی کے دروازے بند نہیں کر رہا اور یہ ذمہ داری تمہاری ہے کہ انہیں چور دروازوں میں جھانکنے سے باز رکھو۔''

اور انہوں نے سر تسلیم خم کیا تھا۔ بیٹیوں کے سن شعور میں قدم رکھتے ہی انہوں نے سب کچھ سمجھا دیا تھا۔ وہ سکول کالج گئیں لیکن کہیں بھی خاندانی روایات کا گلا نہیں گھونٹا۔ باپردہ ہو کر بھائیوں کے ساتھ یا بوڑھے ڈرائیور کے ساتھ گئیں۔ رزاق کی شادی انہوں نے کم عمری میں ہی اپنی بھانجی فارحہ سے کر دی تھی۔ فارحہ کم پڑھی لکھی تھی لیکن خاندانی روایات پر سختی کاربند۔ اچھی قسمت لائی تھی، چند ہی سالوں میں رزاق کی پروموشن ہو گئی اور انہیں امریکہ جانا

پڑا۔ اب تو شادی بیاہ پر ہی ان کا آنا جانا ہوتا، کبھی کبھار فون آ جاتا۔ یوں سلجوق چونکہ پاس رہے اس لئے جہانگیر شاہ کی محبتوں کا مرکز بنے رہے اور ان کی ہر خواہش انہوں نے پوری کی۔ اپنی روایات سے ٹکر لے کر۔ صوفیہ کی شادی تایا زاد نوفل سے ہو گئی۔ ان کے سر کا کچھ بوجھ ہلکا ہو گیا۔ ربیعہ ہما ابھی چھوٹی تھیں پھر پڑھنا چاہتی تھیں اس لئے ان کی خواہش رد نہیں کی گئی تھی۔ انہوں نے تو سینت سینت کر بیٹیوں کو رکھا تھا۔ پھر کہاں بھول ہو گئی تھی جو ہما نے ایسا کیا اور کیا اس نے اعتماد توڑ کر آنے والوں کے راستے بند نہیں کر ڈالے تھے۔ وہ کیا منہ لے کر جہانگیر شاہ کے پاس جاتیں۔ کیا کہتیں انہیں کہ وہ ان کی بیٹیوں کی حفاظت کرنے میں ناکام ہو گئیں۔ ان کے لئے کہیں جائے پناہ نہ تھی۔ جہانگیر شاہ اس غفلت پر انہیں کبھی معاف نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اٹھیں اور وضو کر کے جائے نماز پر جا کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے لمبے نوافل کی نیت باندھ لی تھی۔

☆======☆======☆

''نوما۔ نوما'' ارمغان کی آواز اسے بہت دور سے سنائی دے رہی تھی۔ اس نے دھیرے دھیرے پلکیں کھولیں۔ وہ اس پر جھکا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ چھونا چاہا اور وہ کراہ کر رہ گئی۔ جسم سے ابھی تک ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ فرحان نے مارا بھی تو بے دردی سے تھا۔

''کیسی ہو نوما؟'' ارمغان محبت سے پوچھ رہا تھا اور وہ اس کے ہاتھ تھام کر رو پڑی۔

''میں نے کچھ نہیں کیا مان۔ یقین کرو میں اسے نہیں جانتی۔ وہ بھابی سے ملنے آیا تھا اور بھیا کے آ جانے کی وجہ سے انہوں نے سارا الزام مجھ پر لگا دیا۔ میرا یقین کرو میں ایسی نہیں ہوں۔'' وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔ ارمغان نے اس کا سر تھپکا۔

''میں جانتا ہوں میری بہن ایسی نہیں ہے۔ مجھے اعتماد ہے تم پر۔ ریلیکس رہو اس سے تو میں نمٹ لوں گا اب اس گھر میں وہ رہے گی یا ہم۔'' وہ اسے دلاسہ دیتا رہا۔ دل میں ٹھان چکا تھا۔ اسی لئے ہاسپٹل سے اٹھ کر سیدھا فرحان کے پاس جا پہنچا۔ فرحان اپنی سیٹ پر نہیں تھے۔ وہ وزیٹنگ روم میں بیٹھ گیا، تبھی طارق علی جو کہ فرحان کا کولیگ تھا اس کے پاس آ گیا۔

''تم لوگ فرحان کو سمجھاتے کیوں نہیں۔ کیا وہ ڈرنک کرتا ہے؟'' ارمغان نظریں جھکا کر رہ گیا۔

''کبھی آفس آتا ہے کبھی نہیں۔ کام اس کا یونہی پڑا رہتا ہے اور وہ ٹیبل پر سر رکھے اونگھتا رہتا ہے۔ عامر صاحب دوستی کا خیال رکھے ہوئے ہیں۔ دبے دبے لفظوں میں اسے سمجھا بھی رہے ہیں لیکن اس کی روٹین میں فرق نہیں آ رہا۔ کیا گھریلو ٹینشن ہے کوئی؟'' تفصیلات پہنچا کر

اب وہ وجہ جاننا چاہ رہا تھا۔ ارمغان چپ رہا اسی وقت فرحان آ گئے۔

"تم یہاں خیر تو ہے؟" وہ حقیقتاً پریشان ہو گئے تھے۔

"ہاں خیر ہی ہے۔ آپ تھوڑی دیر کو میرے ساتھ چل سکتے ہیں۔ لنچ ٹائم شروع ہونے والا ہے۔ بس اتنی ہی دیر۔" ارمغان نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا تو فرحان نے سر ہلا دیا۔ پھر دونوں باہر نکل آئے۔

"لنچ بھی کر لیں گے۔" اس نے بائیک ایک ریسٹورنٹ کے آگے روکتے ہوئے کہا۔ فرحان الجھ رہے تھے کہ آخر کیا بات تھی جو یوں انہیں لے کر آیا تھا۔ کھانے کا آرڈر دیتے ہوئے اس نے بات کا آغاز کیا۔

"آپ نے عاصمہ کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

فرحان نے بغیر کسی رشتے کے اسے پکارتے چونک کر دیکھا۔

"کیا مطلب کیا سوچنا ہے۔" ارمغان نے اس روز جو کچھ دیکھا تھا سب بتا دیا۔

"ان صاحب کے تعلقات محترمہ عاصمہ حیات سے ہیں اور اس دن جو کچھ آپ کو بتا گیا وہ محض اپنی حرکتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے تھا۔ نوما کو خود میں اس روز کالج سے چھوڑ کر گیا تھا اور وہ وائٹ شیراڈ گیراج میں پہلے سے موجود تھی۔ میں تو یہی سمجھا تھا کہ شاید محترمہ کی کوئی دوست آئی ہوں گی...... لیکن اور آپ نے بھی اس کی باتوں پر یقین کر لیا۔ نوما پر ہاتھ اٹھاتے آپ کو ذرا شرم نہیں آئی۔ ذرا خیال نہیں آیا کہ وہ عورت تو ہمیشہ سے ہماری دشمن رہی ہے اور آپ نے اس کی خاطر اپنی معصوم بہن کو دھنک ڈالا۔ اس پر بہتان لگانے والی کا منہ توڑنے کی بجائے آپ نے اس بہتان کو تسلیم کر لیا۔"

"میں بے بس ہوں ارمغان۔ تم اپنا دفاع جس طرح کر سکتے ہو کر لو۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ "مجھے بھوک نہیں ہے کھانا تم کھا لینا۔" ارمغان کے روکنے سے قبل ہی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے باہر نکل گئے۔ ارمغان مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ اس نے کھانا پیک کروایا اور ہاسپٹل آ گیا۔ ناجیہ آئی ہوئی تھی۔ صبح ہی اس نے ارمغان سے ہاسپٹل کا پتہ لیا تھا۔ وہ نوما کی چھٹی کی درخواست دینے گیا تھا۔

"بڑی لاپرواہ ہے ہمیشہ کچھ نہ کچھ کروا لیتی ہے۔ اب چھت پر چڑھنے کی کیا ضرورت تھی اور پھر گرنے کی بھی۔" وجہ جان کر وہ بڑبڑائی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" اس نے رسم نبھائی۔

"الحمدللہ۔" وہ مسکرائی پھر نوما کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

"تندرست ہو جاؤ فٹافٹ۔ میں نے تمہارے لئے ایک رشتہ دیکھا ہے۔" نوما سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگی۔

"کیا اس کے دماغ وغیرہ پر چوٹ آئی ہے؟ میں جب سے آئی ہوں یہ اس طرح سنجیدہ اور چپ ہے۔" اس نے ارمغان سے پوچھا۔

"بعض چوٹیں بڑی گہری ہوتی ہیں ناجیہ بی بی۔ پتہ نہیں کہاں کہاں لگ جاتی ہیں۔" وہ دکھ سے گویا ہوا تھا۔ ناجیہ نے کچھ نہ سمجھ آنے کی صورت میں کندھے اچکائے۔

"ادھر کب تک رہنے کا ارادہ ہے؟"

"آج شام تک ڈسچارج ہو جائے گی۔" اب بھی نوما کی بجائے ارمغان نے جواب دیا تو وہ الجھی الجھی نظروں سے دونوں کو دیکھنے لگی۔

بات کچھ تھی ضرور جو چھپائی جا رہی تھی۔ وہ اٹھ آئی۔

☆=====☆=====☆

شام ہی فارحہ اور رزاق آئے تھے۔ سلجوق ابھی آفس میں ہی تھے کہ رزاق کا فون آ گیا۔ سلجوق جلدی جلدی کام سمیٹ کر گھر پہنچے تو دونوں باہر موجود تھے اور ان کا انتظار کر رہے تھے۔

''عمیر کدھر ہے؟'' دونوں سے ملنے کے بعد پوچھا۔

''عمیر کو ہم نے ہاسٹل بھجوا دیا ہے۔ ہم دونوں اسے ٹائم نہیں دے پا رہے تھے۔ میری بھی جاب تھی۔''

فارحہ نے جواب دیا تو سلجوق حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔

''آپ نے جاب کرلی؟ اگر ایسا ہی تھا تو یہ رزاق بھائی کا سارا آفس پڑا تھا۔ میں تو اچانک ہی ادھر آ نکلا اور رزاق بھائی نے مجھے Administrative بنا دیا۔ فرم کا نیو سٹارٹ ہے کافی اسٹاف رکھا ہے ہم نے۔ اگر آپ کو Exactive post نہیں پسند تو یوں ہی کہیں کھپا دیتے آپ کو۔'' حقیقتاً سلجوق کو فارحہ کا جاب کرنا برا لگا تھا۔

''ارے تمہیں یونہی ٹائم پاس کرنے کے لئے میں کون سا ہائی کوالیفائڈ ہوں۔ ہوں تو وہی میٹرک پاس، یہ تو ہمارے ساتھ ایک پاکستانی عورت نے بوتیک کھولا ہے۔ وہاں جانے لگی ہوں۔ تھوڑی بہت ڈیزائننگ کی سدھ بدھ بھی ہے، بس سلسلہ چل پڑا ہے۔'' فارحہ نے کہا۔ رزاق چپ تھے۔ سلجوق بھی چپ کر گئے۔

فارحہ کچن میں چلی گئی تو سلجوق نے کہا۔

''اگر بابا جان کو خبر ہوگئی تو بہت ناراض ہوں گے۔''

''بابا جان کو خبر کرے گا کون؟'' جواباً رزاق نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ سلجوق کی دوبارہ ہمت ہی نہیں پڑی۔

''تم اپنی سناؤ کیا رپورٹ ہے؟'' وہ ریموٹ سے ٹی وی آف کرتے ہوئے اس کی

طرف مڑے۔ فارحہ چائے اور اسنیکس لے آئی تھی۔ سرو کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''سلجوق بھائی! آپ کا مسئلہ تو عجیب سا ہوگیا ہے۔ سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی آپ کا نہ ملنا تقدیر ہے۔''

''شاید۔'' انہوں نے چائے کا مگ لیتے ہوئے مختصراً کہا۔

''کہتے کیا ہیں وہ لوگ؟'' رزاق نے پھر پوچھا۔

''کل بابا جان کا فون آیا تھا۔ حفیطہ کی طرف سے خلع کا نوٹس موصول ہوگیا ہے۔''

''وہ تو پہلے بھی ملا تھا شاید تم ہی بتا رہے تھے۔'' رزاق نے سپ لیتے ہوئے کہا۔

''نہیں وہ تو یونہی تھا۔ سلیمان ملک کی شرارت۔ اب جو نوٹس موصول ہوا ہے اس پر حفیطہ کے دستخط موجود ہیں اور مجھے اگلے ماہ کی پندرہ تاریخ کو عدالت میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔''

''پھر؟'' وہ سوالیہ ہوئے۔

''اگر میں نہ جاؤں تو؟''

''تو بھی تین چار تاریخوں کے بعد اسے عدالت کی طرف سے خلع مل جائے گا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ تم جاؤ حالات دیکھو صرف بیانات کی وجہ سے کبھی کبھی حالات حق میں ہو جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے حفیطہ اپنا فیصلہ بدل دے اگر وہ بھی تم سے محبت کرتی ہو تو۔ سب کچھ ممکن ہے، حالات کا مقابلہ کرو۔ بھاگو نہیں اور اوپر والے سے ہمیشہ اچھی امید رکھنی چاہئے۔ تم اپنی سی کوشش تو کر رہے ہو، آگے اللہ کی مرضی۔'' رزاق نے ان کا شانہ تھپکا تو وہ بہت پُرسکون سے ہو گئے۔ واقعی انہیں اپنی سی کوشش تو کرنی چاہئے۔ وہ تو بھاگ کر یہاں آ بیٹھے تھے۔ پتہ نہیں کیوں اس وقت جب سلیمان ملک کی دھمکی موصول ہوئی تو انہیں لگا جیسے وہ بذریعہ ٹارچر ان سے کاغذات پر سائن کروا لیں گے۔ بس یہی خوف انہیں امریکہ لے آیا۔ انہوں نے اتنی چپکے چپکے تیاری کی کہ گھر والوں کو بھی پتہ نہ چل سکا۔ سوائے بابا جان کے اور وہ چپ چاپ رزاق اور فارحہ کے ساتھ ہی امریکہ چلے آئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اس متوقع بات سے بچ گئے ہیں۔ حفیطہ کے والدین اب کچھ نہیں کر سکیں گے۔ کچھ عرصہ بعد واپس چلے جائیں گے تو حالات کا رخ یقیناً بدل چکا ہوگا۔ غصہ بھی ٹھنڈا ہو جائے گا اور تب وہ اطمینان سے بات کر کے حفیطہ کے والدین کو منا لیں گے۔ یہ تو ان کے ذہن میں آیا ہی نہ تھا کہ وہ وہاں رہ کر بہتر طور پر حفیطہ اور اس کے والدین کو قائل کر سکتے تھے۔ پھر ان کے ذہن میں یہ بھی تھا کہ کچھ ہو جائے وہ عدالتی کارروائی نہیں کریں گے لیکن ان کے سارے مفروضے یکے بعد دیگرے غلط ثابت ہوتے جا رہے تھے۔

"آفس کا کیا کرو گے؟" رات کے کھانے پر رزاق بھائی نے پوچھا تو وہ کندھے اچکا کر رہ گئے۔

"میرا خیال ہے آپ سلیم گیلانی سے بات کریں۔ بابا جان کا اعتماد والا آدمی ہے۔ بزنس ایڈمنسٹریشن کی ڈگری بھی ہے اس کے پاس، سنبھال لے گا۔ میرا مقدمہ تو جانے کب تک چلے اور میں چاہتا ہوں کہ میں اس دوران وہیں رہوں۔ آپ بھی چلی چلیں بھابی۔ اماں بی آپ کو اور عمیر کو بھی یاد کرتی ہیں۔" سلجوق نے ساتھ ہی فارحہ کو بھی تیار کرنا چاہا۔

"کیا خیال ہے رزاق۔ میں بھی امی ابو اور خالہ وغیرہ سے مل آؤں؟" فارحہ فوراً تیار ہوگئی۔

"ابھی چھ ماہ قبل تو مل کے آئی ہو۔ آرام سے بیٹھو سلجوق کا فیصلہ ہو جائے پھر اکٹھے چلیں گے۔" رزاق نے جھڑک دیا تو وہ منہ بسور کر رہ گئی۔

اگلے دن سلجوق کو بہت سے کام نمٹانے تھے اس لئے جلدی سو گئے۔ ایمبیسی جانا تھا پھر دو چار پارٹیز سے ریکوری کے سلسلے میں ملنا تھا۔ وہ چاہتے تھے سارا حساب کتاب کلیئر کر کے جائیں۔ پتہ نہیں واپس آنے کا ارادہ ہے یا نہیں۔ کیا خبر تقدیر مہربان ہو جائے فیصلہ ان کے حق میں ہو جائے اور وہ وہیں رہ جائیں تو پیچھے کوئی مسئلہ نہ کھڑا ہو سکے۔ صبح وہ مقررہ وقت سے پہلے ہی آفس پہنچ گئے تھے۔ Receptionist سے متعلقہ پارٹیوں سے ٹائم لینے کو کہا اور خود Filing کرنے لگے۔ تبھی دروازہ ہلکا سا Knock کر کے کوئی اندر داخل ہوا تھا انہوں نے سر اٹھایا۔

"مجھے عزیز احمد کہتے ہیں۔ میں راضیہ احمد کا ڈیڈی ہوں۔" آنے والے نے اپنا تعارف کروایا تھا۔

☆======☆======☆

"سنو عذیر۔" ناجیہ نے باہر نکلتے عذیر کو پکارا تو وہ پلٹ آیا۔

"کیا ہے؟ آج لہجے میں بڑی حلاوت ہے کوئی مطلب ہے کیا؟" وہ گنگنایا تھا۔

"ہے تو مطلب ہی وہ نقشم کب آ رہے ہیں؟" اس نے نظریں جھکاتے ہوئے پوچھا۔

عذیر بے تحاشا ہنس پڑا۔

ہائے رفتہ رفتہ وہ میری ہستی کا ساماں ہو گئے
تُو سے تم ہوئے اور پھر آپ ہو گئے

اس نے بڑے مزے سے شعر کا بیڑہ غرق کیا۔

"رہے ہیں۔ خوب تو آ رہے ہیں۔ شاید اس ماہ میں آ جائیں۔ سات جولائی کو سالگرہ ہے ناں ان کی۔ تو میں Request کروں گا ان سے کہ وہ گھر آ جائیں یہاں بہت اچھے اچھے لوگ ان سے ملنے کو دیکھنے کو بے چین ہو رہے ہیں۔" اس نے پھر "رہے ہیں" پر زور دیا۔ وہ جھنجھلا گئی۔

"تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔"

"ہاں اب "رہے ہیں" کے بارے میں اطلاع جو مل گئی ہے اب تو مجھ سے مزید بات کرنا فضول ہی ہو گی۔ اچھا تو پھر ہم جا رہے ہیں۔" اس نے ہاتھ ہلایا تو اس نے چڑ کر منہ پھیر لیا۔

"ہائیں گھر آئے مہمان کو دیکھ کر کیا منہ پھیر لیا کرتے ہیں۔" ارمغان کی آواز پر وہ پلٹی تھی۔

"آپ؟" اسے یوں اچانک دیکھ کر وہ بوکھلا گئی۔

"کیا ہوا؟ میں واپس چلا جاؤں۔" اسے ٹس سے مس ہوتے نہ دیکھ کر وہ پوچھ بیٹھا۔

"نہیں آپ آیئے میں چچی جان کو بلاتی ہوں۔" اسے ڈرائنگ روم کا راستہ دکھاتی وہ اندر چچی جان کو بلانے چلی گئی۔ واپس آئی تو وہ یونہی کھڑا تھا۔

"ارے آپ بیٹھے نہیں۔ یونہی کھڑے ہیں۔" اس نے لائٹس آن کرتے ہوئے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"ناجیہ میں آپ کے پاس ایک بہت ضروری کام سے آیا ہوں۔ بہت مان لے کر کہ آپ مجھے ناکام نہیں لوٹائیں گی۔"

"جی!" وہ تذبذب میں پڑ گئی۔ اس کا اکیلے آنا اچنبھے سے کم نہ تھا مزید اس کی گفتگو۔

"کیا آپ نوما کو اپنے پاس رکھ سکتی ہیں؟" سر جھکائے اس نے آغاز کیا۔

"جی!" وہ چونکی۔ "حالات کچھ ایسے ہو گئے ہیں کہ نوما اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔ میرا ایک سال رہ گیا ہے تب تک پلیز۔" وہ ملتجی ہوا۔ ناجیہ کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

"آپ کو پتہ ہے ارمغان کہ میں خود اس گھر میں مہمان کے طور پر رہ رہی ہوں۔ اگرچہ یہ مہمانیت کچھ زیادہ لمبی ہو گئی ہے تو جب تک چچی جان کی اجازت نہ ہو میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ آپ پلیز فیل (Feel) مت کیجئے گا۔" وہ ان کو کسی مبالغے میں نہیں رکھنا چاہتی تھی کیا خبر چچی جان اس امر پر راضی نہ ہوں اور وہ یونہی ہامی بھر لیتی۔ اس کا اپنا گھر ہوتا تو وہ جی جان سے نوما کو اپنے ساتھ رکھ لیتی مگر اب معاملہ دوسرا تھا۔

''اصل میں نوما وہاں محفوظ نہیں ہے۔'' وہ بے بسی سے گویا ہوا۔ پھر دھیرے دھیرے ساری بات بتادی۔

''اوہ نو!'' ناجیہ نے سر تھام لیا۔

''اور آپ نے مجھ سے چھپایا؟'' اس نے شکوہ کیا۔

''اور کیا کرتا رسوائی کا فسانہ سر عام بیان کرتا۔ حالات اسی بات کے متقاضی ہیں کہ ہم چپ چاپ وہاں سے نکل آئیں ورنہ جو بھاوج دھڑ لے سے بہتان لگا سکتی ہے وہ اور کسی کوئی قدم اٹھانے سے گریز نہیں کرے گی۔ میں اس دوران پوری کوشش میں ہوں کہ کہیں اچھا رشتہ مل جائے تو میں اس کی شادی کردوں۔ اپنے گھر جائے کم از کم محفوظ تو ہوگی۔ اب وہاں سارا دن میں پہرہ تو نہیں دے سکتا۔ فرحان بھائی کسی کام کے نہیں اور عافیہ بجو کا سسرال۔ وہاں کا ماحول بھی کچھ اچھا نہیں، پھر سسرال کے لوگ پوچھیں گے کہ بھائیوں کا گھر چھوڑ کر بہن کے گھر کیوں آگئی۔ ضرور کوئی بات ہوگی اور یہی میں نہیں چاہتا۔''

''تو بیٹا یہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے۔ نوما یہاں اتنی ہی محفوظ رہے گی جتنی کہ ایک بیٹی ماں باپ کے گھر میں، بے فکر ہو۔'' چچی جان جانے کب وہیل چیئر دھکیلتی چلی آئی تھیں اور سب کچھ سن لیا تھا۔ ارمغان نے احساسِ ممنونیت سے ان کے گھٹنے تھام لئے۔

''آپ بہت Great ہیں آنٹی ان شاء اللہ آپ کو نوما سے کوئی شکایت نہ ہوگی میں بہت جلد رشتہ ڈھونڈ کر اس کی شادی کردوں گا۔''

چچی جان نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''میں بھی کوشش کروں گی۔ ناجیہ کوئی چائے وائے لے کر آؤ'' انہوں نے ناجیہ کو احساس دلایا تو وہ شرمندہ سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''نہیں اب میں چلوں گا۔'' ارمغان نے اشارے سے منع کیا۔ ''شام کو آئیں گے تو چائے کے ساتھ ساتھ کھانا بھی کھائیں گے۔'' اس نے بہت ہلکا پھلکا ہو کر کہا تو ناجیہ مسکرادی۔

''کیوں نہیں آپ کا اپنا گھر ہے۔'' ارمغان اجازت لے کر رخصت ہوگیا تو وہ چچی جان کے پاس آبیٹھی۔

''کتنی عظیم ہے یہ عورت اور کتنا وسیع دل ہے اس کا۔ سب کو پناہ دے رہی ہے، سب کے لئے ایک سی محبت کبھی ماتھے پر بل نہیں آیا۔ کچھ لوگوں کو اللہ کتنا نواز دیتا ہے۔'' اس نے چچی جان کی گود میں سر رکھ دیا۔

''آپ بہت اچھی ہیں چچی جان۔'' ان کے دونوں ہاتھ چومتے ہوئے اس نے کہا تھا

اور وہ ہمیشہ کی طرح مسکرادی تھیں۔

☆======☆======☆

''ہم شادی کب کررہے ہیں اسد؟'' ہما نے تنگ آکر پوچھا تھا۔ اسے کتنے دن ہوگئے تھے اس ڈیرے پر آئے اور اسد ہنوز شادی کو ٹال رہا تھا۔

''کرلیں گے شادی بھی ایسی کیا جلدی ہے۔ پھر اب تو تمہیں کوئی ڈر نہیں ہونا چاہئے۔ تم میرے پاس ہو میں تمہارے پاس۔'' وہ ہنسا۔ وہ کیا بتاتی اسی ''پاس'' نے تو اسے خوفزدہ کرنا شروع کردیا تھا۔ اسد کی آنکھوں میں محبت کی جگہ عجیب سی چمک اتر آئی تھی۔ اگرچہ وہ اسے کچھ کہتا تو نہیں تھا لیکن پتہ نہیں کیوں ہما کی چھٹی حس بار بار اسے ڈرا رہی تھی۔

''لیکن اسد میں کب تک یہاں چھپی رہوں گی۔ مجھے تو اس قید خانے سے وحشت سی ہونے لگی ہے۔ سارا دن اکیلی۔ رات کو بھی اکیلی۔ نہ کوئی چرند نہ پرند۔''

''ملازم جو پھرتے ہیں۔'' اس نے تکیہ کے نیچے باز ور کھے اور دراز ہوگیا۔

''تم بلاوجہ شادی کو ٹال رہے ہوناں اسد؟'' بالآخر اس نے صاف صاف کہہ ڈالا۔

''ہاں۔'' اس نے بھی ترنت جواب دیا تھا۔ ہما کو شاید اس ''تائید'' کی توقع نہیں تھی اس لئے کئی ثانیے حیرت سے اسے دیکھتی رہی۔

''کیوں؟'' ٹھنڈی سانس لے کر اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹیک دیا۔

''بس مجھے شادی کرنا ہی نہیں ہے۔ میں ان جھنجھٹوں میں پڑتا ہی نہیں ہوں۔ لڑکی کا کیا ہے میں جب چاہوں اور جس سے چاہوں...... '' وہ بات ادھوری چھوڑ کر ہنسا۔

''بھولی چڑیا کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ راہ چلتے میں نے تمہیں دیکھا اور تمہاری محبت میں گرفتار ہوگیا۔ اوہ شٹ ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ راہ چلتے جو مرد محبت میں گرفتار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں بکواس کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو کیا وہ شادی کرکے اسے گھر کی عزت نہ بنالیں۔ محبت کے لئے محبت کا ڈھونگ، ہاہاہا۔''

وہ قہقہہ مار کر ہنسا۔

''اب دیکھوناں۔'' وہ اٹھ بیٹھا پاؤں چارپائی سے نیچے لٹکا لئے۔

''اب اگر مجھے تم سے شادی کرنا ہوتی تو میں اتنی محنت کیوں کرتا۔ ہاں...... سیدھے سیدھے اپنے امی ابا کو تمہارے گھر بھیجتا۔ جواب جو بھی ملتا ہاں یا ناں، لیکن عزت دار طریقے سے کوشش تو کرتا۔ نہ کہ تمہیں ہوٹلنگ کرواتا، تم سے تنہائی میں ملاقاتیں کرتا۔ تم تو اتنی بار میرے ساتھ حامد کے گاؤں گئی ہو، میں چاہتا تو پہلی یا دوسری بار ہی اپنا مطلب نکال لیتا لیکن میں

مقصد فی الحال یہ نہیں تھا۔ تمہیں لوگوں نے دیکھا، لاکھ نقاب لے کر آتی رہی ہو لیکن اپنے محلّے کے کسی بھی لڑکے سے جا کر پوچھ لینا کہ ان سب نے تمہیں میرے ساتھ دیکھا یا نہیں۔ ہوٹلوں سے نکلتے، تنہا گاؤں جاتے، تمہاری پارسائی اب نام کی رہ گئی ہے وہ بھی تمہاری نظر میں۔ لڑکی جب پہلی بار اپنے ماں باپ کو دھوکا دیتی ہے تو اپنے ہاتھوں عزت کی چادر اتار آتی ہے۔ پھر کوئی اور اتارے تو شور کیا مچانا، بالکل اسی طرح جیسے اب تم شور نہیں مچاؤ گی۔ ہاں۔'' وہ خباثت سے ہنستا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

وہ جو دم بخود تھی ایک دم پیچھے ہٹی نتیجتاً کرسی الٹ گئی اور وہ سر کے بل نیچے جا گری۔ وہ گھوم کر اس کے سر کے پاس دوزانو ہو بیٹھا اور اس کا سر اوپر اٹھایا۔

''نہ نہ رونا نہیں۔'' نرمی سے کہا اور ایک جھٹکے سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کر دیا۔

''بہت شور مچایا تھا تم نے کہ میں نے تمہارا ہاتھ کیوں پکڑ لیا۔'' وہ دھاڑا۔

''اسد تم ہوش میں نہیں ہو۔ تم نے پی رکھی ہے دیکھو ایسا مت کرو۔'' وہ بلکنے لگی لیکن اس کی التجائیں بے کار گئیں۔ وہ تنہا تھی۔ بے بس بھی، ارد گرد کوئی ایسا نہ تھا جو اس کی مدد کو آ سکتا ڈیرہ اس کی چیخوں سے گونجتا رہا اور پھر سناٹا چھا گیا۔ گہرا سناٹا۔

جانے کب تک وہ ہوش و حواس سے بے گانہ پڑی رہی۔ شام کا اندھیرا کمرے میں بھی اتر آیا تھا۔ اسد جا چکا تھا۔ اس نے اپنا لاش جیسا جسم گھسیٹا اور دروازے تک گئی۔ دروازہ باہر سے لاک تھا۔ یعنی آج اسے خطرہ تھا کہ وہ بھاگنے کی کوشش کرے گی۔ وہ چارپائی پر آ بیٹھی اسے اپنے وجود سے گھن آ رہی تھی۔ جیسے سارا جسم گندگی سے لتھڑ گیا ہو۔ اس کے ہاتھ، اس چہرہ وہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ بکھرے بال، متوحش آنکھیں، اجڑا رنگ۔ اس ذہنی رو بہکی اس نے پاس پڑا ہیئر برش آئینے پر دے مارا۔ آئینہ کرچی کرچی ہو کر بکھر گیا۔ اس نے ساری کرچیاں مٹھیوں میں بھر لیں اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

میرے ساتھ یہی ہونا چاہیے تھا۔ جو لڑکیاں ماں باپ کے اعتماد کو دھوکہ دیتی ہیں ان عزت پاؤں تلے روند کر آگے بڑھتی ہیں وہ دو کوڑی کی بھی نہیں رہتیں۔ ان کی عزت یوں سرِ بازار نیلام ہوتی ہے۔ غیر مرد پر بھروسہ کر لینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ نہیں بلکہ مرد پر بھروسہ کرنا محبت کا جھوٹا جال۔ چند پُرفریب لفظ صرف ایک ہی مقصد کے لئے اور لڑکیاں کتنی بھولی اور وہ ربیعہ کتنا سچ کہتی تھی کہ ان چراغوں میں سوائے دھوئیں کے اور کچھ نہیں۔ جو عقل ربیعہ کے پاس ہے وہ میرے پاس کیوں نہیں۔ مجھے اسی دن سنبھل جانا چاہیے تھا جس دن اسد نے ہاتھ پکڑا تھا۔ مجھے دوبارہ اس سے نہیں ملنا چاہیے تھا۔ اماں بی، بابا جان، ربیعہ اور جب بڑے

اور سلجوق بھائی کو خبر ملے گی کہ میں...... اُف یہ میں کیا کر بیٹھی ہوں یہ مجھ سے کیا ہو گیا، میں نے کیوں کیا ایسا، میں نے کیوں کیا۔''

وہ ہذیانی ہو رہی تھی۔ اونچی اونچی آواز میں چیخ رہی تھی لیکن اب بھی اس کی اپنی آواز لوٹ رہی تھی۔ کوئی بھی نہ سن رہا تھا۔ کوئی بھی نہیں۔

☆======☆======☆

''شاہ صاحب آ گئے ہیں۔'' انابی نے اطلاع پہنچائی تھی اور اماں بی اور ربیعہ کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ پچھلے ایک ہفتے سے وہ سوچ سوچ کر پاگل ہو گئی تھیں کہ جب شاہ صاحب زمینوں سے لوٹیں گے تو کیا ہو گا۔ اس خوف نے انہیں سونے نہ دیا تھا۔ اماں بی کو جتنے کوسنے یاد تھے سب کے سب اسے دے ڈالے تھے لیکن ان کا دل یونہی شعلوں کی زد میں تھا۔ دروازہ کھلا تو دونوں نے چونک کر دیکھا۔ جہانگیر شاہ اندر آ رہے تھے، اٹھا شملہ کیسا جچ رہا تھا اور ابھی جب انہیں پتہ چلے گا تو یہ شملہ کیسے جھک جائے گا۔ بیٹیاں شملہ ہی تو ہوتی ہیں۔ عزت و وقار بلند رکھیں تو ماں باپ کے شملے بھی بلند رہتے ہیں اور جہاں وہ کوتاہی کرتی ہیں تو شملے پیروں میں آ پڑتے ہیں۔

''کیسی ہو رضیہ بیگم؟'' وہ پگڑی اتار کر رکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''اور ربیعہ تمہیں کیا ہوا آج سلام نہیں کیا؟'' دونوں کی چپ انہیں حیرت میں ڈال رہی تھی۔

''السلام علیکم بابا جان۔ میں آپ کے لئے شربت لے کر آتی ہوں۔'' اس نے فوراً سلام کیا اور اسی تیزی سے باہر نکل گئی۔

''اس بار آپ نے زیادہ دن لگا دیئے شاہ جی۔'' اماں بی نے پوچھا تو ان کی حیرت دوچند ہو گئی۔ آج سب کچھ غیر معمولی کیوں ہو رہا تھا۔ پہلے جب وہ زمینوں سے لوٹا کرتے تو رضیہ بیگم اطلاع پاتے ہی برآمدے کی سیڑھیوں میں آ کھڑی ہوتیں ان کے پاس آتے ہی سلام کر کے حال احوال پوچھتیں۔ یہ پوچھنے کی کبھی جرأت نہ تھی کہ اتنے دن کیوں لگا دیئے۔ ان کے ہاتھوں سے بیگ لیتیں۔ اتنی دیر میں صوفیہ، ربیعہ اور ہما آ کر ان سے لپٹ جاتیں۔ وہ انہیں پیار کرتے اندر چلے جاتے لیکن آج تو رضیہ بیگم حال احوال پوچھنے کی بجائے دیر سے آنے کا پوچھ رہی تھیں۔ ربیعہ نے ان کے کہنے پر سلام کیا تھا اور ہما۔

''ہما کدھر ہے؟'' انہوں نے پوچھا تھا۔

''آپ کھانا کھائیں گے؟'' رضیہ بیگم ان سنی کر گئیں تھیں۔

"نہیں کھا کر آیا ہوں۔" انہوں نے جوتے اتار کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کوئی حال رہ نہیں گیا مزارعوں کا۔ حرام کی عادت پڑ گئی ہے۔ سارا دن بیٹھ چارپائیاں توڑتے ہیں، گپیں ہانکتے ہیں۔ فصلیں سوکھ رہی ہیں۔ تباہ ہو رہی ہیں کوئی پر نہیں۔"

رضیہ بیگم نے وقتی طور پر موضوع بدل جانے پر شکر ادا کیا اور پھر کی نہیں مبادا انہیں پھر یا آ جائے۔ ربیعہ نے شربت بنا کر اندر بھیج دیا تھا اور اب اماں بی سے پوچھ رہی تھی کہ بابا جان ہما کے بارے کیسے بتائیں۔

"مجھے تو خود سمجھ نہیں آ رہی ربیعہ۔" خوف و پریشانی ان کے چہرے سے مترشح تھی۔

"اس روز زمینوں پر جاتے ہوئے ایک چوک میں، میں نے اسد کو دیکھا تھا۔" بابا جان شربت کا گلاس پکڑے باہر ہی چلے آئے۔

"کون اسد؟" دونوں کا دل لرزا ایک ساتھ۔

"رحمٰن ملک کا بھتیجا۔ وہی جو اصل فساد کی جڑ ہے۔ ساتھ میں ایک نقاب والی لڑکی بھی تھی۔ جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ شاید حفیظہ تھی۔ پہلے تو سوچا کہ حفیظہ سے بات کر لوں لیکن سڑک پر کھڑے ہو کر بات کرنا مناسب نہ تھا، اس لئے رہنے دیا۔"

"سلجوق کا فون آیا کب آ رہا ہے؟" وہ وہیں موڑھے پر ٹک کر اماں بی سے پوچھنے لگے۔ اماں بی نے پتہ نہیں کیا جواب دیا۔ کہ ربیعہ کے ذہن میں یکایک خیال کوندا تھا۔ کہیں یہ اسد والا ہی تو نہیں اور اس کے ساتھ حفیظہ نہیں ہما ہی تھی۔ اس نے انگلیوں پر حساب لگایا وہی دن تھا اور اس کا ذہن جیسے روشن ہوتا چلا گیا۔

"تو یہ ہوا ہما تمہارے ساتھ۔" اس نے دکھ سے سوچا۔ "بابا جان کے دیکھ لینے کے خوف سے تم نے گھر ہی چھوڑ دیا اور اسد! اگر یہ وہی اسد ہے تو وہ یہ سب یقیناً بدلہ لینے کی خاطر کر رہا ہو گا یا پھر کسی اور مقصد کے لئے۔" اس کا ذہن تیزی سے تانا بانا بُن رہا تھا۔

☆======☆======☆

وہ صبح سے بہت خوش تھی۔ آج سات جولائی تھی اور عذیر نے اسے یقین دلایا تھا کہ نقشم شام کو آنے والا ہے۔ اس نے نوما کے ساتھ مل کر سارا گھر صاف کیا تھا۔ سارے گھر کی از سرِ نو سیٹنگ کی تھی۔ چچی جان خاموشی سے دیکھ رہی تھیں اور سمجھ رہی تھیں۔ ان کی بھی یہی خواہش تھی لیکن نقشم کی مرضی کے بارے میں وہ کچھ نہ کہہ سکتی تھیں۔ وہ ان کی پسند کے کھانے بنانے لگی ہوئی تھی کہ نوما نے بتایا اس کا فون ہے۔

"یقیناً نقشم کا ہو گا۔" وہ چولہا بند کر کے بھاگی، نوما اس کی دیوانگی پر ہنسنے لگی۔ اس نے عذیر کو کچھ بھی بتانے سے سختی سے منع کیا تھا۔ وہ سرپرائز دینا چاہتی تھی اسے۔

"ہیلو۔" اس نے بے تابی سے کہا تھا۔

"ہیلو ناجیہ میں بول رہا ہوں تمہارا ڈیڈی۔" دوسری طرف عزیز احمد تھے۔

"جی ابو السلام علیکم۔" اس نے سلام کیا۔

رسمی حال احوال کے بعد وہ اصل مقصد کی طرف آ گئے۔

"بیٹا میں راضیہ اور ثوبیہ کو پاکستان بھیج رہا ہوں۔ ہم لوگ مستقل پاکستان آ رہے ہیں۔ کاروبار سمیٹنے میں کچھ وقت تو لگے گا لیکن پھر بھی بہت جلد آ جائیں گے۔ نقشم سے کہنا ہمارے لئے گھر دیکھ رکھے۔ تب تک راضیہ اور ثوبیہ یہیں رہیں گی۔ بھابی جان کو بتا دینا۔" بات مکمل کر کے انہوں نے فون بند کر دیا۔

"چلو کسی طرح سہی وہ آ تو رہے ہیں۔" اس کے دل میں خوشی کی رمق جاگی اس نے فوراً جا کر چچی جان کو بتایا۔ وہ بھی یہ سن کر خوش ہو گئیں کہ آخر اتنے سالوں بعد عزیز احمد کو اپنے وطن آ کر بسنے کا خیال آ ہی گیا۔ وہ واپس کچن میں آ گئی۔ نوما منتظر تھی۔

"کیا کہا بجن نے؟"

"بکو نہیں بابا تھے فون پر۔ نوما وہ مستقل یہیں آ رہے ہیں اب میں اپنے گھر رہ سکوں گی۔ نوما تمہیں بھی ساتھ ہی لے جاؤں گی۔" وہ خوشی خوشی اسے بتا رہی تھی۔

"یار کیا چیز ہو تم بھی۔" نوما نے اسے گلے لگا لیا۔

"کچن میں کھڑے ہو کر کوئی کچن والا کام کریں۔ میں تیز دھوپ میں جھلس کر آ رہا ہوں کوئی فالسہ کا شربت ہی پلا دو۔"

عذیر نے کچن کے دروازے پر کھڑے ہو کر دہائی دی تھی۔

"یہ دھوپ میں جھلسنے کا مشورہ دیا کس نے تھا؟" ناجیہ ہنستے ہوئے بولی۔

"یار مشورہ کیسا ٹائم نہیں کاٹا جاتا۔ کالج والوں کو پتہ نہیں کیا دشمنی ہو گئی ہے۔ جلدی چھٹی ہی نہیں کرتے ہیں۔ باہر پیپل کے درخت تلے کھڑے کھڑے جھلس جاتا ہوں۔" اس نے دکھڑا رویا تو ناجیہ سمجھ گئی۔

"شرم کرو عذیر۔ لڑکیوں کے کالج کے سامنے کھڑے ہو کر غنڈہ گردی کرتے تمہیں شرم نہیں آتی۔" اس نے ڈانٹا تو وہ ڈھیٹ بنا ہنسنے لگا۔

"تو اور کیا بوائز کالج کے سامنے کھڑا ہوا کروں۔ تمہیں بھی پتہ نہیں کب عقل آئے گی۔ بر

اب عقل آتی کہاں ہے۔ اب تو جو تھوڑی بہت تھی وہ بھی گئی کہ۔

نہ نہ کرتے پیار تم ہی سے کر بیٹھے
آنکھیں تھیں یہ دو مگر چار تم ہی سے کر بیٹھے

وہ دروازہ بجا بجا کر گانے لگا۔

''خدا کے لئے عذیر کسی وقت تو شاعری کی ٹانگ مت توڑا کرو۔'' اس نے پانی کا گلا اسے تھمایا تو اس نے گھور کر دیکھا۔ پھر گلاس اندر جا کر سلیب پر رکھ دیا۔

''مجھے یہ پانی نہیں پینا فانٹ پیپسی کھول کر پیش کرو بھر جائی۔''

''اللہ عذیر۔'' اس نے فوراً پیپسی نکال کر اسے تھما کر گویا اس کی چلتی زبان کو بریک لگائے تھے۔

''آج شام کی تیاری کیسی ہے؟'' پیپسی مزے لے لے کر پیتے ہوئے پوچھنے لگا۔ وہ اسٹول کھینچ کر بیٹھ گیا تھا اور اب اس کا اٹھنے کا ارادہ نہیں لگ رہا تھا۔ نوما چلی گئی تھی۔

''تیاری مکمل ہی ہوگی۔ ساری ڈشز ان کی پسند کی بنائی ہیں میں نے۔ تم کیک اور م بتیاں لے آنا، دہی بڑے بھی بنالوں گی۔ دہی لے آنا باقی سب کچھ موجود ہے۔'' اس نے کہا وہ ہنس پڑا۔

''میں تمہاری تیاری کا پوچھ رہا تھا۔ کیا پہن رہی ہو؟'' اس نے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

''کیا پہن رہی ہو مطلب؟ ظاہر ہے شلوار قمیص۔ اب لاچہ کرتا پہن کر تو کھڑی ہو سے رہی۔'' ناجیہ نے چڑایا۔

''پہن لو۔ خوش ہو جائے گا۔ بڑی Tough job کرتا ہے اسے ہنسنے کے مواقع دینے چاہئیں ناں۔'' عذیر نے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔

''Mental ہو گئے تم خود۔'' اس نے کس کر ایک چمچہ اس کی کمر پر رسید کیا وہ کرا لگا۔

''ہائے مار دیا ظالم لڑکی مر گیا میں، امی آپ کا بیٹا آپ کو چھوڑ گیا۔'' وہ اونچی آواز واویلا کرنے لگا۔ چچی جان گھبرا کر باہر نکل آئیں۔

''کیا ہو گیا؟'' وہ چیئرز دھکیلتی کچن کی طرف آنے لگیں کہ اسی وقت فون کی بیل بج اٹھی۔

''عذیر فون سنو۔'' انہوں نے وہیں سے پکارا تو وہ بھاگ کر فون کی سمت بڑھ گیا۔

''ہیلو!'' ریسیور اٹھاتے ہی اس نے کہا تھا۔

''ہیلو! عذیر میں سمیر بول رہا ہوں۔''

''ہاں کیسے ہیں؟'' وہ خوش اخلاقی سے گویا ہوا تھا۔

''یار سمجھ نہیں آ رہا کیسے بتاؤں تمہیں؟'' وہ بے حد گھبرایا ہوا تھا۔

''کیا ہوا سمیر بھائی؟'' عذیر کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوا، اس کی تمام حسیات دل بن گئیں۔

''دیکھو آنٹی کو حوصلہ دینا، انہیں سمیٹنا تمہارا کام ہے۔'' وہ اٹک اٹک کر بول رہا تھا۔

''کیا ہوا ہے سمیر بھائی پلیز صاف بات کریں۔'' وہ ضبط کرتے کرتے بھی چیخ پڑا تھا۔

''نقشم کا جہاز ڈوب گیا ہے۔'' اس نے کہا تھا اور عذیر کے لبوں سے ''نہیں'' چیخ کی صورت میں نکلا اور ریسیور ہاتھ میں تھامے وہ ایک طرف کو جھکتا چلا گیا۔ چچی جان گھبرا کر اس کی طرف بڑھیں۔ ناجیہ ہاتھ میں چمچہ تھامے بھاگی۔

''کیا ہوا عذیر؟'' وہ اسے جھنجھوڑنے لگی۔ عذیر نے ڈوبتے دل کے ساتھ اس کو دیکھا۔

''سب کچھ ڈوب گیا ناجیہ بی بی سب کچھ۔'' اور ناجیہ بیٹھتی چلی گئی تھی۔

☆======☆======☆

''تمہاری عقل کام کرتی ہے یا نہیں۔ جوان لڑکی کو غیروں کے گھر میں چھوڑ آئے۔ وہ بھی جوان لڑکوں کا گھر ہے۔ نیت بدلتے کیا دیر لگتی ہے؟'' عافیہ بجو گرج رہی تھیں۔

''اس کے لئے یہی مناسب تھا۔'' اس نے دھیمے سے کہا۔ وہ فون پر بات کرتے ہوئے بھی عافیہ کا سرخ چہرہ تصور میں دیکھ رہا تھا۔

''کیا مناسب تھا۔ کیا قیامت آ گئی کہ وہ اپنے ہی گھر میں غیر محفوظ ہو گئی۔ بھائیوں کا گھر سے پناہ نہیں دے سکتا تھا کیا؟'' ان کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

''ہاں بھائیوں کا گھر اسے پناہ نہیں دے سکا کیونکہ......'' وہ بولتے بولتے رک سا گیا۔

''آپ ایسا کریں کوئی اچھا رشتہ دیکھیں۔ نوما کے لئے۔'' اب کے دھیما لہجہ تھا۔

''مانی! تم مجھے اصل بات بتا دو یوں یک طرفہ فیصلے مت کئے جاؤ۔'' وہ جھنجھلائیں۔

''بتا دوں گا مگر ابھی نہیں بس آپ سے جو کہا ہے وہ کریں۔'' جواباً وہ بھی جھنجھلا کر بولا۔

''تو رشتہ ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے۔ میرا دیور جو موجود ہے۔'' ان کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔

''کیا؟'' اس کا دماغ گھوم گیا۔

''آپ اس مینڈھے سے اپنی بہن کی شادی کر دیں گی۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو نوما کی نفیس طبیعت کا اندازہ نہیں جو آپ ایک ایسے شخص کا پرپوزل دے رہی ہیں جو شاید مہینوں نہیں نہاتا۔''

اسے غصہ ہی تو آ گیا تھا کیا سب کے خون سفید ہو چلے تھے۔

''کیا خرابی ہے اس میں بس تھوڑا سا دماغ کام نہیں کرتا۔ ویسے تو Educated ہے اچھی جاب ہے اور کیا چاہئے اور نوما کے آگے کبھی بولے گا نہیں۔ اس سے باز پُرس نہیں کر کیا یہ کم ہے؟'' بجو اس کی Ful faver کر رہی تھیں۔

''کیسی باز پُرس بجو کیا سمجھ رہی ہیں آپ کیا نوما نے کوئی ایسا ویسا کام کر لیا ہے جس کی سے میں اس کی شادی کرنا چاہ رہا ہوں۔ مجھے تو آپ پر حیرت ہو رہی ہے بجو کیسی بہن ہیں آپ، لوگ تو پردے ڈالتے ہیں اور آپ خود ہی کیچڑ اچھالنے والوں میں شامل ہو گئی ہیں۔'' طیش میں آ گیا تھا۔

کھٹاک سے فون بند کرتے ہوئے اس کا دماغ بری طرح کھول رہا تھا۔ اس نے چابیاں اٹھائیں اور باہر نکل آیا۔ نوما کی طرف جانے کا سوچا تھا ابھی بائیک اسٹارٹ کر رہی رہا تھا کہ سفید گاڑی قریب آ کر رکی۔ وہ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ سبھی چہرے نامانوس تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ بیٹھا شخص دروازہ کھول کر نیچے اترا تھا۔ اِدھر اُدھر نظر دوڑانے کے بعد اس کی طرف بڑھا تھا۔

''السلام علیکم!'' قریب آ کر اس نے سلام کرتے ہوئے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا ارمغان نے تھام لیا۔

''ہمیں اعجاز قیصر مرحوم کے گھر جانا ہے۔ ان کے بڑے بیٹے کا نام فرحان اور چھوٹے نام ارمغان ہے پلیز گائیڈ کیجئے گا۔'' ارمغان نے سرتا پیر اس کا جائزہ لیا۔

''جی فرمایئے میں ارمغان ہوں۔'' کچھ نہ اخذ کرنے کے بعد اس نے کہا تھا۔

''اوہ! مجھے زادان کہتے ہیں۔'' اس نے دوبارہ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا ساتھ پلٹ کر انگلی سے اشارہ کیا۔ گاڑی سے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا اتر آئے۔

''آیئے۔'' ارمغان انہیں اندر لے آیا۔ وہ سب آپس میں خوب چہک رہے تھے۔

ڈرائنگ روم میں بٹھاتے ہوئے اس نے ذہن میں گھر میں پڑی ناشتے کی چیزوں پر غ کیا۔ بھابی صاحبہ تو سو رہی تھیں اور اگر جاگ بھی رہی ہوتیں تو کچھ فائدہ نہ تھا۔

''آپ بیٹھیں میں ابھی آتا ہوں۔'' وہ باہر نکلنے کو تھا کہ زادان نے آواز دے ڈالی۔

''ارمغان یار کچھ تکلف نہیں کرنا۔ بس اِدھر تھوڑا ٹائم دے دو۔''

''پھر بھی کچھ تو۔'' وہ مُصر ہوا۔

''میں نے کہا نا جب موڈ ہوگا تو ہم خود ہی کہہ دیں گے تم آؤ اِدھر بیٹھو۔'' ارمغان اس کی بے تکلفی پر حیران ہوتا آ کر بیٹھ گیا۔ وہ تو پہلی بار ان سے مل رہا تھا اور ان کا رویہ بتا رہا تھا جیسے

بہت بے تکلف دوست رہ چکے ہوں۔

''میں تعارف کرا دوں۔ یہ شہزا ہے میری ماموں زاد۔ وہ نینا ہے آپا کی نند اور وہ اُدھر رحمہ ہے میری بہن اور یہ اذغان ہے میرا چھوٹا بھائی۔''

زادان نے تفصیلی تعارف کروایا۔ ارمغان بری طرح الجھ چکا تھا۔ آخر یہ کون لوگ تھے۔ ان کے آنے کا مقصد کیا تھا؟

''اصل میں ارمغان ہم نوما کے سلسلے میں آئے ہیں۔'' زادان نے مزید کہا تو ارمغان نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ کچھ سمجھ نہ پایا تھا۔

☆======☆======☆

''ارے بھابی آپ۔ کیسا زبردست Surprise ہے سلجوق بھائی نے تو ذکر تک نہیں کیا کہ آپ بھی آ رہی ہیں۔'' ربیعہ فارحہ کو یوں اچانک سامنے دیکھ کر حیرت وخوشی سے اس سے لپٹ گئی تھی۔

''کسی اور کی بھی باری آنے دو بٹوا۔'' انابی خود کو سنبھالتی آگے بڑھی تھی۔ ربیعہ سلجوق سے مل کر عمیر کو پیار کرنے لگی تھی۔

''اماں بی کہاں ہیں، کیا انہیں خبر نہیں ملی؟'' سلجوق نے پوچھا۔

''انہیں کچھ دنوں سے بخار ہے۔ اندر ہیں آپ اندر آئیں۔'' ربیعہ انہیں اندر لے گئی۔

دروازہ نیم وا کرتے ہوئے اس نے اندر جھانکا۔

''دیکھئے تو اماں بی کون آیا ہے؟'' انہوں نے آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر دیکھا اور سلجوق کو دیکھتے ہی اٹھ گئیں۔

''شکر ہے تم آ گئے۔'' وہ ان کو ساتھ لپٹا کر منہ چومنے لگیں۔

''مزید جدائیاں سہنے کی ہمت نہیں۔ رزاق، ہما اور تم۔ بس اب تم آ گئے ہو مجھے بڑا آسرا ہو گیا ہے۔'' وہ رونے لگیں۔

''ہما کو کیا ہوا؟'' وہ ایک دم چونکے۔ وہ نظر بھی تو نہیں آئی تھی۔

''سلجوق بھائی آپ فارحہ بھابی کی بھی باری آنے دیں۔'' ربیعہ نے جیسے سنبھالا تھا۔

''ارے فارحہ۔'' اماں بی کی نظر بھی اب پڑی۔ انہوں نے فارحہ کو ساتھ لپٹا لیا۔

''عمیر کہاں ہے اور رزاق؟''

''رزاق تو خالہ جی آئے ہی نہیں، میں ہی ضد کر کے چلی آئی ہوں۔ بہت اداس ہو گئی تھی

آپ سب کے بغیر۔'' وہ ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے بتانے لگیں۔ ربیعہ نے عمیر کو اماں بی کی گود میں ڈال دیا اور خود کچن میں چلی آئی۔

اب کسی طور ہما والی بات مزید نہیں چھپ سکتی تھی۔ بابا جان تو اس دن زمینوں پر واپس چلے گئے تھے اور ہما کے بارے میں سرسری سا پوچھا تھا۔ اب جب کہ ان کی آمد متوقع تھی تو سب کچھ افشاء ہو جاتا۔

''تم ادھر کیا کر رہی ہو اور وہ باگڑ بلی نظر نہیں آ رہی؟'' سلجوق اس کے پیچھے ہی کچن میں چلے آئے۔

''میں دیکھ رہی ہوں کھانے وغیرہ کا کیا انتظام ہے۔ آپ اِدھر کیوں آ گئے۔ گرمی ہے۔'' وہ انہیں ٹالنا چاہ رہی تھی۔

''میں نے ہما کا پوچھا ہے سلام کرنے بھی نہیں آئی، کیا ناراض ہے؟'' سلجوق ہما سے ملنے کو بے چین تھے۔ وہ باگڑ بلی انہیں تھی بھی تو بہت عزیز۔

''وہ بھائی ہما گھر پر نہیں ہے۔'' وہ اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتی تھی۔

''گھر پر نہیں ہے۔'' انہوں نے حیرت سے رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ رات کے دس بج رہے تھے اور جہاں تک اسے یاد تھا کہ لڑکیوں کو گھر سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ سوائے ضروری کام کے اور اس وقت تو ہرگز بھی نہیں۔

''کیا اس گھر کے رواج بدل گئے ہیں؟'' انہوں نے قدرے غصے میں آ کر پوچھا تھا۔ ربیعہ کے حلق میں جیسے سانس اٹک گئی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ پھر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

''ہما نے بہت برا کیا بھائی، میں نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ محبت میں اندھی ہو چکی تھی۔ اس نے ہمیں چھوڑ دیا۔ بھائی ذرا خیال نہیں کیا کہ بابا جان کی کیا عزت رہ جائے گی۔'' سلجوق شاہ دم بخود رہ گئے۔

''ہما گھر سے بھاگ گئی۔'' یہ بات ہوش اُڑا دینے کے لئے کافی تھی۔

''بابا جان نے اسے ڈھونڈ کر مار کیوں نہیں ڈالا۔ کیا اتنے بے بس ہو گئے ہیں وہ؟'' ان کے گلے سے غراتی آواز نکلی تھی۔

''بابا جان کو تو ابھی پتہ ہی نہیں ایک دن کے لئے آئے تھے پھر چلے گئے۔'' ربیعہ کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے بھائی کی سمت دیکھا۔ ان کا چہرہ ان کی آنکھیں لال انگارہ ہو گئی تھیں۔ اسے تاسف ہونے لگا۔ ابھی نہیں بتانا چاہئے تھا۔ ابھی تو وہ

آئے تھے، آرام سے کھانا تو کھا لیتے۔

''بھائی آپ چلیں اماں بی کے پاس میں کھانا لگواتی ہوں۔'' اس نے جیسے انہیں ریلیکس کرنا چاہا لیکن وہ سر جھٹک کر بیرونی گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

''اس وقت کہاں جا رہے ہیں بھائی؟'' وہ پیچھے لپکی۔

''گیٹ بند کر لو۔ میں بابا جان کے پاس جا رہا ہوں۔'' انہوں نے اسی تیزی سے چلتے ہوئے کہا۔

''بھائی اس وقت، آپ صبح ہو آیئے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بابا جان وہاں سے چل پڑے ہوں اور پہنچنے والے ہوں۔'' وہ بری طرح خوفزدہ ہوئی تھی اور اسی خوف کے پیشِ نظر وہ انہیں روکنا چاہ رہی تھی جب کہ وہ رک جانے پر آمادہ نہ تھے۔ اسی وقت بیل بجی دونوں نے گیٹ کی طرف دیکھا۔ چوکیدار گیٹ کھول رہا تھا اور بابا جان کی سفید پجیرو دور سے نظر آ گئی تھی۔

ربیعہ سے وہاں کھڑا ہونا دوبھر ہو گیا تھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتی اماں بی کے کمرے میں چلی آئی۔ فارحہ بھابی دوسرے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ اس نے ہانپتا وجود اماں بی کی گود میں گرا دیا۔

''کیا ہوا ربیعہ؟'' انہوں نے اس کی پیلی ہوتی رنگت دیکھی تو پریشان ہو اٹھیں۔

''میں نے بھائی کو بتا دیا ہما کے بارے میں۔ وہ بہت غصے میں نکلے ہیں اور بابا جان بھی آ گئے ہیں، اب کیا ہو گا؟ کیا ہو گا؟ مم... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ اماں بی مجھے کہیں چھپا لیں۔'' وہ تھر تھر کانپتی ان کے وجود میں چھپنے کی کوشش کر رہی تھی، وہ گنگ سی بے ساکت بیٹھی رہ گئیں۔

''تُو کیوں ڈر رہی ہے؟'' وہ کافی دیر بعد گویا ہوئیں۔ ''تیرا کیا قصور اس میں کوتاہی تو مجھ سے ہوئی۔ میں نے اپنی ذمہ داری سے غفلت برتی۔ سزا تو مجھے ملے گی تجھے کچھ نہیں ہو گا میری جان۔'' انہوں نے لرزتے ہونٹ اس کی پیشانی پر رکھے۔ پلکوں پر آ کر اشک اس کے چہرے پر آن گرے۔ اس نے لیٹے لیٹے دونوں ہاتھوں میں ان کا چہرہ تھام لیا۔ سلجوق شاہ نے بابا جان کو سب کچھ بتا دیا ہو گا۔ تبھی تو وہ ابھی تک اندر نہیں آئے تھے اور باہر جا کر دیکھنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ دروازہ کھلا۔ انا بی گھبرائی گھبرائی اندر داخل ہوئیں۔

''بی بی شاہ صیب بلاتے ہیں آپ کو۔'' انہوں نے پیغام پہنچایا اور لوٹ گئیں۔ اماں بی نے جھک کر اس کے چہرے پہ پیار کیا اور پیروں میں جوتے پہن کر چادر اوڑھنے لگیں۔ ربیعہ

اٹھ کر ان کی طرف دیکھنے لگی جو کہ بالکل پُرسکون تھیں۔

''اماں بی کمزور مت پڑیئے گا۔آپ نے کچھ نہیں کیا۔سزا اسی کو ملنی چاہئے جس نے جرم کیا ہو۔کیا وہ اپنا اچھا برا نہیں سمجھتی تھی۔'' اس نے تسلی دینی چاہی اماں بی کچھ نہ بولیں۔ایک بھرپور نظر اس پر ڈال کر باہر بڑھ گئیں۔وہ بھی پیروں میں چپل پھنسائے پیچھے گئی تھی۔

''السلام علیکم شاہ جی!'' اماں بی نے اندر قدم رکھتے ہی دھیرے سے کہا تھا۔

''وعلیکم السلام رضیہ بیگم۔آؤ ادھر بیٹھو۔'' جہانگیر شاہ نے کچھ بھی تاثر دیئے بناء اشارہ کیا۔ وہ ان کے سامنے صوفے پر براجمان ہوگئیں۔ادھ کھلی کھڑکی سے ربیعہ اندر جھانک رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ ابا اماں بی کی کتنی Insult کریں گی اور وہ صدا کی صابر وشاکر اماں بی سب کچھ سن لیں گی۔

''رضیہ بیگم!'' قدرے توقف کے بعد وہ گویا ہوئے۔

''تم اپنی غفلت کو مانتی ہو؟'' اتنا نرم پُرسکون لہجہ تھا ان کا کہ ربیعہ کے دل پر چھائے خوف کے بادل چھٹنے لگے۔

''جی!'' اماں کی دھیمی مگر مضبوط آواز تھی۔

''تو تم جانتی ہو ہمارے رسم و رواج کے مطابق غفلت برتنے کی سزا کیا ہوتی ہے؟'' انہوں نے ایک نظر اماں بی اور دوسری دیوار گیر الماری پر ڈالی۔

''میں تیار ہوں شاہ جی۔'' وہ اب بھی ذرا خوفزدہ نہیں تھیں۔

''ہوں۔'' انہوں نے پُرخیال انداز میں سر ہلایا۔پھر اٹھ کر اماں بی کے پاس آئے اور دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔اماں بی نے چونک کر سر اٹھایا۔

''یہ کیا کرنے لگے ہیں شاہ جی۔'' وہ اور ان کے قدموں میں۔یہ کیا غضب کرنے چلے تھے وہ۔

''ہماری اس طویل ترین رفاقت کا تمام تر کریڈٹ تمہیں جاتا ہے رضیہ بیگم۔'' وہ دھیرے سے گویا ہوئے۔ربیعہ سانس روکے کھڑی تھی۔

''تم ہر ہر مقام پر میرے لئے ڈھال بنی ہو۔میرے عیبوں پر پردہ ڈالے رکھا اور میری پوجا کی حالانکہ میں اس قابل نہیں تھا۔شیطان جب فرشتہ تھا تو اس نے رب جل شانہ کی بے انتہاء عبادت کی لیکن ایک نافرمانی نے اس کی ساری عبادتوں کو زائل کر دیا۔نعوذ باللہ میں اپنا تقابل کسی طرح رب عظیم سے نہیں کر رہا۔بس کہیں کسی جگہ پر غلطی کی گنجائش نہیں ہوتی سرے سے نہیں۔بیٹیاں پُل صراط کی طرح ہوتی ہیں۔وہ لوگ جو بیٹیاں پیدا ہوتے ہی دفن کر دیا

کرتے تھے وہ اسی ذلت سے بچنے کے لئے کیا کرتے تھے۔ہمارے مذہب نے بیٹیوں کو عزت دی، رتبہ دیا لیکن جب بیٹیاں عزت کی حدود پھلانگ جائیں تو انہیں دفن کر دینا چاہئے۔ہم کو میں دفن کر چکا ہوں لیکن تمہیں بھی اپنی کوتاہی کی سزا ملے گی۔تم پُل صراط پر سنبھل کر نہیں چل سکیں اور آنکھیں بند کر کے باریک دھاگے پر چلنا گرا بھی تو دیتا ہے، ہے ناں۔''

وہ بولتے بولتے رکے تھے۔ان کی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔وہ اٹھ کر دیوار گیر الماری کی طرف گئے، کچھ دیر اسے کھول کر کھڑے رہے پھر پلٹ آئے۔

''میرا رب مجھے معاف کر دے۔'' انہوں نے خود کلامی کی اور ریوالور اماں بی کی کنپٹی پر رکھ دیا۔ربیعہ وحشت زدہ ہو کر بھاگی۔

''نہیں بابا جان اماں بی بےقصور ہیں۔'' وہ چیخی تھی لیکن جب وہ اماں بی تک پہنچی تب تک گولی ان کے دماغ میں اتر چکی تھی۔

بابا جان ریوالور صاف کر کے دوبارہ الماری میں رکھ رہے تھے۔وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اماں بی کی سفید چادر کو خون آلود ہوتے دیکھ رہی تھی۔

☆======☆======☆

اس نے موت کا صرف نام سنا تھا۔
موت دیکھی نہیں تھی
اس نے موت کی خاموشی دیکھی تھی
خاموشی محسوس نہیں کی تھی

اور اب تو جیسے ہر چیز پر موت چھا گئی تھی۔اسے گھر کے در و دیوار بین کرتے محسوس ہوتے۔اسے گھر کی ایک ایک چیز کُرلاتی نظر آتی۔اس کے باوجود خاموشی ہی خاموشی تھی۔چچی جان بستر پر لیٹی خلاؤں میں گھورتی رہتیں،عذیر کی جیسے زبان کھو گئی تھی اور وہ خود ناجیہ عزیز احمد ایک چلتی پھرتی لاش بن گئی تھی۔

''ارے کوئی یوں بھی کرتا ہے۔'' اس کا رواں رواں بین کرتا۔

''ارے تم نے مجھے بددعا دیتے ہوئے یہ کیوں نہ سوچا کہ تمہاری دی ہر دعا، بددعا تم سے ہو کر مجھ تک پہنچے گی۔ہم الگ کب تھے۔ہماری روحیں، ہمارے جسم تو ایک ہی بندھن میں بندھے تھے۔

وہ سر پٹخ پٹخ کر روئے چلی جاتی۔''تم تو محبت کرتے تھے مجھ سے نقشم تو محبت کرنے والوں سے یوں کیا جاتا ہے۔اپنا آپ چھین لیا جاتا ہے،تم کوئی اور سزا دے دیتے اگر سزا ہی

دینی تھی۔ یہ کیسی سزا دے گئے کہ سب کچھ مشکل ہو گیا۔'' اس کا دل پھٹنے لگتا اور وہ چیخیں مار مار کر روتے لگتی۔ عذیر چپ چاپ اسے دیکھتا رہتا پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں بند ہو جاتا۔ ایسے میں نوما تھی جو سب کو سنبھالنے میں لگی رہتی۔ کھانا، ناشتہ بنا کر وہ ایک ایک کے پاس جاتی اور کچھ دیر بعد یونہی اٹھا کر لے جاتی۔ بھوک پیاس سب کچھ نقشم کے ساتھ ہی مر گیا تھا۔ ایک ایک پل پر موت اُتری تھی۔ وہ آنکھیں بند کرتی۔ چھم سے وہ چلا آتا۔

اقرار ہے کہ دل سے تمہیں چاہتے ہیں ہم
کچھ اس گناہ کی بھی سزا ہے تمہارے پاس

اس کی گنگناہٹ بڑھنے لگتی وہ گھبرا کر آنکھیں کھول دیتی تو وہ وہیں کہیں آس پاس ہوتا۔

''تم ناجیہ عزیز احمد محبت کرو گی مجھ سے اتنی کہ کسی نے کسی سے نہ کی ہوگی اور پھر میں نہیں ملوں گا چاہے کچھ کرلو۔''

وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی۔ یہ کیسے عذاب میں چھوڑ گیا تھا اسے۔

''چلو میں نہیں کرتی تم سے محبت۔'' وہ ہذیانی ہو جاتی۔

''دیکھو بالکل بھی نہیں، تم مت ملو مجھے۔ عذیر اور چچی کی خاطر لوٹ آؤ مت بات کرو مجھ سے مت دیکھنا میری طرف لیکن لوٹ آؤ، میں تم سے محبت نہیں کرتی نقشم۔ خدا کے لئے لوٹ آؤ۔

اے اللہ میاں جی۔ ہم اتنی بڑی آزمائش کے قابل نہیں ہیں۔ ہمیں مت آزما ہم پر رحم فرما۔ ہمیں معاف فرما دے۔ ہم سے نقشم مت چھین۔ ہم تجھ سے کبھی کچھ نہیں مانگیں گے ایک ماں پر ترس کھا جس نے ساری عمر اس بیٹے کے جوان ہونے کی امید پر بِتا دی۔ تو اس بھائی پر رحم کھا جس کا اس کے سوا اور کوئی سہارا نہیں۔ وہ اس کے کندھے سے کندھا ملا کر چلتا تھا۔ اب کیسے چل پائے گا، تُو میری خالی جھولی پر نظرِ کرم کر، ربِ تعالیٰ میں نے کبھی تجھ سے کچھ نہیں مانگا۔ اب مانگتی ہوں۔ معجزے بھی تو ہوتے ہیں تُو معجزہ دکھا تو ہمیں ہمارا نقشم لوٹا دے۔ تیرے خزانے میں کیا کمی ہے۔ مالک ہم کیسے صبر کریں مالک۔ ہماری دنیا میں کچھ نہیں مالک۔ تُو میری جان لے لے لیکن نقشم واپس کر دے۔'' وہ تپتے فرش پر سجدے میں گری گریہ زاری کر رہی تھی۔ نوما عذیر دونوں برآمدے میں کھڑے چپ چاپ اسے دیکھ رہے تھے۔ عذیر آگے بڑھا۔ اس نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے۔ وہ یونہی بلکتی رہی۔ وہ خود بھی اب تک اسی ایک لمحے سے بچتا آ رہا تھا۔ وہ کمزور نہیں ہونا چاہتا تھا لیکن اس کی بنیاد

میں پانی بھر گیا تھا۔ وہ ڈھے رہا تھا رفتہ رفتہ۔

''ناجیہ!'' اس نے جھنجھوڑا۔

''تو ایک بار لوٹا دے اسے مالک۔ ایک بار۔ میں اسے دور سے دیکھ لیا کروں گی ایک بار۔'' اس کی حالت میں سرِ مُو فرق نہ آیا تھا۔

''ناجیہ!'' اب کے اس نے بالوں سے پکڑ کر سیدھا کرتے ہوئے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر اس کے گلے سے لگ کر سسک اٹھی۔ عذیر کا پانی ہوتا وجود بہہ گیا۔ دونوں چیخیں مار مار کر روئے ایسے کہ درودیوار ہل گئے۔ اندر لیٹی چچی جان کا بھی سکتہ ٹوٹ گیا۔ نوما ستون کے ساتھ چپکی رو رہی تھی۔ وہ اپنی نحوست سے اس گھر کو بھی تباہ کر بیٹھی تھی۔ عزیز احمد نے جس وقت اندر قدم رکھا کربلا کا سا سماں تھا۔ ایک لمحے کو تو ان کا دماغ چکرا گیا۔ ابھی دو ہفتے قبل تو انہوں نے فون کیا تھا اور ایسی کوئی بات نہ تھی۔ پھر یہ یکا یک...... وہ ڈنکی اور ڈولی کو لئے آگے بڑھتے چلے گئے۔

''کیا ہوا عذیر؟'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ تو وہ چونکا اور چچا کو دیکھتے ہی ان سے لپٹ گیا۔

''نقشم ہمیں تنہا کر گیا چاچو۔'' وہ تڑپا تھا۔

''کیا کہہ رہے ہو عذیر؟'' انہیں اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا۔ انہوں نے نیچے بیٹھی بے حال ناجیہ پر نظر ڈالی پھر عذیر پر۔ یہ سچ تھا ان کے ضبط کی طنابیں ٹوٹ گئیں۔

''اوہ میرے خدا۔'' وہ بائیں طرف ہاتھ رکھ کر نیچے کو جھکے تبھی ڈنکی تیزی سے آگے بڑھی۔

''کیا ہوا ڈیڈی؟'' وہ پسینہ پسینہ ہوئے جا رہے تھے۔ عذیر انہیں تھام کر اندر لے گیا اور انہیں لٹا کر ڈاکٹر کو لینے چلا گیا۔ ناجیہ ابھی تک وہیں بیٹھی تھی، ڈولی اسے دیکھتی رہی پھر اس کے پاس آ گئی۔

''تم ناجیہ ہو ہماری بہن؟'' وہ پوچھ رہی تھی ناجیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا وہ بہت پیاری تھی۔ زندگی سے بھرپور موت کے سناٹے میں گونجتی زندگی کی آواز، اس نے بے اختیار بازو پھیلا دیئے۔ ڈولی اس کے گلے سے لگ گئی۔ ناجیہ کی آنکھوں سے پھر آنسو رواں ہو گئے۔

عذیر ڈاکٹر کو لے آیا اور انہیں وہیں مشغول دیکھا تو ڈانٹ دیا۔ جس پر وہ اٹھ کر اندر چلی گئیں۔ چچی جان عزیز احمد کے پاس تھیں۔ آج پہلی بار وہ نقشم کے مرنے کے بعد کمرے سے نکلی تھیں اور دیور کے گلے لگ کر رو رہی تھیں۔ عذیر نے ان کے رونے پر شکر کا سانس لیا تھا۔

☆======☆======☆

اس نے کبھی خواب میں بھی اس ذلت کی زندگی کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ جو زندگی وہ اب گزار رہی تھی اس سے موت بدرجہا بہتر تھی لیکن وہ درندہ اسے مرنے بھی نہیں دیتا تھا۔ اس نے ہر وہ چیز کمرے سے غائب کر دی تھی جس سے خودکشی کا سامان پیدا ہو سکتا تھا۔ وہ عزت دار گھرانے کی لڑکی تھی، غلطی کر بیٹھی تھی لیکن اس غلطی کا خمیازہ یہ ہوگا اگر اسے پتہ چل جاتا تو وہ کبھی یہ غلطی نہ کرتی، لیکن اسے پتہ کیسے نہیں تھا؟

کیا وہ ناسمجھ تھی؟ اسے شعور نہیں تھا؟ کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ مرد ذات پر بھروسہ کرنا کیسے خطرناک نتائج سامنے لاتا ہے؟ اگر اس نے یہ سمجھا کہ اسد گھٹیا مردوں میں سے نہیں ہے تو یہ اس کی غلطی تھی۔ مرد کی فطرت ہی یہی ہے۔ یہی ہتھکنڈے رنگین محبت بھری باتوں سے دل مٹھی میں کرنا۔ بے شمار Situation create کر کے خود کو پارسا ثابت کرنا اپنا اعتبار جما لینا اور جب لڑکی دل و جان سے اعتبار کر لے تو ڈس لینا۔ سب کچھ اس کے علم میں تھا۔

یہ ساری باتیں وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کو سمجھایا کرتی تھی۔

پھر خود ہی ان میں پھنس گئی۔

اس نے سوچا وہ اچھی لڑکی ہے اچھی صورت شکل ہے۔ اس سے محبت تو کی جا سکتی ہے لیکن دھوکا نہیں دیا جا سکتا، کیسی خام خیالی تھی اس کی؟

پھر اسد بغیر اس کی شکل دیکھے اس پر فریفتہ ہوا تھا۔ (یہ بھی اس کا ذاتی خیال تھا) بعد میں بھی کبھی اس نے اسے چھونے کی خواہش نہ کی تھی۔ صرف ہوٹل میں ایک بار اور تب وہ وہاں سے بچ کر بھاگ نکلی تھی۔ اگر وہ اسی وقت سنبھل جاتی، اپنی بات پر قائم رہتی تو آج یہ سب نہ ہوا ہوتا۔ یہ دن اس کی زندگی میں آتے ہی نہ لیکن یہ ہونا تھا۔ جو بیٹیاں سستی محبت کی خاطر ماں باپ کی لازوال محبت کو ٹھوکر مارتی ہیں، زمانہ انہیں ٹھوکروں پر رکھ لیتا ہے۔ ایسے کہ نفرت تمام عمر کے لئے ان کے دامن میں بھر دی جاتی ہے۔ انہیں کہیں سے محبت کی بھیک نہیں ملتی۔

وہ اب بھی ٹھوکر کی زد پہ تھی اور ابھی مزید ٹھوکروں میں اسے رہنا تھا۔

کتنی بار وہ رو رو کر اسد سے اپنا جرم پوچھ چکی تھی جس کے بدلے میں اسے یہ سزا ملی تھی۔

لیکن اسد کے چہرے پر ایک گھٹیا سی مسکراہٹ ہوتی اور بس۔

''تمہیں تب تک یہیں رہنا ہے جانِ من جب تک میرا دل نہ بھر جائے۔'' وہ اس کو ایسی نظروں سے دیکھتا کہ وہ جھلس کر رہ جاتی اور تب اسے شدت سے بھائیوں کی یاد آتی۔

اماں بی اور بابا جان اور وہ ربیعہ کتنا سمجھایا تھا اس نے لیکن وہ تو اسد کی محبت میں اندھی

تھی۔ کیسے کچھ دیکھتی اور یہ کہ سارا قصور ہر لحاظ سے اس کا بنتا تھا سو اسے یہ سب برداشت کرنا تھا۔

☆======☆======☆

''حفیظہ حفیظہ۔'' پھپھو بیگم پکارتی اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

''دیکھو تو میں کیا لائی ہوں؟'' ہاتھ میں پکڑے مٹھائی کے ڈبے کی ساری مٹھاس ان کے لہجے میں بھی موجود تھی۔ حفیظہ جو کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی سیدھی ہو گئی۔

''آئیے پھپھو بیگم آج کیسے خیال آ گیا اتنے دنوں بعد؟'' وہ مبہم سا مسکرائی تھی۔

''ہائے میں صدقے جاؤں۔ تمہیں کیا بتاؤں میری بچی میرا دل کس طرح تم سے ملنے کے لئے تڑپتا ہے مگر کیا کروں، یہ جوڑوں کا درد...... آج بھی بڑی مشکل سے آئی ہوں۔ وہ بھی خوشی کی خبر لے کر اپنے اسد اور رومانہ کی بات طے ہو گئی ہے۔ سوچا میں پہلے اپنی بیٹی کا منہ میٹھا کرواؤں گی۔ بھاوج تو اب کسی جوگی نہیں رہیں۔ مگر تم تو ہو۔'' وہ مٹھائی کا ڈبہ کھولنے لگیں۔

حفیظہ کو شدید حیرت ہوئی تھی یہ جان کر، تاہم اسد اس کے پلے نہیں پڑا اس بات کی اس کو از حد مسرت ہوئی۔

''بھائی صاحب نے اپنی زبان سے کہا اور میں انکار نہ کر سکی۔'' وہ تفصیلات بتانے لگیں۔

حفیظہ مسکرا دی۔ تایا جان یہاں بھی گیم کھیل گئے تھے۔ بہرحال اس کی طرف سے انہیں خطرہ تو تھا۔ اس لئے انہوں نے اموشنل بلیک میلنگ کے ذریعے سے اپنا کام نکلوا لیا تھا۔ پھپھو بیگم کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں مٹھارتی رہیں۔ پھر اصل بات کی طرف آ گئیں۔

''سنا ہے سلجوق امریکہ سے واپس آ گیا ہے؟'' حفیظہ کا دل زور سے دھڑکا۔

چہرے کی رنگت پھپھو بیگم پر رازِ دل عیاں کر گئی لیکن انہوں نے انجان بنتے ہوئے اپنی بات کو جاری رکھا۔

''بھائی صاحب بتا رہے تھے کہ اس نے کہا ہے کہ اگر حفیظہ خود عدالت میں آ کر بیان دے تو وہ طلاق دے دے گا۔ تم تو غالباً عدالت میں نہیں جاؤ گی اس خاندان کی بیٹیاں کبھی کورٹ کچہری نہیں گئیں اور اسی لئے تمہیں ذلیل کرنے کا پلان اس نے بنایا ہے۔ تمہیں کیا پتہ میری بچی، عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر کیسے کیسے سوالوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور مرد تو یوں بھی الزام تراشی کرنے سے باز نہیں آتا۔ بہت کیچڑ اچھلے گا، اللہ معاف کرے۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگانے لگیں۔

''فکر مت کریں پھپھو بیگم، حفیظہ رحمٰن ملک عدالت ضرور جائے گی۔'' اس نے ایک عزم

سے کہا اور پھپھو بیگم حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی تھیں۔

☆======☆======☆

''ان کو سکتہ ہو گیا ہے۔ شاید کوئی انہونی ہوتے دیکھ لی ہے۔ آپ کے علم میں کچھ ہے ایسا کیا واقعہ پیش آیا، جس کے بعد ان کی یہ حالت ہوئی؟'' ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد تو جہانگیر شاہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''میں تو رات ہی زمینوں سے واپس لوٹا ہوں۔ میرا بیٹا اور بہو بھی کل ہی امریکہ آئے ہیں اور ان کے آنے تک تو یہ بالکل ٹھیک تھی۔ رات سب نے مل کر کھانا بھی کھایا اور بالکل ٹھیک ٹھاک اپنے کمرے میں گئی تھی۔ بس صبح جب یہ ناشتے کے لئے نہیں آئی تو ہم جا کر دیکھا۔ تو یہ اسی حالت میں بیڈ پر بیٹھی تھی سمجھ نہیں آتا کہ آخر ایسا کیا ہو گیا ہے۔'' جہانگیر کے چہرے پر پریشانی ہویدا تھی۔

''ٹھیک ہے آپ ان کا ٹریٹمنٹ جاری رکھیں اور کھوج لگانے کی کوشش کریں۔ اس حالت کا کچھ نہ کچھ محرک ضرور ہوتا ہے۔ ان کے علاج کے لئے ضروری ہے محرکات کو جانا'' ڈاکٹر علوی نے کچھ میڈیسن لکھ دیں، پھر اپنے اسسٹنٹ کو بلایا۔

''ارمغان یہ ربیعہ شاہ ہیں اور یہ ان کے والد جہانگیر شاہ۔ میں تم سے بعد میں ڈسکس کرتا ہوں فی الحال ان کو بیڈ تک لے جاؤ۔''

''جی سر!'' ارمغان نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ربیعہ کو اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھا جہانگیر شاہ پھرتی سے اٹھے۔

''آپ مجھے بیڈ بتا دیں میں چھوڑ آتا ہوں اور ہاں ڈاکٹر صاحب آپ اس کے لئے نرس کا انتظام کر دیں۔ فیس میں ادا کر دوں گا۔'' انہوں نے حکم جاری کیا۔ ڈاکٹر علوی دیئے۔

''آئی ایم سوری۔ ہمارے پاس اسٹاف موجود ہے لیکن آپ شاید بھول رہے ہیں کہ چھٹی ہے اور آپ کے کہنے پر میں نے ان کو چیک کرنے کے لئے کلینک کھولا ہے۔ یہ اسسٹنٹ ارمغان اعجاز ہیں اور ان شاء اللہ چند دنوں میں یہ بھی کوالیفائیڈ سائیکاٹرسٹ والے ہیں۔ ماشاء اللہ بہت Brillient نوجوان ہے۔'' وہ اس کی تعریفوں پر اتر آئے جہانگیر شاہ کو اس کے بائیو ڈیٹا سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انہوں نے کندھے اچکا دیئے۔ ارمغان کی رہنمائی کرتا ساتھ لے گیا۔

''Feudalism کے مارے لوگ۔'' ڈاکٹر علوی نے زور سے سر جھٹکا اور

کیس ہسٹری پڑھنے لگے۔

☆======☆======☆

عاصمہ حیات نے پھر کوئی Function arrange کر رکھا تھا۔ شور و غل عروج پر تھا جب زادان احسن نے اپنی والدہ کے ہمراہ لاؤنج میں قدم رکھا۔ ایک لمحے کو تو دونوں چکرا کر رہ گئے۔ بیگم احسن نے کچھ ایسی نظروں سے اسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں ''یہ تم کہاں لے آئے۔'' زادان نے نظریں جھکا لیں۔ پھر کسی شناسا چہرے کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگا۔ ناکامی پر وہ واپس پلٹنے کو تھا کہ کسی نے پکار لیا۔

''آپ کب آئے زادان؟'' وہ شرمندگی سے پوچھ رہا تھا۔

''ابھی ابھی۔ بس ہم جا ہی رہے ہیں۔'' انہوں نے قدم واپسی کے لئے بڑھائے۔

''ایک منٹ!'' ارمغان نے محفل پر ایک نظر ڈالی۔

''آپ چند منٹ میری بات سنیں گے پلیز۔'' پھر بیگم احسن کو دیکھا۔ زادان نے ایک نظر بیگم احسن پر ڈالی اور وہ خاموش رہیں۔ زادان نے قدم بڑھا دیئے، ارمغان انہیں لان میں لے آیا۔

''میں زیادہ لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھوں گا۔'' ان کے بیٹھتے ہی وہ بولا۔

''یہ سب جو آپ نے ابھی دیکھا، یہ صرف میری بھاوج کا کلچر ہے ہمارا نہیں۔ ان ہی کی وجہ سے میرا بھائی، میری ماں چھن گئے ہیں اور اب ڈرتا ہوں کہیں بہن بھی نہ کھو دوں۔'' پھر ارمغان نے مختصراً سارے واقعات سنا ڈالے۔

''آپ جس روز ہمارے گھر آئے مجھے حیرانی ہوئی تھی اور ساتھ ہی نو ما پر شک بھی۔ پھر آپ کی باتوں سے مجھے اندازا ہوا کہ وہ اس بارے میں لاعلم ہے۔ میں نے سب کچھ آپ کو صاف بتا دیا ہے اگر آپ کا دل مانے تو ٹھیک نہ مانے تو بھی آپ کی خوشی لیکن یہ حقیقت ہے کہ میری بہن بہت پاکیزہ اور معصوم ہے۔'' ارمغان بات ختم کر کے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔ جن کے چہروں سے کچھ بھی اندازہ لگانا مشکل تھا۔

''او کے اجازت دیں۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ارمغان نے بھی نہیں روکا اور روکتا تو کس برتے پر۔ اس روز جب زادان اور راذغان آئے تھے اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تھا تو یہ سچ ہے کہ تو ارمغان کو بہت برا لگا تھا کہ کیا خود سے ہی منہ اٹھائے چلے آئے کیا کوئی بڑا نہیں تھا۔ پھر زادان نے وضاحت کی کہ وہ تو محض گھر ڈھونڈنے نکلے تھے اور ان کا ارادہ تھا کہ باہر سے ہی پوچھ کر چلے جائیں گے لیکن اتفاقاً ارمغان سے ہی ملاقات ہو گئی۔ پھر جب انہوں نے

بصد اصرار نوما کے رشتے کا کہا تو اسے اپنے سر سے بوجھ سرکتا محسوس ہوا تھا لیکن اسے نہیں پتہ تھا کہ یہاں بھی عاصمہ ان کی خوشیوں کی رکاوٹ بن جائے گی۔ اس کا بس چلتا تو ایک منٹ میں عاصمہ کو گھر سے باہر نکال کرتا، لیکن وہ بے بس تھا اور بھائی بے حس۔ اسے اندازہ ہی نہ تھا کہ اس ایک عورت کی وجہ سے وہ کتنی مشکلات میں گھر چکے ہیں اور بدنامی کیسے ان کے دروازے پر دستک دیتی پھر رہی ہے۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ فرحان سے دوٹوک بات کرے گا اور یہی سوچ کر وہ پھر فرحان کے آفس آ گیا تھا۔

خلافِ توقع وہ سیٹ پر تھے اسے دیکھ کر مسکرائے بھی، غالباً آج نشہ اُترا ہوا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی چائے بھی منگوالی۔

''اچھا ہوا تم آ گئے میں خود تم سے بات کرنے والا تھا۔'' انہوں نے فائل بند کرتے ہوئے سگریٹ سلگالی۔ ارمغان کو حیرت ہوئی پر وہ چھپا گیا۔

''تم رزاق صاحب کو جانتے ہوناں؟'' دھواں چھوڑتے ہوئے پوچھا۔

''جی۔'' ارمغان نے مختصراً جواب دیا۔

''ان کا بیٹا ہے رمیز اچھی پوسٹ پر ہے۔ شکل صورت کا بھی اچھا ہے، وہ نوما کا رشتہ مانگ رہے ہیں تمہارا کیا خیال ہے؟'' ارمغان الجھن میں پڑ گیا تھا۔

''آپ نے اچھی طرح دیکھ بھال کر لی؟'' اس نے پوچھا تو فرحان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں مختصر سی فیملی ہے، رزاق صاحب اور رمیز کی، نوما خوش رہے گی۔''

''مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے نوما کے بارے میں سوچا لیکن کیا بھائی آپ نے رزاق صاحب کو ہمارے گھر کے حالات کے بارے میں بتا دیا ہے؟'' بالآخر اس کا خدشہ زبان پر آ ہی گیا تھا۔

''کیوں کیا ہوا ہمارے گھریلو حالات کو؟'' ان کے ابرو کھنچ گئے۔ ''کیا ہم بھیک منگے ہیں؟'' وہ تلخی سے گویا ہوئے۔

''نہیں ہم بھیک منگے نہیں ہیں لیکن بھائی بھیک منگوں سے بدتر ضرور ہو گئے ہیں۔ آپ کی مسز نے ہماری عزت اس طرح اچھالی ہے کہ کوئی بھی عزت دار ہمارے گھر آتے ہوئے ڈرتا ہے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ نوما جلد از جلد اپنے گھر کی ہو جائے لیکن جس طرح آج زادان گھر میں ہنگامہ بپا دیکھ کر لوٹ گیا ہے اسی طرح اور بھی سب ہی لوٹ جائیں گے۔ اس لئے آپ کو کوئی ایک فیصلہ کر لینا چاہئے۔''

''کیسا فیصلہ؟'' وہ ترش ہوئے۔ ''کیا عاصمہ کو طلاق دے دوں؟''

''ہاں اگر آپ اسے سدھار نہیں سکتے، اگر آپ کا نباہ نہیں ہو سکتا تو اس کا یہی حل ہے۔ مزید عزت اچھلے، چہ میگوئیاں بڑھیں ہمیں بند باندھ دینا چاہئے۔'' بالآخر ارمغان نے کہہ ہی ڈالا۔

''نہیں ارمغان!'' ان کا لہجہ ایک دم دھیما پڑ گیا۔ ''میں اسے طلاق نہیں دوں گا۔ اسے طلاق دینے کا مطلب ہے آزادی اور اسے آزادی تو نہیں کرنا میں نے۔ اینی وے تمہیں اس کی طرف سے کوئی فکر نہیں ہونی چاہئے۔'' وہ اس بات کو سیریس لینے کو تیار ہی نہ تھے۔

''آپ سمجھ نہیں رہے آپ کی مسز...... محض آپ کی مسز کی وجہ سے ہم آج ان حالات کا شکار ہوئے ہیں اور اوپر سے جو کچھ وہ کرتی پھر رہی ہیں ان کی وہ کھلم کھلا حرکتیں ہماری عزت میں چار چاند لگا رہی ہیں کہ عنقریب دنیا دیکھے گی اور پھر ہمیں منہ چھپانے کو کہیں جگہ نہ ملے گی۔'' وہ بہت بپھرا ہوا تھا۔

''مجھے تو اس عورت کا غرور توڑنا ہے مانی اور طلاق دے دینے سے اس کی رعونت میں اضافہ ہی ہو گا کمی نہیں۔ اینی وے تم دیکھ لو رمیز سے مل لو اپنے طور پر تسلی کر لو میرے پاس بینک میں کچھ پیسہ پڑا ہے۔ سادگی سے نوما کا نکاح کر دیتے ہیں۔'' آج پہلی بار انہوں نے بڑے بھائی والا رویہ اپنایا تھا، ارمغان کو یک گونہ خوشی محسوس ہوئی۔

''ٹھیک ہے میں مل لوں گا۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''شاید میں نے آپ کو بتایا تھا کہ نوما کو میں نے اس کی دوست کے گھر چھوڑا ہوا ہے۔ مجھے اس سے بھی ملنے جانا ہے پورا مہینہ ہو گیا ہے۔ اوپر سے فون بھی خراب پڑا ہے۔ وہ بھی کیا سوچے گی کہ اچھا بھائی ہے بھول ہی گیا آپ چلیں گے؟'' اس نے پوچھا۔

''میں؟'' انہوں نے سر اٹھایا۔ ''اچھا چلو میں بھی چلتا ہوں۔'' جانے کیا سوچ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر راستے میں فرحان نے کتنی ہی ادھر اُدھر کی باتیں کیں جن میں ڈھکے چھپے الفاظ میں نوما سے اپنے رویئے پر شرمندگی کا اظہار بھی تھا۔ ارمغان بہت مطمئن ہو گیا تھا کہ سارے نہیں کچھ تو حالات بدلے ہیں۔

''بس، یہیں پر روک دیں۔'' ارمغان نے سڑک کے ایک طرف گاڑی رکوائی اور نیچے اتر آیا۔ فرحان نے بھی تقلید کی۔ دروازہ کھولنے والی ناجیہ تھی، اجڑی اجڑی سی ارمغان کو ایک دم کچھ ہوا۔

''خیریت تو ہے؟'' اس نے فوراً پوچھا اور ناجیہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے رو پڑی۔

"ہا، ہائیں۔" وہ گھبرا کے فرحان کو دیکھنے لگا۔

"کون ہے ناجیہ؟" اسی وقت پیچھے سے نوما کی آواز آئی۔ ساتھ ہی صورت بھی نمودار ہوئی۔ انہیں دیکھتے ہی سلام کرنے لگی پھر ناجیہ کو سنبھال کر انہیں اندر آنے کا اشارہ کرتی چل پڑی۔ ان کو ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر وہ اسے کمرے میں لے گئی۔

"سنبھالو خود کو ناجیہ اس طرح تو......" اسے حوصلہ دیتے دیتے نوما کی آواز رندھ گئی۔

"کیسے نوما کیسے...... میں جب سوچتی ہوں کہ وہ اب مجھے کبھی نظر نہیں آئے گا تو رگیں ٹوٹنے لگتی ہیں اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں رو رو کر اس احساس کو بہا ڈالوں تم نہیں سمجھ سکتیں نوما" وہ پھر چہرہ ہاتھوں میں چھپائے رونے لگی۔ نوما بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا؟" ڈنکی نے اندر جھانکا اور ناجیہ کو روتا دیکھ کر اندر چلی آئی۔

"ڈنکی پلیز اسے دیکھنا میں ذرا بھائیوں سے مل آؤں۔" نوما ڈنکی سے کہتی باہر چلی گئی۔

"یار یہ تم مشرقی لڑکیوں کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ دکھوں کو پال لیتی ہو ٹھیک ہے وہ تمہیں پسند تھا۔ مر گیا تو اس میں کسی انسان کا کیا قصور صبر کرو دنیا بھری پڑی ہے مردوں سے۔" ڈنکی کا لہجہ خاصا بے رحم تھا۔ ناجیہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ پھر توقف سے بولی۔

"اتنا آسان نہیں ہوتا یہ سب ڈنکی صاحبہ۔ مشرقی لڑکیوں کے دلوں پر لکھے نام اتنی جلدی نہیں مٹتے جتنا کہ تم مغربی لڑکیوں کے دلوں پر لکھے نام۔ ہونہہ جیسے پانی پر لکھی تحریریں۔" وہ آنکھیں پونچھتی زہر خند ہوئی تھی۔

نقشم کی موت کی خبر ارمغان کے لئے غیر متوقع تھی۔ کئی ثانیے تو وہ خاموشی سے نوما کو دیکھتا ہی رہ گیا پھر چچی جان سے افسوس کرتے ہوئے اس کی نظریں اس روئی روئی آنکھوں والی لڑکی کو تلاشتی رہی تھیں اور اس کے دل میں ایک نامعلوم سی اداسی اترتی چلی گئی تھی۔

☆======☆======☆

آج تاریخ تھی۔ سلجوق کو عدالت میں پیش ہونا تھا۔ جہانگیر شاہ اس کی ہمت بندھا رہے تھے۔

"جب تک حفیظہ خود عدالت میں آ کر نہ کہے کہ اسے طلاق چاہیے تم ہرگز...... سمجھ گئے ناں۔"

"یہ معاملہ بغیر عدالت کے نپٹ جاتا تو اچھا تھا۔" سلجوق شاہ نے افسردگی سے کہا۔

"اب کتنی کہانیاں بنیں گی۔ اخباروں میں کیا کچھ نہیں آئے گا۔ میں تو مرد ہوں لیکن وہ ... ایک بار میرا اس سے رابطہ ہی ہو جائے۔ میں اسے عدالت میں پہنچنے ہی نہ دوں۔"

"سلجوق ناشتہ تیار ہے۔" فارحہ اندر آئی تھی پھر جہانگیر شاہ کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"بابا آپ ناشتہ کریں گے؟"

"نہیں دیر ہو رہی ہے چلو سلجوق۔" انہوں نے سائیڈ ٹیبل سے والٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ سلجوق بھی کھڑے ہو گئے۔

"اور ہاں۔" وہ پلٹے۔ "تمہیں پتہ تو ہو گا کہ تمہاری بی اماں بوجہ بیماری گاؤں چلی گئی ہیں لیکن اگر کوئی پوچھے تو کہہ دینا اسے رزاق نے امریکہ بلوا لیا ہے۔"

"جی بہتر بابا۔" فارحہ نے سر ہلایا۔ پھر وہ اور سلجوق ایک ساتھ باہر نکل گئے۔ فارحہ سوچ میں پڑ گئی تھی وہ صبح ہی اپنے میکے سے واپس آئی تھی اور اسے اماں بی کے بارے میں پتہ چلا تھا۔ اب بابا جان کی باتوں سے اسے ایک دم سب کچھ پُراسرار سا لگنے لگا تھا۔ اماں بی کا راتوں رات گاؤں چلے جانا، ربیعہ کا بیمار ہو کر ہوش وحواس کھو بیٹھنا اور بابا جان کا یہ کہنا کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ اماں بی کو امریکہ بھجوا دیا گیا ہے۔ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور تھی۔ عمیر کے رونے کی آواز سن کر وہ خیالوں کی دنیا سے باہر آئی تھی لیکن اس کے ذہن میں لگی گرہ کھل نہ سکی تھی۔

☆======☆======☆

کارروائی شروع ہو چکی تھی۔ دونوں طرف کے وکیل اپنی پوری قابلیت صرف کر رہے تھے۔ سلیمان ملک کے وکیل نے سلجوق شاہ کے کردار پر اچھی طرح کیچڑ اچھالنے کے بعد عدالت سے جلد از جلد فیصلہ کرنے کی درخواست کی تھی۔ جب کہ سلجوق شاہ کے وکیل نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ یہ ساری کارروائی سلیمان ملک لڑکی کی مرضی کے بغیر کر رہے ہیں اگر ایسا نہیں تو لڑکی کو عدالت میں پیش کیا جائے اور سلیمان ملک اس بات پر قطعاً راضی نہ تھے۔

"ہمارے خاندان کی لڑکیاں کورٹ کچہری نہیں جایا کرتیں۔ ہم ان کے سرپرست ہیں۔ لڑکی کے مرحوم والد نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ ان کی بیٹی کو اس بدکردار شخص سے نجات دلائی جائے اور میں عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ یہ فیصلہ جلد کر دیا جائے تاکہ ہم اپنی بیٹی کی شادی کسی مناسب جگہ کر کے فرض سے سبکدوش ہو سکیں۔" سلیمان ملک بھی پکے کھلاڑی تھے۔ تاہم عدالت نے حفیظہ کو پیش ہونے کا حکم دے دیا تھا اور جانے کیوں سلجوق کو مقدمہ جیت جانے کی امید پیدا ہو گئی تھی۔ ان کا دل کہتا تھا کہ یہ فیصلہ حفیظہ کا ہرگز نہیں ہے۔ لیکن ان کی خام خیالی اس وقت دور ہو گئی جب حفیظہ اگلی بار عدالت میں پیش ہو گئی اور اس نے حلفیہ بیان دے دیا کہ اسے طلاق چاہیے۔ سلجوق شاہ حیرت اور صدمے سے اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔

☆======☆======☆

وہ کینٹین میں آ کر بیٹھی ہی تھی کہ رحمہ آن دھمکی۔ ''ہیلو نوما! کیسی ہو؟'' بے تکلفی سے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا تو نوما فوراً تو ناگواری کا اظہار نہ کر سکی البتہ دھیمے سے ''ٹھیک ہوں'' کہہ کر خاموش ہوگئی۔

''ہم تمہارے گھر گئے تھے۔'' وہ خود ہی بتانے لگی۔ ''سنا ہے تم اپنی دوست ناجیہ کے ہاں رہ رہی ہو کوئی خاص وجہ؟'' وہ متجسس نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں ہے۔'' وہ سلگ کر بولی۔ ''میری بھابی نے مجھ پر الزام لگایا ہے کہ میں لوز کریکٹر ہوں اور اس نے یہ ثابت بھی کیا ہے۔ مجھے Red- Handed پکڑوایا ہے۔ اس لئے ارمغان...... ارمغان مجھے ناجیہ کے ہاں چھوڑ گیا ہے تاکہ میں وہاں محفوظ رہوں، ہونہہ جب ایک بار باکردار لڑکی پر کیچڑ اچھل جائے پھر جو مرضی کرلو۔ کیچڑ کے داغ نہیں اترتے لوگ وجہ نہیں پوچھتے بلکہ خود بھی کیچڑ اچھالنے میں مددگار ہو جاتے ہیں۔ کہاں کہاں چھپائے گا وہ مجھے۔ لوگوں کی باتیں، لوگوں کی آنکھیں کس کس سے بچوں میں......'' وہ لب کاٹنے لگی۔ رحمہ نے اس کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

''میرا اعتبار کرو تم میرے لئے وہی پاکیزہ سی نوما ہو جسے میں پچھلے تین سال سے دیکھ رہی ہوں۔ جس کی معصومیت زادان احسن کے دل میں اتر گئی ہے۔ ہاں ہمارا یقین کرو ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم پر کوئی انگلی اٹھا رہا ہے۔ ہم تمہیں سایہ دیں گے ریلیکس۔'' اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ نوما کا بے اختیار جی چاہا اعتبار کرلے۔ تاہم ہمیشہ کی طرح اب بھی وہ فوراً کچھ کہہ نہ سکی۔ خاموشی سے رحمہ کو دیکھے گئی۔

''اچھا یہ بتاؤ اتنے دن کالج کیوں نہیں آئیں کوئی مسئلہ تھا؟'' رحمہ نے بات بدلی۔

''ہاں! ناجیہ کے کزن نقشم کی Death ہوگئی۔'' اس نے افسردگی سے جواب دیا۔

''اوہ آئی سی۔'' اس نے ہونٹ سکوڑے۔

''کیسے؟ کیا Young تھا؟''

''Navy میں تھا۔ جہاز ڈوب گیا۔ Young نہیں Too Young تھا۔ ناجیہ کے گھر میں تو ہر جگہ موت ہی بکھری نظر آتی ہے۔ اب سب ایک دوسرے سے منہ چھپائے پھرتے ہیں جیسے وہی قصوروار ہوں۔ خود ناجیہ کی حالت بہت بری ہے وہ تو سنبھل ہی نہیں پا رہی۔'' نوما کی آنکھیں یہ سب بتاتے ہوئے بھیگ سی گئیں۔

''اوہ۔'' رحمہ جیسے سب سمجھ گئی تھی۔

''میں آؤں گی تم مجھے ایڈریس دے دو۔'' اس نے بیگ سے ڈائری نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

''ایڈریس تو مجھے بھی صحیح طرح سے Confirm نہیں ہے۔ فون نمبر لے لو کر کے ایڈریس پوچھ لینا۔'' نوما نے ڈائری پر ناجیہ کا فون نمبر لکھ کر واپس بڑھا دی۔

چھٹی کے وقت جب وہ پوائنٹ کے انتظار میں کھڑی تھی تو اس نے دیکھا۔ رحمہ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی اور ایک خوش شکل وخوش پوش نوجوان گاڑی کا دروازہ بند کر رہا تھا۔

''شاید یہی زادان احسن ہے۔'' اس نے سوچا پھر سر جھٹک کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔ تبھی رحمہ نے اس کے قریب گاڑی لا روکی۔

''آؤ نوما Drop کر دوں۔ کیوں دھوپ میں سڑ رہی ہو۔'' وہ مسکراتے ہوئے آفر کر رہی تھی۔

''نہیں تھینک یو، بس ابھی آتی ہی ہوگی۔'' اس نے انکار کیا۔

''آ جاؤ یار کیوں تکلفات برت رہی ہو۔ کم آن۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر پچھلی طرف کا دروازہ کھول دیا، وہ تذبذب میں پڑ گئی۔

''یار کیا مسئلہ ہے، ہم تمہیں اغوا نہیں کریں گے سچ مچ۔'' وہ جھلائی تھی نوما نے قدم بڑھا دیئے۔ جب وہ اتنے خلوص سے آفر کر رہی ہے تو انکار نہیں کرنا چاہئے۔ اس نے سوچا تھا۔ تمام راستہ رحمہ ہی بولتی رہی۔ کبھی زادان سے کبھی گردن موڑے نوما سے، نوما کانشس ہو رہی تھی۔ جب کہ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان بندہ اس سے قطعاً لاتعلق بنا ہوا تھا۔

''رحمہ تو کہہ رہی تھی کہ زادان۔'' اس نے سوچتے سوچتے سامنے دیکھا وہ بھی مرر میں اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ دوبارہ باہر دیکھنے لگی۔

رحمہ دیکھ چکی تھی اس لئے شرارت آمیز ہنسی اس کے لبوں کو چھوگئی۔

''ارے میں نے تعارف تو کروایا ہی نہیں نوما یہ زادان احسن نہیں بلکہ چھوٹے ازغان احسن ہیں اور ازغان یہ نوما وہی جس کے بارے میں نے تمہیں بتایا تھا۔'' بالآخر اسے تعارف کروانے کا خیال آ ہی گیا تھا۔

''بہت مایوسی ہوئی آپ کو مجھ سے مل کے۔'' وہ پل کی پل پیچھے دیکھ کر مسکرایا تھا، اس کے جگنوؤں سے دانت پل بھر چمک کے معدوم ہوگئے۔

نوما اسے نظر انداز کئے باہر دیکھنے لگی تھی۔ جب کہ وہ سیٹی پر کوئی شوخ دھن بجانے لگا تھا۔

☆======☆======☆

''سنو اسد۔'' پکار پر اس نے پلٹ کر دیکھا ہما کی ویران آنکھیں اس پر جمی تھیں۔

''تم مجھے جانے دو خدا کے لئے، تم نے مجھ سے جو بھی بدلہ لینا تھا میرا خیال ہے کہ لے چکے ہو۔ اب تو مجھ میں سکت ہی نہیں رہی تم...... تمہیں لڑکیوں کی کیا کمی تم خود ہی تو ہو۔ اس لئے میری جان بخشی کر دو پلیز۔'' اس نے ہاتھ جوڑے تھے۔

''ہوں۔'' اسد نے پُر خیال لہجے میں ہونٹ سکوڑے۔

''بائی داوے تم جاؤ گی کہاں؟'' بڑی عجیب سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی تھی۔

''میرا مطلب ہے تمہارا غیرت مند باپ تمہیں قبول نہیں کرے گا اور معاشرہ تو ویسے گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کو جگہ نہیں دیتا۔ تم تو پھر اتنے دنوں سے......'' وہ بات ادھوری چھوڑ اسے دیکھنے لگا تھا۔

''مم میں کہیں اور چلی جاؤں گی۔ جہاں کوئی مجھے جانتا نہ ہو۔'' اس کے حلق میں سے آنسوؤں کا گولہ اٹک گیا تھا۔

''تو میری جان۔'' وہ اس کے قریب آ کر کندھوں سے تھام کر بولا۔

''جانتا تو تمہیں یہاں بھی کوئی نہیں۔ بلکہ یہاں تو تم بہت سے سوالوں سے بچی ہو۔''

''میں مرنا چاہتی ہوں۔ اس ذلت بھری زندگی سے چھٹکارا چاہتی ہوں۔'' وہ اس گرفت میں تڑپی تھی۔

''ہاں تو یوں کہو ناں۔'' وہ قہقہہ مار کر ہنس دیا، کندھوں پر اس کی گرفت مضبوط ہوگئی۔

''تم اتنی خوبصورت اور بھرپور ہو کہ میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا میری جان۔''

''مجھے مرنا ہے۔ اسد ملک مرنا ہے، میں اپنی محبت کا بہت زیادہ تاوان ادا کر چکی مجھے مرنے دو خدا کے لئے مجھے مرنے دو۔'' وہ بلک اٹھی۔

''ناں...... ناں خودکشی حرام ہے۔ حرام موت مرو گی تم؟'' وہ پچکارا تھا۔

''میں حرام کی زندگی بھی مزید نہیں جی سکتی اسد ملک! تم دیکھنا اب میں تمہیں مر دکھاؤں گی۔ تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے کچھ بھی۔'' وہ اپنا آپ چھڑا کر باہر بھاگ گئی تھی۔ اسد ملک مونچھوں کو تاؤ دیتا ہنسے گیا۔ اسے یقین تھا وہ اس ڈیرے سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتی اس اطمینان سے سگریٹ سلگا کر اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا لیکن جب وہ کافی دیر تک وا نہیں آئی تو وہ پریشان ہو کر باہر نکل آیا۔ اتنا تو اسے یقین تھا کہ وہ ہوگی ادھر ہی ٹکریں مارتی

رہی ہوگی۔ لیکن سارا ڈیرہ چھان مارنے کے باوجود اسے وہ کہیں نظر نہ آئی۔

''کہیں سچ مچ۔'' اس کے ذہن میں خیال لپکا اس نے نوکر کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

''اللہ ڈوایا اللہ ڈوایا۔'' وہ تو نہیں البتہ اس کی بیوی ڈوپٹے سے ہاتھ پونچھتی باہر نکل آئی۔

''سلام صیب۔'' ہاتھ اٹھا کر سلام کیا۔

''اللہ ڈوایا کدھر ہے؟'' وہ دھاڑا تھا۔

''اللہ ڈوایا صیب ابھی ابھی گڈی لے کر شہر گیا ہے۔ کہتا تھا کئی منڈی پہنچانی ہے۔'' وہ بتا کر منتظر کھڑی ہوگئی۔

''کہیں وہ......'' اسد کے ذہن میں خیال کوندا تھا اور اس نے جیپ کی طرف دوڑ لگائی تھی۔

☆======☆======☆

سلجوق نے ایک بار پھر امریکہ کی راہ پکڑ لی تھی۔

اس کے سوا ان کے پاس اور کوئی راستہ نہ رہ گیا تھا۔ وہ حفیظہ کو کسی صورت چھوڑنا نہ چاہتے تھے اب جب کہ حفیظہ خود عدالت میں پیش ہوگئی تھی تب بھی انہیں یقین نہ آتا تھا۔ چادر میں لپٹا وجود کسی اور کا بھی تو ہو سکتا تھا۔ سلیمان ملک سے کیا بعید؟ لیکن پھر ان کے ذہن میں آتا کہ ہو سکتا ہے وہ حفیظہ ہی ہو اور تب ان کے دماغ کی شریانیں پھٹنے لگتیں اور تبھی انہوں نے ایک دن جہانگیر شاہ کو فیصلہ سنا دیا۔

''میں واپس جا رہا ہوں ہمیشہ کے لئے۔ یہ تعلق یونہی نبھانا ہے۔ آپ ربیعہ کا خیال رکھیے گا اگر ٹھیک نہ ہوئی تو میں اسے اپنے پاس بلوالوں گا۔''

جہانگیر شاہ انہیں روک بھی نہ سکے۔ فیصلہ ہونے کی تاریخ سے ایک دن قبل وہ امریکہ سدھار گئے لیکن ان کے امریکہ جانے سے کیا فرق پڑتا تھا۔ کورٹ نے یک طرفہ کارروائی عمل میں لا کر حفیظہ ملک کو اس کی خواہش کے مطابق آزادی کا پروانہ تھما دیا۔ سلیمان ملک کی خوشی دیدنی تھی۔ آج وہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقدمہ جیتے تھے اور اسی خوشی کے عالم میں وہ ڈھول بجاتے ملک پور پہنچے تھے۔ حفیظہ نے شور کی آواز سن کر کمرے سے باہر جھانکا تھا۔ سلیمان ملک کے چہرے پر جیت کا تاثر اسے دور سے ہی نظر آ گیا تھا لیکن وہ جیت کی نوعیت سے بے خبر تھی۔ ادی جان کے پکارنے پر وہ پیچھے ہٹ آئی۔

''یہ شور کیسا ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''تایا جان آئے ہیں۔ پیچھے پھپھوں کا اجتماع ہے پتہ نہیں اب کیا جیت کر آئے ہیں''
اس نے بے زاری سے جواب دیا تھا۔تبھی دروازہ کھلا اور تایا جان اندر داخل ہوئے۔

''مبارک ہو بیٹی۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگا لیا۔

''ہم مقدمہ جیت گئے ہیں۔تم آزاد ہوگئی ہو۔تھپڑ مارا ہم نے شاہوں کے منہ پر۔'' جیت کے نشے میں سرشار بول رہے تھے۔ادی جان یہ سن کر ساکت ہوگئی تھیں اور حفیظہ عجب لٹی ہوئی نظروں سے اپنے باپ جیسے تایا کو دیکھ رہی تھی اور پھر جیسے ایک دم اسے بے سائبانی کا احساس ہوا تھا۔وہ چیخ مار کر ادی جان کی طرف دوڑی تھی۔

''ہم نے کسی کا کیا بگاڑا تھا ادی جان۔'' وہ بین کرتے ہوئے ادی جان کو جھنجھوڑنے لگی اور ادی جان بے دم ہو کر اس کے بازوؤں میں آرہی تھیں۔

☆======☆======☆

چراغِ دل جسے جلنا تھا اک عمر تلک
بجھا کے رکھ دیا کس نے ہمارے سینے میں

ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے عذیر نے اجڑی اجڑی سی ناجیہ پر نظر ڈالی تھی۔

''سنو ناجیہ!'' جانے کیا سوچ کر وہ اس کے پاس آ بیٹھا۔

''تمہیں نقشم سے محبت تھی؟'' عجیب سوال کیا تھا اس نے؟ اس کی رگیں ٹوٹنے لگیں۔ اس نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھا اور شکایتی نظروں سے عذیر کو دیکھنے لگی۔

''تم نے اس کی زندگی میں اعتراف کیوں نہیں کیا۔کیوں نہیں بتایا اس کو جب وہ تمہارے پیچھے پھرا کرتا تھا صرف ایک اقرار سننے کے لئے۔کیوں تم نے بے چین رکھا اس کو بتاؤ؟'' وہ چیخا تھا ناجیہ حیرت زدہ ہوگئی۔

''اب یہ مت کہنا تمہیں خود پتہ نہیں تھا۔میں جانتا ہوں تم اچھی طرح جانتی تھیں کہ تم اس سے محبت کرتی ہو لیکن اس کی باتوں کو تم بکواس کہا کرتی تھیں۔تمہیں پتہ ہے تم نے اپنا کتنا نقصان کرلیا ہے۔تمام عمر کے پچھتاوے آگئے ہیں تمہارے حصے میں۔''

''بددعا مت دو مجھے عذیر۔'' وہ تڑپی تھی۔''میں پہلے ہی نقشم کی بددعا کی زد میں ہوں۔ پتہ ہے عذیر نقشم نے کہا تھا کہ مجھے اس سے محبت ہوجائے اور وہ مجھے نہ ملے۔دیکھو عذیر اس نے کیسے مجھ سے اپنے آپ کو چھین لیا۔محبت مجھے راس نہیں آئی عذیر۔کبھی ماں باپ بھائی کسی کی محبت میرے نصیب میں نہیں لکھی گئی اور جو میں خود سے اپنے نصیب میں محبت لکھنے چلی تو وہ بھی چھن گئی۔کوئی مجھ سے محبت مت کرے میں مزید کچھ نہیں کھونا چاہتی۔'' اس نے

دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا تھا۔

''آج کیپٹن سمیر آئے تھے۔'' وہ دوزانو ہو بیٹھا۔

''نقشم کی کچھ Personal چیزیں دے کر گئے ہیں۔اگر تمہارے کام کی کوئی چیز ہے تو لے لو۔'' یہ وقت بھی آنا تھا۔عذیر ضبط کی کڑی منزل پر تھا۔

وہ اسی وقت اٹھ کر عذیر کے ہمراہ چلی آئی۔عذیر نے تمام چیزیں پہلے ہی بیڈ پر پھیلا رکھی تھیں۔وہ بیڈ پر آکر بیٹھ گئی تھی اور ایک ایک چیز کو تکنے لگی۔اس کا پرفیوم جو کہ آدھا استعمال ہوا تھا۔اس کے سن گلاسز،رومال،شرٹس،ٹائی پنز،کف لنکس ہیئر برش،آفٹر شیو،باڈی سپرے اور ان ساری چیزوں کے نیچے سے جھانکتی سرخ حاشیے والی سیاہ ڈائری۔عذیر نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور پھر ڈائری نکال کر اس کو تھما دی۔

''تمہارے لئے یہی کافی ہوگی۔'' اس نے کہا تھا اور وہ آنسو روکتی وہاں سے بھاگ آئی تھی۔

☆======☆======☆

فرحان نے بمشکل بریک لگایا تھا اور نتیجتاً بائیک بے قابو ہو کر کچھ دور تک پھسلتی چلی گئی تھی۔سنبھل جانے پر انہوں نے مڑ کر ناگواری سے اس وجود کو دیکھا جو اچانک سامنے آیا تھا اور اب سڑک کے بیچوں بیچ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا تھا۔انہیں بری طرح تاؤ آیا اور وہ کھولتے ہوئے ہی اس کی طرف گئے تھے۔

''کیا مصیبت آن پڑی ہے جو مجھے مصیبت میں ڈالا جا رہا تھا؟'' اس کے سر پر کھڑے ہو کر وہ تقریباً دھاڑے تھے۔جواب تو نہیں ملا البتہ وجود ہلنا شروع ہوگیا اور ساتھ ہی سسکیوں کی آواز......ان کی جھنجھلاہٹ میں مزید اضافہ ہوگیا۔انہوں نے ایک زوردار ٹھوکر رسید کی اور جانے کے لئے مڑے کہ اس نے سر اٹھایا۔

''کہیں اچھا ہوتا جو آپ مجھے بائیک مارتے کم از کم مر تو جاتی۔'' فرحان نے پلٹ کر دیکھا پھر نفرت سے بولے۔

''یہ ساتھ ہی نہر ہے ڈوب کر مر جاؤ اگر ایسی ہی شرمندگی بھری زندگی گزار رہی ہو۔'' کہہ کر وہ رکے نہیں بائیک کی طرف بڑھ گئے۔''گھر سے بھاگی ہوگی اور اب انجام دیکھ چکنے کے بعد مرنے آگئی ہے۔پتہ نہیں یہ عورتیں اس قدر گری ہوئی کیوں ہوتی ہیں۔'' انہیں اور بھی بہت کچھ یاد آگیا تھا۔انہوں نے ایک تنفر بھری نگاہ اس پر ڈالی اور بائیک سٹارٹ کردی۔تبھی وہ بھاگتی ہوئی ان کے پاس آگئی۔

"سنیں آپ جہانگیر شاہ کو جانتے ہیں؟" اس کے پوچھنے پر انہوں نے دزدیدہ نظروں سے دیکھا۔

"میں کوئی داروغہ شہر نہیں ہوں۔" سلگ کر جواب دیا۔ ویران سڑک پر بھری دوپہر میں ایک تنہا لڑکی کے ساتھ کھڑے ہو کر باتیں کرنا انہیں ویسے بھی خوفزدہ کر رہا تھا۔ درحقیقت ان کا عورت پر سے اعتبار اٹھ گیا تھا اور یہ بے اعتباری ہی تھی شاید جو وہ ہر رات ایک نئی عورت کے پاس جاتے تھے۔

"آپ مجھے شہر تک پہنچا سکتے ہیں؟" بالآخر اس نے مایوس ہو کر پوچھا تھا۔

"شہر جا کر کیا کرو گی تم؟" وہ چیخ کر بولے۔ "یہیں کہیں مر جاؤ والدین کا نام تو ڈبو ہی دیا تم نے۔"

"ہاں مرنا ہی ہے مجھے۔" اب کے وہ چیخی تھی۔

"لیکن ایک بار میں اپنے ماں باپ کو دیکھ لینا چاہتی ہوں۔ ان سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ میں اس رستے سے انجان ہوں۔" اس نے ہاتھ جوڑے تھے۔

فرحان نے جانے کیا سوچا اور اسے پیچھے بیٹھنے کا اشارہ کر دیا۔

"انجان رستوں پر قدم ہی نہیں رکھنا چاہئے۔" ان کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ پھر اس کے بتائے راستوں پر بائیک موڑتے ہوئے اچانک ہی ان کے ذہن میں خیال آیا تھا۔

"سنو کیا تمہیں ضرور مرنا ہے؟" انہوں نے پوچھا تھا۔ وہ چونکی۔

"ہاں یہی ایک راستہ ہے۔"

"نہیں ایک راستہ اور بھی ہے۔" بائیک روکتے ہوئے انہوں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ سہ پہر کے چار بج رہے تھے۔ اس نے کال بیل پر ہاتھ رکھا اور پھر مڑ کر انہیں دیکھنے لگی وہ بھی اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ نظریں مل جانے پر دونوں نے نظریں چرائی تھیں۔ چھوٹا گیٹ نیم وا ہوا تھا۔

"کون؟" چوکیدار نے پوچھا تھا۔

"وہ میں ربیعہ...... سے ملنا ہے۔" وہ اپنا نام بتاتے جھجکی تھی۔

"بی بی ہاسپٹل میں ہیں بڑی بی بی امریکہ چلی گئی ہیں اور شاہ صاحب زمینوں پر ہیں۔" اس نے خود ہی تفصیلات پہنچائیں۔ اس کے دل کو دھچکا سا لگا۔

"ربیعہ ہاسپٹل، خان بابا میں ہما ہوں۔" وہ آگے بڑھ آئی تھی۔

"ام کسی ہما بی بی کو نئیں جانتا شاہ صاحب کا بھی یہی حکم ہے۔" اس نے گیٹ زور سے بند کیا۔ اسے پتہ تھا یہی ہونا تھا لیکن یہ امید تھی کہ شاید اماں بی کچھ دیر کے لئے اسے اندر آنے کی

اجازت دے دیں اور اب تو یہ بھی ممکن نہیں تھا اور یہ اماں بھی امریکہ کیوں چلی گئیں۔ انہیں تو اپنے شہر کے راستوں کا صحیح سے علم نہیں تھا اور بابا جان انہیں وہاں بھیجنے پر کیسے آمادہ ہو گئے۔ کیا ربیعہ اکیلی ہے اور ربیعہ کیوں ہاسپٹل میں ہے؟ کتنے سوالات نے اس کے ذہن پر یلغار کر دی تھی اور وہ اسی بے دھیانی میں چلتی بائیک کے پیچھے آ بیٹھی تھی۔

چونکی اس وقت جب بائیک زوردار جھٹکے سے رکی تھی۔ اس نے سر اٹھایا۔ وہ ایک بوسیدہ ٹاٹ لگا دروازہ تھا اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجی۔ کیا جس زندگی سے جس بھیڑیئے سے وہ بچ کر نکلی ہے وہی زندگی اور اسی طرح کا بھیڑیا۔ "نہیں"...... وہ کانپ کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"یہ مولوی صاحب کا گھر ہے۔ تم رکو میں پتہ کر کے آتا ہوں، سورج ڈوبنے سے پہلے نکاح ہو جانا چاہئے۔" فرحان کے الفاظ تھے یا بم اس نے سہارے کے لئے ٹاٹ کو پکڑا تھا اور وہ کمزور ٹاٹ کا پردہ کھنچتا چلا آیا تھا۔

☆======☆======☆

اسد نے مار مار کر اللہ ڈوایا کی کھال ادھیڑ دی تھی۔ "بتاؤ کدھر گئی وہ لڑکی؟" وہ خون آشام نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ق...... قسم لے لو صیب میری آنکھیں پھوٹ جائیں جو میں نے اسے دیکھا بھی ہو۔ میں تو سیدھا منڈی گیا صیب اور جب مکئی اتاری تو گڈی میں کوئی نہیں تھی۔" اللہ ڈوایا نے ایک بار پھر وضاحت پیش کی۔

"بکتے ہو تم۔" وہ طیش میں تھا۔ "تم ملے ہوئے تھے۔ بتاؤ کتنے پیسے لئے ہیں تم نے حرام خور نمک حرام۔" تڑاتڑ کوڑا برسا تھا اللہ ڈوایا کی چیخوں سے ڈیرہ گونج اٹھا تھا اور اس کی بیوی نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لی تھیں۔

"میں سچ کہتا ہوں صیب میں نے اس کی شکل تک نہیں دیکھی۔" اللہ ڈوایا کہہ رہا تھا۔ اسد نے غصے میں آ کر کوڑا اس پر پھینکا اور باہر نکل گیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہیں سے ہما کو پکڑ کر لے آئے۔ کتنی محنت کی تھی اس نے۔ سلجوق شاہ کو ذلیل کرنے کا اس سے بہتر طریقہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ شاہوں سے اس سے اچھا انتقام لیا جا ہی نہیں سکتا تھا اور ابھی تو اس نے جہانگیر شاہ سے رابطہ کرنا تھا۔ اس کو تڑپتے دیکھنا تھا لیکن وہ......

اس کے سامنے اس کی قید سے نکل گئی اور وہ خوش فہمی میں مارا گیا کہ وہ کہیں نہیں جا سکتی۔ بہت غصے کے عالم میں وہ "شہباز ولاز" میں داخل ہوا تھا۔ لاؤنج میں بیٹھے سلیمان ملک اور سعدیہ بیگم نے اسے بڑی حیرت سے دیکھا تھا۔ پھر رومانہ اٹھ کر اس کے پیچھے آئی تھی۔

"کیسے ہو اسد؟" اس نے شرم سے انگلی پر دوپٹہ لپیٹتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہوں۔" مختصراً کہہ کر وہ باتھ روم میں گھس گیا۔ رومانہ وہیں ٹک گئی۔ شاور لے کر نکلا تو دماغ کسی حد تک ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ رومانہ کو وہیں جما دیکھ کر حیران ہوا۔

"تم ابھی تک یہیں ہو۔" بال تولیے سے رگڑتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے تم سے ایک بات کرنی تھی۔" وہ اٹھ کر اس کے پاس آکھڑی ہوئی۔ اسد خاموش رہا۔

"اسد کیا تم اس رشتے سے خوش ہو؟" اس نے پوچھا تو ایک گہری نظر اس پر ڈال کر وہ برش اٹھا کر بالوں میں پھیرنے لگا۔ پھر فارغ ہو کر کہنے لگا۔

"میں نے خاندانی روایات پر عمل کیا ہے۔ تمہاری شادی کہیں اور ہونے کی نہیں۔ ہم سمجھتے تھے کہ تم سجاول کے حصے میں آؤ گی لیکن ماموں جان نے گڑبڑ کر دی۔ وہ تمہارا بھائی نکلا۔ اب وہ پاگل حفیظہ کے حصے میں آئے گا۔ ویسے حفیظہ میرے حصے میں آسکتی تھی لیکن میں جھوٹا کھانا پسند نہیں کرتا اور ویسے بھی مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ شادی میں نے خاندان سے باہر کرنی ہے اپنی پسند سے، نکاح تم سے کرلوں گا پڑی رہنا حویلی میں۔" اس نے زہر افشانی کی تھی اور رومانہ حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

یہ وہ شخص تھا جس کو وہ بچپن سے چاہتی چلی آرہی تھی۔ جس کے خواب اس نے بلاخوف خطر پلکوں میں سموئے تھے۔ پھر جب اس نے اُڑتے اُڑتے خبر سنی کہ اس کی شادی سجاول سے ہوگی تو اس کا سکھ چین اُڑ گیا تھا۔ لیکن اس نے ٹھان لیا کہ کچھ ہو جائے سجاول سے شادی نہیں کرے گی۔ پھر جب اسے پتہ چلا تھا کہ سجاول اس کا بھائی ہے تو اس نے کتنا شکر ادا کیا تھا رب کا۔

اور اب یہ ستم گر۔ کیا کہہ گیا تھا وہ۔ کیا وہ اتنی بے وقعت، اتنی بے مایہ تھی کہ اسد کی نظروں میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ نہیں وہ اسے ایسا نہیں کرنے دے گی۔ اس نے خود کو تسلی دی تھی خود کو نارمل کر کے وہ باہر آئی تو اسد لاؤنج میں موجود تھا اور ابا جان سے بہت ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ پھپھو بیگم نے اسے دیکھ کر اپنے قریب جگہ بنائی۔

"آؤ رمی اِدھر آجاؤ۔" وہ آرام سے بیٹھ گئی۔ اسد نے ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اسی اثناء میں ابا جان اٹھ کھڑے ہوئے تو اسے بھی اٹھنا پڑا۔ انہوں نے دوبارہ پھپھو کو تاکید کی کہ وہ وقت پر پہنچ جائیں اور باہر نکل گئے۔

وہ بھی پیچھے تھی اور سوچ رہی تھی کہ شام میں کون سا سوٹ پہنے کہ اسد ملک پر اس کا حسن

اثر کر جائے...... اور وہ اس سے محبت کرنے لگے۔ پھپھو بیگم نے اس کی پیشانی پر پیار کیا تو وہ چونکی۔ اسد ابا جان سے ہاتھ ملا رہا تھا۔ وہ پھپھو کو خدا حافظ کہہ کر گاڑی میں آبیٹھی۔ اب اس کا ذہن حفیظہ ملک کے بارے میں سوچ رہا تھا، جو شام کو اس کی بھابی بننے والی تھی۔

☆======☆======☆

"مجھے کہیں چھپالیں کہیں بھی۔" وہ سسکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "میں اکیلی رہ گئی ہوں ادی جان بھی چھوڑ گئیں مجھے۔ سلجوق شاہ نے بھی مجھے آزاد کر دیا۔ اب میرے لئے کہیں جائے پناہ نہیں ہے۔ اس اتنے بڑے ملک پور کی مالک ہونے کے باوجود یہاں میرے لئے جگہ نہیں ہے۔" اس نے قید خانے کے ملگجے اندھیرے میں اس وجود کو ٹٹولا۔

"میں تمہیں کہاں پناہ دے سکتی ہوں۔ میں تو خود قید میں ہوں۔" کافی دیر بعد وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی تھی۔

"یہ سب ہونا تھا۔ یونہی۔ دیکھو میں نے اپنی جوانی اس قید خانے میں کاٹ دی اور بڑھاپا بھی یہیں کٹے گا۔ میرے بھی بال و پر اسی طرح کاٹ دیئے گئے تھے۔ یہ مکافاتِ عمل ہے۔ مکافاتِ عمل۔ ماں باپ کا کیا اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے۔ بھگتنا پڑتا ہے۔ تمہیں بھی یہ بھگتنا پڑے گا۔ اسی طرح۔ اس قید خانے میں نہیں تو کسی اور قید خانے میں لیکن یہ مقدر ہے۔" آج اس کا لب ولہجہ بدلا ہوا تھا۔

"دیکھو وہ میری شادی سجاول سے کر رہے ہیں جب کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ابھی تو میری عدت پوری نہیں ہوئی اور پھر وہ تو پاگل ہے، مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

حفیظہ نے اس کی الجھا دینے والی باتوں سے زچ ہو کر کہا تھا۔

"بھاگ جاؤ۔ میں نے پہلے بھی تمہیں کہا تھا۔ بھاگ جاؤ۔ میں بھاگ نہیں سکی۔ اسی لئے یہاں پڑی ہوں۔ تم بھاگ جاؤ۔ بس اسی طرح بچ سکتی ہو۔"

"لیکن میں بھاگ کر جاؤں کہاں؟" وہ نیم رضامند تھی۔

"لاہور، کراچی کہیں بھی۔ دنیا بہت بڑی ہے۔ کہیں نہ کہیں تو پناہ مل ہی جائے گی۔"

"میں ملک پور کی حدود سے کالج کی حدود تک ہی گئی ہوں وہ بھی باڈی گارڈز کے ہمراہ۔ میں راستوں سے ناواقف ہوں۔" وہ بے بسی سے گویا ہوئی تھی۔

"سب ہی راستوں سے ناواقف ہوتے ہیں۔" وہ غصے میں آکر بولی۔ "جب تک چلو گی نہیں راستہ کیسے ملے گا؟ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ شادی کر لو سجاول سے اور اس چھت تلے عمر گزار دو...... تم کچھ نہیں کر سکتیں۔" وہ ایک دم کٹھور بن گئی تھی۔

حفیظہ نے ایک نظر اس پر ڈالی اور دیوار سے ٹیک لگالی۔ واقعی وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ تو ہر بات سے ناواقف تھی۔ راستوں سے، لوگوں سے، تو کیا وہ سر جھکا دے۔ ان کے اشاروں کے تابع ہو جائے۔ ہاں اب یہی ہونا تھا۔ یہی اس کا مقدر تھا۔ صحیح تھا یا غلط۔ سوچتے سوچتے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

جانے کیا وقت تھا، اس کی آنکھ کھلی تو ہر طرف اندھیرا تھا۔ کچھ دیر اس نے ذہن پر زور دیا پھر اِدھر اُدھر ہاتھ مارے۔ وہ اس کے ساتھ ہی لیٹی تھی۔ حفیظہ اٹھ بیٹھی۔ شاید دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے لگائے اسے نیند آ گئی تھی اور اس نے اسے لٹا دیا تھا اپنا تار تار دوپٹہ بچھا کر۔ آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہوئیں تو اس کی شکل بھی نظر آنے لگی۔ وہ بھی جاگ رہی تھی۔

''تم سو گئیں تھیں۔ میرے پاس اور کوئی جگہ نہ تھی تمہیں سلانے کی۔ اس لئے اپنی چادر بچھا دی۔ کیڑے مکوڑے بہت ہیں یہاں۔ سونے ہی نہیں دیتے مجھے تو خیر ویسے ہی سونے کی عادت نہیں رہی۔ تم لیٹ جاؤ صبح ہونے میں ابھی کافی وقت ہے۔ پھر بھاگ بھری آتی ہوگی کہیں تمہیں دیکھ نہ لے۔'' اس نے لیٹے لیٹے ہی کہا تھا۔

کیڑے مکوڑوں کا سن کر ہی وہ ڈر گئی تھی۔ اس لئے لیٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ آرام سے اٹھ کر سائیڈ پر ہو گئی۔

''رات تمہیں انہوں نے ڈھونڈا تو ہوگا اور اب یقیناً سارے ملک پور میں بندے بکھر گئے ہوں گے۔ بھاگ بھری آئے تو صورتِ حال معلوم ہو۔''

''رات۔'' وہ چونکی۔ تو گویا وہ رات یہیں گزار چکی تھی اور وہ نکاح والی مصیبت فی الحال ٹل گئی تھی۔ اسے قدرے اطمینان ہوا۔ تایا جان یقیناً بہت طیش میں ہوں گے اور انہوں نے ہر طرف اپنے آدمی دوڑا دیئے ہوں گے اس کی تلاش کے لئے اور اِدھر کا انہیں خیال بھی نہیں آئے گا۔ اچانک ہی اس کے ذہن میں خیال کوندا۔

''سنو۔ ہم دونوں بھاگ چلیں۔'' اس نے کہا تو وہ ہنس پڑی۔

''میں اب بھاگ کر کہاں جاؤں گی۔ میرے تو سارے پتے کھو گئے۔''

''کہیں بھی۔ یہ دنیا بہت بڑی ہے، ہمیں کہیں تو پناہ مل جائے گی۔'' حفیظہ نے اس کی بات دہرائی تھی۔

''شاید......'' وہ ایک لمحہ کو چپ ہو گئی...... پھر کہنے لگی۔

''تمہارے باپ کا احسان ہے مجھ پر۔ زندگی بخش دینے کا احسان۔ میں کوشش کروں گی وہ احسان چکا دوں۔'' پھر وہ کچھ ٹٹولنے لگی۔ کھسر پھسر کی آوازیں آنے لگیں۔ کافی دیر بعد اس

نے اس کی طرف کچھ بڑھایا۔

''یہ لو۔ اس پتے پر پہنچ جانا۔ کہنا مہرو نے بھیجا ہے۔'' حفیظہ نے دیکھا وہ کاغذ کا ایک بوسیدہ ٹکڑا تھا۔ اس نے جلدی سے مٹھی میں دبا لیا اور اٹھ کھڑی ہوئی، لیکن پھر جیسے سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اس کے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ وہ جتنی تیزی سے کھڑی ہوئی تھی اسی طرح بیٹھ گئی۔

''پیسے نہیں ہیں؟'' وہ جیسے بھانپ گئی تھی۔

''نہوں۔'' اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔ اس معاملے میں وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ قید خانے میں طویل خاموشی چھا گئی تھی۔

بھاگ بھری نے وحشت زدہ ہو کر کھلے تالے کو دیکھا تھا تو کیا وہ بھاگ گئی؟ یہ خیال ہی لرزا دینے والا تھا۔ اس نے جلدی سے جھک کر دیکھا تو اسے ایک وجود بیٹھا نظر آ گیا۔ اس کی سانسیں بحال ہوئی ہی تھیں کہ پھر جیسے اس کا پاؤں ننگے تار پر آ گیا۔

''بی بی آپ؟'' اس کے منہ سے بس اتنا ہی نکلا تھا۔

☆======☆======☆

وہ اب تک جیسے بے ہوشی کے عالم میں تھی۔ فرحان اسے لئے جب اس آہنی گیٹ کو عبور کرنے لگے تو اس نے ایک دم ہی ان کا بازو تھام لیا تھا۔ فرحان نے مڑ کر دیکھا تو اس کی رنگت پیلی زرد ہو رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' انہوں نے پوچھا۔ ہما نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن بولنے سے قبل ہی لہرا گئی۔ فرحان اسے سہارا دے کر اندر لائے۔ سامنے کوئی نظر نہیں آیا۔ انہوں نے اسے لاؤنج میں پڑے صوفے پر لٹایا اور خود فریج سے پانی نکالنے لگے۔ وہ دھندلی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ پھر یکایک اسے شدید قسم کی ابکائی آئی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے باہر بھاگی۔ فرحان اس کے پیچھے لپکے۔ اسی لمحے عاصمہ سیڑھیاں اتری تھی اور اس غیر متوقع صورتِ حال کو حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا ہما، خیریت تو ہے؟'' فرحان اسے بازوؤں سے پکڑے پوچھ رہے تھے۔ قے کرنے کے بعد وہ نڈھال سی سیڑھیوں پر ہی بیٹھ گئی تھی۔

''پتہ نہیں مجھے کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے سینے پر ہاتھ رگڑا تھا۔

''کہیں کچھ کھا تو نہیں لیا؟'' فرحان کے دل میں وسوسہ جاگا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ عاصمہ دروازے میں کھڑی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔

لمبے ارمغان بائیک لئے اندر داخل ہوا اور ان دونوں کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

''تو کیا اب گھر میں یہ سب کچھ۔'' اس نے سلگ کر سوچا تھا اور پھر انجان بن کر گزرنے لگا تھا کہ فرحان نے آواز دے لی۔

''رکو ارمغان ذرا ہما کو تو دیکھو۔ اس کی طبیعت خراب ہے۔'' وہ پریشانی سے ہما پر جھکے کہہ رہے تھے۔

''آپ کسی ڈاکٹر کو بلالیں۔'' وہ سرد مہری سے کہتا اندر چلا گیا۔ فرحان کو اس کے جواب پر تاؤ تو بہت آیا لیکن برداشت کر گئے۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' ہما نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں میں ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں تمہیں۔ تم منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو جاؤ۔'' وہ بازو اس کی کمر میں ڈالے عاصمہ کے قریب سے گزرنے لگے۔

''ٹھہرو۔'' اس نے بازو آگے کر دیا، فرحان نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''کون ہے یہ؟'' اس کے لہجے میں پھنکار تھی۔ جب کہ فرحان کو ایسے محسوس ہوا جیسے ان کے دل پر ٹھنڈی پھوار برسی ہو۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے ہما کو دیکھا اور اس کو مزید قریب کرتے ہوئے بولے۔

''میری بیوی!''

''کیا؟'' عاصمہ چیخی پھر وہ ہما پر پل پڑی۔ حملہ غیر متوقع تھا ہما بوکھلا کر اپنا بچاؤ کرنے لگی۔ فرحان نے کچھ دیر دیکھا پھر ایک جھٹکے سے عاصمہ کو الگ کیا۔

''میں عورت کو گالی دینا برا سمجھتا ہوں عاصمہ حیات لیکن یہ حقیقت ہے کہ تم کسی بھی بازاری عورت سے گھٹیا ترین ہو۔'' فرحان نے دانت پیستے ہوئے کہا اور دم بخود عاصمہ کو وہیں چھوڑ کر نڈھال ہما کو اندر لے کر چلے گئے۔

''میں اس کو قتل کر ڈالوں گی۔'' وہ چلائی تھی۔ ''تم مجھ پر۔ یعنی عاصمہ حیات پر سوکن لائے ہو۔ میں تمہیں سارے شہر میں ذلیل کر دوں گی۔ بلکہ ساری دنیا میں۔ تم سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو۔ میں کوئی کمزور و بے بس لڑکی نہیں۔ میں عاصمہ حیات ہوں۔ حیات انٹر پرائز کی مالک۔ سنا تم نے۔'' وہ پورا زور لگا کر چیخ رہی تھی جب کہ فرحان ہما کو لے کر بیڈروم میں بند ہو گئے تھے۔ ارمغان نے البتہ یہ سب کچھ قدرے دلچسپی سے دیکھا اور سنا تھا۔

''تو یہ تھا فرحان بھائی کا انتقام دیکھیں کیا حد ہو؟'' وہ خود کلامی کرتا فرحان کے بیڈروم کی طرف آ گیا کہ اس نے اپنی بھابی کا چیک اپ تو کرنا ہی تھا۔ بہت دنوں بعد وہ کھل کر مسکرایا

تھا۔

☆======☆======☆

''کیسی ہیں ربیعہ آپ؟'' ڈاکٹر علوی نے نبض چیک کرتے ہوئے پوچھا۔ ربیعہ یونہی ایک ٹک انہیں دیکھتی رہی۔ آج ہی اسے ہوش آیا تھا۔ ڈاکٹر علوی نے فون کر کے جہانگیر شاہ کو بلوا لیا تھا اور وہ ربیعہ کو گھر شفٹ کرنے پر بضد تھے۔

''دیکھیں شاہ صاحب ربیعہ کو ہوش تو آ گیا ہے لیکن ابھی تک سکتہ نہیں ٹوٹا اور میرے خیال میں ابھی اسے لمبے Treatment کی ضرورت ہے جو کہ گھر میں مشکل ہے۔ ویسے آپ جیسے مناسب سمجھیں۔'' انہوں نے سسٹر کو چند میڈیسن لکھ کر دیتے ہوئے جہانگیر شاہ کو سمجھایا۔

''نہیں۔ میں تو اس لئے کہہ رہا تھا کہ اگر اسے ہوش آ گیا ہے تو گھر لے چلیں لیکن اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اسے یہاں رہنا چاہئے تو ٹھیک ہے لیکن اس کے کمرے میں ہمہ وقت ایک نرس موجود ہو گی اور یہ کہ کوئی نوجوان ڈاکٹر اس کے کمرے میں نہیں آئے گا۔'' جہانگیر شاہ نے ہدایات جاری کیں تو ڈاکٹر علوی مسکرا دیئے۔

''یہ ہاسپٹل ہے شاہ صاحب یہاں ہر مریض ہر مریضہ ہمارے لئے بہنوں بیٹیوں کی طرح ہے۔'' جہانگیر شاہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

''آیئے مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔'' ڈاکٹر علوی نے ہاتھ سے باہر کی طرف اشارہ کیا۔ جہانگیر شاہ چل پڑے۔

''بیٹھیے۔'' اپنے آفس میں پہنچ کر انہوں نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''دیکھیئے شاہ صاحب۔'' انہوں نے بیٹھتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔ ''جب ہم ڈاکٹر کے پاس علاج معالجے کی غرض سے جاتے ہیں تو اسے علامات بتانی پڑتی ہیں۔ ایلوپیتھک طریقہ علاج میں صرف موجودہ کیفیت دور کرنے کی دوا دی جاتی ہے۔ وقتی آرام و سکون اور اس کے لئے جو کچھ مریض سے پوچھا جاتا ہے وہ کچھ تفصیلی نہیں ہوتا۔ ہومیو پیتھک طریقہ علاج میں مریض سے تمام جزئیات ڈسکس کی جاتی ہیں تفصیلاً۔ کیفیت کب ہوتی ہے، کس وجہ سے ہوتی ہے، رات کے وقت یا دن کے وقت، کھانا کھانے سے پہلے یا بعد میں، اور ساتھ ہی پسند ناپسند، میٹھا پسند ہے یا نمکین، غصہ زیادہ آتا ہے یا کم، سردی زیادہ لگتی ہے یا گرمی وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ ساری باتیں بیماری کی اصل جڑ پکڑنے کے لئے پوچھی جاتی ہیں اور جب صحیح تشخیص ہو جاتی ہے تو پھر علاج شروع کیا جاتا ہے اور یہ علاج وقتی سکون کے لئے نہیں بلکہ مکمل آرام کے لئے ہوتا

ہے۔اس میں اگرچہ ٹائم لگتا ہے لیکن یہ کہ بیماری جڑ سے ختم ہو جاتی ہے اور پھر دوبارہ بمشکل لگتی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ذہنی علاج بھی پیچیدہ ہے۔ہم لوگ کوئی نجومی تو نہیں ہوتے کہ ہاتھ پکڑیں اور بتا دیں کہ مریض کی یہ حالت کس وجہ سے ہوئی۔ہمیں بھی جب تک مریض کی مکمل کیفیات سے آگاہی نہ ہو تب تک ہم کچھ نہیں کر سکتے۔''

ربیعہ اتنے دنوں سے آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔ٹریٹمنٹ سے اتنا تو ہوا کہ اس نے آنکھیں کھولیں لیکن کسی صدمے کی وجہ سے وہ بول نہیں پا رہی تھی۔

''اور یہ آپ جانتے ہیں کہ وہ کیا صدمہ ہے۔ہمیں آپ کا تعاون درکار ہے شاہ صاحب۔بصورت دیگر ہم اس کے صحت یاب ہونے کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے۔'' ڈاکٹر علوی بات مکمل کر کے جہانگیر شاہ کو دیکھنے لگے جو کہ گہری سوچ میں گم تھے۔ان کی سوچ ارمغان کے اندر آنے سے ٹوٹی۔وہ انہیں سلام کر کے ڈاکٹر علوی سے بات کرنے لگا اور تب جہانگیر شاہ نے پہلی بار اس کا جائزہ لیا۔پچیس چھبیس سالہ یہ نوجوان جس کے چہرے پر سنجیدگی کی گہری چھاپ تھی۔کھلتا گندمی رنگ،نکلتا ہوا قد،پیشانی پر خاندانی نجابت کی مہر۔انہوں نے یک بیک ایک فیصلہ کر لیا۔بڑا انوکھا۔

''ڈاکٹر ارمغان آپ مجھ سے تھوڑی دیر اکیلے میں مل سکتے ہیں؟'' انہوں نے ارمغان کو مخاطب کیا۔

''جی؟'' وہ چونکا۔

''مجھے ربیعہ کے کیس کے سلسلے میں آپ سے بات کرنی ہے۔'' گہری نظروں سے تولتے ہوئے وہ بہت سوچ سمجھ رہے تھے۔

''Why not سر آیئے۔'' وہ متذبذب سا انہیں لے کر اپنے آفس میں آ گیا۔

''تشریف رکھیئے۔'' صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا تو جہانگیر شاہ نے نفی میں سر ہلایا اور کہنے لگا۔

''مجھے بس ہاں یا ناں میں جواب دینا۔کیا تم میری بیٹی سے شادی کرو گے؟''

''جی؟'' بات اتنی غیر متوقع تھی کہ ایک لمحے کو تو وہ دنگ ہی رہ گیا۔

''کیا تم میری بیٹی سے شادی کرو گے؟'' انہوں نے بات دہرائی۔

''کیوں؟'' حواس بحال کرتے ہوئے ارمغان نے پوچھا۔

''صرف ہاں یا نہ۔''

''لیکن سر بغیر وجہ جانے میں اور پھر آپ میرے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے،اتنا بڑا فیصلہ

کیوں؟'' وہ الجھ گیا تھا۔جہانگیر شاہ نے کچھ لمحے اسے دیکھا پھر سر اٹھا کر باہر نکل گئے تھے۔

☆======☆======☆

رو رو کر اس کی آنکھیں لال انگارہ ہو چکی تھیں لیکن یادوں کا سفر کہیں تھمتا نظر نہیں آتا تھا۔یہ ڈائری جس کا ورق ورق نقشم کی محبتوں کا امین تھا۔جس کے حرف حرف میں ناجیہ کی محبت بروئی ہوئی تھی۔جس کی ہر سطر ناجیہ کی ذات سے عبارت تھی۔جس کے ہر جملے میں نقشم کا دل دھڑک رہا تھا۔کیسے اٹھاتی اور طاق پر رکھ آتی۔کہاں سے اس مجسم محبت کو ڈھونڈ لاتی۔اس نے ڈائری کو زور سے سینے سے بھینچا اور رو دی۔

محبت بھی عجب شے ہے
کہ جب بازی پہ آتی ہے
تو سب کچھ جیت لیتی ہے
یا سب کچھ ہار دیتی ہے
محبت مار دیتی ہے
محبت بھی عجب شے ہے
کہ جب آئی پہ آ جائے
تو سب کچھ چھین لیتی ہے
یا سب کچھ وار دیتی ہے
محبت مار دیتی ہے
محبت بھی عجب شے ہے
کہ کاروبارِ ہستی میں
کبھی یہ پھول بنتی ہے
کبھی یہ خار دیتی ہے
محبت مار دیتی ہے

''ناجیہ...... ناجیہ'' نوما نے اس کا کندھا زور سے ہلایا تو وہ چونکی۔

''یہ کیا پاگل پن ہے؟'' اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس نے دکھ سے بوجھل ہوتے دل کو سنبھالا۔

''میں مر رہی ہوں نوما۔مر رہی ہوں۔'' وہ اس کے ہاتھ تھام کر پھر رو دی۔

''مجھے لگتا ہے جیسے کوئی میری جان رفتہ رفتہ کھینچ رہا ہو...... نقشم کے بنا جیا نہیں جا رہا۔

نوما...... میں کیا کروں، کچھ سمجھ نہیں آرہا...... کچھ بھی تو نہیں۔" وہ بے بسی کی انتہاؤں پر تھی۔

"تم حقیقت کو قبول نہیں کر پا رہی ہو۔" نوما نے اس کو تھپکا۔

"کیا تمہارا غم آنٹی اور عذیر سے بہت بڑا ہے؟ آنٹی کی تو عمر بھر کی کمائی لٹ گئی ہے۔ عذیر کا بازو کٹ گیا ہے وہ بھی تو غم کو اٹھائے پھر رہا ہے۔ کیا آنٹی کا بیٹا واپس مل سکتا ہے؟ کیا ان کا دل اس جدائی پر نہیں کٹتا؟ انہوں نے اپنی ساری جوانی اس انتظار میں کاٹ دی کہ وہ سایہ دار درخت ان کو چھاؤں دیں گے اور جب چھاؤں میں بیٹھنے کا وقت آیا تو درخت کٹ گیا۔ کیا ان تپتی دھوپ کے نیچے پھر سے نہیں آن کھڑی ہوئیں؟ تمہیں تو کوئی بھی جیون ساتھی مل سکتا ہے مگر سوچو ناجیہ۔ انہیں بیٹا اور بھائی کہاں سے ملے گا؟ ریلیکس ہو جاؤ۔ حقیقت کو فیس کرو۔ مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جا سکتا۔ ہاں سچ ہے ان کی کمی زندگی میں خلا بن کر رہ جاتی ہے لیکن زندگی یونہی رواں دواں رہتی ہے۔ جب مما کی ڈیتھ ہوئی تو میں بھی یہی سمجھی تھی بس مر جاؤں گی۔ مما کے بغیر میرا زندہ رہنا بے کار ہے لیکن دیکھ لو، رفتہ رفتہ سنبھل گئی ہوں۔

خدا کسی کو اس کی برداشت سے زیادہ غم نہیں دیتا۔ وقتی طور پر ایسا محسوس ضرور ہوتا ہے کہ بس زندگی میں اب کچھ نہیں رہا لیکن وہی صبر بھی دیتا ہے اگر تم رب سے صبر مانگو تو وہ تمہیں صبر کی توفیق عطا کرے گا۔ وہ بڑا بے نیاز ہے تم ایک بار اس سے مدد مانگ کر تو دیکھو۔ تمہارے دل کو قرار مل جائے گا۔"

نوما نے اسے تفصیلاً سمجھایا تھا...... لیکن وہ کچھ سمجھنا نہیں چاہ رہی تھی اس لئے روتی رہی۔ اس کی زندگی میں کیا رہ گیا تھا؟ کچھ بھی تو نہیں کوئی تعلق، کوئی محبت بھرا رشتہ، کوئی امید......؟

تمام عمر دوسروں کے در پر بتا دینے والی۔ انہی دیوار و در کی عادی ہوگئی تھی۔

عزیز احمد نے کئی بار اسے ساتھ چلنے کو کہا تھا لیکن وہ ہر بار اگلی بار کا وعدہ کر دیتی۔ اسے لگتا جیسے وہ یہاں سے نکلے گی تو جو سانسوں کا رشتہ باقی ہے وہ بھی ٹوٹ جائے گا۔ یہاں کم از کم ان کی خوشبو تو ہے۔ اس کے ساتھ بتائے لمحوں کی یادیں تو تھیں۔ وہاں باپ کے گھر میں دو اگر لڑکیوں کے علاوہ اور کیا تھا؟ کیا وہ وہاں جی سکتی تھی اور پھر چچی اماں کو اس کی زیادہ ضرورت تھی۔ وہ انہیں تنہا چھوڑ کر کیسے جا سکتی تھی لیکن عذیر کا کہنا تھا کہ وہ اب اپنے باپ کے گھر جا کر رہے۔

"کیا تم تنگ آگئے ہو مجھ سے؟" اس نے اپنی بجھی بجھی آنکھیں اس پر جمائی تھیں۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ "لیکن یہ گھر...... اس گھر کے دیوار و در سے بدنصیبی چمٹ گئی ہے۔ تم خود کو بچا لو۔"

"میں اس گھر کا حصہ ہوں عذیر۔ میں نے خوشیاں غم سب کچھ یہیں سے پایا ہے۔ یہ گھر میرا نہ سہی، لیکن اس گھر میں عمر گزاری ہے میں نے۔ کیا تم مجھ سے یہاں رہنے کا حق چھین لو گے؟" اس نے بے بسی سے عذیر کو دیکھا۔

"حق کی بات نہیں ہو رہی ناجیہ۔" وہ جھنجھلایا تھا۔ "گھر ہم سب کا ہے لیکن یہاں رہ کر تم نقشم کی چلتی پھرتی موت بنی ہوئی ہو۔ ہمیں یقین کرنے دو کہ نقشم مر چکا ہے۔ وہ اب کبھی ہمارے پاس نہیں آئے گا۔ اس لئے تم چلی جاؤ۔" عذیر اس سمے بلا کا ظالم بن رہا تھا۔

اور وہ بے بسی سے لب کاٹتی نقشم کی ڈائری کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ جہاں صرف وہ ہی وہ تھا۔

"کیا نقشم کبھی اسے یوں جانے کے لئے کہتا۔" سوچ ایک بار پھر اس پر حاوی ہوئی تو آنکھیں بھرنے لگیں۔

"بس اب نہیں رونا۔" نوما جو کافی دیر سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ "رونے سے کچھ نہیں حاصل ہونے کا۔ پہلے بھی سمجھا چکی ہوں۔ سنبھالو اپنے آپ کو...... اور......"

"نوما...... نوما...... ارمغان آیا ہے۔" باہر سے آئی عذیر کی پکار سے اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ وہ اٹھ کر باہر بھاگی۔ کتنے دنوں بعد وہ آیا تھا۔

"کیسے ہیں بھائی؟" اندر داخل ہوتے ہی وہ اس سے لپٹ گئی تھی۔ "میں کتنی اداس ہوگئی تھی۔"

"اسی لئے تو لینے آیا ہوں۔ گھر میں ایک اچھی خبر منتظر ہے۔" ارمغان نے اس کا سر تھپکا تھا اور وہ سوچ میں پڑ گئی تھی کہ اچھی خبر کیا ہو سکتی ہے اور پھر سب سے مل کر وہ پیکنگ کرنے لگی تھی۔

☆======☆======☆

صبح سے شام ہوگئی تھی اور بھاگ بھری ابھی تک نہ لوٹی تھی۔ حفیظہ گھٹنوں پر سر رکھے فرش کو گھورے جا رہی تھی جب کہ وہ مطمئن تھی۔ جیسے اسے بھاگ بھری کے نہ آنے کی قطعاً پرواہ نہ ہو۔

"کہیں کسی کو خبر تو نہیں ہوگئی؟" حفیظہ نے خاموشی توڑی تھی۔

"ہو سکتا ہے۔" اس نے ناخنوں سے سر کھجاتے ہوئے جواب دیا۔

حفیظہ نے سر دیوار سے ٹیک دیا۔ ہاں تب کیا کیا جا سکتا تھا۔

"تم میں......" وہ کچھ کہنے جا رہی تھی تب ہی باہر کا دروازہ زوردار آواز سے کھلا

"باہر آجاؤ حفیظہ رحمٰن ملک...... تمہارے مہمان آئے بیٹھے ہیں۔" شیرینی لئے ہو
لہجے میں جو چنگھاڑ تھی اسے سن کر حفیظہ کانپ کانپ گئی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھایا
جان مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے اس کے سر پر کھڑے تھے، پیچھے اسد ملک بھی تھا۔

"شاباش میری بیٹی آجاؤ۔" انہوں نے پچکارتے ہوئے اسے بازو سے پکڑ کر
کیا...... پھر پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے انہوں نے اسد ملک کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑ
پیچھے مگن بیٹھی اس خاتون کو گھسیٹ ڈالا۔

"تو حفیظہ ملک تم ساری بازیاں ہار چکی ہو۔" سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے
بالکل ہی حوصلہ ڈھا دیا تھا۔ نچلی سیڑھی کے قریب تائی جان جیسے منتظر کھڑی تھیں۔

"میں صدقے، میں واری۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے بے جان ہوتے جسم
اپنی آغوش میں لیا تھا۔

"آہا۔ میری دلہن آ گئی۔ آ گئی۔" صوفے پر بیٹھا سجاول تالیاں بجانے لگا اور وہ ہوش
خرد سے بے نیاز تائی جان کی بانہوں میں جھول گئی۔

لیکن تائی جان نے ہال میں بیٹھے مہمانوں کو ہوا تک نہ لگنے دی۔ اسی دلار سے وہ اسے
لے کر کمرے میں داخل ہوئیں جہاں کچھ لڑکیاں جمع تھیں۔

"اب کیسی طبیعت ہے بی بی کی؟" وہ ساری اس کی طرف بڑھی تھیں۔

"ہاں بہتر ہے لیکن ابھی کمزوری باقی ہے۔ درد اٹھا ہی بہت زور سے تھا۔ خیر اب تو ڈا
نے نکال دیا ہے اپینڈکس۔ اللہ کرے گا تو چند ہی دنوں میں ٹھیک ہو جائے گی۔" تائی جان
انہیں تفصیلاً مطمئن کیا تھا۔ حفیظہ کو بیڈ پر لٹا کر وہ باہر کی جانب بڑھیں، پھر جیسے کچھ یاد آیا۔ پلٹ
کر کہنے لگیں۔

"تیار شیار مت کرنا۔ خوامخواہ تنگ ہو گی۔ بس نکاح ہو جائے رسمیں بعد میں بھی ہو
رہیں گی۔" اور باہر بیٹھے مہمانوں کو تائی جان کچھ اس طرح مطمئن کر رہی تھیں کہ نکاح کی جلدی
تو نہ تھی لیکن سجاول کو باہر جانا تھا۔ اس لئے ہم چاہ رہے تھے کہ وہ حفیظہ کو ساتھ لے جائے۔ ورنہ
یہاں رہ کر تو وہ پاگل ہو جائے گی۔" اور لوگ ان کی اس ہمدردی اور محبت پر عش عش کر رہے
تھے۔

تھوڑی دیر بعد تایا جان نکاح خواں کے ساتھ اندر گئے اور حفیظہ سے سائن کروا لئے
مبارک سلامت کا شور اٹھا۔ پھپھو بیگم نے مٹھائی کا ٹوکرا اکرم داد کے حوالے کرتے ہوئے
ہدایت کی کہ وہ جا کر گاؤں کے لوگوں میں بانٹ آئیں۔ رات کے لئے جو دیگیں پک رہی تھیں

ان میں بھی گاؤں والوں کا حصہ تھا اور گاؤں کے غریب لوگوں نے جھولیاں پھیلا پھیلا کر اپنی
حفیظہ بی بی کو دعائیں دی تھیں۔

وہ رات حویلی میں جشن کی رات تھی۔ تمام رات جام چلتے رہے تھے اور صبح دم ذرا ہوش
کرنے پر سلیمان ملک کو وہ قیدی عورت یاد آئی تھی اور انہوں نے فوراً اسے بلا بھیجا تھا۔ تھوڑی
دیر بعد سر کھجاتی وہ ان کے سامنے موجود تھی۔ نوکر کو واپسی کا اشارہ کر کے انہوں نے بغور اسے
دیکھا تھا۔ الجھے بال، پھٹے کپڑے، دراز میل سے بھرے ناخن اور مدقوق جسم اندر کو دھنسی گول
آنکھیں۔ کون تھی؟ اور اوپر کیوں بندھی تھی اور کب سے؟ سلیمان ملک جاننے کو بے تاب تھے۔

"کون ہو تم؟" انہوں نے پوچھا تھا۔ وہ یوں سر کھجانے میں مگن تھی جیسے سلیمان ملک کسی
اور سے مخاطب ہوئے ہوں۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے؟" اس کی بے نیازی انہیں کھولا گئی۔ اس نے اپنی
مصروفیت ذرا دیر کو ترک کی اور سر اٹھا کر سلیمان ملک کو دیکھنے لگی۔ پھر زور زور سے ہنسنے لگی۔

"کمال ہے، کمال ہے مانی بھیا تم اپنی مہرو کو نہیں پہچانتے۔ کمال ہے۔" ہنستے ہنستے اس
نے کہا تھا اور سلیمان ملک اپنی کرسی سے یوں اچھلے تھے جیسے کسی نے انہیں ڈنک مار لیا ہو۔

☆======☆======☆

"تو یہ ہے ساری صورتِ حال۔ نئی والی بھابی بھی کافی سے زیادہ اچھی ہیں۔ بھیا کا بہت
خیال رکھتی ہیں، ان کے کپڑے پریس کرتی ہیں، شوز پالش کرتی ہیں۔ کھانا ناشتہ ایک دم ٹائم
پر۔ بھیا کی صحت بھی بہتر ہوتی جا رہی ہے۔" ارمغان دھیرے دھیرے بائیک چلاتا ہوا اسے
سارے حالات سے آگاہ کرتا جا رہا تھا۔

"اور عاصمہ بھابی؟" اس نے پوچھا تھا۔

"وہ" ارمغان ہنس پڑا۔ "چوٹ کھائی ناگن کی طرح بل کھاتی پھر رہی ہیں آج کل اپنے
میکے گئی ہوئی ہیں۔ سنا ہے کہ کوئی عدالتی کارروائی کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں بے
چاری۔ کبھی کبھی تو مجھے ان پر بے حد ترس آتا ہے۔" ارمغان کا لہجہ تاسف بھرا تھا۔

"آپ کی بھی سمجھ نہیں آتی۔" نوما نے سر ہلایا۔

"اچھا چلو تمہیں ایک مریض سے ملواؤں۔" اچانک ہی ارمغان نے بائیک کا رخ
کلینک کی طرف موڑا تھا۔

"لیکن مجھے پہلے بھابی سے ملنا ہے۔" نوما نے احتجاج کیا۔

"بھابی اس وقت ڈاکٹر کے پاس گئی ہوں گی۔ اتنی دیر میں تمہیں کلینک کی سیر کرا لاؤں۔

مجھے تھوڑا سا کام بھی ہے۔'' ارمغان نے اس کا کمزور احتجاج رد کیا۔ وہ چپ ہو گئی۔

مختلف راہداریوں سے ہوتا وہ ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ نوما ہمراہ تھی۔

بستر پر پڑا مدہوش وجود۔ اس نے الجھ کر بھائی کو دیکھا۔

''یہ ربیعہ شاہ ہے۔ جہانگیر شاہ کی بیٹی۔'' ارمغان نے یوں تعارف کروایا جیسے ربیعہ اس کی دوست ہو اور جہانگیر شاہ رشتہ دار۔

''کون ربیعہ شاہ؟'' وہ بیزار ہوئی۔

''بھئی میری Patient۔'' وہ اس کی بیزاری سے محظوظ ہوتا ٹون بدل گیا۔

''یہ پچھلے ڈھائی ماہ سے کوما میں ہے۔ نہ جانے اس کی آنکھوں نے ایسا کیا دیکھا ہے کہ اس کی حسیات مفلوج ہو گئی ہیں۔ ڈھائی ماہ کے علاج سے اس نے آنکھیں تو کھولی ہیں لیکن بول اب بھی نہیں سکتی۔ تمہیں یہاں اس لئے لایا ہوں کہ تم اس سے دوستی کرو۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' وہ بات کاٹ کر گویا ہوئی تھی۔

''کیوں ممکن نہیں۔ دیکھو اس کو نارمل حالت میں تبھی لایا جا سکتا ہے جب کوئی اس کو کمپنی دے۔ اس سے باتیں کرے۔ اس کو وہ سب کچھ کہنے پر مجبور کر دے جو اس کی آنکھوں میں خوف بن کر چھایا ہے۔''

''اس سلسلے میں میرا خیال ہے کہ اس کے گھر والے زیادہ معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔''

''مسئلہ تو یہی ہے کہ اس کے گھر میں کوئی بھی نہیں۔ بھائی باہر ہیں اور شاید ماں بھی جب کہ شاہ صاحب کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ صحیح طرح سے اس کی بیماری کی وجہ ہی بتا سکیں۔ کیا تم میری Help نہیں کر سکتیں۔''

''اچھا کوشش کروں گی۔ فی الحال گھر تو چلیں۔'' اس نے بازو پکڑا۔ اسی دم ربیعہ نے آنکھیں کھولیں، ارمغان لپک کر اس کی طرف بڑھا۔

''کیسی ہیں مس ربیعہ آپ؟'' اس نے پوچھا تھا، جواباً اس کی آنکھوں میں ہمیشہ والی خاموشی تھی۔ اس نے اشارے سے نوما کو بلا لیا اور ربیعہ سے بات کرنے کا کہا۔ وہ جھجکتی ہوئی پاس آ کھڑی ہوئی۔

''ہیلو ربیعہ میں نوما ہوں۔'' چہرے پر مسکراہٹ لا کر اس نے کہا تھا لیکن کیفیت میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا، وہ کچھ دیر کھڑی رہی پھر پلٹ آئی۔ ''چلیں؟'' اس نے ارمغان سے کہا تو دونوں باہر نکل آئے۔

''لڑکی خوبصورت کتنی ہے؟'' نوما نے بائیک پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں جب میں نے پہلی بار دیکھا تھا تو میں بھی اتنا مکمل حسن دیکھ کر مبہوت رہ گیا تھا۔'' ارمغان نے کہا تو وہ ہنس پڑی۔

''چکر کیا ہے بھائی؟'' اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا تھا۔

''فی الحال تو کوئی بھی نہیں۔'' وہ اس کی معنی خیزی سمجھ کر مسکرایا۔

''ہاں شاہ صاحب مجھے اپنا داماد بنانے کا ارادہ ظاہر کر چکے ہیں۔''

''کیا واقعی، ہاں اگر ٹھیک ہو جائے تو اچھا ہے۔'' نوما خوش ہوئی تھی۔

''اوہو۔'' وہ ہنس پڑا تھا۔

''چلو بھئی اترو شاید بھابی آ گئی ہوں۔'' گھر کے سامنے بائیک روکتے ہوئے اس نے اسے اترنے کا کہا۔

''کیا مطلب آپ اندر نہیں چلیں گے؟''

''میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔'' وہ بائیک آگے بڑھا کر لے گیا۔ وہ کھلے گیٹ کو عبور کرتی اندر چلی آئی۔ برآمدے میں دھری کرسیوں پر کسی میگزین کا مطالعہ کرتی وہ شاید بھابی ہی تھیں۔ وہ جوش سے آگے بڑھی۔

''بھابی!'' پکار پر اس نے اس سر اٹھایا اور نوما کے بڑھتے قدم وہیں رک گئے۔

''ہما تم!'' اس کے لبوں سے نکلا تھا اور ہما بھی اسے دیکھ کر دم بخود رہ گئی تھی۔

☆======☆======☆

اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے زرتار آنچل کو سر سے جھٹکا۔

وہ دوبار دلہن بنی تھی اور دونوں بار ادھوری۔

پتہ نہیں آسمان کب پھٹے گا؟

قیامت کب آئے گی

اس پر تو بار بار قیامت ٹوٹ چکی تھی۔

بارات کا واپس لوٹ جانا بھی قیامت تھا۔

ہمدردی کی آڑ میں چھپے طنز کے تیر، یہ بھی تو قیامت تھی۔

بابا جان کا یوں اس کو اچانک چھوڑ دینا بھی قیامت سے کم نہ تھا۔

سلجوق شاہ کا اس کو طلاق دینا بھی تو قیامت ہی تھا۔

ادی جان کا سہارا چھوٹ جانا بھی قیامت تھا۔

اور اب

اس پاگل شخص سے شادی کا ڈھونگ!

''یا الٰہی!'' اس نے اٹھ کر آئینے میں اپنا سراپا دیکھا۔

زرد رنگت، بکھرے بال، متوحش آنکھیں، کندھے پر لٹکتا سرخ گوٹے والا دوپٹہ کیا دلہنیں ایسی ہوتی ہیں؟

اور سلجوق شاہ!

تم نے مجھے طلاق کیوں دی؟

کیا قصور تھا میرا؟

''ایک غلط فہمی ہی تو تھی، مل بیٹھ کر دور کی جا سکتی تھی۔ کتنا کچھ بچ جاتا۔ بابا، بی بی، ملک پور میں حفیظہ ملک سب کچھ بچ جاتا۔'' اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ احساس ہوا کہ وہ رو رہی ہے۔ اسے ہنسی آ گئی۔

جو میں ایسا جانتی
پریت کے یہ دکھ ہوئے
نگر نگر ڈھنڈورا پیٹتی
پریت نہ کریو کوئے

باہر سے مغنیہ کی آواز ابھری تھی۔ پچھلے ہفتے شادی کا جو فنکشن شروع ہوا تھا۔ ابھی تلک جاری تھا۔ ہر رات محفل موسیقی منعقد ہو رہی تھی۔ بوریاں بھر بھر پیسے لٹائے جا رہے تھے۔ شراب و شباب کی یہ محفل ابھی اور نہ جانے کتنے دن چلنا تھی۔

اور اسے بھی جانے کب تک دلہن کا سوانگ رچانا تھا!

''چلو ناں صیب!'' بھاگ بھری کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ سجاول کا بازو پکڑے تقریباً گھسیٹتی ہوئی لا رہی تھی۔ جب کہ وہ آنے سے انکاری تھا۔

''لو بی بی صیب کو سالو (سنبھالو) بڑے صیب کہتے ہیں اب یہ تہاڈی جمہ داری ہے۔'' اس نے ایک طرح سے سجاول کو اس کے حوالے کیا۔

''دیکھو حفیظہ۔ یہ سب کہتے ہیں کہ تم میری دلہن ہو۔ تم میری دلہن نہیں ہو ناں۔ تم تو میری آپا ہو۔'' سجاول کے چہرے پر بلا کی بے بسی تھی اور اس سے کہیں زیادہ بے بسی حفیظہ نے محسوس کی۔

''یہ کیسا امتحان ہے رب عظیم؟'' اس کا دل گڑگڑایا۔

''آؤ سجاول۔'' اس نے آنسو اندر اتارے اور اس کا بازو پکڑ کر بیڈ پر لے آئی۔

''بیٹھو۔'' اسے بٹھا کر وہ خود بھی اس کے پاس بیٹھ گئی اور پھر جیسے ذہن میں الفاظ جمع کرنے لگی۔ وہ ایک پاگل شخص کو کیسے سمجھائے؟ کیسے بات کرے؟ اس نے لاکھ کوشش کی لیکن کوئی جملہ ترتیب نہ پا سکا اور اسے پہلی بار احساس ہوا، کاش سجاول پاگل نہ ہوتا۔ بے بسی ایک بار پھر آنسو بن کر آنکھوں میں آئی تھی اور وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ سجاول چند ثانیے اسے دیکھتا رہا، پھر گٹھڑی بن کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ حفیظہ اٹھ کر باہر آ گئی۔ کچھ بھی تھا سجاول کو شوہر کی حیثیت سے قبول کرنا اس کے لئے ناممکن تھا۔

☆======☆======☆

یہ سب کچھ اتنا اچانک ہو رہا تھا کہ وہ بالکل خالی الذہن ہو گئی تھی۔

پہلا شاک تو اسے ہما کو دیکھ کر ہی لگا تھا۔ ہما کی ریپوٹیشن ڈھکی چھپی نہ تھی۔

سارا کالج جانتا تھا کہ ہما کسی اسد نامی لڑکے کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔

خود اس نے کئی بار ہما کو اسد کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے دیکھا تھا۔

سارا کالج اس کے لوز کریکٹر ہونے کا گواہ تھا۔

اور وہی ہما اس کی بھاوج بنی اس کے گھر میں موجود تھی۔

''کیا اس گھر کو کبھی اچھی عورت نہیں ملے گی؟''

وہ سوچ سوچ کر ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔

اور بھیا نے کیا دیکھا اس میں؟ ایک عذاب تو پہلے ہی گھر میں موجود تھا، اوپر سے وہ دوسرا بھی اٹھا لائے تھے اور یہ ارمغان شاید وہ ہما کے ماضی سے لاعلم تھا۔ تبھی تو بھابی بھابی کہتے نہیں تھکتا تھا اور خود ہما بھی تو اس کا کتنا خیال رکھتی تھی۔

''مانی وقت پر کھانا کھایا کرو، مانی چائے کا ٹائم ہو گیا ہے باہر آ جاؤ۔ مانی آج میں تمہارے لئے سپیشل سوپ بنا رہی ہوں باہر مت جانا۔'' اور وہ حیران سی سب دیکھا کرتی۔ خیال تو اس کا بھی اس نے رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن نوما نے بے حد رکھائی کا مظاہرہ کیا تھا۔

''میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں ہما شاہ!'' اور ہما کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا تھا۔ پھر وہ وہاں ٹھہری نہیں تھی۔

عاصمہ بھابی اپنے ڈیڈی کے ہاں چلی گئی تھیں اور تا حال خاموش ہی تھیں، لیکن وہ سب جانتے تھے کہ یہ خاموشی یونہی نہیں۔ درحقیقت اپنے پیچھے کوئی بڑا طوفان لا رہی ہے، اور وہ ایک طرح سے منتظر ہی تھے۔

''نوما!'' وہ اپنے لئے چائے بنانے کچن میں جا رہی تھی، لاؤنج میں بیٹھی ہما نے پکار لیا۔

"تمہارے بھائی کہہ گئے ہیں کہ شام کو ڈریس اَپ ہو جانا، مہمان آ رہے ہیں۔" ہما نے بتایا۔ تو وہ پلٹی۔

"کون سے مہمان؟" اس نے یونہی پوچھا جب کہ تصور میں زادان احسن کا چہرہ درآیا تھا۔

"غالباً تمہارے رشتے کی بات کرنے۔" اس نے ریموٹ سے ٹی وی آف کیا۔ اور ہما کی طرف متوجہ ہوگئی۔ وہ ایک دم پلٹی اور اس کے قریب آ گئی۔ پھر استہزائیہ انداز میں کہنے لگی۔

"ویسے ہما اس سارے میں کتنا چارم ہے، باضابطہ طور پر، لوگوں کی موجودگی میں، چوری چھپے کرنے میں بھلا کیا لطف آتا ہوگا؟ تمہیں تو تجربہ ہے ناں؟" ہما کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کو اُڑا پھر جلد ہی اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"ہاں مجھے تجربہ ہے اور بڑا تلخ اور مائی ڈیئر نوما اس طرح کے تجربے ہوتے ہی تلخ ہیں۔ مجھ ایسی کم فہم لڑکیاں خوابوں کی تتلیوں کے پیچھے اندھا دھند بھاگ اٹھتی ہیں۔ اس میں سمجھا قصور نہیں ہوتا یہ تقدیر ہوتی ہے جو مات دلاتی ہے۔ کسی بھی نئے رستے پر قدم رکھتے ہوئے یہ کب پتہ ہوتا ہے کہ رستہ کدھر جائے گا، اپنی طرف سے تو سب اچھا سوچ کر ہی آغاز کرتا ہے۔ میری بدقسمتی کہ میں نے غلط راستے، غلط آدمی کا انتخاب کیا اور اس غلطی کا خمیازہ میں نے جس طرح بھگتا، میں ہی جانتی ہوں۔" ہما نے جیسے تھک کر ٹیک لگالی، بیتے دنوں کے زخم پھر سے کسک دینے لگے تھے۔

"لوگ معاف نہیں کرتے۔ کبھی بھی چاہے آپ نئے نکور ہو کر آجائیں۔ وہ بڑی عدالت بخش دیتی ہے؟ لیکن کرۂ ارض پر بنی چھوٹی چھوٹی عدالتوں میں معافی کا لفظ نہیں ہوتا۔ وہ ہر جرم کی نوعیت پوچھتے ہیں۔

سوالات کرتے ہیں اور پھر اپنی مرضی کی سزا لاگو کر دیتے ہیں۔

اور آپ کو اس سزا پر اُف کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔"

"ہما ہما!" اسی دم فرحان بھائی اندر داخل ہوئے تھے اور وہ دونوں جیسے چونکی تھیں۔

"آ گئے آپ؟" ہما خود پر قابو پاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ نوما نے بھی کچن کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

"بتا دیا نوما کو؟" انہوں نے ہما سے پوچھا۔

"جی، آپ چینج کر لیں۔ میں چائے لاتی ہوں۔" ہما نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے ان کے ہاتھ سے گھڑی اور والٹ لیا۔

"تمہارا بازار جانے کا بھی پروگرام تھا شاید۔" وہ وہیں صوفے پر نیم دراز ہوگئے۔

"ہاں۔" ہما جھجکی۔

"وہ اصل میں سارے کپڑے تنگ ہو گئے ہیں۔" اس نے نیچی نظروں سے بتایا۔

فرحان اعجاز نے ایک نظر اس کے سراپے پر ڈالی اور جیسے چپ سے ہوگئے۔ پھر دھیمے سے بولے۔

"تیار ہو جاؤ چلتے ہیں۔" نوما چائے لے آئی تھی۔ ہما اوپر جانے کو مڑی تو اس نے پکار لیا۔

"ہما بھابی آپ چائے نہیں پئیں گی؟" ہما نے یوں پکارنے پر حیرت سے اسے دیکھا، پھر اثبات میں سر ہلاتی نیچے اتر آئی۔ چائے پینے کے دوران نوما، ناجیہ کی باتیں سناتی رہی اور باتوں باتوں میں اس کا موڈ بھی بازار جانے کا بن گیا تھا۔

ہما نے اپنے لئے چند سوٹ لئے، نوما کو بھی سوٹ اور میچنگ شوز دلوائے۔ فرحان بھائی نے جلدی مچا رکھی تھی۔ ورنہ وہ تو اور بھی بہت کچھ خریدنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ باقی کی شاپنگ کل آ کر کریں گے، مہمانوں کے آنے کا بھی ٹائم ہو رہا ہے۔" ہما نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔ فرحان باہر جا کر گاڑی ریورس کرنے لگے تھے۔ وہ دونوں شاپرز اٹھائے سیڑھیاں اتر رہی تھیں کہ ہما کو ٹھٹک جانا پڑا۔ بلاشبہ وہ انابی تھیں۔ گاڑی سے آہستہ آہستہ نیچے اترتے ہوئے وہ اپنی چادر کو بھی سنبھال رہی تھیں۔ ہما بے اختیار ان کی طرف بڑھی تھی۔

"انابی!" قریب پہنچ کر اس نے پھنسی پھنسی آواز میں پکارا تھا۔ انابی اب نیچے اتر کر چادر ٹھیک کر رہی تھیں، ڈرائیور ٹوکری سنبھالے کھڑا تھا۔ ٹریفک کے شور میں اس کی آواز انابی تک پہنچی ہی نہ تھی۔ دوبارہ اس نے قدرے بلند آواز سے پکارا۔

"انابی!" اور اب کی بار انہوں نے سرعت سے پیچھے دیکھا تھا اور جیسے گنگ رہ گئی تھیں۔

"یہ تم ہو ہما؟" کافی دیر بعد انہوں نے کہا تھا۔ انہوں نے چادر میں لپٹے اس کے سراپے کو جانچ لیا تھا۔

"شادی کر لی تم نے چلو اچھا کیا، ورنہ اس طرح قدم نکالنے والی لڑکیاں کم ہی منزل پر پہنچ پاتی ہیں خیر سکھی رہو چلو نور الٰہی۔" انہوں نے بات مکمل کرتے ہی ڈرائیور کو اشارہ کیا تو وہ ان کے آگے جا کھڑی ہوئی۔

"گھر میں کیسے ہیں سب انابی!" جھکی نظروں سے اس نے پوچھا تھا۔

''کون سے گھر والے بی بی؟'' انا بی ترش ہوئیں۔ ''تباہ و برباد ہو گیا سب سلجوق میاں حفیظ بی بی کو طلاق دے کر امریکہ جا بیٹھے، بیگم صاحبہ بھی علاج کرانے پردیس سدھاریں، شاہ صاحب زمینوں پر چلے گئے، مہینوں بعد آنا ہوتا ہے۔ خرچہ پانی دے جاتے ہیں۔ اتنی بڑی حویلی سنسان پڑی ہے، نوکر ہی نوکر ہیں۔''

انہوں نے آہ بھری تھی۔ ہما کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

''اور صوفیہ بجو نہیں آئیں، ان کے بچے اور ربیعہ؟'' کیسی تڑپ در آئی تھی اس کے لہجے میں۔

''صوفیہ کو سسرال کے بکھیڑوں سے فرصت نہیں، پہلے سالوں بعد آیا کرتی تھیں اب وہ بھی ختم ہو گیا اور ربیعہ پاگل ہو کر اسپتال پڑی ہے، خدا جانے کس کی نظر کھا گئی اس گھر کو۔''

انا بی کے انکشاف نے اسے بالکل مٹی کر دیا۔

''کیا ہو گیا ربیعہ کو وہ کیوں پاگل ہو گئی۔ ایسا کیا ہو گیا؟'' وہ بے چینی سے پوچھنے لگی۔

''چلو نور الٰہی دیر ہو رہی ہے۔'' وہ اس کی مزید بات سنے بنا ڈرائیور کے ہاتھ سے ٹوکری لیتے آگے بڑھ گئیں۔

ہما ہراساں سی انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ پھر نوما نے آ کر اسے چونکایا تمام راستہ وہ چپ چاپ رہی تھی۔

زادان احسن کی فیملی نہ صرف منگنی کی رسم کر گئی بلکہ جلد شادی کی تاریخ رکھنے پر بھی مصر تھی۔ نوما سب کچھ اچانک ہو جانے پر بوکھلائی پھر رہی تھی لیکن یہ بھی تھا کہ اندر ہی اندر کوئی کلی بھی چٹکی تھی۔ تو گویا رحمہ نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا۔ ارمغان کا تو پکا ووٹ زادان ہی کے لئے تھا، رات اس نے ہما سے اپنے گزشتہ رویئے کی معافی بھی مانگ لی تھی۔ سوچ کر کہ غلطی تو کسی سے بھی ہو سکتی تھی اور سزا و جزا کا فیصلہ کرنے والی وہ کون تھی۔ وہ ناجیہ کو یہی خبر سنانے کے لئے بے تاب ہو رہی تھی۔

☆======☆======☆

''راضیہ احمد! آخر آپ چاہتی کیا ہیں؟'' سلجوق شاہ نے عاجز ہو کر پوچھا تھا۔

''آپ جانتے ہیں شاہ!'' ماؤتھ پیس سے اس کی دھیمی آواز ابھری تھی۔

''میں کچھ نہیں جانتا اور پلیز مجھے فون مت کیا کریں۔'' سلجوق شاہ کا لہجہ سخت ہو گیا۔

''ایک منٹ شاہ، میری بات سن لیں، کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤں؟'' وہ زخمی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

''اوہ یو شٹ اپ!'' ان کا پارہ ایک دم سے ہائی ہو گیا۔

''کوئی نہیں مرتا کسی کے بغیر یہ سب ڈھکوسلے ہیں اور یہ محبت، اس سے بڑا تو جھوٹ ہی کوئی نہیں ہے، سمجھیں تم، اپنے ڈیڈی سے بولو شادی کر دیں تمہاری، چند روز میں تمہیں اس کے بغیر جینا بھی محال لگے گا اور میں تمہیں یاد بھی نہیں آؤں گا اس لئے اپنے باپ کے پیسے برباد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' دل کا غبار نکال کر انہوں نے فون رکھ دیا تھا۔

راضیہ کتنی دیر ریسیور کو تھامے سن سی کھڑی رہی۔ اس نے کبھی زندگی میں اپنے آپ کو اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا۔ مرد کبھی اس کی کمزوری نہیں رہا تھا وہ امریکہ جیسے آزاد ماحول میں پروان چڑھی تھی۔ اس کے دوستوں میں زیادہ تعداد لڑکوں کی تھی۔ وہ کھلم کھلا ان سے میل جول رکھتی تھی۔ ڈیڈی ممی نے کبھی اعتراض نہ کیا تھا لیکن کچھ عرصہ قبل ڈیڈی روک ٹوک کرنے لگے تھے۔ وہ بھی اس کی حد سے بڑھتی ہوئی آزادی کو دیکھ کر یا پھر انہیں شاید حالات کی سنگینی کا علم ہو گیا تھا۔ کیونکہ جس طرح اس کے بوائے فرینڈز نے اس کو بلیک میل کرنا شروع کر دیا تھا وہ بات زیادہ دن چھپی نہ رہ سکتی تھی۔

اس نے سلجوق شاہ سے اپنا مسئلہ ڈسکس کیا اور اس نے بھی اسے کھری کھری سنا کر کسی قسم کی مدد سے مطلق انکار کیا تھا اور ڈیڈی شاید اس کی گفتگو سن چکے تھے، تبھی تو اگلے چند ماہ ہی میں وہ کاروبار سمیٹ کر پاکستان آ گئے تھے۔ ممی پاکستان آنے پر ہرگز تیار نہ تھیں، وہ دونوں کب تیار تھیں، لیکن ڈیڈی نے انتخاب کا کوئی راستہ نہ چھوڑا تھا۔ ممی نے طلاق کا مطالبہ کر دیا اور یوں ڈیڈی ان کی خواہش پوری کرتے ہوئے انہیں لے کر پاکستان آئے تھے۔

یہاں کی عجیب صورتِ حال تھی۔ وہ کبھی اپنے ان رشتہ داروں سے نہیں ملی تھیں لیکن ڈیڈی سے ذکر ضرور سنا تھا۔ پھر ناجیہ تھی جو کہ ڈیڈی کے کہنے کے مطابق ان کی بیٹی تھی۔ بڑی عجیب سی لڑکی تھی وہ۔ یہیں آ کر اسے پتہ چلا کہ ان کا ایک کزن نقشم جو کہ نیوی میں تھا مر گیا ہے۔ ڈیڈی اور تائی کو جس طرح اس نے روتے دیکھا تھا حیران ہوئی تھی۔

وہ منجمد مزاج لوگوں کے ملک سے آئی تھی۔ جہاں پر وقتی دکھ کا اظہار تو ہوتا تھا لیکن دکھ کی تختی بنا کر گلے میں لٹکائے کوئی نہیں پھرتا تھا۔

اور ناجیہ تھی، چوبیس گھنٹے میں سے بائیس گھنٹے رو کر گزار دینے والی۔

کیا اتنی محبت تھی اس کو؟ تب اسے اندازہ نہیں تھا کہ محبت یونہی اسیر کر لیتی ہے۔ اسے تو یہ تک خبر نہیں تھی کہ اس کے دل میں جو ہمہ وقت بے کلی ہے وہ کس وجہ سے ہے؟ پہلے پہل تو وہ نیا ماحول، نئے لوگ کہہ کر خود کو مطمئن کرتی رہی۔

لیکن یہ کچھ اور تھا کوئی اور طرح کی بے سکونی، کوئی اور ہی قسم کا درد۔ بے چینی جھنجھلاہٹ میں بدلی تو اس نے عزیز احمد سے بات کی۔

''مجھے واپس امریکہ بھجوا دیں ڈیڈی، میں یہاں ایڈجسٹ نہیں ہو پا رہی۔'' ٹانگ ہلاتے ہوئے اس نے اپنا مدعا بیان کیا۔

''کیوں؟'' عزیز احمد نے ابرو چڑھائے۔

''میں بہت اَپ سیٹ ہوں ڈیڈی۔'' وہ جھنجھلائی۔

''کیوں کیا پیٹر جوزف سے جان چھوٹ جانے کی وجہ سے؟'' وہ ترشی سے گویا ہوئے۔

''میں راضیہ...... میں کبھی اس سرزمین پر واپس نہ آتا لیکن تم دونوں نے مجھے یہ اسٹیپ لینے پر مجبور کر دیا۔ تمہیں اندازہ نہیں یہاں سانس لینا میرے لئے کتنا تکلیف دہ امر ہے۔'' اس نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

''کیوں ڈیڈی، آپ کا تو اپنا ملک ہے آپ یہیں پیدا ہوئے، پلے بڑھے، شادی ہوئی، بیٹی ہے آپ کی یہاں پھر بھی۔'' وہ استہزائیہ ہوئی کیونکہ اس کے خیال میں پاکستان آنے کی بڑی وجہ ناجیہ تھی۔

''ہاں اسی وجہ سے میں بیٹی بھی کھو چکا ہوں۔ تم نے دیکھا نہیں، وہ یہاں آ کر رہنے کو تیار نہیں، وہ اس گھر میں رہنا چاہتی ہے جو اس کی وقتی پناہ گاہ ہے۔''

''اس وقتی پناہ گاہ میں ڈیڈی اس نے عمر گزاری ہے۔ اسے محبت ہو گی اس گھر سے۔ ایک تو مشرقی لوگوں کا سب سے بڑا المیہ یہی محبت ہے۔ ایک چیز سے ایک بندے سے محبت کرتے ہیں تو پھر ساری عمر اسی میں گزار دیتے ہیں اسٹوپڈ......'' اس نے نخوت سے کہا۔

''یہ المیہ نہیں ایمانداری ہے۔'' وہ کرب کے کٹھن دور سے گزر رہے تھے۔ پھر قابو پا کر بولے۔ ''اگر سلجوق تم سے شادی پر آمادہ ہو جاتا تو شاید میں پاکستان آنے کا ارادہ ملتوی کر دیتا لیکن اس نے بہت منہ توڑ قسم کا انکار کیا تھا۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی اور راستہ نہ تھا۔ ناجیہ سے روابط بڑھاؤ اسے یہاں اپنے گھر آنے پر مجبور کرو۔ وہ اچھی سلجھی ہوئی لڑکی ہے گھر کو گھر بنانے کا ہنر جانتی ہے۔ اس سے تمہیں بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا اور ڈیزی کو بھی۔ اسے بہن بھی سمجھو، صرف میری بیٹی نہیں، اور ذہن سے امریکہ کی آزادی نکال کر یہاں ایڈجسٹ ہونے کی کوشش کرو، کیونکہ تمہیں اب یہیں رہنا ہے۔'' وہ بات کر کے چلے گئے جب کہ اس کے ذہن کی سوئی صرف سلجوق شاہ کے انکار پر اٹک گئی تھی۔

تو کیا ڈیڈی نے ان سے میرے بارے میں بات کی تھی اور انہوں نے انکار کر دیا۔

صرف اس لئے کہ میں مغربی ماحول کی پروردہ ہوں اور لیکن نہیں، اس نے تو نہیں اور بھی بہت کچھ بتا دیا تھا جو کہ مشرقی مرد کے لئے بہت بڑی بات تھی۔ سلجوق شاہ ایسے کیسے قبول کر لیتے؟ غیر محسوس طریقے سے اسے اپنے آپ سے گھن سی آئی۔ وہ اب تک کیسی زندگی گزارتی آئی تھی؟ مسلمان ہوتے ہوئے بھی اس نے شرم و حیا کا زیور اتار کر رکھ دیا تھا۔

لیکن اس سارے قصے میں وہ تنہا قصوروار نہ تھی۔ وہ اپنی ماں کے نقشِ قدم پر چلی تھی۔ ڈیڈی نے مسلم ہوتے ہوئے بھی ان پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی، تو پھر اگر وہ اس ماحول کا حصہ بن گئی تھی تو اس کا کیا دوش؟ اس نے فوراً خود کو بری الذمہ ٹھہرا دیا۔

پھر اگلے دن وہ مسلسل سلجوق شاہ کے بارے میں سوچتی رہی اور تبھی اس نے محسوس کیا کہ اس کے دل میں پڑی بے کلی کو عنوان مل گیا ہے، وہ سلجوق شاہ کی محبت میں گرفتار تھی، امریکہ سے آنے کے بعد اگرچہ اس نے سلجوق شاہ کو نہیں سوچا تھا لیکن ڈیڈی کی باتوں نے اس محبت پر سے پرت اتار ڈالے تھے۔

اور پھر اس نے سلجوق شاہ کا نمبر ملانے میں دیر نہیں کی تھی۔ یہاں پھر وہ بھول گئی تھی کہ اس کی اس بے باکی پر وہ مزید آتش پا ہو جائیں گے اور ایسا ہی ہوا تھا۔ انہوں نے اسے خوب کھری کھری سنائی تھیں۔ اس نے چپ چاپ سنا اور فون بند کر دیا۔ سلجوق شاہ کی بے اعتنائی اس کے لئے چیلنج بن گئی تھی اور اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ کچھ بھی ہو وہ اس پتھر کو موم کر کے چھوڑے گی اور اب وہ اس پر عمل پیرا تھی۔ ہفتے میں ایک دو بار امریکہ فون کر کے وہ سلجوق شاہ کو اپنے ہونے کا احساس دلانے لگی تھی اور سلجوق شاہ کے لئے یہ سب دردِ سر بنتا جا رہا تھا۔

☆======☆======☆

''مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ رحمٰن ملک نے تمہیں زندہ کیوں چھوڑ دیا۔'' سلیمان ملک نے سامنے کھڑی مہرو پر نظر ڈالی۔ وہ ہنس پڑی۔

''محبت آڑے آ گئی ہو گی لالہ کچھ بھی تھا، وہ مجھ سے محبت تو بہت کرتا تھا۔ اصل میں سارے فساد کی جڑ یہی محبت ہی تو ہے محبت میں انسان پتہ نہیں کیا کیا کر جاتا ہے۔ کیا کیا بھول جاتا ہے۔ رشتے ناطے۔''

سلیمان ملک نے پہلو بدلا۔ شاید وہ ان پر طنز کر رہی تھی۔

''کمال ہے تم اسی حویلی کے ایک حصے میں تھیں اور مجھے پتہ تک نہیں چلا......'' انہیں اپنی لاعلمی پر طیش آ رہا تھا۔

''پتہ تو لالہ رحمٰن کو بھی نہیں تھا۔'' اس نے سر کھجاتے ہوئے کہا تو وہ چونکے۔

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہی کہ لالہ......" وہ دھپ مار کر نیچے بیٹھی اور گانے لگی۔

تم بن کون سنے ماہ راج
راکھو بانہہ گہے کی لاج
تم بن کون سنے......
تم بن......

گاتے گاتے اس کی آواز دھیمی پڑ گئی۔ سلیمان ملک قہر آلود نظروں سے اسے دیکھتے رہے پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تم میں کچھ ہے مہرو...... کچھ ہے، کہ میں بھی اب چاہنے کے باوجود تمہیں مار نہیں سکوں گا۔" وہ پاؤں پٹختے باہر نکل گئے۔

بھاگ بھری کو بلا کر ہدایت کی کہ اسے نیچے ہی کسی کمرے میں بند رکھے۔ باہر نہ نکلنے دے کہ وہ ایک بار پھر بائیس برس پہلے کی کہانی زندہ نہیں ہونے دینا چاہتے تھے اور خود جیپ نکال کر فارم ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ مہرو زندہ کیسے بچی اور یہ سب انہیں ان کا پرانا نمک خوار اللہ دتہ ہی بتا سکتا تھا۔

اللہ دتہ دھوپ میں چارپائی ڈالے لیٹا تھا۔ وہ اب بے حد ضعیف ہو چکا تھا اور رحمٰن ملک نے اس کی برسوں کی خدمت کے اعتراف میں فارغ کرنے کی بجائے فارم ہاؤس پر بھجوا دیا تھا۔ روٹی کپڑا ویسے بیٹھے بٹھائے ملنے لگا تھا اور وہ ہمہ وقت رحمٰن ملک کے لئے دعا گو رہتا تھا۔ اور جب اسے رحمٰن ملک کے انتقال کی اطلاع ملی تھی تو ایسا لگا تھا کہ وہ بے سہارا ہو گیا ہو۔ سلیمان ملک کے درشت مزاج سے کون واقف نہیں تھا۔ وہ ہمہ وقت اسی خوف میں مبتلا رہنے لگا تھا کہ کب وہ آئے اور اسے وہاں سے نکال دے اور اب بھی انہیں وہاں آتے دیکھ کر وہ اسی قسم کے خوف میں مبتلا ہوا تھا۔ بوڑھی ہڈیوں کو بمشکل گھسیٹ کر وہ اٹھا تھا۔

"سلام ملک صاحب۔" کانپتے ہاتھ سے انہیں سلام کرتے ہوئے وہ ایک طرف کو مؤدب کھڑا ہو گیا تھا۔ سلیمان ملک چارپائی پر ٹک گئے اور اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اللہ دتہ! تمہیں مہرو تو یاد ہو گی ناں۔" اللہ دتہ نے چونک کر مالک کو دیکھا۔ یہ آج اتنے برسوں بعد مہر بی بی کی یاد کہاں سے آ گئی۔

"جی ملک صیب، اللہ انہیں جنت میں جگہ دے۔" اس نے جھکی نظروں سے کہا۔

"نافرمان اولاد کو نہ دنیا میں جنت ملتی ہے اور نہ آخرت میں۔" وہ زہر خند ہوئے۔

"تم مجھے یہ بتاؤ۔ مہرو کو گولی کس نے ماری تھی اور اس کی لاش کو کہاں دفن کیا تھا؟" انہوں نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ اللہ دتہ کے چہرے کا رنگ ایک دم بدلا، پھر قدرے ہکلا کر بولا۔

"صیب چھوٹے ملک صاحب نے ادھر وہاں اس درخت کے نیچے، میں نے انہیں جاتے دیکھا تھا۔ پھر سارا کچھ انہوں نے ہی کیا مجھے کچھ خبر نہیں۔"

"ہونہہ۔" انہوں نے اسے بغور دیکھا۔ "مجھے یقین ہے اللہ دتہ تم اس عمر میں جھوٹ بول کر اپنی دنیا اور آخرت برباد نہیں کرو گے۔" ان کے سرد لہجے میں چھپی دھمکی وہ جان گیا تھا۔

"میں کچھ نہیں جانتا صیب۔" اس نے کمزور سے لہجے میں اپنا دفاع کیا۔

"سوچ لو اچھی طرح۔" انہوں نے بندوق کو زمین پر ٹکاتے ہوئے کہا۔ وہ کانپتا ہوا ان کے قدموں میں گر پڑا۔ "چھوٹے ملک صیب مہر کو ساتھ لے گئے تھے۔ کدھر مجھے نہیں پتہ صیب، خدا قسم مجھے نہیں پتہ۔" وہ گڑگڑانے لگا۔ سلیمان ملک نے اسے ٹھوکر سے پرے کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہم نے ہمیشہ تمہارا خیال رکھا ہے اللہ دتہ اور اب بھی رکھیں گے، بشرطیکہ تم ساری تفصیلات آ کر ہمیں بتا دو۔ کل صبح ڈرائیور تمہیں لینے آئے گا۔"

رعونت سے کہتے وہ گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ اللہ دتہ کانپتا ہوا انہیں جاتا دیکھتا رہا۔

☆======☆======☆

"ناجیہ تیاری کر لو۔ میں تمہیں لے جانے آیا ہوں!" عزیز احمد بالآخر حتمی فیصلہ کر کے اسے لینے آن پہنچے تھے۔ چائے بناتی ناجیہ نے پل کی پل رک کر انہیں دیکھا پھر سر جھکا لیا۔ عزیز احمد نے اسے رضامندی جانا۔ چائے ختم کر کے وہ بھاوج سے ملنے ان کے کمرے میں گئے۔ وہاں ناجیہ بھی موجود تھی۔

"چلیں پھر؟" سلام دعا کے بعد انہوں نے استفہامیہ ناجیہ کو دیکھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں نے فیصلہ کیا ہے بابا، میں یہیں چچی جان کے پاس رہوں گی۔ انہیں میری ضرورت ہے، بالکل ویسے ہی جب آپ چند ماہ کی روتی بلکتی بچی کو ان کی گود میں ڈال گئے تھے اور اس بچی کی مامتا کی تشنگی انہوں نے مٹائی تھی، اب ان کو بیٹی کی ضرورت ہے اور مجھے ان کے پاس ہی رہنا ہے۔ اتنے برس آپ نے میرے بغیر ہی گزارے ہیں ناں۔ آپ کے پاس تو دو

بیٹیاں ہیں بھی۔ چچی جان بالکل اکیلی ہیں۔ مجھے اپنے اوپر کئے گئے احسانوں کا بار کچھ تو کم کرنے دیجئے۔''

اس کے لہجے میں قطعیت کے ساتھ ساتھ نمی بھی تھی اور پتہ نہیں کیوں ہر بار کی طرح اس بار بھی وہ خاموشی سے پلٹ گئے۔ اپنے حق کا استعمال نہیں کیا۔ انہیں محسوس ہوتا تھا کہ ناجیہ اور ان کے بیچ حائل دوری نے انہیں ان کے حق سے محروم کر دیا ہے۔ اب اگر وہ اپنا حق استعمال کرتے ہوئے اسے چلنے کا حکم دے بھی دیں تو ہو سکتا ہے وہ انکار کر دے اور اس انکار نے ان کے حوصلے ختم کر دیئے تھے۔

''اور اگر میں یہ کہوں کہ مجھے، میرے گھر کو تمہاری ضرورت ہے تو؟'' وہ اب بھی بالکل مایوس نہیں ہوئے تھے۔ ناجیہ نے چند ثانیے انہیں دیکھا پھر آنکھیں بند کئے لیٹی ہوئی چچی جان کو، وہ شاید اس معاملے میں پڑنا نہیں چاہ رہی تھیں۔

''تو میں وہاں ایڈجسٹ نہیں ہو سکوں گی!'' اس نے ان کا کہا جملہ لوٹا دیا۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھتے رہے پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میں جانتا ہوں!'' انہوں نے قدرے توقف سے کہنا شروع کیا۔ ''تمہارے دل میں میرے لئے وہ جگہ، وہ محبت نہیں ہے جو ایک باپ کے لئے ہوتی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ سارا قصور میرا ہے لیکن مائی ڈیئر چائلڈ مجھے تم سے اتنی محبت ہے جتنی کہ ایک باپ انتہاء پر جا کر کر سکتا ہے۔ میرے پاس دو بیٹیاں ہیں، لیکن تم میں اور ان میں یہ فرق ہے کہ تم میری محبت کی نشانی ہو آگے تم خود سمجھ دار ہو۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتے باہر نکل گئے۔ ناجیہ کو ان کے آخر میں کہے گئے جملوں نے چونکا دیا تھا اور پہلی بار اسے ماں کے بارے میں جاننے کا اشتیاق ہوا۔

اسے ماں کی ممتا کی کمی محسوس تو ہوئی، ہر قدم، ہر موڑ پر، لیکن وہ ذہن جھٹک کر خود کو مصروف کر لیا کرتی۔ اسے بتایا گیا تھا کہ ماں اس کے پیدا ہوتے ہی مر گئی تھی اور اس نے صبر کر لیا تھا اور چچی جان کی محبت کو ہی غنیمت جان لیا تھا۔ چچی جان نے کوئی کم تو محبت نہیں کی تھی اس سے، بالکل ایسے جس طرح کوئی ماں اپنی اولاد سے کر سکتی ہے۔

''تم نے پھر جانے سے انکار کر دیا؟'' عذیر غصے میں دندناتا اندر داخل ہوا تھا۔

وہ چونکی اور فی الوقت تو سمجھ ہی نہ سکی کہ عذیر کیوں خفا ہو رہا ہے، اس نے عذیر کی سمت دیکھا۔

''آخر تم کیوں، کیوں ہماری جان نہیں چھوڑ رہی ہو؟'' اس کا لہجہ پتھروں کی سی سختی لئے ہوئے تھا۔ ناجیہ ایک دم سناٹے میں رہ گئی۔

''عذیر!'' کافی دیر بعد وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

اس نے کن انکھیوں سے چچی جان کی طرف دیکھا۔ شاید عذیر کی تیز آواز پر انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں۔ اس کے حلق میں پھندے سے پڑنے لگے۔ وہ تیزی سے اٹھی اور سر جھکائے باہر نکل آئی۔

عذیر پیچھے ہی آیا۔ جیسے آج تو وہ اسے سچ مچ بھیج کر ہی دم لے گا۔ وہ برآمدے میں دھری کرسی پر بیٹھ گئی۔

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟'' وہ سر پر کھڑا پوچھ رہا تھا۔ اس نے خود پر قابو پایا اور لہجہ کو حتی الامکان مضبوط بنا کر بولی۔

''فضول باتوں کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔''

''تم ناجیہ تم حالات کی نزاکت سمجھ نہیں پا رہی ہو۔'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

ناجیہ نے بغور اس کی طرف دیکھا۔ وہ کتنا عجیب، کتنا چڑچڑا سا ہو گیا تھا۔ ورنہ یہی عذیر کیسے ہر دم ہنستا ہنساتا رہتا تھا۔

''تم ایسے تو نہ تھے عذیر!'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔

''ہاں۔'' اس نے دیوار سے سر ٹیک دیا۔ برسوں کی تھکن اس کے لہجے میں اتر آئی تھی۔

''پتہ نہیں ناجیہ میں ایسا کیوں ہو گیا ہوں۔ میں شاید نقشم کی جدائی برداشت نہیں کر پا رہوں۔ میرا دل چاہتا ہے، کہیں سے آ جائے وہ اچانک اور میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ دے۔ پھر میں ہاتھ ہٹا کر مڑ کر دیکھوں تو وہ سامنے کھڑا ہنس رہا ہو اور یہ کہہ رہا ہو کہ دیکھا یار میرا انداق کیسا تھا، ہاں ناجیہ یہ مذاق ہے۔ بہت بھیانک مذاق۔'' اس کا لہجہ ٹوٹ رہا تھا ناجیہ اس کے پاس آن کھڑی ہوئی اور دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''یہ دکھ جو ہمیں ملا ہے ناں عذیر۔ بہت بڑا ہے شاید ساری عمر اس دکھ میں روئیں تو تلافی نہ ہو۔ نقصان پورا نہ ہو، ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن پتہ نہیں کیوں ایسا ہو گیا۔'' وہ اسے تسلی دیتے دیتے خود بھی حوصلہ کھو گئی اور عذیر کے شانے سے سر ٹکائے رونے لگی۔ بلا ارادہ عذیر کا ہاتھ اس کے سر پر جا کر ٹھہرا تھا اور اس کے رونے میں مزید شدت آ گئی تھی۔

☆======☆======☆

تم بن کون سنے ماہ راج
راکھ بانہہ گہے کی لاج
بر جوبن جب سے من لیے

ہم بھولن سب کام کاج

تم بن کون سنے

مندر میں بجتی گھنٹیوں کی سی آواز تھی۔ عزیز احمد گھبرا کر جاگ گئے تھے۔ ماتھے پہ ہاتھ پھیرا، پسینے سے تربتر ہو رہے تھے۔ کمرے کے اندھیرے سے شدید گھٹن کا احساس ہوا۔ ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ آن کیا۔ لائٹ نہیں تھی۔ انہوں نے اندازاً ٹٹول کر سلیپر پہنے اور گاؤن کی ڈوریاں کستے کمرے سے باہر نکل آئے۔ ٹیرس پر چاندنی بکھری ہوئی تھی ہوا میں خنکی تھی۔ بڑا خواب ناک سا ماحول ہو رہا تھا۔ انہوں نے نیچے جھانکا۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھا ہُو کا عالم تھا۔ جانے کس چیز نے انہیں سوتے سے بیدار کر دیا تھا۔ شاید کمرے کی گھٹن نے۔ انہوں نے ایک بار پھر ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔ آنکھیں بند کر کے ٹھنڈی ہوا کو اندر اتارنے لگے۔ نیند تو غائب ہو ہی چکی تھی۔ وہ وہیں کھڑے ماحول سے لطف اندوز ہونے لگے۔ آج کل جہاں وہ ناجیہ کے نہ آنے پر افسردگی کا شکار ہو رہے تھے۔ وہیں راضیہ کا رویہ بھی ان کے لئے پریشان کن ہوتا چلا جا رہا تھا۔ وہ مسلسل ان پر امریکہ جانے کے لئے دباؤ ڈال رہی تھی جب کہ وہ اسے دوبارہ بھیجنے کا رسک نہیں لے سکتے تھے، بڑی مشکل سے وہ انہیں اس ماحول کے چنگل سے نکال لانے میں کامیاب ہوئے تھے اور اس کے لئے انہیں نینی کو چھوڑنا پڑا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ شاید نینی راضیہ پر دباؤ ڈال رہی تھی۔ وہ اصل بات سے لاعلم تھے۔ اگر ناجیہ اس گھر میں آ جائے تو شاید راضیہ اور صوفیہ کی سوچ میں مثبت تبدیلی آ جائے اور وہ ناجیہ جیسی ہو جائیں لیکن ناجیہ...... سوچ کا دھارا ناجیہ کی طرف مڑ گیا۔

وہ ضدی سی، خودسری لڑکی انہیں بے حد عزیز تھی لیکن یہ کہ وہ کبھی اس کو محبت دے نہیں سکے تھے۔ حالات سے فرار نے انہیں ایسا کرنے کا موقع ہی نہ دیا تھا کہ وہ اس بچی کو اپنی محبت کا یقین دلا سکیں۔ محبت کسی بھی رشتے کی ہو، اپنے ہونے کا یقین چاہتی رہتی ہے۔

برسوں پہلے جب انہوں نے چند ماہ کی ناجیہ کو بھاوج کے حوالے کیا تھا تو ان کے دل میں یہ اطمینان تھا کہ انہوں نے بچی کو محفوظ ہاتھوں میں دے دیا ہے۔ وہ جس خطرے سے ڈر کر بھاگے تھے اس کا سایہ کم از کم اس بچی پر نہیں پڑے گا اور ایسا ہوا بھی۔ بچی محفوظ ہاتھوں میں پلی بڑھی، بہترین تربیت بھی پائی، لیکن اس کے اندر سے وہ اعتماد ختم ہو گیا جو ماں باپ کی موجودگی دیتی ہے۔ بلاشبہ اس کے چچا، چچی اور پھر عذیر، نقشم نے اسے بھرپور احساسِ تحفظ اور محبت دی تھی، لیکن اس کے اندر ماں کی ممتا اور باپ کی محبت کا خانہ خالی ہی رہا اور یہ خالی پن اس کی آنکھوں سے انہیں ہمیشہ جھانکتا محسوس ہوتا رہا۔

برسوں بعد جب وہ وطن آتے تو دبے دبے لہجے میں اس کا اصرار ہوتا کہ وہ اسے اپنے ساتھ لے جائیں اور وہ سہولت سے انکار کر کے اس کی آنکھوں میں جلتے امید کے دیئے بجھا ڈالتے۔ وہ چاہتے تو اسے ساتھ لے جا سکتے تھے لیکن مجبوری کا خوف انہیں اس اقدام سے باز رکھتا اور وہ اگلی بار کا وعدہ کر کے لوٹ جاتے۔ پھر رفتہ رفتہ ان کی وطن آمد میں کمی آتی گئی۔ پہلے جو سال میں ایک بار چکر لگتا تھا، اب ہوتے ہوتے کئی سالوں پر بات آ گئی۔ ناجیہ کے نام کا ڈرافٹ البتہ وہ باقاعدگی سے بھجواتے۔ ڈرافٹ میں صرف فگرز ہوتے، محبت کہیں نہ ہوتی۔ ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا سکون ہوتا اور پورا مہینہ خود کو مطمئن رکھتے کہ وہ ناجیہ کا خیال رکھ رہے ہیں اپنے فرض سے بخوبی سبکدوش ہو رہے ہیں۔ وہ سمجھ ہی نہیں پائے کہ وہ اپنے اور ناجیہ کے درمیان دیوار کھڑی کر رہے ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اونچی ہوتی جا رہی ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ اس دیوار کے پار جھانکنا ان کے لئے کٹھن ترین ہو جائے گا اور وہ کسی صورت بھی اس دیوار کو گرا نہیں سکیں گے۔ انہیں اپنی ساری کوششیں بے کار جاتی نظر آتی تھیں۔ کاش کوئی ایسا اسم ہوتا جو ناجیہ کو ان کے لئے ہموار کر دیتا۔

اسٹریٹ لائٹس روشن ہوئیں تو ان کا اردگرد روشنی سے نہا گیا۔ ایک دم ہی انہیں ٹھنڈک کا احساس ہوا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے دروازہ لاک کر کے اندر آ گئے۔

نیند اب بھی آنکھوں سے دور ہی تھی۔ وہ بیڈ پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگے اور تبھی انہیں یاد آیا کہ ان کی آنکھ کیوں کھلی تھی۔

☆======☆======☆

''ہیلو انا بی! السلام علیکم کیسی ہیں؟''

''ارے بٹوا! تم ارے کیسے ہو تم تو بھول ہی گئے ہم لوگوں کو ادھر یہ بڑی ساری حویلی میں بالکل تنہا کر دیا تم نے۔ کہو آج کیسے یاد کر لیا اور بی بی صیب کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

انا بی ایک ہی سانس میں سب کہہ گئیں۔

''بی بی صیب؟'' سلجوق چونکے۔

''کیا مطلب انا بی، کدھر ہیں بی اماں؟ میں نے انہی کے لئے تو فون کیا ہے۔ کیا ابھی تک گاؤں سے نہیں لوٹیں؟'' وہ ایک دم حواس باختہ ہی تو ہو گئے تھے۔

''گاؤں سے؟ پر بٹوا، شاہ صاحب تو بولت تھے کہ وہ علاج واسطے چھوٹے شاہ صیب (رزاق) کے پاس چلی گئیں تم تو بٹوا تب......'' انا بی کو ایک دم ہی کچھ عجیب ہونے کا احساس ہوا تھا۔ تبھی بولتے بولتے خاموش ہو گئی تھیں۔

''بابا جان۔ بابا جان کدھر ہیں؟''

''وہ تو بڑا کئی مہینوں سے زمینوں پر ہیں۔ کبھی کبھار آتے ہیں بس ربیعہ بیٹی کا پتہ لینے بھی اب میں اور ڈرائیور جا کر خبر لے آتے ہیں۔ اللہ جانے کس کی نظر کھا گئی اس گھر کو۔'' وہ افسردہ ہوگئیں۔

''اچھا انا بی آپ ربیعہ کا خیال رکھیے گا۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ اسے یہاں بلوالوں۔ اللہ حافظ۔'' انا بی کو خدا حافظ کہہ کر انہوں نے گاؤں کا نمبر ملایا۔ اتفاق سے اٹھانے والے بابا جان ہی تھے۔ وہ حقیقتاً بہت پریشان ہو گئے تھے۔ بی اماں اگر گاؤں میں نہیں تھیں تو پھر کدھر تھیں؟

''ہیلو بابا جان۔ السلام علیکم سلجوق بول رہا ہوں۔'' بابا جان کی رعب دار آواز سنتے ہی اس نے کہا تھا۔

''وعلیکم السلام، کہو کیسے ہو؟'' ان کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ جلدی میں ہیں۔

''بابا جان! بی اماں کدھر ہیں؟'' انہوں نے بھی لمبی چوڑی تمہید باندھے بنا پوچھا تھا۔

''وہ۔'' انہیں شاید توقع نہیں تھی اس سوال کی۔ ایک لمحے کو چپ کر گئے۔

''ہاں سلجوق! میں تمہیں بعد میں فون کروں گا۔ اس وقت چند معزز مہمان میرے پاس بیٹھے ہیں۔ ویسے فکر نہیں کرو۔ وہ جہاں ہیں، خوش ہیں اور آرام سے ہیں۔'' انہوں نے مطمئن لہجے میں کہا لیکن سلجوق کیسے فکر نہیں کرتے تب تو حفیظہ کی پریشانی میں وہ بنا کسی سے ملے، حالات جانے بغیر واپس لوٹ گئے تھے۔ ربیعہ کی بیماری کا بھی انہیں بعد میں بابا جان سے پتہ چلا تھا اور ہما کے موضوع پر تو انہوں نے بات کرنا ہی چھوڑ دی تھی۔ وہ تو جیسے ان کے لئے مر گئی تھی۔ ہاں آتے سمے انہوں نے جب بی اماں سے ملنا چاہا تو پتہ چلا کہ دو روز قبل انہیں بابا جان اپنے ساتھ لے گئے تھے اور یوں وہ ملے بنا ہی چلے آئے تھے اور اب انا بی انہیں ایک اور ہی کہانی سنا رہی تھیں۔ کیا چکر تھا اس سارے کھیل میں؟ وہ بری طرح الجھ کر رہ گئے تھے اور جانے کب تک الجھے رہتے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی نے انہیں خیالات سے نکال باہر کیا۔

''ہیلو!'' آواز مدھم تھی۔

''ہیلو!'' دوسری جانب سے آتی آواز ان کے اعصاب کو مزید بوجھل کر گئی۔

''کیسے ہیں شاہ آپ؟'' آج آواز میں شوخی مفقود تھی۔ سلجوق شاہ نے نوٹ کیا تھا۔

''محترمہ کیا آپ صرف میری خیریت دریافت کرنے کے لئے اتنے پیسے خرچ کرتی ہیں؟'' بڑا چبھتا جواب آیا تھا۔

''محبت کو دولت میں کیوں تولتے ہو شاہ جی؟'' بڑے میٹھے لہجے میں اس نے سوال کیا تھا۔ ان کا جی چاہا کاش وہ احمق لڑکی ان کے سامنے ہو اور وہ اس کا سر پھوڑ ڈالیں۔

''سنو راضیہ احمد، ان تلوں میں تیل نہیں میں تمہیں بتا دوں، میں شادی شدہ ہوں۔ اس لئے فضول میں اپنا وقت ضائع مت کرو۔ For god sake۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ خود پہ قابو کھو بیٹھے تھے۔ جب کہ اس انکشاف پر ایک لمحہ کو ادھر خاموشی چھا گئی تھی اور تھوڑی دیر بعد فون Disconnect ہونے کی آواز پر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔

''خس کم جہاں پاک۔'' شکر کا کلمہ پڑھا تھا انہوں نے، اب وہ کبھی فون نہیں کرے گی، انہوں نے سوچا تھا۔ پھر انہوں نے شام تک بابا جان کے فون کا انتظار کیا لیکن فون نہ آنا تھا نہ آیا۔

پریشانی تو انہیں لاحق ہو چکی تھی۔ بی اماں نہ شہر میں تھیں، نہ گاؤں میں، نہ امریکہ میں، تو پھر کدھر تھیں؟ انہوں نے فوراً فارحہ بھابی سے رجوع کیا۔

وہ ابھی ابھی لوٹی تھیں۔ ''خیریت سلجوق؟'' گھبراہٹ ان کے لہجے سے عیاں تھی جو کہ وہ بھانپ گئی تھی۔

''جی بھابی پچھلی بار جب ہم پاکستان گئے تھے تو بی اماں کی طبیعت کیا زیادہ خراب تھی۔ میں تو زیادہ وقت گھر میں رہا ہی نہیں!'' انہوں نے بلاتمہید بات کی تھی۔

''بات کیا ہے سلجوق کوئی مسئلہ ہو گیا ہے؟'' وہ کچھ اور ہی سمجھیں۔ اس لئے فکرمندی سے بولیں۔

''آپ پلیز بتائیں، جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں۔'' وہ جھنجھلا کر بولا۔

''ہاں خراب تو تھی۔ کچھ عجیب عجیب سی باتیں بھی کر رہی تھیں، میں تو اگلے دن منہ اندھیرے ہی اماں جی کی طرف چلی گئی تھی۔ ہما سے تو ملاقات ہوئی نہیں، شاید سو رہی تھی، ربیعہ بھی بس کچھ دیر کو بیٹھی تھی۔ اس لئے مجھے حالات کا صحیح علم نہیں ہو سکا اور واپسی میری اسی روز ہوئی تھی جب تم نے فون پر سیٹ کنفرم ہونے کا بتایا تھا اور وہاں پہنچ کر پتہ چلا تھا کہ بی اماں کو گاؤں بھجوا دیا گیا ہے۔ ایک تو تمہاری پریشانی تھی، میں تو ٹھیک طرح سے کسی سے مل بھی نہیں پائی تھی۔ بی اماں خیریت سے تو ہیں؟'' تفصیلاً بتا کر انہوں نے پوچھا۔

''ہاں شاید، اچھا میں آپ کو پھر فون کرتا ہوں۔ رزاق بھائی آ گئے ہیں؟'' فون بند کرتے کرتے انہوں نے پوچھا۔ جواب نفی میں تھا، انہوں نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ ان کا سر

چکرانے لگا تھا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ حالات یہ رخ اختیار کر گئے ہوں گے۔ ہما کا بھاگ جانا، ربیعہ کا بیمار پڑ جانا، بی اماں کا یوں گھر سے غائب ہو جانا، سب کچھ حیران کر دینے کو کافی تھا۔ انہیں تو اپنے غم منانے سے فرصت نہ ملی تھی۔

انہوں نے جتنی مشکلوں سے محبت کو پایا تھا۔

زمانے نے اتنی بے دردی سے چھین لیا تھا۔

وہ حالات سے بھاگے تھے لیکن ان کے بھاگنے سے کیا ہوتا تھا؟

عدالت نے فیصلہ حفیظہ کے حق میں سنا دیا تھا۔

انہیں تو حق مہر ادا کرنے کا نوٹس ملا تھا۔

اور دس لاکھ کا چیک حفیظہ ملک کے نام ارسال کرتے ہوئے ان کا دل کیسے کیسے نہ تڑپا تھا۔ زمانے کی سازشیں کام کر گئی تھیں اور وہ تنہا رہ گئے تھے۔ ان کا اعتبار ہر خوشی سے اٹھ گیا تھا۔ ہر انسان سے اٹھ گیا تھا۔ وہ ہر چیز سے فرار چاہنے لگے تھے۔

اور اتنے مہینوں بعد اچانک ماں کی یاد نے جوش مارا اور انہوں نے فون کر ڈالا لیکن ادھر سے ملنے والی خبر انہیں بری طرح ڈسٹرب کر رہی تھی۔ انہوں نے بے اختیار بی اماں کے لئے دعا مانگی تھی۔

☆======☆======☆

''نوما کوئی حیات صاحب آئے ہیں۔ فرحان کا پوچھ رہے ہیں۔ میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔'' ہما نے پردہ اٹھا کر اسے اطلاع دی تھی جو مزے سے میوزک سننے میں مگن تھی۔ چونک کر ہما کی شکل دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا! میں نے غلط کیا؟'' ہما نہ سمجھی۔

''نا، نہیں میں دیکھتی ہوں۔'' وہ ہاتھوں سے کپڑے درست کرتی ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ سامنے صوفے پر حیات انکل براجمان تھے۔ اس نے سلام کیا۔ سر کے خفیف جھٹکے سے انہوں نے جواب دیا۔ پھر اس کا احوال پوچھنے لگے۔

''باقی سب لوگ کدھر ہیں؟'' انہوں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔

''ارمغان کی آج کل نائٹ ڈیوٹی ہے۔ فرحان بھائی آنے والے ہوں گے۔ آپ بیٹھیں میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' اس نے اٹھنے کا بہانہ کا چاہا۔ کچھ بھی تھا حیات انکل کے ان پر بڑے احسانات تھے۔ عاصمہ بھابی نے اگرچہ انہیں دق کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی لیکن یہ کہ حیات انکل نے کبھی ان کی سائیڈ نہ لی تھی۔ الٹا وہ ان سب سے شرمندہ نظر آتے

کرتے۔ وہ اپنی بیٹی سے اچھی طرح واقف تھے۔ تبھی تو اب بھی مصالحت کی راہ تلاش کرنے آئے تھے۔

''نہیں چائے میں پی کر آیا ہوں۔'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ ''تم ادھر میرے پاس بیٹھو۔'' وہ شفقت سے گویا ہوئے۔ نوما کو ان سے ہمدردی محسوس ہونے لگی وہ بیٹھ گئی۔ ان کے درمیان طویل خاموشی کا دور آ گیا۔ ہما چائے رکھ گئی تھی۔ اس نے چائے بنا کر انکل حیات کو پیش کی۔

''یہ فرحان کی دوسری بیوی ہے؟'' انہوں نے کپ اس کے ہاتھ سے لے کر دوبارہ ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔ نوما نے اثبات میں سر ہلایا۔ اسی دم فرحان آ گئے، حیات انکل کو دیکھ کر وہ چونکے ضرور مگر ظاہر نہیں کیا۔

''السلام علیکم انکل!'' انہوں نے لہجہ نارمل ہی رکھا تھا۔ ''آپ کب آئے؟'' ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے وہ وہیں براجمان ہو گئے۔

''ابھی کچھ دیر ہوئی، کیسے ہو؟'' ان کے درمیان بڑی بے معنی سی گفتگو ہوتے دیکھ کر نوما نے وہاں سے اٹھ جانا ہی بہتر سمجھا۔ ہما لاؤنج میں چائے لئے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ وہیں چلی آئی۔

''کون ہیں یہ انکل؟'' چائے مگ میں انڈیلتے ہوئے اس نے سرسری پوچھا۔

''حیات انکل۔ عاصمہ بھابی کے والد۔'' اس نے کہہ کر مگ لبوں سے لگا لیا۔ ہما کسی گہری سوچ میں پڑ گئی۔ یقیناً عاصمہ کو لانے کی بات کر رہے ہوں گے اور پریشرائز بھی کریں گے فرحان کو اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرحان خاندانی دباؤ میں آ کر عاصمہ کو لے بھی آئیں اور اسے فارغ کر دیں۔ تب وہ کدھر جائے گی؟ اور اب تو وہ تنہا نہیں تھی اس کے ساتھ ایک ننھی سی جان وابستہ تھی۔ منٹوں میں سوچ کا دھارا کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

''کدھر کھو گئیں آپ؟'' نوما نے کندھا ہلایا تو وہ خیالات کی دنیا سے باہر آئی۔ پھر ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہنے لگی۔

''نوما مجھے علم نہیں تھا کہ فرحان صاحب شادی شدہ ہیں، ورنہ میں ایسا کبھی نہ کرتی۔ میرا مطلب ہے ان سے شادی۔'' اس کے لہجے سے شرمندگی نمایاں تھی۔

''ارے نہیں ہما ڈیئر۔'' نوما ہنس پڑی۔ ''ہم تو شکر کرتے ہیں کہ بھیا کی زندگی راستے پر آ گئی۔ ورنہ ہم تو مایوس ہو گئے تھے۔ اماں بھیا کے غم میں روتی چلی گئیں۔ حیات انکل کے بہت احسانات تھے ہم پر۔ ابو کی وفات کے بعد انہوں نے ہمیں سنبھالا تھا۔ اس وقت جب سارے

اپنے ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ عاصمہ ان کی اکلوتی، لاڈلی اور خود سر بیٹی تھی۔ پتہ نہیں انہیں کیا سوجھی کہ فرحان بھائی سے شادی کرنے کی ٹھان لی۔ اماں کے مجبور کرنے پر بھیا نے شادی کر لی لیکن عاصمہ عجیب قسم کے احساسِ برتری میں مبتلا تھیں۔ وہ بھیا کو کم تعلیم یافتہ ہونے پر طعنے دیا کرتیں۔ ان کی کم حیثیتی پر باآواز بلند چیخا کرتیں، حتیٰ کہ گھر کی فضا مکدر رہنے لگی۔

ہر کوئی ٹینس تھا۔ بھیا نے راتوں کو دیر سے گھر آنا شروع کر دیا۔ پھر وہ ڈرنک کرنے لگے۔ غرض بھیا بالکل تباہ ہو کر رہ گئے لیکن عاصمہ بھابی کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ انہوں نے کھلم کھلا وہ سب کرنا شروع کر دیا جو وہ کرنا چاہتی تھیں۔ پارٹیز، ہلا گلا، مکس گیدرنگ جن میں زیادہ تعداد مردوں کی ہوا کرتی۔ پھر یہ پارٹیز گھر میں ہونے لگیں۔ میرا اور ارمغان کا گھر میں رہنا دوبھر ہو گیا ان دنوں......

ارمغان نے بھابی کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ ہتھے سے اکھڑ گئیں۔ وہ زندگی اپنی مرضی سے گزارنا چاہتی تھیں اور اس میں انہیں کسی کی مداخلت پسند نہیں تھی۔

بھیا کئی کئی دن گھر نہ آتے، اور بھابی کو جو تھوڑی بہت فکر تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ وہ اپنے بوائے فرینڈز کو گھر میں بلانے لگیں اور ایسے ہی ایک دن جب وہ منحوس آدمی بھابی سے ملنے آیا بیٹھا تھا۔ اوپر سے بھیا آ گئے اور بھابی نے سارا الزام مجھ پر ڈال دیا۔ میں حیران ہکا بکا کبھی بھائی کو دیکھوں کبھی بھابی کو اور کبھی اس شخص کو، جسے میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا اور اس ذلیل آدمی نے یہی کہا کہ وہ مجھ سے ملنے آیا ہے۔ سچ ہما کتنی اذیت تھی وہ، بھیا کی نظروں کی بے اعتباری، انہوں نے مجھے اس قدر مارا تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔

پھر ارمغان مجھے ناجیہ کے گھر چھوڑ آیا۔ ناجیہ میری بہت اچھی دوست ہے۔ آپ ملیں گی تو بہت خوش ہوں گی۔ پچھلے آٹھ نو ماہ میں نے ادھر ہی گزارے ہیں۔ ہم دونوں تو بہت خوش ہیں کہ اس گھر کو ایک صحیح عورت ملی ہے۔ یہ مکان اب ہی تو گھر بنا ہے ورنہ پہلے تو روز لڑائی جھگڑے ہی ناک میں دم کئے رکھتے تھے۔ اک تماشا بن گئے تھے ہم لوگ۔''

نوما نے آہ بھری پھر سر جھٹک کر مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''چھوڑیں اس ذکر کو آپ بتائیں آپ بھیا کو کہاں مل گئیں کہ بھیا یوں ایک دم سیدھے راستے پر چلے آئے؟''

''ہدایت کا ایک وقت ہوتا ہے احمق لڑکی۔'' فرحان احمد آتے ہوئے اس کی بات ٹوک چکے تھے بولے۔ اس کے سر پر ہولے سے چپت رسید کرتے ہوئے وہ وہیں بیٹھ گئے۔

''آپ چینج کر لیتے؟'' ہما کپ رکھ کر اٹھنے لگی تو فرحان نے اشارے سے منع کر دیا۔

''نہیں، ابھی مجھے پھر واپس جانا ہے۔''

''حیات انکل کیا کہہ رہے تھے؟'' نوما کو جان لینے کی جلدی تھی۔ اس لئے زیادہ دیر خود پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔

''عاصمہ کی طرف سے ایکسکیوز کر رہے تھے اور یہ کہ میں عاصمہ کو واپس لے آؤں۔'' انہوں نے سر جھٹکا۔'' ویسے وہ فراڈ کا کیس تو دائر کر چکی ہے اس سے بنا اجازت لئے شادی جو کر رکھی ہے میں نے، وہ ابھی مزید جانے کیا کیا کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، چلو اپنے سارے ارمان پورے کر لے۔ میں بھی عدالت میں ایسا گھسیٹوں گا کہ یاد رکھے گی۔'' فرحان کے صرف لہجے میں نہیں چہرے پر بھی سختی در آئی تھی۔ ہما پہلے ہی خاموشی سے برتن اٹھائے چلی گئی تھی۔ نوما کچھ دیر بھائی کو دیکھتی رہی۔ پھر وہ بھی اٹھ گئی۔ پتہ نہیں حالات کیا رخ اختیار کرتے۔ وہ ایک بار پھر الجھ گئی۔

☆======☆======☆

''آپ نے کچھ سنا ہے اسد ایک رئیس کی بیٹی کے ساتھ گھومتا پھر رہا ہے آج کل؟'' پھپھو بیگم نے باری باری سلیمان ملک اور شہباز ملک کو دیکھتے ہوئے اطلاع پہنچائی تھی۔

''تو اس میں حیرانی والی کون سی بات ہے۔ یہ تو ملکوں کی شان ہے۔'' شہباز ملک نے ذرا گردن اکڑائی۔

''کیا شان ہے جی۔ بیٹی دے رہے ہیں بھائی کل کو کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو میں تو بھائی سے بھی جاؤں گی۔ آپ اسے سمجھائیں۔'' پھپھو بیگم ذرا تیکھی ہو کر بولیں تو شہباز ملک نے سلیمان ملک کی طرف نگاہ کی۔ ان کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ اطلاع ان کے ذریعے سے ہی پہنچی ہے۔

''ہاں سمجھاؤں گا۔'' انہوں نے فوراً پینترا بدلا۔'' پتہ نہیں کیسے کیسے لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے لگا ہے۔ حالانکہ میں نے کس قدر احتیاط سے اس کی تربیت کی ہے۔ بھائی صاحب آپ پریشان مت ہوں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ رومانہ آپ کی نہیں میری بیٹی ہے۔'' شہباز ملک نے انہیں تسلی دی۔

''میں جانتا ہوں آپ کو بھی رومانہ کے مستقبل کا اتنا ہی خیال ہو گا۔ بہر حال میں تو آج اس لئے آیا تھا کہ شادی کی تاریخ طے کر دی جائے۔ میں جلد از جلد اس فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔'' سلیمان ملک نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ پھپھو بیگم کھل اٹھیں۔

''ارے بھائی جی کیوں نہیں میں تو خود اس سلسلے میں آپ سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔

جیتے جی پوتوں کو کھیلتا دیکھ لوں۔ زندگی کا کیا بھروسہ ہے۔''

''ہاں تو پھر ٹھیک ہے ہم کل چلے آتے ہیں۔ کوئی مناسب سا دن رکھ لیتے ہیں۔''

شہباز ملک نے ہاں میں ہاں ملائی۔ ''چلیں جی کل رات کا کھانا ہماری طرف آپ بے شک اسد کو بھی لے آئیں۔ رونق رہے گی۔'' سلیمان ملک اٹھے۔

''ابھی نہیں بھائی صاحب کھانا تیار ہے کھا کر جایئے گا۔'' پھپھو بیگم نے انہیں دوبارہ بٹھا دیا تو مجبوراً انہیں کھانے کے لئے رکنا پڑا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چل رہا تھا جب اسد چلا آیا۔ سلام کرنے کے بعد وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ سلیمان ملک تھوڑی دیر بیٹھے پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں اسد کی طرف سے فکر لاحق ہو گئی تھی۔ اس کا مبہم سا رویہ پھر جو کچھ انہوں نے سنا تھا۔ وہ سب ایک بیٹی کے باپ کو فکر مند کرنے کے لئے کافی تھا۔ وہ سوچوں میں غلطاں حویلی لوٹے تھے۔ حفیطہ انہیں دلان میں ٹہلتی نظر آئی تو وہ اس کے پاس چلے آئے۔

''کیسی ہو حفیطہ؟'' پاس آ کر انہوں نے پوچھا۔ حفیطہ جیسے کسی گہری سوچ سے بیدار ہوئی۔ اس نے عجب وحشت زدہ نظروں سے تایا جان کو دیکھا۔ ایک لحظہ کو تو وہ گھبرا گئے۔

''ٹھیک ہوں۔'' کافی دیر بعد اس کے سرسراتے لبوں سے نکلا تھا۔

''وہ......'' وہ شاید کچھ کہنا چاہ رہے تھے لیکن حفیطہ کی چبھتی نظروں نے شاید پہلی بار انہیں عجیب سے احساسات سے دوچار کر دیا تھا۔ وہ بنا کچھ کہے پلٹ جانے کو تھے کہ حفیطہ کی آواز نے ان کے قدم روک لئے۔

''تایا جی آپ کے پاس تھوڑا وقت ہوگا؟'' وہ پلٹے۔

''ہاں کہو بیٹی کیا کہنا چاہتی ہو؟'' انہوں نے لہجے میں حتی الامکان شیرینی سموئی تھی۔

''سودا کرنا چاہتی ہوں۔'' حفیطہ کے الفاظ نے ان کے بدن میں کپکپی دوڑا دی۔

''کیسا سودا؟'' وہ کتنی دیر بعد گویا ہوئے۔

''اپنا اور جائیداد کا سودا۔'' وہ پھر ٹہلنے لگی تھی۔

''آپ تایا جی میری ساری جائیداد لے لیں۔ میں سب کچھ لکھ دینے کو تیار ہوں۔ اس کے بدلے مجھے رہائی چاہئے۔'' ٹہلتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

''کیسی بات کر رہی ہو حفیطہ؟'' تایا جان کا جلال عود کر آیا تھا۔

''ہاں تایا جان۔ یہ سارا ملک پور میں آپ کے نام لکھ دیتی ہوں۔ آپ سجاول اور میرے نام نہاد نکاح کو ختم کر کے مجھے کہیں اور بھیج دیں شہر یا امریکہ۔'' اس نے کچھ دیر توقف کر کے بات مکمل کی۔ تایا جان کو گویا کرنٹ نے چھو لیا۔

''امریکہ کیوں؟'' وہ غضب ناک ہوئے تھے۔ حفیطہ ہنس پڑی۔

''فکر مت کریں تایا جان۔ میں سلجوق شاہ کے پاس نہیں جاؤں گی۔ اس کا میرا رشتہ ہی کیا ہے۔ میں سکون چاہتی ہوں ان سارے بکھیڑوں سے نکل کر......''

''کل رومانہ کی شادی کی تاریخ طے کی جا رہی ہے۔ تیار ہو جانا سجاول کو بھی اچھے کپڑے پہنا دینا اور اپنی نگرانی میں کھانے کا اہتمام بھی کروا لینا۔'' وہ اس کی بات کو قطعاً کوئی اہمیت دیئے بغیر اپنی سنا کر چل پڑے۔ حفیطہ نے بڑی بے بسی سے انہیں جاتا دیکھا۔ پھر پاؤں پٹختی پیچھے ہی چلی آئی۔

''حفیطہ...... حفیطہ دیکھو میں نے تمہارا دولہا ڈھونڈ لیا ہے۔'' اسی دم سجاول کہیں سے بھاگتا آیا۔ وہ ناگواری سے آگے بڑھی لیکن سجاول نے اس کا راستہ روک لیا اور اس کو ایک مڑا تڑا کاغذ کھول کر دکھانے لگا۔

''دیکھو یہی ہے تمہارا دولہا...... آہا...... میں نے ڈھونڈ لیا۔'' حفیطہ نے ایک نظر اس کاغذ پر ڈالی۔ کسی شادی شدہ جوڑے کی تصویر اخبار میں چھپی ہوئی تھی۔ وہ بے طرح جھنجھلا کر سجاول کو سخت سُست کہنے ہی والی تھی لیکن اس کی شکل دیکھ کر زبان روک لی۔

''ہاں...... تم نے آج پھر کپڑے نہیں بدلے۔ چلو آؤ میرے ساتھ۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے اندر آ گئی۔ تایا جان فون پر کسی سے باتوں میں مشغول تھے۔ ابھی وہ سیڑھیوں کی طرف ہی گئی تھی کہ تائی اماں ملازم کے ہمراہ اندر داخل ہوئیں۔

''میں کہتی ہوں ملک صاحب!'' وہ وہیں سے اسٹارٹ ہوئی تھیں۔ ''جب آپ سب نے ڈیرہ ملک پور میں ڈال رکھا ہے تو مجھے کیوں کالے پانی کی سزا سنا رکھی ہے۔ میرا داخلہ کیوں ممنوع ہے یہاں۔'' ان کے تیور جارحانہ تھے۔ تایا جان نے ناگواری سے دیکھا پھر انہیں اندر جانے کا اشارہ کیا۔ جب کہ تائی جان خاصے خراب موڈ میں تھیں۔ اس لئے ان کے حکم کو نظر انداز کر گئیں اور وہیں کھڑی رہیں۔ حفیطہ بھی بلا ارادہ وہیں رک گئی تھی۔ حفیطہ پر نظر پڑی تو تائی پوچھنے لگیں۔

''کیسی ہو بہو رانی؟''

''میرا نام حفیطہ رحمٰن ملک ہے، شاید آپ بھول گئی ہیں۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا کر ادا کرتی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ سجاول وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ کر سر کھجانے لگا۔ تائی نے خشمناک نگاہوں سے حفیطہ کو جاتے دیکھا۔ پھر دھم سے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

ان کا ٹرنے کا مکمل پروگرام لگ رہا تھا۔ تایا جان نے فون بند کر کے فوراً ہی اپنی بات شروع

کر دی۔

''کل رومانہ کی شادی کی تاریخ طے کرنے آ رہے ہیں وہ سب۔ تم تیاری رکھو میں نے بہت کم دن رکھنے ہیں۔'' بات مکمل کر کے وہ باہر نکل گئے۔ جب کہ تائی جان پیچ و تاب کھاتی رہ گئی تھیں۔

☆======☆======☆

''یاد کریں ربیعہ...... تھوڑا سا ذہن پر زور دیں۔ آپ ربیعہ شاہ ہیں۔ جہانگیر شاہ کی بیٹی۔''

ارمغان بہت دھیمے لہجے بول رہا تھا۔ ربیعہ خالی ذہن، خالی نظروں سے اسے تک رہی تھی۔

''شاباش، آپ کے بھائی رزاق اور سلجوق ہیں۔ آپ کا پیارا سا بھتیجا عمیر ہے۔ یاد ہے ناں آپ کو یہ سارے آپ سے بہت پیار کرتے ہیں اور آپ بھی...... آپ بھی ان سے پیار کرتی ہیں، آپ کے بابا جو آپ سے ملنے آتے ہیں۔ بابا ہی ہیں ناں، نہیں شاید چچا ہیں۔ بہت Caring ہیں آپ کے معاملے میں۔ آپ سب سے زیادہ کس سے پیار کرتی ہیں۔ بابا سے، بڑے بھیا سے یا چھوٹے بھائی سے، میں سب سے زیادہ پیار اپنی بہن نوما سے کرتا ہوں۔ میرے ایک بڑے بھائی بھی ہیں بڑے اچھے، بھابی بھی ہیں بڑی Cute سی۔ اماں کی Death ہوگئی۔'' وہ بولتے بولتے رکا۔ ربیعہ کی آنکھوں میں جیسی زندگی جاگی۔

''اماں!'' اس کے لب ہلے تھے۔ وہ ایک دم سیدھی ہوگئی ارمغان پُر جوش ہوگیا۔ آج پہلی بار وہ کسی لفظ کو زبان پر لائی تھی۔ پہلی بار اس کے چہرے پر چمک جاگی تھی۔

''ہاں اماں تمہاری اماں کیسی ہیں۔ یقیناً بہت اچھی ہوں گی۔ آپ سے پیار کرتی ہوں گی۔ خیال رکھتی ہوں گی۔ مائیں ہوتی ہی بڑی اچھی ہیں۔ ماں سے اچھا دنیا میں کوئی نہیں ہے ناں۔'' وہ مدھم مدھم بولتا اسے حواسوں کی دنیا میں لانے کی کوشش کر رہا تھا اور ربیعہ سر جھکائے رہی تھی اور دھیرے دھیرے ''اماں اماں'' کہہ رہی تھی۔ پھر جیسے دھماکہ ہوا اسے اپنے سامنے سارا منظر سرخ ہوتا محسوس ہوا۔

''ام، ماں۔'' وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر چیخی تھی۔ ارمغان اس کی طرف لپکا۔

''ماردیا اماں کو ماردیا۔'' وہ چیخ رہی تھی۔ ارمغان نے اسے قابو کرنے کی کوشش کی لیکن بری طرح ناکام ہوا۔

وہ کسی طرح بھی قابو نہیں آ رہی تھی۔ ارمغان نے نرسز کو آواز دی۔ وہ نیند کا انجکشن لے کر

آئی۔ اسے انجکشن لگا کر ارمغان اپنے آفس میں آ گیا۔ الجھی ڈور کا سرا اس کے ہاتھ آیا تو تھا۔

اس نے ''سیّد منزل'' کا نمبر ڈائل کیا۔ اس کا ذہن تیزی سے متحرک تھا۔ کافی دیر بعد ادھر سے فون اٹھایا گیا تھا۔

''ہیلو!'' ایک نسوانی آواز آئی تھی۔

''ہیلو میں ڈاکٹر ارمغان بول رہا ہوں۔ شاہ صاحب سے بات ہوسکتی ہے؟''

دوسری طرف سے ہولڈ کرنے کو کہا گیا۔ تھوڑی دیر بعد بھاری آواز گونجی۔

''جہانگیر شاہ اسپیکنگ۔ یس؟''

''مجھے ربیعہ کے سلسلے میں بات کرنی ہے۔ آپ تھوڑی دیر کے لئے ہاسپٹل آ سکتے ہیں؟'' ارمغان نے نہایت سنبھل کر بات کی تھی۔

''ٹھیک ہے آجاتے ہیں!'' مختصراً کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔ ارمغان بڑی بے تابی سے جہانگیر شاہ کا انتظار کرنے لگا۔ اسے ایک زبردست کلیو ملا تھا۔ ربیعہ بلاشبہ حواسوں میں آ گئی تھی لیکن مکمل صحت یابی کے لئے اسے جس ٹریٹمنٹ کی ضرورت تھی اس کے لئے جہانگیر شاہ سے گفتگو ضروری تھی۔ تھوڑی دیر بعد وارڈ بوائے نے جہانگیر شاہ کی آمد کی اطلاع دی۔ انہیں بھیجنے کا کہہ کر وہ ربیعہ کی فائل کا مطالعہ کرنے لگا۔ جہانگیر شاہ کے ساتھ چادر پوش ایک خاتون بھی تھیں۔

''یہ میری بڑی بیٹی صوفیہ ہیں۔'' جہانگیر شاہ نے تعارف کروایا۔ ارمغان کو حیرت تو ہوئی لیکن اس نے ظاہر نہیں کی۔ انہیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے اس نے فون پر چائے کا کہا۔

''ربیعہ ہوش میں آ گئی ہیں۔'' ارمغان نے کہنا شروع کیا۔

''کیا وہ ٹھیک ہوگئی ہے؟'' جہانگیر شاہ بیٹھے سے کھڑے ہوگئے۔

''ہاں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ربیعہ کی والدہ کا انتقال کب اور کیسے ہوا؟'' صوفیہ نے حیرانی سے باپ کو دیکھا۔

''اس بات کا ربیعہ کے علاج سے کیا تعلق؟'' وہ ذرا بگڑے۔ وہ شاید صوفیہ کی موجودگی بھول چکے تھے۔

''اصل میں ربیعہ نے ہوش و حواس کی دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے اپنی ماں کا نام لیا ہے۔'' ارمغان نے گہری نظروں سے جہانگیر شاہ کو دیکھا۔ وہ گڑبڑا گئے۔

''کک، کیا کہا ہے اس نے؟'' گھبراہٹ واضح طور پر نمایاں تھی۔

''یہی کہ...... آپ بتا [illegible]

کتنی تھی......؟''

''بہت چھوٹی شاید چار پانچ سال کی......'' انہوں نے پہلو بدلا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ابا جان؟'' صوفیہ مزید برداشت نہ کرسکیں اس لئے بول پڑیں۔

''اماں زندہ ہیں باہر بھائی کے پاس ہیں۔ پھر آپ ایسے کیوں کہہ رہے ہیں؟'' وہ الجھی الجھی نظروں سے کبھی باپ کو اور کبھی ڈاکٹر کو تک رہی تھیں۔ جو اس انکشاف پر بہت حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''چپ کرو تم!'' انہیں ایک دم اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ صوفیہ کو درشتی سے ڈانٹ کر وہ ارمغان کی طرف متوجہ ہوئے۔

''ہاں تو ڈاکٹر...... اصل میں ربیعہ نے ہوش سنبھالتے ہی انا بی، ہماری خاندانی ملازمہ کو دیکھا، انا بی نے ہی اسے پالا پوسا۔ میرے سب بچوں میں ربیعہ ہی بہت زیادہ حساس ہے۔ ہمیشہ ماں کی کمی محسوس کرتی آئی ہے اور اب مجھے آپ کے پوچھنے پر یاد آ رہا ہے کہ اس رات ربیعہ اپنی کسی دوست کی والدہ کی وفات پر سے ہو کر آئی تھی اور مجھے یقین ہے کہ اس بات کو دل پر لیتے ہوئے وہ شدید صدمے سے دوچار ہوئی اور یوں گم صم ہو گئی۔ بس یہی بات ہے میں کیا کر سکتا ہوں ڈاکٹر، دنیا کی ہر آسائش دینے کے باوجود اسے ماں کی گود نہیں دے سکتا۔ بس یہی اس کی بیماری ہے۔'' وہ آبدیدہ ہو گئے۔

صوفیہ دانتوں تلے لب دبائے حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھیں اور ارمغان بے حد الجھا ہوا۔ صوفیہ کچھ کہہ رہی تھیں اور شاہ صاحب کچھ، کہیں کوئی گڑبڑ ضرور تھی۔ اصل میں یہ بڑے گھرانوں کے لوگ ہوتے ہی بڑے پُراسرار سے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر الجھ پڑنے والے، بظاہر ٹھنڈے میٹھے، سبک پانیوں کے چشمے، درحقیقت کھائیوں کی طرح کئی راز اپنے سینے میں دفن کئے ہوئے۔

جہانگیر شاہ اور صوفیہ تو ربیعہ کو دیکھنے کے بعد چلے گئے تھے لیکن ارمغان درحقیقت متضاد سوچوں میں گھر گیا تھا اور صحیح بات تو ربیعہ ہی بتا سکتی تھی۔

☆======☆======☆

''کیسے ہیں شاہ جی آپ؟'' راضیہ کی چہکتی آواز نے ان کے خراب موڈ کو مزید خراب کر دیا تھا۔

''بہت ڈھیٹ ہو تم!'' کافی دیر بعد وہ بولے تو جواباً راضیہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''ارے شاہ جی، عشق کام ہی ڈھیٹ لوگوں کا ہے۔''

''میرا خیال تھا کہ تم آئندہ فون نہیں کرو گی۔'' وہ بلا مقصد بات کرنے لگے۔ حقیقتاً وہ اس وقت بہت اَپ سیٹ تھے۔ صبح ہی بابا جان کا فون آیا تھا انہوں نے فوراً پاکستان پہنچنے کا کہا تھا۔ انہوں نے اماں بی کے بارے میں پوچھا تھا اور وہ حسب سابق ٹال گئے تھے۔

''کیوں بھلا؟'' وہ چہکی۔ ''کیا آپ کے شادی شدہ ہونے کا سن کر؟''

''ہاں!'' انہوں نے دھیرے سے کہتے ہوئے چیئر کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

''ارادہ تو یہی تھا۔ میں بہت دنوں یہ سوچ کر روئی ہوں تڑپی ہوں اور پھر اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ مجھے آپ سے محبت نہیں عشق ہو چلا ہے اور عشق تو سود و زیاں سے ماورا ہوتا ہے۔ اصل میں آج کل میں اردو ہائی کرنے کے لئے اردو ادب کا مطالعہ کر رہی ہوں ڈیڈی بڑے خوش ہیں۔ پچھلے دنوں وہ میرے امریکہ لوٹ آنے کی ڈیمانڈ سن کر خاصے ناراض ہو رہے تھے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ میں ممی کے کہنے پر آ کر ایسا کر رہی ہوں جب کہ میں تو آپ کے لئے یہ سب کر رہی ہوں۔''

وہ خوش خوش بتا رہی تھی۔ آج پہلی بار سلجوق شاہ اس سے بات کر رہے تھے اور وہ بھی اتنی لمبی اس کی خوشی دیدنی تھی۔

''سنو راضیہ احمد تم یہ پاگل پن چھوڑ دو۔'' انہیں ایک دم عجیب سا احساس ہوا تھا۔ راضیہ نے جو ہنسنا شروع کیا تو ہنستی چلی گئی۔

سلجوق شاہ نے گھبرا کر ریسیور رکھ دیا کس قدر احمق لڑکی ہے یہ فضول میں وقت اور روپے برباد کر رہی ہے۔ انہوں نے خواہ مخواہ ماتھے پر ہاتھ پھیرا، پھر رزاق شاہ کا نمبر ڈائل کرنے لگے، اپنی پریشانی انہیں بتا کر کچھ مشورہ چاہ رہے تھے۔ ادھر سے Busy tone آ رہی تھی۔

انہوں نے ریسیور رکھ کر کچھ سوچا، پھر کھڑکی میں آ کھڑے ہوئے، دور تک پھیلی کہر موسم کی شدت کا پتہ دے رہی تھی۔ انہیں اپنا آپ بھی کہر میں لپٹا محسوس ہوا۔

ایک خنک سی لہر رگ و پے میں دوڑی۔ انہوں نے بے ساختہ آتش دان کی سمت دیکھا۔ بوڑھی خادمہ ابھی ابھی لکڑیاں لگا کر گئی تھی۔

موسم سارے اندر کے ہوتے ہیں۔

انہوں نے بلائنڈز گراتے ہوئے سوچا۔

لیکن زندگی کے اس موسم کے بارے میں انہوں نے کب سوچا تھا۔

شاید وہ کبھی نہیں ہوتا جو ہم سوچتے ہیں

ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو ہمارے وہم وگمان کی حد سے باہر ہوتا ہے
یا پھر وہ جو ازل سے لکھ دیا گیا
ہم تو بساطِ زندگی پر دھرے وہ مہرے ہیں جنہیں ہر حال میں پٹ جانا ہے
کبھی مات دے کر، کبھی مات کھا کر
اور مات کھائے یہ مہرے
اور ان کو چلانے والا وہ ہاتھ
جس کی کوئی چال خالی از مصلحت نہیں
جس کا کوئی مہرہ بے سبب نہیں
وہ بھی تو ایک مہرہ ہی تھے
چلنے والے نے چال چلی تھی
کیا خبر اس میں کیا مصلحت تھی
اس بات میں جیت یا شہ مات

مسلسل ہونے والی بیل نے ان کے خیالات کا تسلسل توڑا تھا۔

''اس وقت کون ہوسکتا ہے اور اس موسم میں۔''

انہوں نے وال کلاک پر نگاہ ڈالی۔ پھر دروازے کی سمت بڑھ گئے۔

دروازہ کھولنے سے قبل انہوں نے حسبِ عادت پوچھا۔ پھر رزاق شاہ کا سن کر دروا کھول دیا تھا۔

''آپ اس وقت! خیریت تو ہے؟'' انہیں اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے انہوں پوچھا۔

''ہاں پہلے کافی پلواؤ بہت سردی ہے باہر۔'' انہوں نے ہاتھوں کو دستانوں کی قید آزاد کرتے ہوئے کہا۔ سلجوق شاہ نے دروازہ لاک کیا۔ پھر الیکٹرک کیٹل کو آن کر کے رزا شاہ کے پاس چلے آئے۔ ان کی بے وقت آمد نے ان کو نئے سرے سے پریشان کر دیا تھا۔

''بابا جان کا فون آیا تھا آج شام......'' انہوں نے بیٹھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ سلجوق متوجہ ہوگئے۔ ''کہہ رہے ہیں فوراً پاکستان پہنچو غالباً کوئی مسئلہ ہوگیا ہے۔ تمہارے علم میں ہے؟'' بات مکمل کر کے انہوں نے سلجوق شاہ کی طرف دیکھا وہ پریشان تھے۔

''مجھے بھی کچھ اسی قسم کا فون کیا ہے بابا جان نے۔'' بیٹھتے ہوئے انہوں نے کہا۔

''بی اماں کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' انہوں نے تشویش کا اظہار کیا۔

''شاید اصل میں بھائی صاحب......'' وہ کہتے کہتے رک گئے۔

''ہاں کہو تمہارے علم میں کچھ ہو تو......؟'' انہوں نے منتظر نگاہوں سے سلجوق کو دیکھا۔

''پتہ نہیں کیوں بھائی صاحب مجھے لگتا ہے، کہیں کچھ غلط ہے۔'' انہوں نے رک رک کر کہا۔ تو رزاق شاہ مزید پریشانی میں مبتلا ہوگئے۔ تب سلجوق نے دھیرے دھیرے سب کچھ بتا ڈالا۔ ہما کے بھاگ جانے سے لے کر بی اماں کی غیر موجودگی تک کے تمام حالات و واقعات۔ رزاق شاہ کے دماغ کی رگیں پھول گئی تھیں اور اب وہ عجب خالی الذہن کیفیت سے سلجوق شاہ کو دیکھ رہے تھے۔

☆======☆======☆

''اُف اللہ کتنی پیاری ہے یہ۔'' نوما نے گول مٹول سی گڑیا کو گود میں لے کر چٹ پٹ پیار کر ڈالا۔ ہما نے پاس کھڑے چپ چاپ سے فرحان کو دیکھا۔ پھر نوما کی گود میں لیٹی اس بچی کو، دور تک اداسی پھیل گئی۔ غلطی صرف اپنے تک محدود نہیں رہتی۔

ہمارے گناہ کی سزا صرف ہم ہی کو نہیں ملتی۔ بلکہ ہمارے اردگرد ہم سے وابستہ تمام لوگ بھی زیرِ اثر آتے ہیں۔

یہ خام خیالی ہے کہ ہمارے کئے کی سزا صرف ہم ہی کو ملے۔
یہ سلسلہ تو دور تک چلتا ہے۔
جیسے اس کی غلطی، اس کا گناہ مجسم شکل اختیار کئے اس کے سامنے تھا۔
فرحان کتنے بھی اچھے ہوں۔ انہوں نے اسے تو قبول کر لیا تھا، لیکن شاید اس بچی کو قبول کرنے پر ان کا دل آمادہ نہ ہوتا۔
کئی بار گھبرا کر اس نے اس بوجھ سے جان چھڑانے کی سوچی تھی۔
لیکن ہر بار وہ محض سوچ کر رہ گئی تھی۔
اس کی ہمت ہی نہ ہوئی تھی۔
فرحان نے اگرچہ اس سلسلے میں کبھی بات نہ کی تھی۔
وہ اس کو چیک اپ کے لئے بھی لے جاتے رہے تھے۔
ہر ممکن اس کا خیال رکھا تھا۔
لیکن کبھی اشارتاً بھی آنے والے کے بارے میں کچھ نہ کہا تھا۔
اب بھی بے شک کل سے وہ اس کے ساتھ تھے لیکن ایک بار بھی انہوں نے بچی میں کسی دلچسپی کا اظہار نہ کیا تھا۔ نوما اور ارمغان کئی بار کہہ بھی چکے تھے لیکن وہ مسکرا کر ٹال گئے تھے

''اتنی چھوٹی سی ہے گر جائے گی میرے ہاتھوں سے۔''

انہوں نے نوما کو پیچھے کرتے ہوئے کہا تھا۔ نوما مذاق اُڑاتی پیچھے ہو گئی تھی۔

''اب تم کیسا فِیل کر رہی ہو؟'' فرحان پوچھ رہے تھے۔

''ہوں۔ اچھی ہوں......'' اس نے خفیف سا سر ہلایا۔ بچی رونے لگی تھی۔ نوما گھبرا کر اسے ہما کے پاس لے آئی۔ ''یہ رونے لگی ہے۔'' اس نے اسے ہما کے پاس لٹاتے ہوئے کہا۔

ہما نے اسے قریب سے پیشانی پر بوسہ دیا۔ کچھ بھی تھا، اس نے اسے جنم دیا تھا۔

فرحان باہر چلے گئے تھے۔ ''اس کا نام کیا سوچا ہے آپ نے؟'' نوما قریب بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''کچھ بھی نہیں۔'' ہما کے لبوں سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''کیوں؟'' نوما حیران ہوئی۔ ''لوگ تو پہلے سے ہی نام سوچ لیا کرتے ہیں۔''

''بس ہم نے سوچا اس کا نام اس کی پھپھو اور چاچو مل کر رکھیں گے۔'' ہما ہنسی۔

''تو ٹھیک ہے رات عافیہ بجو کا فون آیا تھا آپ کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ اصل میں ابھی تک انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ فرحان بھائی کی دوسری شادی ہو چکی ہے۔ میں نے رات بتایا۔ بڑی حیران ہو رہی تھیں اور آپ کے بارے میں سن کر خوش بھی، ارمغان نے انہیں میری بات طے ہونے کا بھی بتا دیا۔ بڑی ناراض ہوئیں۔ خود تو سالوں چکر نہیں لگاتیں پھر شکوہ کرتی ہیں کہ انہیں لاعلم رکھا جاتا ہے ہر معاملے میں۔ کہہ رہی تھیں کہ اس بار چھٹیوں میں چکر لگائیں گی اب دیکھیں؟'' وہ چپ ہوئی تو ہما جو بڑی محویت سے اسے سن رہی تھی ایک دم ہنس پڑی۔

''تم سارے کے سارے بڑے عجیب ہو۔''

''ہیلو بھابی اینڈ گڑیا!'' اسی وقت ارمغان اندر داخل ہوا تو ان کی توجہ بٹی۔

''گڑیا کا کوئی نام تو رکھو!'' اسے لپک کر اٹھاتے دیکھ کر ہما نے کہا۔ ارمغان اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر بغور اس کو دیکھنے لگا۔ اس کا نا قرسم فرحان ہاں اس کا نام قرسم فرحان؟ کیوں نوما؟'' اس نے پیچھے مڑ کر نوما کو دیکھا۔

''نہیں۔'' نوما نے اختلاف کیا۔ ''اس کا نام اریج ہوگا۔''

''خواہ مخواہ ہی قرسم بہترین نام ہے۔'' ارمغان نے نوما کو قطعاً غیر اہم گردانا۔

''جی نہیں میں اس کا نام اریج رکھوں گی۔'' وہ بگڑی۔

''تو ٹھیک ہے اگلی بار جو گڑیا آئے گی اس کا نام اریج رکھ لیں گے۔'' ارمغان نے بچی چومتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں قرسم اگلی بار رکھ لیں گے۔'' نوما نے پاؤں پٹخے۔

وہ دونوں آپس میں الجھ رہے تھے۔ ہما نے ان کی دلچسپ لڑائی سنی پھر کھنکار کر کہنے لگی۔

''اس میں لڑنے کی کیا بات ہے؟ اس کا نام اریج قرسم رکھ لیتے ہیں۔ دونوں خوش۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' دونوں متفق ہو گئے تھے۔ ''کتنی پیاری ہے ناں یہ؟'' نوما نے اس کی ننھی سی ناک کو چھوتے ہوئے کہا تھا۔

''بالکل میری طرح۔'' ارمغان نے اکڑ کر کہا تو نوما نے اس کے دھپ رسید کی۔

''ہاں جیسے گلفام ہو ناں تم؟''

''تمہیں ابھی اس گلفام کی خدمات لینی ہیں۔ میں بتانا بھول گیا۔ گھر میں ناجیہ آئی بیٹھی ہے اور میں اس سے کہہ کر آیا تھا کہ تمہیں ابھی لے کر پہنچتا ہوں۔'' ارمغان نے بچی کو واپس لٹاتے ہوئے بتایا تو نوما نے گھور کر اسے دیکھا۔ پھر جلدی سے بیگ اٹھا کر تیار ہو گئی۔ ''بھابی میں شام کو آ جاؤں گی۔ کسی خاص چیز کو دل چاہ رہا ہو تو بتا دیں۔''

''نہیں بلکہ تم میرے لئے سادہ کھانا ہی لے آنا یہ سوپ اور یخنی وغیرہ پینے کو میرا دل نہیں کرتا۔'' ہما نے منع کیا۔

''یہ تو پینا پڑے گا آپ کو چلیں میں خود ہی کچھ بنا کر لاؤں گی۔'' اس نے جھک کر دونوں کو پیار کیا اور باہر نکل آئی۔ ارمغان پیچھے تھا۔

''بیوقوف تم بتاتے تو سہی وہ بے چاری وہاں اکیلی بیٹھی خوار ہو رہی ہو گی۔'' باہر نکلتے ہی اس نے ارمغان کے لتے لئے۔ وہ ڈھٹائی سے مسکراتا رہا۔ پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔

''نوما کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ناجیہ ایک زندہ وجود سے محبت کرنے لگے؟''

''کیا مطلب زندہ وجود سے؟'' وہ کچھ نہ سمجھی۔ پھر جیسے ایک دم کچھ ذہن میں آیا۔

''ارمغان کیا تم......؟'' اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ ارمغان کے چہرے پر وہ سب کچھ تحریر تھا۔ جس سے وہ اب تلک انجان رہی تھی۔ اس کے سیڑھیاں اترتے قدم رک گئے۔

☆======☆======☆

''یہ ہے میری شادی کا کارڈ۔ تم انکل سمیت ضرور آنا۔ میں اپنی شادی پر بس خاص دوستوں کو ہی انوائیٹ کر رہا ہوں۔'' اسد ملک نے کارڈ عاصمہ حیات کے آگے رکھا تو اس کی آنکھوں میں گویا تارے ناچ گئے۔

''کک، کیا کہہ رہے ہو اسد......؟'' کافی دیر بعد وہ بمشکل بول پائی تھی۔

''میری شادی ہو رہی ہے یار۔'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ عاصمہ

نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور ذرا پرے ہٹ گئی۔

''اسد مذاق کرنے کا یہ کون سا وقت ہے؟'' وہ سنبھل کر بولی۔ سو فیصد یقین تھا کہ اسد یہ بات مذاق سے کہہ رہا ہے۔

''اول تو مذاق کرنے کا کوئی وقت نہیں ہوتا، دوئم یہ کہ میں سیریس ہوں۔ اگلے جمعہ کو شام ساڑھے سات بجے میرا نکاح میری پھپھوزاد رومانہ ملک سے قرار پایا ہے۔ آپ کی شمولیت باعثِ صد افتخار ہوگی۔ امید ہے آپ شرکت فرما کر شکریہ کا موقع دیں گی۔ باقی کی پروگرامنگ اس کارڈ پر درج ہے۔ تم کارڈ تو دیکھو کیسا زبردست چھپوایا ہے ابا جان نے۔'' اسد نے کارڈ اس کے آگے رکھا۔ تب پہلی بار عاصمہ نے کارڈ پر نظر ڈالی، لائٹ اور ڈارک گرین کارڈ پر ڈارک گرین حروف سے جگمگاتے اسد ملک اور رومانہ ملک کے نام، ایک لمحے کو تو ششدر ہی رہ گئی۔ اسے اب بھی یقین نہ آ رہا تھا۔

''اسد یہ سب اور میں۔'' اسے اور کچھ سمجھ نہ آیا تو وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔

''اوہ کم آن عاصمہ۔'' اسد ملک کا اطمینان قابلِ دید تھا۔ ''اس میں رونے والی کون سی بات ہے۔ شادی ہی تو ہو رہی ہے میں کوئی تمہیں چھوڑ تو نہیں رہا۔''

''تمہیں پتہ ہے اسد! فرحان نے دوسری شادی کر لی ہے اور میں نے خلع کا مقدمہ درج کرا دیا ہے۔ صرف اس لئے کہ میں مکمل تمہاری ہو کر رہنا چاہتی ہوں اور تم۔'' اس نے ہچکیوں کے درمیان بتایا تو اسد زور سے ہنس پڑا۔

''تم اب بھی میری ہو جانم اور ہمیشہ میری ہی رہو گی۔ یہ شادی تو محض ایک بورڈ ہے اور ایسی شادیاں تو ہم ملکوں کی ہوتی رہتی ہیں۔ وہ میری بیوی صرف حویلی میں ہوگی ورنہ تو تم ...... ارے تم طلاق تو لو میں اگلے دن ہی تم سے شادی نہ کر لوں تو پھر کہنا بے کار روتی پھر رہی ہو۔''

اس نے عاصمہ کے ہاتھ کو ہاتھ میں لے کر دباتے ہوئے کہا تو عاصمہ کچھ پُرسکون نظر آنے لگی۔

''مجھے دھوکہ مت دینا اسد! تم میرا آخری سہارا ہو۔'' ٹشو سے چہرہ تھپتھپاتے ہوئے اس نے مزید یقین دہانی چاہی۔

''ڈیڈی میرے اس فیصلے سے قطعاً خوش نہیں ہیں۔ وہ اب بھی یہی چاہتے ہیں کہ میں فرحان سے مصالحت کر لوں اور اس کی دوسری شادی کو ہنسی خوشی قبول کر لوں۔ جب کہ اب تو

ایسا کسی صورت ممکن نہیں ہے۔''

''بائی دا وے یہ دوسری شادی ہوئی کس سے ہے؟'' اسد نے یونہی برسبیلِ تذکرہ پوچھا تھا۔

''ہونہہ۔ شادی، ربیعہ، سلجوق شاہ کی بہن سے......'' بلا ارادہ اس کے منہ سے نکلا تھا اور پھر وہ جیسے چونکی تھی۔

''ربیعہ سے کیسے ہوگئی......؟'' جب فرحان اس لڑکی کے ہمراہ آیا تھا اور اپنی بیوی کا تعارف کروا رہا تھا تب اسے اس کی صورت بڑی دیکھی دیکھی سی لگی تھی لیکن تب تو اس نے غور ہی نہ کیا تھا اور اب اچانک جیسے لاشعور از خود اس کا نام لبوں پر لے آیا تھا اور وہ حیران رہ گئی تھی۔ کمال ہے اس نے اس پہلو پر تو توجہ ہی نہیں کی تھی اور چونک تو اسد ملک بھی گیا تھا۔ تبھی اسے خدا حافظ کہہ کر وہ بہ عجلت نکل آیا تھا۔

''ربیعہ...... یا ہما سے۔'' اس کی اطلاع کے مطابق تو ربیعہ ہاسپٹل میں تھی۔

ہما کے بھاگ جانے کے بعد اس نے ''سیّد منزل'' فون کر کے ہما کے بارے میں جاننے کی کوشش کی تھی اور کسی ملازم نے ہی بتایا تھا کہ ربیعہ بی بی ہاسپٹل میں ہیں جب کہ ہما کے بارے میں اس نے بات کرنے سے گریز کیا تھا۔

''تو گویا فرحان نے ہما سے شادی کر لی۔'' خیال تھا تو جان لیوا۔ ایک دم اسے کچھ ہوا تھا اور اپنی اس بے چینی کو چھپانے کی خاطر اس نے بالآخر فرحان کے گھر فون کھڑکا ہی ڈالا۔

''ہیلو کون؟'' ادھر سے آنے والی نسوانی آواز یقیناً فرحان کی بہن کی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا اور اس کی تصدیق بھی ہوگئی۔ جب اس نے کہا۔

''ہیلو ہما بھابی؟'' تو جواباً نوما نے بتایا کہ ''ہما بھابی تو ہاسپٹل میں ہیں۔''

''اوہ! خیریت؟'' اس نے نشانہ فٹ بیٹھنے پر اپنے آپ کو داد دی۔

''آپ کو نہیں معلوم ایک ہفتہ قبل انہوں نے ایک پیاری سی بیٹی کو جنم دیا ہے۔ ویسے آج شام کو وہ ڈسچارج ہو رہی ہیں آپ کون......؟'' نوما کو ساری تفصیلات بہم پہنچانے کے بعد خیال آیا۔

''میں ہما کا کزن اسد بات کر رہا ہوں۔ چلئے میں شام کو فون کر لوں گا۔ ویسے آپ انہیں میرا Message convey کر دیجئے گا۔ بائے۔'' فون رکھتے ہوئے اس کے چہرے پر بڑی عیارانہ مسکراہٹ تھی۔ وہ اگلی ساری چال ترتیب دے چکا تھا۔

''تو ہما شاہ تم مجھ سے بچ کر کہاں جاؤ گی۔'' مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے وہ بڑبڑایا تھا۔

☆======☆======☆

کیا کہہ رہی ہو تم نوما؟'' ناجیہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ آج بہت دنوں بعد وہ یونیورسٹی آئی تھی، چچی جان کی طبیعت ہی نہیں سنبھل رہی تھی۔ کچھ وہ خود بھی اب تک اَپ سیٹ ہی تھی۔

اس لئے بیچ بیچ میں چھٹیاں کرتی رہی تھی اور نوما نے آج ملتے ہی بڑی عجیب سی بات کہہ ڈالی تھی۔ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ

بہتر ہے زیست کو ہنس کر نبھا دو
محسوس کرو گے تو مسلسل عذاب ہے

اس نے اپنا لہجہ خوشگوار بنایا تھا۔

''تو کیا کروں میں؟ اگر میرا ہنسنے کا جی نہیں چاہے، خوش ہونے کو جی نہ چاہے بولو'' ناجیہ نے تیکھی ہو کر پوچھا تھا۔

''زندگی ایک بندے پر ختم نہیں ہوتی ناج۔ کتنی بار سمجھاؤں تمہیں۔'' نوما نے زچ ہو کر کہا تھا اور ناجیہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لیا تھا۔

''ناج۔'' اس نام سے تو نقشم پکارتا تھا۔

''میں یہ نہیں کہتی کہ نقشم تم سے کم محبت کرتا تھا۔ میں تو صرف یہ سمجھانا چاہ رہی ہوں تمہیں کہ اس دنیا میں اور بھی بہت سے لوگ ہیں جو تم سے محبت کرتے ہیں۔ تمہیں چاہتے ہیں۔ تمہاری ہنسی، تمہاری خوشی ان کے لئے اہم ہے۔ تم ایک بار اپنے غم کی دنیا سے نکل کر تو دیکھو۔'' وہ اب بھی کھلم کھلا اسے نہ کہہ پائی۔

''مجھے نہیں نکل کر دیکھنا اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو تو بہتر ہے۔ خواہ مخواہ سر پھوڑنے سے فائدہ۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔ تو نوما کا جی چاہا اٹھے اور کس کر دو تھپڑ لگا دے۔

''تم کیوں زندہ لوگوں کو بھی اپنے ساتھ مرنے پر مجبور کر رہی ہو۔'' باوجود ضبط کے اس کا لہجہ بھی سخت ہی تھا۔

''مثلاً کون مر رہا ہے میرے لئے یا میرے ساتھ۔ میرے والد صاحب یا میری امریکہ پلٹ بہنیں؟'' وہ استہزائیہ ہوئی۔

''کسی کو کوئی غرض نہیں ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ مجھے کیسے زندہ رہنا ہے اور پھر زندہ بھی کیا رہنا ہے۔ آتی جاتی سانسیں کوئی زندگی تو نہیں ہوتیں۔''

وہ پھر سے مایوسی کی لپیٹ میں آنے لگی۔ نوما اٹھ کر اس کے قریب آ گئی اور اس کے

کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی۔

''میں بھی تمہیں یہی سمجھا رہی ہوں پاگل لڑکی۔ مرنے والوں کے ساتھ مر نہیں جایا کرتے۔ جب تک زندگی ہے اسے پورا کرنا ہے اور ہنس کر، یوں نہیں جیسے بوجھ ہو، زندگی اللہ کی نعمت ہے۔ اس کو اچھے طریقے سے گزارنا اس نعمت کا شکرانہ ہے۔ اچھی خاصی سمجھ دار لڑکی ہوا کرتی تھیں تم، پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ اپنے اردگرد دیکھو بہت سارے لوگ ہیں۔ بہت کچھ ہے، زندگی بسر کرنے کو بس تھوڑا سا حوصلے کو مجتمع کرنے کی ضرورت ہے اور بہادر تو تم ہو۔ یہ میں جانتی ہوں۔''

''میں کیا کروں۔'' اس نے بے بسی سے سر ہاتھوں میں گرا دیا۔ ''میں بڑی کوشش کرتی ہوں سنبھل جانے کی نقشم کو بھول جانے کی لیکن ایسا لگتا ہے کہ نقشم کا دکھ رگوں میں پھیل گیا ہے۔''

''تم ایسا محسوس کرتی ہو اس لئے ورنہ نسیان بہت بڑی نعمت ہے بیماری کی شکل میں۔ سوچو اگر نسیان کا مرض نہ ہوتا تو؟ کتنے بڑے بڑے حادثے ہوتے ہیں دنیا میں، اور ان حادثوں کی تکلیف، شدت لگتا ہے ناں وقتی طور پر کہ ہم مر جائیں گے، پاگل ہو جائیں گے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حافظے پر گرد جمنے لگتی ہے۔ اردگرد اتنا کچھ ہو رہا ہوتا ہے کہ وہ حادثہ، اس کی شدت کہیں پس منظر میں چلے جاتے ہیں۔ ہماری نسیان کی قوت ایسا کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ تم اس نسیان پر حاوی ہونے کی کوشش میں ہو جب بھی یہ واقعہ محو ہونے لگتا ہے تم پھر کوئی نہ کوئی ایسا Clue ڈھونڈ لاتی ہو جو نئے سرے سے اس واقعہ کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ غم کی شدت اور بڑھ جاتی ہے۔ تمہارا رونا، شدت سے رونا اور خود کو بہت بڑا دکھی محسوس کرنا تمہیں کچھ نہیں کرنے دیتا۔

ٹھیک ہے خلا کبھی پُر نہیں ہوتے لیکن خالی جگہ کو اگر زیادہ دیر تک خالی رہنے دیا جائے تو جالے لگ جاتے ہیں۔ تم نقشم کو مت بھولو۔ کسی اور کو اس کی جگہ بھی مت دو لیکن تم اپنی جگہ سے تو مت ہٹو۔

جس طرح تمہارے دل میں نقشم کے لئے جگہ ہے، ویسے ہی تمہارے لئے کسی اور کے دل میں بھی جگہ ہو سکتی ہے۔ دل پہ زور نہیں، یہی کہتی ہو ناں تم؟ کوئی [redacted] بھی اتنی شدت سے چاہ سکتا ہے۔ یہ کیوں نہیں سوچتی ہو؟ وہ جو مر گیا، مشیت ایزدی لیکن تم جیتے جی تو مت مارو اپنے آپ کو، تمہاری اہمیت اپنی جگہ پر ہے، اس سے تو انکار نہیں کر سکتی ہو تم؟''

نوما کی باتوں کا اس کے پاس ہمیشہ کی طرح کوئی جواب نہ تھا لیکن ہر بار کی طرح اس نے

حجت بھی نہیں کی۔ خاموشی سے نوما کو دیکھتی رہی اور پھر کتابیں سمیٹ کر چل دی۔ پتہ نہیں کیوں اس کا ذہن نوما کی باتوں کی تائید کرنے لگا تھا اور وہ سر جھٹک جھٹک کر اس اثر کو زائل کرنے کی کوشش میں تھی لیکن کوشش ناکام ہوئی جا رہی تھی۔

☆======☆======☆

”میں کہتی ہوں دروازہ کھولو، کھولو دروازہ!“ وہ چیخی تھی۔ ”میں بتاؤں گی سب کو میں کون ہوں۔ تم حد سے بڑھ گئے ہو کیا تمہیں پتہ نہیں خدا زیادتی پسند نہیں کرتا۔“

اس نے زور سے دروازہ پیٹا تھا لیکن اس قدر شور و ہنگامہ تھا کہ کوئی ادھر متوجہ ہی نہیں تھا۔ ملازم سب اپنے کام پر لگے ہوئے تھے۔ گھر کے سب لوگ باہر قناتوں میں تھے۔ ایسے میں اس کی کون سنتا۔ اس نے ایک بار پھر دروازہ زور سے دھڑ دھڑایا۔ حفیظہ جو باہر جانے کے لئے کمرے سے نکلی تھی ٹھٹک گئی۔ اندازے سے آواز کی سمت کا تعین کیا۔ حویلی کے پچھواڑے سے آتی آواز نے خود بخود اس کے قدم ادھر موڑ دیئے۔ وہ تیزی سے چلتی وہاں پہنچی دروازہ کھول کر اس نے اندر جھانکا حسبِ توقع وہی تھی۔ اس کے خیال میں تو اس کو اب تک ختم کر دیا گیا تھا۔ غداری تو بھاگ بھری نے بھی کی تھی۔ اس نے اس دن اگر نیچے جا کر خبر نہ کی ہوتی تو اب یہاں نہ ہوتی لیکن قسمت کا چکر ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔

”تم...... آ گئیں تم۔“ اسے دیکھ کر وہ ہنسنے لگی۔ حفیظہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا پھر اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

”رومانہ کی شادی ہے آج۔“ حفیظہ نے ہولے سے بتایا۔

”کس کے ساتھ؟“ اس نے سر کھجاتے ہوئے پوچھا۔

”پھپھو کے بیٹے اسد کے ساتھ۔“ حفیظہ نے بتایا تو وہ ایک بار پھر ہنس پڑی۔

”ایسی شادیاں تو ملکوں کی ہوتی رہتی ہیں۔“ ہنسی روک کر اس نے کہا۔ حفیظہ خاموش کھڑی تھی۔ وہ چند ثانیے سر کھجاتی رہی۔ پھر حفیظہ کے قریب آ کر رازداری سے بولی۔

”بھاگ چلیں!“

حفیظہ نے چونک کر اس کی شکل دیکھی وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”یہ اچھا موقع ہے۔ سب شادی میں مصروف ہیں۔ سچ مچ۔“ بات کرتے ہوئے اس نے حفیظہ کا بازو پکڑ لیا۔

”اور اگر پکڑے گئے تو؟“ حفیظہ کی آواز کانپی۔

”تو کیا ہوگا۔ کوشش تو کریں۔“ وہ اسے اکسا رہی تھی۔

اور حفیظہ نے فیصلہ کر لیا۔ ایک پل میں اس نے جلدی سے زیور اتار کر پرس میں رکھے، دوپٹہ پھیلا کر اوڑھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آئی۔

”اِدھر نہیں۔“ اس نے حفیظہ کو روکا۔

”اِدھر باغ کے پچھلے دروازے سے۔“ اشارہ کرتے وہ اِدھر بڑھ گئی۔ حفیظہ پیچھے تھی۔ ویران باغ کے آخری کونے میں لگا زنگ آلود گیٹ اس کے قدیم ہونے کی گواہی دے رہا تھا اور اس پر پڑا بڑا سا آہنی تالا ان کا منہ چڑا رہا تھا۔ حفیظہ نے مایوسی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ خاموشی سے جائزہ لے رہی تھی۔ پھر آگے بڑھ کر وہ گیٹ کے پاس پڑی جھاڑیاں اٹھانے لگی۔ سوکھی شاخوں اور جھاڑیوں کا ایک ڈھیر تھا وہاں، حفیظہ بھی اس کی مدد کرنے لگی۔ بالآخر وہ جگہ صاف کرنے میں کامیاب ہو گئیں اور تب حفیظہ نے دیکھا گیٹ کے نیچے بہت کھلی جگہ تھی جہاں سے گزر کر باہر با آسانی پہنچا جا سکتا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ باہر کیا ہے اور یہ گیٹ کس طرف کھلتا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ دوسری طرف کوئی موجود ہو۔

”نیچے بیٹھ کر آہستہ سے رینگ جاؤ۔“ اس نے حفیظہ کو ہدایت کی تھی۔

حفیظہ نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کھلی سڑک پر تھے۔ اسی وقت اسے بھاگتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر نیچے دیکھا۔ وہ گھسیٹتی ہوئی آ رہی تھی۔ ”میرا خیال ہے انہیں تمہاری گمشدگی کا پتہ چل گیا ہے۔“ اس نے ذرا بلند آواز سے حفیظہ کو بتایا دور کہیں روشنی چمکی تھی۔ شاید کوئی گاڑی ادھر آ رہی تھی۔

”اماں جلدی کرو ایک گاڑی آ رہی ہے۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے تقریباً کھینچ لیا وہ ہانپتی ہوئی کھڑی ہوئی۔ قدموں کی آواز قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔ حفیظہ نے ایک نظر پیچھے دیکھا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر سڑک کے عین بیچ جا کھڑی ہوئی۔ حویلی لوٹ کر جانے سے بہتر ہے مر جایا جائے۔ فوری طور پر اس کے ذہن میں یہی سوچ آئی تھی۔ فل اسپیڈ سے آتی گاڑی کے ٹائر اس کے بالکل قریب آ کر چرچرائے تھے۔ سناٹے میں یہ آواز بہت دور تک گونجی تھی۔

☆======☆======☆

وہ ہوش و حواس میں آئی تو تھی لیکن اب ایک عجیب طرح کے خوف میں گھری نظر آنے لگی تھی۔

اس کی آنکھوں کی پتلیاں کئی کئی لمحہ ایک طرف کو مرکوز رہتیں اور پھر وہ ایک دم چیخ مارنے لگتی اب بھی وہ ایسی ہی کیفیت میں تھی۔ ڈاکٹر علوی اور ڈاکٹر ارمغان موجود تھے۔ ارمغان ڈاکٹر ربیعہ کی تمام رپورٹس دکھا رہا تھا، ساتھ ساتھ اس کی کنڈیشن بھی بتا رہا تھا جب دروازہ

کھول کر جہانگیر شاہ اندر داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے رزاق شاہ اور سلجوق شاہ بھی تھے۔

''آیئے شاہ صاحب!'' ڈاکٹر علوی انہیں دیکھ کر خوش دلی سے آگے بڑھے تھے۔ دعا کے بعد انہوں نے تعارف کروایا۔

''یہ میرے بڑے بیٹے رزاق شاہ اور یہ چھوٹے سلجوق شاہ ہیں۔ آج ہی امریکہ سے لوٹے ہیں۔'' ڈاکٹر علوی اور ارمغان نے دونوں سے مصافحہ کیا انہیں بیٹھنے کا کہہ کر ارمغان نے انٹرکام پر چائے کا کہا۔ رزاق شاہ ڈاکٹر علوی سے ربیعہ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ خاموشی سے ان کا جائزہ لینے لگا۔ سلجوق شاہ کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات تھے جب کہ جہانگیر شاہ صرف پُرسکون نظر آنے کی کوشش کر رہے تھے، ان کا تیزی سے ہلتا دایاں پاؤں ان کی بے چینی کا غماز تھا۔

''ٹھیک ہے آپ اگر ربیعہ کو باہر لے جانا چاہتے ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' ڈاکٹر علوی کی آواز اسے خیالات سے باہر کھینچ لائی تھی۔

''جب کہ ڈاکٹر ارمغان کافی حد تک ان کی بیماری کی وجہ دریافت کر چکے ہیں۔'' انہوں نے بات کرتے ہوئے ارمغان کو دیکھا جو کہ جہانگیر شاہ کو پہلو بدلتے دیکھ چکا تھا۔

''کیوں ارمغان؟'' انہوں نے اسے بھی شاملِ گفتگو کیا۔

''جی سر! بس ایک گرہ ہے اور میں اسے کھولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' ارمغان مسکرایا۔

''لیکن میرا خیال ہے کہ باہر کے ملک میں ربیعہ کو زیادہ اچھی ٹریٹمنٹ مل سکتی ہے۔'' جہانگیر شاہ نے پہلی مرتبہ لب کھولے۔

''یقیناً مل سکتی ہوگی۔ اگر آپ کی تسلی اسی میں ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے شاہ صاحب! لیکن بہرحال صحیح صورتِ حال سے تو آپ کو وہاں بھی آگاہ ہی دینا ہوگی، یہ علاج کے لئے ضروری ہے۔'' ارمغان نے کہا تو جہانگیر شاہ نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا پھر ڈاکٹر علوی سے مخاطب ہوئے۔

''پھر ڈاکٹر صاحب کب فارغ کر رہے ہیں آپ ربیعہ کو؟''

''کل تک آپ ربیعہ کو لے جا سکتے ہیں۔'' ڈاکٹر علوی نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

''تو ٹھیک ہے اچھا خدا حافظ۔'' وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ سلجوق شاہ اس دوران ایک بار بھی نہیں بولے تھے۔

''چائے آ رہی ہے شاہ صاحب۔'' ارمغان نے کہا تو انہوں نے شکریہ کہہ کر انکار کر دیا۔ پھر خدا حافظ کہہ کر باہر نکلے تو سلجوق شاہ نے زبان کھولی۔

''میں اب تک سمجھ نہیں پا رہا بابا جان کہ اصل بات کیا ہے، سارا چکر کیوں اور کس لئے چلایا گیا ہے۔'' جھنجھلاہٹ سلجوق شاہ کے لہجے سے عیاں تھی۔

جہانگیر شاہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ پورا راستہ وہ خاموش ہی رہے تھے۔ رزاق شاہ البتہ اطمینان سے سگریٹ پینے میں مشغول رہے۔ وہ آج صبح ہی پہنچے تھے۔ بابا جان فارم ہاؤس تھے۔ اپنے آنے کی اطلاع دینے کے بعد سلجوق شاہ نے فون پر صوفیہ سے رابطہ کیا تھا۔ وہ حسبِ سابق سسرالی بکھیڑوں میں تھی۔ چند دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔ انا بی ان کے یوں اچانک چلے آنے پر حیران تو تھیں لیکن خوش بھی تھیں اور آناً فاناً انہوں نے خانساماں کو ناشتہ تیار کرنے کا کہہ دیا تھا۔ بڑے دنوں بعد وہ یوں خوش ہوئی تھیں اور گھر میں اس طرح کی آوازیں گونجی تھیں ورنہ تو سناٹا سا سناٹا۔ ناشتہ کی تیاری کے دوران ہی بابا جان چلے آئے تھے۔ علیک سلیک کے بعد وہ ناشتہ کرنے لگے تھے جب کہ بابا جان فون پر مشغول ہو گئے تھے۔ پھر فراغت کے بعد وہ انہیں کچھ بھی بتائے بناء ہاسپٹل لے آئے تھے۔ رزاق شاہ نے ایک بار پوچھنے کی کوشش کی تھی تو انہوں نے اسے خاموش رہنے کا کہہ دیا تھا۔ اور اب بھی یہی صورتِ حال تھی۔

''سیّد منزل'' پہنچتے ہی انہوں نے ان کو ہال کمرہ میں پہنچنے کا کہا۔ جب کہ انا بی انہیں دوپہر کے کھانے کے لئے ڈائننگ روم میں لے جانا چاہ رہی تھیں۔

''ہم تھوڑا کام کر لیں انا بی، پھر آتے ہیں۔'' جہانگیر شاہ نے انا بی کو ٹالا۔ پھر اپنے بیڈ روم کی طرف چلے گئے۔

ہال کمرہ بالکل پچھواڑے میں تھا۔ کبھی یہ کمرہ سردیوں میں سٹنگ روم کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا لیکن یہ تب تھا جب کسی کی بھی شادی نہ ہوئی تھی۔

وہ سب بہن بھائی اسی کمرے میں بیٹھ کر گپ شپ کیا کرتے۔ کمرے میں آتش دان میں لکڑیاں سلگتی رہتیں اور وہ تمام طور طریقے بھلائے یہیں کھانا، یہیں چائے کا دور چلاتے رہتے، پھر رفتہ رفتہ سب کچھ ختم ہوتا گیا۔ یہ کمرہ بس کبھی کبھار ہی کھلنے لگا اور اب تو جیسے مہینوں سے بند پڑا تھا۔

دونوں ایک جیسی سوچ میں الجھے ہال کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ سلجوق نے لائٹیں آن کیں۔

''کتنے اچھے تھے وہ دن؟'' سلجوق شاہ نے سوچ کو زبان دے تھی۔

''ہاں اب تو سب کچھ بکھر گیا ہے۔'' رزاق شاہ نے بھی افسردگی سے کہا تھا۔

اسی دم جہانگیر شاہ اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں بریف کیس تھا۔

''یہاں میرے قریب آ جاؤ۔'' انہوں نے سنٹر ٹیبل پر بریف کیس رکھتے ہوئے کہا تو وہ دونوں قریب آ گئے۔

جہانگیر شاہ نے بریف کیس کھول کر کچھ کاغذات نکال لئے۔ پھر تھوڑی دیر مطالعہ کرنے کے بعد انہوں نے وہ کاغذات رزاق شاہ کی طرف بڑھا دیئے۔

''رزاق یہ کاغذات تمہارے حصے کی جائیداد کے ہیں۔''

رزاق جو کہ کاغذات پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہے تھے۔ سن کر رک گئے۔

''کیا کہہ رہے ہیں بابا جان۔ اس سب کی کیا ضرورت آن پڑی؟'' انہوں نے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور حیرت سے بابا جان کو تکنے لگے۔

''ضرورت کیا تمہارا حق ہے اور میں سمجھتا ہوں یہی مناسب وقت ہے۔''

''لیکن بابا جان اللہ آپ کو لمبی عمر دے۔ یہ سب میرا مطلب ہے یہ بٹوارہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ ہیں نا سب دیکھ بھال کرنے والے۔'' رزاق شاہ نے قدرے ناراض ہو کر کہا تھا۔

''بحث مت کرو۔ جو میں کر رہا ہوں ٹھیک کر رہا ہوں یہ لو۔'' انہوں نے ڈپٹ کر کاغذات پھر بڑھائے۔ ناچار رزاق شاہ نے پکڑ لئے۔ پھر انہوں نے کچھ اور کاغذات نکالے اور سلجوق کی طرف بڑھا دیئے۔

''میں نے ہر ممکن انصاف سے کام لیا ہے۔'' انہوں نے کہنا شروع کیا۔ ''تم دونوں کا حصہ ایک ہی مالیت کا ہے پھر بھی اگر تم آپس میں کوئی ادل بدل کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔ صوفیہ اور ربیعہ کا حصہ میں نے ان کے نام منتقل کر دیا ہے، ربیعہ اب ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک ہو جائے تو اس کے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہو جانا۔ بیٹیوں کے فرائض جتنی جلدی ادا ہو جائیں اچھا ہے۔ ہما کا حصہ میں نے یونہی رکھ چھوڑا ہے اگر کبھی لوٹ آئے تو اسے دے دینا لیکن اس گھر میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں یہ اسے سمجھا دینا۔''

انہوں نے بریف کیس بند کیا اور کھڑے ہو گئے، سلجوق شاہ اور رزاق شاہ حیرت سے ان کو تک رہے تھے۔ جہانگیر شاہ نے جیب سے رومال نکال کر پیشانی پر پھیرا اور پھر چلتے ہوئے کھڑکی میں جا کھڑے ہوئے۔ سامنے پیپل کے درخت پر نظریں جماتے ہوئے کہنے لگے۔

''تمہاری ماں بہت اچھی عورت تھی۔ (دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا تھا) بہت ساتھ دیا اس نے میرا، ہر برے، اچھے کام کا پردہ رکھا۔ اس نے بہت محبت کی، اس نے

اس گھر سے، بچوں سے لیکن ایک کوتاہی اس سے ہو گئی۔'' وہ کچھ دیر کو رکے نظریں اب بھی اسی درخت پر مرکوز تھیں۔

''شیطان نے سترہ سو سال عبادت کی لیکن ایک نافرمانی نے اسے ملعون بنا دیا۔ نعوذ باللہ میں خدا نہیں ہوں لیکن یار یہ جو انسان ہے ناں اس میں معاف کرنے کا مادہ بالکل نہیں ہے۔ اپنے بنائے فرعون ہیں ہم، سو اسی فرعون نے تمہاری ماں کی کوتاہی کی سزا اسے اپنے بنائے اصول کے مطابق دے دی۔ تم نے شاید سنا ہو کہ ایک نہر میں ڈوبتے بچے کو چنگیز خان نے اس کے سینے میں تلوار گھونپ کر بچایا تھا۔ اپنا اپنا طریقہ ہوتا ہے ناں...... سو میں نے، تمہاری ماں کو مار دیا......'' طویل وقفے کے بعد انہوں نے جملہ پورا کیا تھا۔

''بابا جان!'' وہ دونوں چیختے ہوئے اٹھے تھے۔ جب کہ وہ سکون سے اپنی بات مکمل کر رہے تھے۔

''وہ سامنے۔ پیپل کے درخت تلے تمہاری ماں دفن ہے۔ میں سمجھا تھا رات کی تاریکی میرا راز رکھ لے گی لیکن ربیعہ نے مجھے ایسا کرتا دیکھ لیا تھا اور تبھی وہ حواس کھو بیٹھی۔ یہاں پر تو سب یہی جانتے ہیں کہ تمہاری ماں تمہارے پاس علاج کی غرض سے گئی ہوئی ہے۔ ربیعہ کے ڈاکٹر سے البتہ میں نے یہ کہا تھا کہ وہ بچپن میں ہی مر گئی تھی۔'' وہ پلٹے اور ششدر کھڑے بیٹوں پر اک نظر ڈالی۔

''میں جانتا ہوں میرے اس اقدام نے میرے لئے تمہارے دل میں کوئی جگہ نہیں چھوڑی لیکن اس وقت مجھے یہی مناسب لگا تھا وہ کوتاہی کی مرتکب ہوئی تھی۔ اس نے پوری ایک نسل کو تباہ کر دیا تھا۔ اس کا فرض تھا کہ وہ اپنی بیٹیوں پر نظر رکھتی۔ ان کی تعلیم و تربیت پر توجہ دیتی اور اس نے یقیناً دی بھی ہو گی لیکن کہیں کوئی کمی رہ گئی۔ جو ہما، اس ناہنجار نے یہ کالک منہ پر ملی۔ اپنے بھی ہمارے بھی۔

میں تم سے شرمندہ نہیں ہوں۔ معافی بھی نہیں مانگ رہا۔ کیونکہ میری سرشت میں ہار ماننا ہی نہیں۔ ہاں تم رب پر اپنا معاملہ چھوڑ دو۔ وہ بہتر انصاف لینے والا ہے۔'' وہ بیرونی دروازے کی سمت بڑھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''اور ہاں تم دونوں کل جا کر ربیعہ کو لے آنا میں صبح ہی زمینوں پر نکل جاؤں گا۔ چند دن وہیں رہوں گا۔ اس کے بعد اگر ضمیر نے مجبور کیا تو تھانے پیش ہو جاؤں گا۔ کم از کم میں تمہیں اس امتحان میں نہیں ڈالوں گا۔ خدا حافظ۔'' بات مکمل کرتے ہی وہ باہر نکل گئے۔ ساکت کھڑے وجودوں میں حرکت ہوئی اور اگلے ہی پل وہ ایک دوسرے سے لگے ماں کا غم منا رہے

تھے۔

صبح بہت بوجھل تھی۔ وہ ساری رات سلجوق شاہ نے پیپل کے درخت تلے گزاردی تھی۔ زندگی یہ رخ اختیار کرلے گی انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ پتہ نہیں سب کچھ کیسے گزر گیا تھا۔ کتنا ٹھیک تھا سب، ہنستے کھیلتے وہ زندگی گزار رہے تھے اور بی اماں انہوں نے کہاں کوتاہی کرڈالی۔ وہ تو اولاد کا پل پل حساب لینے والی خاتون تھیں۔ شاید وہ جانتی تھیں کہ انہیں اپنے ہر فعل کا حقیقی خدا سے پہلے مجازی خدا کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔

انہوں نے تو بڑی ناپ تول کے زندگی گزاری تھی۔ حدود کا عبور کرنا تو ناممکن تھا۔ تو ایسے میں اگر کوئی خود سے حدیں پار کرلے۔

تو حدیں بنانے والے کیوں قابلِ گرفت ہوں۔

اور بی اماں کیا بابا جان نے انہیں مارتے ہوئے ایک پل بھی نہیں سوچا تھا؟

اتنی طویل رفاقت رہی تھی دکھ سکھ کے ساتھی تھے۔ پھر کیوں دل نہیں کانپا ان کا؟

ہما کے کیے کی سزا ان کو کیوں دی انہوں نے۔ کیوں نہ ہما کو ڈھونڈ کر مار ڈالا۔

وہ کہیں دنیا کو نہیں چھوڑ گئی...... کہیں بھٹکتی انہیں مل ہی جاتی۔

''سلجوق چلو ربیعہ کو لے آئیں!'' رزاق شاہ نے ان کا کندھا ہلایا تو وہ سوچوں کے بھنور سے نکلے۔

''میں نے ڈاکٹر علوی کو فون کیا ہے۔ وہ اسے ابھی فارغ کررہے ہیں۔ اٹھ جاؤ پھر اور کام بھی کرنے ہیں۔'' انہوں نے اسے اٹھا کر ہی دم لیا۔

تمام راستہ انہوں نے خاموشی سے کاٹا تھا۔ ربیعہ اگرچہ بے ہوش نہ تھی پھر بھی وہ انہیں پہچان نہ پائی تھی۔ بس ایک ٹک ان کی شکل دیکھ رہی تھی۔ سلجوق اسے سہارا دیئے باہر تک لائے تھے۔ رزاق شاہ نے گاڑی کے پچھلے دروازے کو کھولا اور سلجوق نے اسے بٹھادیا۔

''سب سامان لے آئے ہو؟'' رزاق شاہ نے پوچھا۔

''ہاں رپورٹس شام کو ملیں گی کیونکہ ان کے اسسٹنٹ ڈاکٹر ارمغان اپنی سیٹ پر نہیں ہیں۔'' سلجوق بتا کر دوسری طرف سے ہوتے ہوئے فرنٹ سیٹ کی طرف آئے اور ابھی وہ بیٹھ ہی رہے تھے کہ ارمغان کو گاڑی میں آتا دیکھ کر رک گئے۔

ارمغان نے گاڑی ذرا فاصلے پر روکی تھی۔ انہیں دیکھ چکا تھا۔ اس لئے اُتر کر اِدھر ہی آ گیا۔

''ہیلو کیسے ہیں سر؟'' اس نے خوش دلی سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا لیکن سلجوق کی

نظریں ارمغان کی گاڑی سے اترتی ہما پر تھیں۔ وہ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اسے پہچان چکے تھے۔ ارمغان نے ان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

''میری بھابی ہما ہیں۔ ابھی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہوکر آئی ہیں۔ گھر چھوڑنے جارہا ہوں۔''

''ہوں۔'' انہوں نے سرخ ہوتی آنکھوں کو زور سے رگڑا اور بہ عجلت گاڑی میں بیٹھ گئے۔

''جلدی چلیں۔'' لب بھینچے انہوں نے کہا تو رزاق شاہ نے گاڑی آگے بڑھادی، آگے ہونے کی وجہ سے وہ ہما کو دیکھ نہیں پائے تھے۔ سلجوق کی کن پٹیاں سلگ رہی تھیں۔

کس قدر سکون اور اطمینان سے وہ نئے رشتے بنائے کھڑی تھی۔ پرانے رشتوں کو یکسر بھلائے۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ اماں کی موت ڈکلیئر (Diclear) کردیں۔'' رزاق شاہ نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''ہوں۔'' بے حد الجھے ہونے کی وجہ سے وہ ٹھیک طرح سے سن نہیں رہے تھے۔

''باہر کا تو کہہ ہی رکھا ہے۔ کہہ دیتے ہیں ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھیں کل رات ان کا انتقال ہوگیا۔ فون آیا ہے۔'' انہوں نے جیسے مکمل پلاننگ کرلی تھی۔

''ہاں ٹھیک ہے۔'' انہوں نے اب بھی پہلی والی پوزیشن میں جواب دیا تھا۔

''کیا بات ہے سلجوق۔ اتنا دماغ کو مت الجھاؤ۔ جو ہوچکا اب لوٹ نہیں سکتا۔ اب یہ سوچو آئندہ کیا کرنا ہے۔'' انہوں نے گاڑی ''سیّد منزل'' کے سامنے روکتے ہوئے کہا تھا۔

سلجوق شاہ نے ان کی طرف دیکھا اور کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ انا بی گیٹ کھول کر دھاڑیں مارتی باہر آئیں۔

''غضب ہوگیا بٹوا۔ غضب بڑے شاہ صیب نے اپنے کو گولی مارلی اوئی ربا۔'' انہوں نے سینے پر دوہتٹر رسید کیے۔ وہ دیوانہ وار اندر کو بھاگے۔

☆======☆======☆

حویلی میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ ہر طرف حفیظہ ملک کی ڈھنڈیا پڑرہی تھی۔ سلیمان ملک غصے میں اندھے ہورہے تھے۔

''تم نے اسے کیوں نہ پکڑا۔'' وہ ملازموں کو پیٹ رہے تھے۔

''کیسے پکڑتے ملک صیب۔ وہ پولیس کی گڈی میں بیٹھ گئی تھیں۔'' بالآخر ایک نوکر نے

ہمت کر ہی لی تھی۔

''وہ، وہ اس حویلی سے کیسے نکلیں۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ کیسے دھوکا دے گئیں اور بھاگ بھری یہ سب کچھ اچانک تو نہیں ہوا ہوگا۔ بڑے دنوں سے منصوبہ بندی کی ہوگی دونوں نے اور تم نے ان کا بھرپور ساتھ دیا ہوگا نمک حرام۔'' وہ گرجے بھاگ بھری کانپتی ہوئی نیچے گر گئی۔

''قسم لے لو صیب جو مینوں پتہ وی ہووے۔''

''تم سب جانتی ہو سب بتاؤ گی۔'' انہوں نے کوڑا لہرایا۔

''رحم صیب۔ رحم کرو میں کج نئیں جانتی میرے کو نئیں پتہ وہ کب بھاگیں۔ آپ جانئے ہو صیب، پہلے میں ہی آ کر بتایا سی رب دا واسطہ صیب۔'' وہ گڑگڑانے لگی تھی۔

لیکن ملک صاحب رحم کرنا نہیں جانتے تھے۔ ان کے کوڑے کی زد میں جو جو آیا۔ اسے پیٹ ڈالا اور ابھی یہ مشقِ ستم جاری رہتی کہ ملازم نے مہمانوں کے آنے کی اطلاع دی اور ملک صاحب اپنا غصہ دباتے ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔ ولیمہ کے لئے انہیں شہباز ملک کے ہاں پہنچنا تھا کل رومانہ کی رخصتی تو جیسے تیسے انہوں نے کر ہی ڈالی تھی لیکن ساری رات انہوں نے جاگ کر گزار دی تھی۔

انہیں اپنی بھول پر بڑا قلق ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر قبل ہی وہ حفیظہ کو تیار ہونے کا کہہ کر سجاول کو ہمراہ لے کر گئے تھے۔ بارات آنے میں تھوڑی دیر تھی۔ سب مہمان آ چکے تھے وہ مہمانوں کے ساتھ گپ شپ کر رہے تھے کہ اچانک تائی جان کو حفیظہ کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔ انہوں نے نوکرانی کو اندر بھیجا کہ وہ حفیظہ کو بلا لائے۔ تھوڑی دیر بعد وہ اکیلی لوٹ آئی۔ ''بی بی اندر نئیں۔''

''اندر نہیں تو کدھر ہے؟'' ان کے اندر خطرے کی گھنٹی بجی۔ سلیمان ملک کی تلاش میں وہ مردانے کی طرف گئیں۔ وہ وہاں نہیں تھے۔ انہوں نے اپنے طور پر اندر جا کر سارے کمرے چھان مارے لیکن حفیظہ کہیں نہیں تھی۔ تبھی سلیمان ملک گھبرائے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ انہیں حفیظہ کی غیر موجودگی کی خبر مل چکی تھی۔ وہ فوراً پچھواڑے گئے۔ مہرو کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔

انہوں نے فوراً ملازموں کو دوڑا دیا لیکن بے سود۔ ان کے پہنچنے سے قبل ہی وہ دونوں کا گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں۔

اور اب سلیمان ملک کا سکون حرام ہوا پڑا تھا۔

''کیا دیر ہے ملک صاحب؟ مہمان پوچھ رہے ہیں۔''

''کچھ نہیں بس دتہ شہر گیا ہے آ جائے پھر چلتے ہیں۔'' انہوں نے جھوٹ بولا پھر اندر آ کر تیار ہونے لگے۔ حفیظہ کا مسئلہ اپنی جگہ۔ بیٹی کا مکلاوہ بھی تو ضروری تھا۔ ''کیوں بھئی تیار ہو؟'' انہوں نے تائی جان کے کمرے میں جھانکا۔

''ہاں۔'' وہ چادر لپیٹتی باہر نکل آئیں۔

''تم عورتوں کو ساتھ لے کر گاڑی میں بیٹھو پھر نکل چلیں۔'' وہ کہتے ہوئے باہر گاڑیوں کو دیکھنے آ گئے۔

شہباز ولاز پہنچے تو شہباز ملک بے چینی سے ٹہلتے نظر آئے۔

''کیا ہمیں زیادہ دیر ہو گئی؟'' سلیمان ملک نے ہنس کر کہا تو وہ بوکھلا سے گئے۔

''نن، نہیں ہاں بہت دیر کر دی آپ نے، کیا حفیظہ کا کوئی سراغ ملا؟'' انہوں نے سنبھل کر پوچھا تھا۔

''فی الحال نہیں لیکن میرے بندے اسے ڈھونڈ لائیں گے۔ وہ جا بھی کہاں سکتی ہے۔'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی پر دباؤ ڈالتے ہوئے دانت پیسے۔ عورتیں اندر چلی گئی تھیں۔ تبھی رومانہ سادہ سے کپڑوں میں ملبوس پاؤں پٹختی باہر نکلی تھی۔ تائی اماں لپک کر اس کی طرف بڑھی تھیں۔ ''رومانہ اس حالت میں۔'' وہ ہول ہی تو گئی تھیں۔ پلٹ کر ساتھ آئی مہمان عورتوں کو دیکھا تھا۔ وہ ادھر ہی متوجہ تھیں۔ تائی اماں ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے گئیں۔ پھپھو بیگم وہاں موجود تھیں۔ انہیں دیکھ کر گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔

''آپ آ گئیں بھابی میں ابھی رومانہ کو تیار ہونے کا کہہ رہی تھی۔'' انہوں نے کھسیانی سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر کہا تھا۔

''مجھے نہیں تیار ہونا پھپھو بیگم اور نہ ہی مجھے اس گھر میں رہنا ہے۔ اماں آپ مجھے واپس لے چلیں۔'' رومانہ تڑخ کر گویا ہوئی تھی۔

''بات کیا ہوئی۔ کوئی بتائے تو؟'' اماں نے ہول کر باری باری دونوں کی شکل دیکھی۔

''ان کا بیٹا رات سے غائب ہے اماں جان۔ ہونہہ......! بیاہ کر لائے ہیں مجھے یہ اور بیٹا نہیں اور...... میں حفیظہ رحمٰن نہیں ہوں اماں جان! کہ ہر ظلم چپ چاپ برداشت کر لوں۔ میں رومانہ سلیمان ہوں، رومانہ سلیمان۔'' ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کرتی، وہ کوئی اور ہی رومانہ لگ رہی تھی۔ اماں حیرت سے رومانہ کو تک رہی تھیں۔ پھپھو بیگم کا سر شرمندگی سے جھک گیا تھا اور دروازے کے بیچ کھڑے سلیمان ملک کے پیروں تلے سے گویا زمین کھینچ گئی تھی۔

☆======☆======☆

رات بھی اگر چہ وہ سو نہیں سکی تھی پھر بھی یہ رات پچھلی تمام راتوں سے مختلف تھی اور صبح بڑی کیف آگیں۔ اس نے اپنے ساتھ لیٹی اس مہربان عورت کو دیکھا جو بڑی گہری نیند میں تھی۔ شاید وہ بھی آزادی کے اس احساس کے زیرِ اثر تھی۔ جس نے حفیظہ ملک کے دل کا احاطہ کر رکھا تھا۔ اگر چہ اس احساس کے پیچھے ابھی خوف کی لہر باقی تھی۔ پھر بھی وہ مطمئن تھی۔ کم از کم اب وہ ''ملک پور'' لوٹ کر نہیں جانا چاہتی تھی۔ خواہ اس کے لئے اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑتے۔

اس نے بیٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی اور کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ زیرو پاور بلب کی نیلی مدھم روشنی ماحول کو خواب ناک بنا رہی تھی۔ کمرے کی آرائش قابلِ دید تھی۔

وہ ایک انجان پر بھروسہ کر کے چلی آئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں جگمگاتی گاڑی کی لائٹس نے اسے ایک دم جس فیصلے پر اکسایا تھا اس نے فوراً عمل بھی کیا تھا لیکن گاڑی چلانے والا بے حد محتاط ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ عین اس سے ذرا فاصلے پر بریک چرچرائے تھے اور وہ تلملاتا ہوا گاڑی سے اترا تھا۔

''یہ کون سا مرنے کا وقت ہے؟'' وہ حفیظہ کے سر پر کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''مرنے کا بھی کوئی وقت ہوتا ہے۔'' نحیف آواز آئی تھی۔ اس نے جھنجھلا کر دیکھا۔

''اوہ دو...... دور......''

''آپ ہمیں یہاں سے کہیں دور چھوڑ دیں۔ ہماری جان کو خطرہ ہے۔'' حفیظہ نے دبی آواز میں کہا تھا۔ وہ ایک لمحے کو تو چپ ہو گیا۔ پھر دونوں کا بغور جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''کہیں فراڈ تو نہیں کر رہی ہیں آپ؟''

''کیا ہماری شکلیں ایسی ہیں؟'' حفیظہ نے برا مان کر کہا تھا۔

''کیا خبر؟'' وہ زیرِ لب بڑبڑایا تھا پھر قدرے پس و پیش کے بعد اس نے انہیں گاڑی میں بٹھا لیا تھا۔

''میں کوئی غنڈہ بھی تو ہو سکتا ہوں۔ اگر کہیں اور لے جاؤں تو۔ گھر سے بھاگی ہیں۔ زیور شیور بھی ہو گا بیگ میں۔ ہے ناں؟''

حفیظہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہاں ہم گھر سے بھاگی ہیں لیکن کسی غلط مقصد کے تحت نہیں۔ اپنی جان بچانے کے لئے اور زیور بھی میں کسی اور کا نہیں بلکہ اپنا لے کر آئی ہوں۔ اگر تمہیں چاہئے تو لے لو۔'' حفیظہ نے

بیگ اس کے آگے پھینک دیا۔ اس کے لبوں پر گہری مسکراہٹ آگئی۔

''فیاض خاتون ہیں۔ اینی وے، کہاں جائیں گے؟''

''جہاں ہم رات گزار سکیں۔'' حفیظہ نے کہا تو اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

''خاتون آپ نے مجھ سے لفٹ مانگی میں نے دی۔ اب آپ رات کہاں گزارنا چاہتی ہیں یہ آپ کا مسئلہ ہے۔ میری والدہ بڑی بے چینی سے منتظر ہوں گی پہلے ہی لیٹ ہو چکا ہوں۔ پلیز اگلے چوک سے رکشہ لے کر اپنی منزلِ مقصود کا تعین کریں اور مجھے چھٹی دیں۔''

اس نے گاڑی روک دی۔ حفیظہ کو اس کی حرکت پر تاؤ تو بہت آیا مگر ضبط کر گئی۔ پھر ساتھی خاتون کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی سے نیچے اُتر آئی۔

''یہاں تک پہنچانے کا شکریہ! حقیقتاً ہم مصیبت زدہ ہیں۔ اس شہر میں ہم کسی کو نہیں جانتی ہیں۔ حتیٰ کہ جگہ و مقام سے بھی ناواقف ہی ہیں۔ ہم تنہا عورتیں ہیں، اجنبی شہر کے اجنبی لوگوں کو کیسے اپنے شریف ہونے کا یقین دلا کر رات گزارنے کی درخواست کر سکتی ہیں؟ اور پھر آپ کے شہر کے لوگوں کا چلن تو ہم دیکھ ہی چکے ہیں۔'' حفیظہ نے طنزیہ کہہ کر قدم آگے بڑھائے تھے۔ تب ہی وہ گاڑی ان کے قریب لے آیا۔

''آیئے میں آپ کو محفوظ مقام پر پہنچا دیتا ہوں۔''

پچھلا دروازہ کھولے وہ منتظر نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔ حفیظہ کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا۔ اس لئے خاموشی سے بیٹھ گئی۔ باقی کا راستہ وہ اسے اپنے گھر کے متعلق بتاتا رہا۔

''گھر میں امی ہوں گی اور بہن بھی۔ بڑے بھائی بزنس کے سلسلے میں باہر ہیں اور والد صاحب ایڈووکیٹ ہیں۔ میرا خیال ہے آپ کو ہیلپ بھی مل جائے گی اگر آپ چاہیں تو۔''

حفیظہ چپ رہی تھی۔

''یہ کون ہیں غانی؟'' خاتون بیٹے کے پیچھے دو عورتوں کو دیکھ کر چونکی تھیں۔

''مصیبت زدہ ہیں مام۔ میں آپ کو بتاتا ہوں پہلے آپ انہیں اندر آنے کا تو کہیئے۔''

اس نے احساس دلایا۔

بیگم احسن خاصی خوش اخلاق عورت تھیں لیکن رات کے وقت یوں دو عورتوں کا تنہا گھر سے نکل آنا انہیں مشکوک کر رہا تھا۔

''ہاں۔ ٹھیک ہے۔ تم چینج کر لو...... میں دیکھتی ہوں۔'' وہ جلد کسی نتیجے پر پہنچتی اسے اندر بھیج کر ان کے پاس آگئیں۔ بوڑھی عورت لاتعلقی سے سرکھجانے میں مصروف تھی۔

''آیئے۔'' انہوں نے حفیظہ کے صبیح چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ حفیظہ اس کا بازو تھامے خاتون کے پیچھے آئی تھی۔ ڈرائنگ روم میں انہیں بٹھا کر وہ ان کا جائزہ لینے لگی۔ پھر مختصراً اپنے بارے میں بتا کر اس نے اپنا مسئلہ بیان کیا تھا۔

انہوں نے بغور اس کی باتوں کو سنا تھا، جانچا تھا پھر دل نے فیصلہ کیا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے اور جب اذغان فریش ہو کر نیچے اترا تو والدہ محترمہ کو بڑی محبت وشفقت کا مظاہرہ کرتے پایا۔ ایک مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

''آؤ اذغان۔ تم صحیح کہہ رہے تھے یہ واقعی کڑی مصیبت میں ہیں۔ تم نے اچھا کیا جو لے آئے ورنہ نہ جانے ان بے چاریوں پر کیا بیتتی۔ تم رحمہ کو فون کرو۔ صبح سے شزاء کی طرف گئی ہے۔ میں ان کے لئے کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔''

وہ ہدایات دیتی اندر کی طرف بڑھ گئیں۔ جب کہ اذغان مسکراتا ہوا نمبر ملانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد رحمہ چلی آئی۔ ہنستی مسکراتی۔ شاید اذغان اسے فون پر ان کے بارے میں بتا چکا تھا۔ بڑے تپاک سے ملی۔ ہلکی پھلکی باتیں کرتی رہی۔ پھر کھانے کے بعد وہ انہیں اس کمرے میں چھوڑ گئی۔

''آرام اور بے فکری سے سویئے گا۔ آپ یہاں بالکل محفوظ ہیں۔''

حفیظہ کے گال پر پیار کرتے مسکراتے ہوئے وہ رخصت ہوئی تھی۔

اور حفیظہ ان لوگوں کے بے لوث رویئے کے بارے میں سوچتی نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی اور حقیقتاً اس قدر پُرسکون اور جلد نیند اسے کبھی نہیں آئی تھی۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔

وہ ہاتھوں سے بالوں کو سمیٹتی دروازہ کھولنے آ گئی۔

رحمہ تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ (شاید اسے ہمہ وقت مسکرانے کی عادت تھی)

''جاگ گئیں آپ۔ نیند تو ٹھیک سے آئی۔ پریشان تو نہیں ہوئیں؟'' اندر گھستے ہی اس نے تابڑ توڑ سوالات کیے تھے۔

''نہیں!'' حفیظہ نے مختصراً جواب دیا۔

''آ جائیں پھر ناشتے کے لئے۔ مما آپ کا Wait کر رہی ہیں۔''

''ہاں۔ میں ذرا فریش ہو لوں۔''

رحمہ سر ہلاتی واپس چلی گئی۔ فریش ہونے کے بعد جب وہ نیچے آئی تو رحمہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی چمچے سے ہولے ہولے پلیٹ بجا رہی تھی۔

''وہ آپ کی آنٹی۔ آنٹی ہی ہیں ناں۔ نہیں آئیں؟'' اسے تنہا آتے دیکھ کر اس نے پوچھا تھا۔

''سو رہی ہیں شاید سالوں کی نیند ہے ان کی آنکھوں میں۔ میں نے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔''

''ہیلو۔ سسٹر کیسی ہیں؟'' اذغان چابیاں لہراتا آیا تھا۔

وہ ایسے لہجوں، ایسے رویوں کی کب عادی تھی۔ خاموشی سے سر جھکا کر رہ گئی۔

''او کے رحمہ۔ میں تو چلا کیونکہ تمہارا ارادہ آج چھٹی کرنے کا لگ رہا ہے۔ بائے۔''

ادھر سے کوئی جواب نہ پا کر وہ ہاتھ ہلاتا باہر کی طرف بڑھا۔

اسی دم کچن سے بیگم احسن نکل آئیں۔

''اذغان تمہاری اس ہوا کے گھوڑے پر سواری سے میں سخت عاجز ہوں۔ اب ناشتہ بالکل تیار ہے اور تم بھاگ رہے ہو۔'' انہوں نے اسے ڈانٹا تھا۔ وہ پیار سے ان کے گلے میں بانہیں حمائل کرتا رفو چکر ہو گیا۔

''بہت لاپروا ہے۔'' وہ محبت سے مسکرا دیں۔ پھر حفیظہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''نیند تو ٹھیک سے آئی بیٹا اور تم بیٹھی کیوں ہو، ناشتہ لو۔''

اور حفیظہ عجیب سے احساسات میں گھری ناشتہ کرنے لگی۔ وہ تو محبت کی جیسے شکل ہی بھول گئی تھی۔

ہر طرف فریب، ہر طرف دوغلا پن، وہ سارے اس کے اپنے تھے اور ان سے اس کا کوئی رشتہ نہ تھا۔

اور وہ کیسے اس پر محبت لٹا رہے تھے۔ شاید یہ ان لوگوں میں سے تھے جن کا مقولہ ''محبت بانٹنے سے بڑھتی ہے۔'' تھا۔

''رحمہ تم ان کو کمپنی دینا۔ مجھے نوما کی طرف جانا ہے۔ جوڑے کا ناپ لینے۔ زادان کے آنے میں تھوڑے دن ہیں۔ میں چاہتی ہوں کچھ تیاری تو مکمل ہو۔ اپنے بابا کے آفس فون کر کے پوچھ لینا لوٹنے یا نہیں۔ دوپہر تک میں لوٹ آؤں گی۔'' بیگم احسن جلدی جلدی ہدایات دیتی کام سمیٹ رہی تھیں۔

حفیظہ نے بس چائے کی پیالی پر اکتفا کیا تھا۔ رحمہ کے اصرار کے باوجود اس کا دل کچھ بھی کھانے کو نہ چاہا تھا۔

''ٹھیک ہے مام۔ میں برتن سمیٹ لیتی ہوں۔ آپ تیار ہو جائیں۔'' رحمہ کرسی دھکیل کر

اٹھ کھڑی ہوئی تو حفیظہ نے بھی تقلید کی۔

''اور حفیظہ آپ نے بالکل پریشان نہیں ہونا۔ رحمہ کے بابا آنے والے ہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

انہوں نے اس کا گال تھپکتے ہوئے اسے گویا تسلی دی اور حفیظہ ملک کا دل دکھ سے بھر گیا۔ یہ اجنبی لوگ اس قدر مشفق، اس قدر مہربان۔ اس کا یقین بحال ہونے لگا تھا کہ دنیا میں ابھی اچھے لوگوں کی کمی نہیں ہوئی۔

☆======☆======☆

''یہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔''

''ارے شاہ صاحب کو بی بی صاحب سے محبت ہی بہت تھی۔''

''صحیح کہتے ہو۔ دیکھو جیتے تو ایک ساتھ، مرے تو ایک ساتھ۔''

''ایسی مثالی محبت تو کہیں کہیں ہوتی ہے جی۔''

''شاہ صاحب کے غیض سے کون واقف نہیں لیکن بیوی سے اس قدر الفت کہ ان کے مرنے کی خبر سن کر اپنے آپ کو ختم کر ڈالا۔ واہ۔''

لوگوں کی باتیں ختم ہونے میں نہ آ رہی تھیں۔

اور سلجوق شاہ نے جو اس دن سے چپ سادھی تھی تو اب تلک نہ ٹوٹی تھی۔

ربیعہ تو پہلے ہی شاکڈ تھی۔ صوفیہ اسے رلانے کی بھرپور کوشش کر چکی تھیں لیکن اب کی بار بھی ناکام ہی رہی تھی۔

رزاق شاہ نے سب عزیزوں کو اطلاع پہنچا دی تھی۔

''اماں جان کا انتقال امریکہ میں ہو گیا تھا اور بابا جان یہ خبر سہار نہیں سکے۔'' سب ان کی مثالی محبت پر انگشت بدنداں تھے۔

امریکہ سے فارحہ بھی آ گئی تھیں اور انہیں ساری صورتِ حال سمجھا دی گئی تھی اور وہ سب کو یہی سناتی پھر رہی تھیں۔

''آپ کے تو پاس تھیں بی بی صاحب، آخری وقت میں کیا حالت تھی ان کی؟'' عورتوں کی زبان پر مچلتا سوال اور فارحہ جھوٹ پر جھوٹ بولے چلی جا رہی تھی۔

زندگی کے سوئٹر کا تانا ایک بار بگڑ گیا تھا۔ اب اسے اُدھڑے چلے جانے سے روکنا ان میں سے کسی کے بس میں نہیں تھا۔ وہ سب خاموشی سے حالات کی الجھی اون کو دیکھ رہے تھے سرا تلاش کرنے کی ہمت کوئی بھی نہ کر رہا تھا۔

''نواں'' ہوا تو سب مہمانوں نے رختِ سفر باندھا اور تب ان سب کو مل بیٹھنے کا موقع ملا۔

''مجھے تو اب تلک یقین نہیں آتا کہ بابا جان اتنے کمزور بھی ہو سکتے ہیں۔'' صوفیہ بیٹا کو تھپکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ فارحہ تو بے حد الجھی ہوئی تھی کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ بی اماں امریکہ میں نہیں تھیں۔

''ان کا انتقال کب اور کیسے ہوا؟''

وہ لاعلم تھیں۔ پھر لوگوں کے سوالات جیسے وہ سب کچھ جانتی ہوں اور انہوں نے اس ایک جھوٹ کو نبھانے کے لئے کتنے جھوٹ بولے تھے۔

لوگوں کو تسلی دیتے وقت وہ خود کتنی بار ڈگمگائی تھیں اور اب وہ بے چینی سے رزاق شاہ کے تنہا ہونے کی منتظر تھیں۔

''ہاں، بعض مضبوط نظر آنے والے لوگ بے حد کھوکھلے ہوتے ہیں۔ بابا جان نے تمام عمر ہم پر سختی کی۔ بی اماں ان کا سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں تھیں۔'' سلجوق کی بات پر سب نے ان کی طرف چونک کر دیکھا تھا۔

''بی اماں نے ان کے ہر عیب پر پردہ ڈالا اور ہمیں ہمیشہ بابا جان کے خوف میں رکھا۔ ہم سب کی مضبوطی اس بات کی گواہ ہے کہ بی اماں نے ہماری تربیت کس قدر جانفشانی سے کی۔ سرکشی تو انسان کے اندر رہتی ہے۔ جیسے حالات کا دباؤ باہر لے آتا ہے اور ہما کا بھاگ جانا اسی سرکشی کی مثال ہے۔''

''کیا......؟'' صوفیہ اور فارحہ کے منہ سے بیک وقت نکلا تھا۔

''ہما۔ کب بھاگی گھر سے۔ لو میں بھی کہوں اتنے دنوں سے نظر نہیں آئی۔ پھر سوچا دوہرا صدمہ ہے کہیں اوندھی پڑی ہوگی ربیعہ کی طرح۔ اور پچھلی بار بھی جب میں ربیعہ کو دیکھنے آئی تو بابا نے یہی کہا کہ وہ اپنی کسی دوست کے ساتھ کمبائن اسٹڈی کر رہی ہے اور میں نے اس ''روشن خیالی'' پر حیرت کا اظہار بھی کیا تھا لیکن بابا جان اسے نئے تقاضے کہہ کر خاموش ہو گئے تھے۔ اوئی اماں۔ اتنے بڑے بڑے واقعات ہو کر گزرے اور مجھے لاعلم ہی رکھا گیا۔ ہاں میں کب اس گھر کی بیٹی ہوں۔ لے کے پھینک دیا بس۔'' صوفیہ نے سر پر ہاتھ رکھ کر رونا شروع کر دیا۔

''بجو پلیز!'' سلجوق شاہ نے قدرے ناگواری سے انہیں دیکھا۔ ''میں جو کہنے جا رہا ہوں اسے غور سے سنیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو حالات سے واقف ہونا چاہئے۔ تاکہ کل کو اگر کوئی بات نکلے تو ہمارے پاس جواب دینے کو جواز ہونا چاہئے۔''

"سلجوق کچھ نہیں کہو گے تم۔" رزاق شاہ آگے بڑھے۔

"نہیں رزاق بھائی! یہ ضروری ہے مستقبل کی پیش بندی کے لئے ضروری ہے۔ ہاں تو ہما گھر سے بھاگ گئی۔ اس بات کا پتہ صرف ربیعہ اور بی اماں کو تھا۔ اب سوچتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ کاش اس وقت عقل مندی سے کام لیتا تو یہ سب نہ ہوا ہوتا۔ جب میں اور فارحہ بھابی پاکستان آئے تو ہما گھر پر نہیں تھی۔ میں نے پوچھا تو بی اماں نے ٹال دیا۔ جب کہ ربیعہ زیادہ دیر راز کو چھپا نہ سکی اور اس نے مجھے بتا دیا۔" وہ بات کرتے کرتے کچھ دیر کو رکے۔ پھر سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہنے لگے۔

"بابا جان بھی لاعلم ہی تھے۔ میں نے فوراً انہیں بتا ڈالا۔ یہی غلطی مجھ سے ہوئی۔ اگلے دن میں لاہور چلا گیا کام کے سلسلے میں۔ واپس آیا تو بی اماں نہیں تھیں۔ پتا چلا انہیں گاؤں بھجوا دیا گیا ہے۔ میں نے زیادہ تردد نہیں کیا اور فارحہ بھابی کو لے کر واپس چلا گیا۔ بعد میں میں نے بی اماں کی خیریت دریافت کرنے کو فون کیا تو پتہ چلا کہ وہ تو امریکہ میں ہیں۔ میں ٹھٹک گیا۔ میں نے رزاق بھائی سے بات کی تو انہوں نے بتایا کہ بابا جان نے انہیں فوری پاکستان پہنچنے کو کہا ہے اور جس روز ہم پاکستان پہنچے۔ بابا جان نے یہ انکشاف کیا کہ انہوں نے بی اماں کو قتل کر دیا ہے کیونکہ وہ کوتاہی کی مرتکب ہوئی تھیں۔ (صوفیہ اور فارحہ کے لبوں سے چیخ برآمد ہوئی تھی) اس وقت ہم دونوں کو ایک پل بھی گمان نہیں گزرا تھا کہ وہ کوئی ایسا فیصلہ کر چکے ہیں۔ جائیداد کا بٹوارا۔ کاغذات ہمارے حوالے کرتے ہوئے وہ بے حد پرسکون تھے اور اپنے فعل پر ذرا برابر بھی نادم نہ تھے۔ ہمیں توقع نہ تھی کہ ایک ظلم کے بعد وہ دوسرا ظلم کریں گے۔

اصل میں ہوتا یوں ہے کہ اپنے خود ساختہ اصول جب ہمارے گلے میں پھندہ بن جاتے ہیں تو پھر ہم اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی گھسیٹ لیتے ہیں۔ ساری خرابی ان ریت ورواجوں میں ہے۔ مناسب قوانین، مناسب آزادی، مناسب پابندی، توازن کو اسی لئے ضروری قرار دیا گیا ہے اور جب بھی اس توازن کا دائرہ توڑا گیا۔ تباہی و بربادی مقدر ہوئی۔ آپ سب خیال رکھیئے گا اپنی بقا کے لئے۔ اپنی نسل کی بہتری کے لئے۔" سلجوق شاہ بات مکمل کر کے رکے نہیں باہر نکل گئے۔ سب حیرت سے ایک دوسرے کی شکلیں تک رہے تھے۔

☆======☆======☆

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا ملک صاحب، اسد اس رشتے پر راضی نہیں۔ خواہ مخواہ بچی کی زندگی خراب مت کریں۔" تائی جان نے وزدیدہ نظروں سے سلیمان ملک کو دیکھا تھا۔

"اچھا اب تم خواہ مخواہ میرا دماغ خراب مت کرو۔ میں پہلے ہی بہت زیادہ پریشان

ہوں۔" سلیمان ملک جھنجھلائے تھے۔

حفیظہ کی پریشانی کیا کم تھی جو رومانہ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

ان کے لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ انہیں خود کب اپنی بیوی پسند آئی تھی لیکن انہوں نے بزرگوں کے فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیا تھا اور اپنی دلچسپیاں باہر ڈھونڈ لی تھیں اور دونوں جگہ انہوں نے اپنا کردار خوش اسلوبی سے نبھایا تھا لیکن اسد نے تو حد کر دی تھی۔

وہ رومانہ کو واپس بھی نہیں لے جا سکتے تھے کہ اس طرح حالات مزید خراب ہو جاتے اور رومانہ وہاں ٹھہرنے کو ایک پل بھی تیار نہ تھی۔

تہمینہ اور شہباز دونوں شرمندگی سے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"پھر شہباز کیا کہتے ہو تم؟" سلیمان ملک نے شہباز ملک کو مخاطب کیا۔

"یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے بھائی صاحب۔" شہباز ملک نے اپنا لہجہ مضبوط بنانے کی بھرپور سعی کی تھی۔ "آپ، میں سب اس دور سے گزر چکے ہیں۔ اسد سر پھرا ہے من مانی کرتا ہے لیکن لوٹ کر وہ گھر ہی آئے گا۔ ہم دونوں یہ بات جانتے ہیں۔ اگر وہ اس شادی پر راضی نہ ہوتا تو انکار کر سکتا تھا۔ بس وقتی غصہ ہے، ابال ہے، اتر جائے گا تو بھلا چنگا ہو جائے گا۔ اس وقت ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ آپ بھی صورتِ حال کو مزید خراب نہ کریں۔ رومانہ کا اپنا گھر ہے اسے یہیں رہنا ہے، آپ اسے سمجھائیں۔" شہباز ملک نے بات مکمل کر کے سلیمان ملک کو دیکھا۔ ان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ شہباز ملک کے کہے گئے الفاظ سے متفق ہیں اور ایسا ہی تھا۔

"چلو راشدہ۔ ہمیں ان کے ذاتی معاملے میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔" ان کا لہجہ حتمی تھا وہ صرف دیکھ کر رہ گئیں۔ کیا کر سکتی تھیں۔

"آیئے بھائی صاحب باہر کھانا لگ چکا ہے۔" شہباز ملک نے کہا تو وہ سب باہر نکل آئے۔

اسی وقت پورچ میں اسد ملک کی گاڑی آ کر رکی تھی، سب کے قدم ٹھٹک گئے۔

"کہاں تھے تم رات بھر؟" ابھی وہ گاڑی سے اتر ہی رہا تھا کہ شہباز ملک نے جا لیا۔

اس نے ایک نظر اپنے باپ پر ڈالی۔ پھر قدم اندر کی طرف بڑھا دیئے۔ شہباز ملک خفت زدہ تو ہوئے لیکن اس وقت الجھنا نامناسب خیال کرتے ہوئے انہیں لے کر شامیانوں میں پہنچ گئے۔ تہمینہ بیگم البتہ اسد کے پیچھے پیچھے گئی تھیں۔ کھانا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب لوٹے تو رومانہ اور اسد دونوں اسٹیج پر براجمان تھے۔

پھر اصولاً آج رومانہ کو ان کے ساتھ جانا تھا لیکن اسد ملک کے انکار پر وہ ویسے ہی لوٹ گئے تھے۔ رومانہ سلگ رہی تھی۔

کل رات اس کی سہاگ رات تھی۔

زندگی کی یادگار رات۔

اس نے اس رات کے حوالے سے بہت سارے سپنے بُنے تھے۔ جیسا کہ ہر لڑکی بُنا کرتی ہے۔ وہ بے چینی سے اس رات کی منتظر بھی تھی۔

وہ ان خوش قسمت لوگوں میں سے تھی جو اپنی محبت پا لیتے ہیں۔

اس کی آنکھوں میں دوہری جوت تھی، رگ و پے میں دوہرا نشہ۔

پھپھو بیگم ملازماؤں کی ہمراہی میں اسے اس کے کمرے میں چھوڑ کر گئی تھیں۔

''دودھ، پھل سب کچھ رکھوا دیا ہے میں نے۔ تم پریشان مت ہونا۔'' انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی پر پیار کیا اور ملازماؤں کو باہر نکلنے کا اشارہ کرتی خود بھی باہر نکل گئی تھیں۔

اس نے ذرا ریلیکس ہونے کے لئے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا لی اور گھونگٹ الٹ کر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ اس کے جہیز کا سارا سامان قرینے سے جوڑا گیا تھا۔ جہازی سائز بیڈ، قدِ آدم سنگھار میز، کارنر میں صوفے، دوسرے کارنر میں 29 انچ کا کلر ٹی وی، دیوار گیر کپڑوں کی الماریاں۔ اسے سیٹنگ کچھ پسند نہیں آئی۔ خیر اب تو اسے یہیں رہنا تھا۔ یہ سب کچھ اسی کا تھا۔ وہ جیسے چاہے انہیں سیٹ کر سکتی تھی۔

دروازے پر آہٹ ہوئی تو وہ ایک دم سیدھی ہو گئی۔ گھونگٹ گرا لیا۔ دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی تھی۔

''بی بی جی، بڑی بیگم پوچھتی ہیں اگر بھوک لگی ہو تو کھانا لے آؤں؟'' ملازمہ تھی۔ ایک دم نارمل ہو گئی۔ بے دلی سے نفی میں سر ہلا دیا۔ تو وہ واپس لوٹ گئی۔

رومانہ نے وال کلاک پر نگاہ ڈالی، ساڑھے بارہ بج رہے تھے اور اسد ابھی تک..... نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ پتہ نہیں یہ دوست لوگ بھی دولہا کو کیوں روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کا جی چاہا...... بھاگ کر جائے اور اسد کو دوستوں کو نرغے سے نکال لائے۔ پھر اپنی سوچ پر ہنسی آ گئی۔ کیسی اتاؤلی ہو رہی تھی وہ......

اس نے آنکھیں میچ کر بیتی یادوں کو دہرانا شروع کیا۔ کتنا اچھا لگتا ہے، سب کچھ پا کے بعد پچھلی بے چینیاں یاد کرنا۔

سوچتے سوچتے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

اور جب دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ وہ چونک کر اٹھی۔ ساتھ بیڈ پر نظر دوڑائی۔ جگہ خالی تھی۔

تو کیا اسد رات بھر کمرے میں نہیں آیا۔ سوچ تھی یا دھچکا۔ وہ بے اختیار دل پر ہاتھ رکھے اٹھی تھی اور سنگھار میز کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

اس کا میک اَپ جوں کا توں تھا۔ بیش قیمت عروسی لباس اور زیورات سے لدی وہ بہت زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ دل کو لُوٹ لینے کی حد تک۔

''دولہا میاں کی خیر نہیں۔'' بیوٹیشن نے تیار کرنے کے بعد اس کے کان میں سرگوشی کی اور کئی خوبصورت لمحوں نے اس کی پلکیں جھکا دی تھیں۔

لیکن یہاں تو سب کچھ ادھورا رہ گیا تھا۔

وہ بے مہر تو کمرے میں آیا ہی نہیں تھا۔ جس کے لئے یہ سارا اہتمام ہوا تھا۔ اسے شدت سے اپنی ناقدری کا احساس ہوا۔

اس نے ایک ایک کر کے زیور نوچنا شروع کر دیئے۔ آنسو پلکوں کی باڑھ تیزی سے عبور کرتے گالوں پر پھسل آئے۔ ماتھے سے ٹیکا کھینچتے ہوئے وہ بے اختیار ہو گئی اور اگلے ہی پل اس کی چیخوں، آہوں سے کمرہ گونجنے لگا۔

''کیا ہوا بی بی؟'' ملازمہ شاید باہر ہی مامور تھی۔ اس کی چیخ و پکار سن کر بھاگی آئی تھی۔ پیچھے ہی پھپھو بیگم اور کچھ مہمان عورتیں بھی تھیں۔

''اے ہے۔ کیا ہوا دلہن خیر تو ہے؟'' وہ سب اس کی طرف بڑھی تھیں جو گھٹنوں میں سر دیئے وہیں قالین پر بیٹھی با آوازِ بلند اپنی ناقدری کا ماتم کر رہی تھی۔ سب کی نظریں بے اختیار بیڈ کی طرف گئی تھیں۔ اسد کی غیر موجودگی نے مہمان عورتوں کو اچنبھے میں ڈالا تو ان کی سوالیہ نگاہیں پھپھو بیگم کا احاطہ کرنے لگیں۔ وہ نظریں چرا کر رومانہ کو نیچے سے اٹھانے لگیں۔

''کیا ہو گیا رومانہ۔ اٹھو بیڈ پر چلو۔'' انہوں نے اس کا بازو پکڑا۔

''چھوڑ دیں مجھے۔ نہیں ضرورت مجھے کسی بھی ہمدردی کی۔'' وہ چلائی تھی۔ اس نے اپنا آپ ان کی گرفت سے چھڑایا اور اٹھ کر باہر کی طرف چلی۔

''میں ابھی اسی وقت اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔'' اس کا رخ فون کی طرف تھا۔

''پاگل مت بنو رومانہ!'' پھپھو بیگم اس کے پیچھے لپکی تھیں۔

''کیا سمجھتے ہیں آپ مجھے؟ میں کوئی بے بس و کمزور لڑکی ہوں۔ جس کے ساتھ جو بھی چاہیں سلوک کر ڈالیں۔ میں سلیمان ملک کی بیٹی ہوں۔ سمجھے آپ۔''

وہ اپنے آپ میں نہیں تھی۔ تب ہی شہباز ملک کو بھی خبر ہوگئی تھی اور وہ بڑی مشکل سے اسے اس اقدام سے باز رکھنے میں کامیاب ہوئے تھے لیکن اس نے بھی ٹھان لی تھی کہ وہ کسی صورت میں اس ظلم پر سر نہیں جھکائے گی۔ اور یہی سوچ کر اس نے بابا جان کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اسد نے آکر اس کے ارادے پر پانی پھیر دیا تھا۔

پھپھو بیگم سمجھا بجھا کر اسے پھر کمرے میں چھوڑ گئی تھیں۔ ''زیادہ غصہ مت کرنا اور نہ لڑائی کرنے کی کوشش کرنا۔''

لیکن وہ بھی رومانہ ملک تھی۔ اپنی بے عزتی اس سے برداشت نہ ہو رہی تھی۔ دروازے پر کھٹکا ہوا تھا۔

لیکن آج اس کے دل میں کوئی ہلچل نہیں مچی۔ وہ بہت نارمل انداز سے بیٹھی رہی۔ اسد نے دروازہ لاک کرنے کے بعد ایک نظر اس پر ڈالی۔ پھر ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ رومانہ کے اندر لاوا ابل رہا تھا۔ اگر اسد اسے ہاتھ لگانے کی کوشش کرے گا، تو وہ ہرگز نہ لگانے دے گی اس نے سوچ لیا تھا۔

کافی دیر گزر گئی۔ اس نے ذرا سا سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ سامنے صوفے پر بیٹھا اسموکنگ کر رہا تھا۔ اس نے دوبارہ سر جھکا لیا۔

''کمال ہے رومانہ ملک!'' کمرے کی خاموشی میں اس کی آواز گونجی۔ ''تمہارے جذبات ابھی بھی سرد نہیں ہوئے۔'' وہ ہنسا۔ رومانہ کو لگا جیسے اس کے سارے بدن کا خون چہرے پر سمٹ آیا ہو۔

''تم اب بھی دلہن بنی میری منتظر ہو۔ حالانکہ میں یہ سہاگ رات کہیں اور گزار آیا ہوں۔ اُف یہ بے چاری لڑکیاں۔'' اس نے افسوس سے سر ہلایا۔

''لیکن پھر بھی اگر تم...... تو......'' اس کے لہجے میں اتنی خباثت تھی کہ رومانہ کی قوت برداشت جواب دے گئی۔

''شٹ اَپ میرے نزدیک مت آنا۔'' وہ دوپٹہ ایک طرف پھینک کر چلائی تھی۔ اس قدر ہتک آمیز رویہ...... اتنی بے عزتی۔ ''تم کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو...... میں...... کوئی بھکارن نہیں ہوں۔ جو تم سے بھیک مانگوں گی۔ سمجھے تم...... اور نہ ہی مجھے اس کی ضرورت ہے۔ تم انتہائی گھٹیا ہو اگر مجھے پہلے اندازہ ہوتا تو میں خود اس شادی سے انکار کر دیتی۔ آخ تھو...... نفرت ہے مجھے تم سے...... سنا تم نے۔'' وہ چیخ رہی تھی۔

اسد اسی خباثت سے ہنستا رہا۔ پھر اٹھ کر قریب آگیا۔ ''مت چھونا تم مجھے۔'' اس نے

تکیہ اٹھا کر اسے دے مارا۔ ''میں کہہ رہی ہوں مت ہاتھ لگانا مجھے۔'' وہ چھلانگ لگا کر بیڈ سے نیچے اتر گئی۔

''بیوی ہو تم میری قانوناً اور شرعاً۔ ہاتھ لگانے سے مجھے کوئی روک نہیں سکتا۔'' اس نے اچانک ہی آگے ہو کر اس کے بازو کو گرفت میں لیا تھا۔ وہ ہاتھ چھڑانے کی سعی کرنے لگی۔ ''سنا نہیں تم نے، بیوی ہو میری۔ بیوی ہو۔'' اس نے ایک جھٹکے سے اپنے بے حد قریب کر لیا۔

رومانہ نے چھڑانے کی کوشش کی لیکن گرفت مضبوط تھی۔

پھر اچانک ہی اسد نے اسے الگ کیا اور دو زناٹے دار تھپڑ رسید کر کے اسے بیڈ پر دھکیل دیا۔ ایک لمحہ کو تو رومانہ کا دماغ ہی گھوم گیا۔ رخسار دہک اٹھے تھے۔ آنکھیں تکلیف کی شدت سے بھر آئی تھیں۔

''تمہیں اس گھر میں رہنا ہے رومانہ ملک، یہاں سے اگر قدم نکالو گی تو موت ہی تمہاری پناہ گاہ ہو گی۔ اور تمہیں لگنے والی گولی کسی کی بھی ہو سکتی ہے۔ میری، بابا جان کی، یا پھر عزیز از جان ماما جان کی بھی۔ سمجھ ہو گئی ہو ناں تم۔'' وہ اس کے سر پر کھڑا ہو کے غرایا تھا۔

رومانہ اسے جواب دینا چاہتی تھی مگر بے بسی کے احساس نے اس کے حلق میں پھندے ڈال دیئے۔ وہ لب کاٹتی اس وحشی انسان کو دیکھتی رہی۔ پھر تکیے میں منہ چھپا کر رو دی لیکن اب کے اس کا رونا بے آواز تھا۔ اس نے ساری چیخیں کہیں اندر ہی دبا لی تھیں۔ وہ نئے سرے سے بے آبرو نہیں ہونا چاہتی تھی۔ آئندہ زندگی اس کے لئے عذاب تھی۔ اور اسے یہ عذاب زندگی اسی جہنم میں گزارنا تھی۔ اسد اپنے وحشی پن کا مظاہرہ کر کے اب آرام سے سو رہا تھا۔ وہ اپنا نڈھال وجود سمیٹتی اٹھی اور تکیہ لے کر صوفے پر آگئی۔ اس سمے وہ اسے زہر لگ رہا تھا۔

☆======☆======☆

''مجھے آسٹریلیا سے کال آگئی ہے، تمہیں بتایا تھا ناں کہ میں نے اپلائی کیا ہوا ہے۔ اماں بھی میرے ساتھ ہی جا رہی ہیں۔ ان کا علاج بہتر طریقے سے ہو جائے گا۔ یہ گھر میں نے بیچ دیا ہے کیونکہ مجھے رقم کی ضرورت ہے۔ تمہیں تو کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔ آرام سے چچا کے گھر شفٹ ہو جانا۔ میں نے چچا سے بات کر لی ہے۔'' عذیر بتا رہا تھا اور اس کے کھانا کھاتے ہاتھ رک سے گئے تھے۔ وہ ایک ٹک عذیر کو دیکھ رہی تھی۔

''تو کیا تمہارے پاس مجھے گھر سے نکالنے کا یہی ایک راستہ تھا۔'' اس نے ٹھنڈی سانس بھر کے سر جھکا لیا۔

''نہیں، تمہیں گھر میں رکھنے کا ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا اور وہ میں کسی صورت نہیں

کر سکتا۔'' عذیر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''کیا؟'' اس نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

''تم سے شادی۔'' عذیر کا لہجہ پُرسکون تھا۔ جب کہ ناجیہ کے ہاتھ سے چمچہ چھوٹ گیا تھا۔

''اماں اور چچا جان کا اصرار ہے کہ میں تم سے شادی کرلوں۔ جب کہ میں مر کر بھی ایسا سوچ نہیں سکتا۔ سو میرے پاس یہی ایک راہ تھی۔ اور ناجیہ۔ میرا تم سے اصرار اسی سلسلے میں تھا کہ تم اپنے گھر چلی جاؤ تو یہ بات ختم ہو، لیکن تم نے سمجھا کہ شاید میں تمہیں بوجھ سمجھنے لگا ہوں۔ میرا تم سے ایک پاکیزہ رشتہ ہے اور تمہیں شروع سے میں نے اسی نظر سے دیکھا ہے۔ میں اس رشتے کو میلا نہیں کرنا چاہتا۔ اسی لئے میں نے چپ چاپ ساری تیاری کرلی۔ میں اتنا مضبوط نہیں ہوں کہ ماں کے بہتے آنسو یا التجائیں مجھے ثابت قدم رکھ سکیں تم اچھی لڑکی ہو۔ بلکہ بہت اچھی لڑکی ہو۔ نقشِ کو بھول کر نئی زندگی کی ابتداء کروگی تو مجھے خوشی ہوگی۔ ختم ہوئی کہانی کا کردار بنے رہنا دانش مندی نہیں۔ دنیا بہت بڑی ہے۔ کسی اچھے انسان کا ساتھ پاؤ گی تو ساری تلخیاں از خود اپنی حقیقت کھو دیں گی۔''

''تم بتاتے تو سہی۔ میں خود۔ میں خود لڑ پڑتی۔ تمہیں وطن چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں ابھی اسی وقت چلی جاتی ہوں لیکن تم اس طرح مت جاؤ۔'' وہ روہانسی ہوگئی تھی۔

''میں نے کہا ناں میں اتنا مضبوط نہیں ہوں اور پھر اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ تم تیاری کرلو، شام کو چچا آرہے ہیں۔ جو چاہو لے جانا، یہ سب کچھ تمہارا ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''عذیر!'' وہ گنگ تھی۔ وہ اٹھ کر قریب آیا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''اپنی شادی پر مجھے بلانا ضرور۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں گا پہنچوں گا۔''

''تم سے کس نے کہا میں شادی کرنے جا رہی ہوں۔ فضول میں۔'' اس نے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

''فضول نہیں۔ یہ میری پیشین گوئی ہے۔ تمہیں بہت اچھا جیون ساتھی ملے گا۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' اس کے بگڑ جانے پر اس نے اس کا کان مروڑا تھا۔

''ہاں ایک بس تمہاری دعائیں ہی تو درکار ہیں۔ مقدر کی کالک انہی سے تو دھلے گی۔ ہونہہ۔'' وہ زہرخند ہوئی تھی۔

''ہر وقت مقدر کی بدبختی کا رونا روتی رہوگی تو بے اماں ہی رہوگی۔ اپنے حال پر شاکر رہنا سیکھو۔ ان شاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، اللہ کسی کا برا نہیں چاہتا۔ ہاں آزماتا ضرور ہے۔

تم اس آزمائش میں پورا اترنے کی کوشش کرو۔ ہمت کرو۔ مقدر کوئی شے نہیں اور آئندہ میں تمہارے منہ سے ایسی کوئی بات نہ سنوں۔ اب چلو اچھی سی چائے پلواؤ۔ اور ہاں رات کے کھانے کا کیا مینو ہے۔ جاتے جاتے زبردست قسم کا ڈنر کرا جاؤ۔ تاکہ وہاں تمہاری یاد آتی رہے۔'' اس نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا۔ وہ سر اثبات میں ہلاتی کچن میں آگئی۔

وہ بہت اَپ سیٹ ہوگئی تھی۔ نئے سرے سے۔ جہاں وہ خود کو بہلانے لگتی تھی۔ وہیں پھر کوئی نہ کوئی بات سر اٹھا لیتی تھی۔

اب عذیر کا یوں ملک چھوڑ کر جانا کیا ضروری تھا؟

اور پھر یہ شوشا کیوں چھوڑا گیا کہ عذیر اور وہ شادی کرلیں۔ کیا وہ پہلے ایک ہی گھر میں ایک چھت تلے رہتے نہیں آرہے تھے۔

''اور پھر راہِ فرار کا یہ کون سا طریقہ ہے؟''

وہ یہاں رہ کر...... لیکن...... شاید اس کے پاس بھی ایک طریقہ رہ گیا تھا۔

وہ بھی تو ضد پر اڑی ہوئی تھی۔ یہ بھول گئی تھی کہ جو بھی تھا یہ گھر اس کا نہیں تھا۔ چلو جب تک بابا جان باہر تھے، تب تو جواز بنتا تھا۔ اب کیوں وہ رہ رہی تھی۔ جب کہ بابا جان کئی بار اسے گھر چلنے کا کہہ چکے تھے اور شاید لوگوں کی زبانوں کو بند کرنے کا مناسب حل انہیں یہی نظر آیا تھا کہ وہ ان کی شادی کر دیں اور یہ صرف عذیر کے لئے ہی نہیں۔ اس کے لئے بھی ناممکن تھا۔

کاش وہ پہلے اپنے گھر چلی گئی ہوتی تو آج عذیر کو یوں دربدر نہ ہونا پڑتا۔ اس نے سارا الزام اپنے سر لے لیا۔ نہ جانے اس کی غلطیوں کی حد کہاں ختم ہونی تھی۔

''یہ چائے بن رہی ہے یا پائے گل رہے ہیں؟'' کافی دیر انتظار کرنے کے بعد عذیر کچن میں ہی چلا آیا تھا اور اسے چولہے کے پاس یوں گم صم کھڑے دیکھ کر اس کا سر زور سے گھما دیا تھا۔ اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

''میں سمجھا تم چائے لینے کینیا چلی گئی ہو۔ وہ جو کباب بنے تھے، وہ سارے تل لئے کیا؟ بھوک لگی ہے۔ ایسا کرو۔ اماں کو چائے دے آؤ۔ پھر برگر کھانے چلتے ہیں۔'' عرصے بعد وہ پہلی والی ٹون میں آیا تھا۔ فٹافٹ پروگرام بنا ڈالا تھا۔

''اور وہ جو ڈنر کی فرمائش ہے اس کا کیا بنے گا؟'' وہ باہر جانے کو رضامند تھی۔

''ابھی کافی ٹائم ہے۔ چچا آفس سے اٹھنے کے بعد آئیں گے اور تب تک مل کر یعنی ہم دونوں زبردست ڈنر تیار کرلیں گے۔ چلو ہری اَپ۔''

اس نے چائے مگ میں انڈیلی اور چچی جان کو دے آئی۔ ساتھ میں بتا بھی دیا۔ بالوں میں ہلکا برش چلا کر اس نے چادر اٹھائی اور باہر آ گئی۔ عذیر بائیک نکالے کھڑا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی فل اسپیڈ کر دی۔

''میں گر جاؤں گی عذیر۔ مارنے کا ارادہ ہے کیا؟'' وہ خوفزدہ ہو کر چلائی تھی۔ وہ مزے سے ہنستا رہا۔ پھر کتنی دیر مختلف سڑکوں پر دوڑانے کے بعد اس نے ''برگر پوائنٹ'' کا رخ کیا تھا۔

''اتنا ٹائم ہو گیا ہے۔'' اس نے عذیر کو احساس دلانا چاہا تھا۔

''نیور مائنڈ۔'' اسے پروا نہیں تھی۔

پھر رات کا کھانا انہوں نے بازار سے ہی لے کر پیک کروا لیا۔

''تم آرام سے اپنی پیکنگ کرنا۔'' سارے پیکٹ اسے تھماتے ہوئے کہا تھا۔

''میں نے کوئی دور دیس جانا ہے اور پھر پیکنگ کیسی؟'' وہ ایک دم اداس ہو گئی تھی۔

''اچھا اچھا۔ اب اداس مت ہو۔ میرا موڈ بڑا فریش ہے۔ خراب نہیں کرنا۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر منع کیا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی تھی۔

اس نے بیگ میں چند جوڑے ہی رکھے تھے، یا پھر اپنی کتابیں۔ باقی چیزیں وہ بعد میں لے جانے کا ارادہ رکھتی تھی کیونکہ ابھی ان کے جانے میں کچھ دن باقی تھے۔ حالانکہ اس نے کتنا کہا تھا کہ وہ تب تک یہیں رہ جاتی ہے، لیکن عذیر نے اسے اس دن بھجوا کر ہی دم لیا تھا۔

بابا جان بہت خوش تھے اور خوش تو راضیہ اور ثوبیہ بھی نظر آ رہی تھیں۔ ثوبیہ اسے اس کے کمرے میں چھوڑ گئی تھی۔ اور وہ نرم مخملیں بستر پر بیٹھی اب بھی وہیں تھی جہاں اس نے زندگی کے خوبصورت سال گزار دیئے تھے۔

☆======☆======☆

''سنو نوما!'' وہ اریج کے ساتھ مصروف تھی کہ ارمغان نے پکارا۔

''جی بھائی!'' وہ وہیں سے چلائی تھی۔ ''کھانا کھا لیا آپ نے؟''

''ادھر آؤ، ایک ضروری بات کرنی ہے تم سے۔'' اب کے وہ جھنجھلایا تھا، وہ اریج کو ساتھ لئے آ گئی۔

''ہاں کیا ہے؟''

''میں نے تم سے ایک کام کہا تھا، اس کا کیا کیا؟''

''کون سا کام؟'' اسے قطعاً یاد نہیں تھا۔

''وہی ناجیہ عزیز احمد والا!'' اس کی بے نیازی پر غصہ تو آیا مگر پی گیا۔

''اوہ...... ہاں...... بھائی میرے، دنیا میں اور بھی بے شمار لڑکیاں ہیں، اسی سے کیوں ماتھا پھوڑ رہے ہو، وہ نقشم کو بھولنے پر کسی طور تیار نہیں ہے۔ بالفرض کسی دباؤ میں آ کر تم سے شادی کر بھی لے تو کیا تم یہ برداشت کر سکو گے کہ وہ کسی اور کو اپنے دل میں بسائے رکھے۔''

''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو میں اسے مجبور کر دوں گا کہ وہ مجھ سے محبت کرے۔''

''میں صرف تم پر رحم کھا سکتی ہوں۔'' نوما نے تاسف سے سر ہلایا۔ پھر جیسے یاد آنے پر بولی۔ ''تمہاری ایک پیشنٹ بھی تو ہے ربیعہ، اس کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے؟''

''میری مرضی تم خواہ مخواہ مشورہ مت دو۔''

''کس مشورے کی بات ہو رہی ہے؟'' ہما بھی چلی آئی تھی۔ ''کھانا تیار ہے چلو بھئی۔''

''ہاں بھابی آپ ہی میری اس معاملے میں ہیلپ کر سکتی ہیں۔'' ارمغان ایک دم پرجوش ہوا تھا۔

''کیا کسی لڑکی کا معاملہ ہے؟'' ہما نے معنی خیزی سے پوچھا۔

''ہاں، لڑکی بھی اچھی خاصی اڑیل ہے، مان کے نہیں دے رہی۔'' ارمغان نے آہ بھری۔

''تم ہمیں پتہ دو، ہم اسے راضی کر کے دم لیں گے۔'' ہما نے فرضی کالر کھڑے کئے۔

''ریئلی۔'' وہ خوش ہو گیا۔ ''آج شام کو میں آپ دونوں کو ادھر چھوڑ دوں گا۔'' اس نے جھٹ پروگرام بھی ترتیب دے لیا۔

''اوئے ہوئے پھرتیاں تو دیکھیں۔'' نوما نے چھیڑا، پھر فون کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

''میں فون کر کے اسے بتا تو دوں، یہ نہ ہو کہیں جانا ہوا نہیں۔'' اس نے نمبر ڈائل کیا۔

کافی دیر بعد ریسیو ہوا، چچی جان تھیں۔

خیر خیریت کے بعد اس نے ناجیہ کا پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ تو اپنے گھر چلی گئی ہے۔ اس نے وہاں کا ایڈریس لیا اور فون بند کر دیا۔ اب کے وہ خوش تھی، اسے امید ہو چلی تھی کہ ناجیہ کا نقشم کا گھر چھوڑ دینا اچھا ثابت ہوگا۔

''اوکے! میں ٹھیک پانچ بجے پہنچ جاؤں گا، تم تیار رہنا۔'' ارمغان پروگرام فائنل کر کے بائیک کی چابیاں اٹھا کر نکل گیا۔

نوما ہما کو ناجیہ کے بارے میں بتانے لگی۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''بھابی سنیے گا۔'' نوما نے کہا تو ہما نے فون اٹھا لیا۔

''ہیلو.....!'' ادھر سے آتی آواز نامانوس تھی۔

''میں عاصمہ حیات بات کر رہی ہوں، مجھے مسز فرحان اعجاز سے بات کرنی ہے۔'' ہما ایک لمحے کو چپ ہوئی پھر دھیمے سے بولی۔ ''جی فرمائیے بول رہی ہوں۔''

''اوہو، کیسی ہیں؟ یقیناً خوش ہوں گی اور فرحان بھی، بے چارے کو اپنے اسٹینڈرڈ کی بیوی جو مل گئی ہے۔ اور بیوی بھی کیسی شاندار جو کسی اور کا بچہ پیدا کئے بیٹھی ہے۔ بے چارہ فرحان! اسے تو پتہ بھی نہیں چلا ہوگا، وہ تو اسے اپنی اولاد سمجھ رہا ہوگا۔ چچ چچ بے چارہ، ویسے تم اپنے بچے کے باپ سے بات کرنا پسند کرو گی۔ میرا مطلب اسد ملک سے ہے۔''

ہما نے گھبرا کر فون بند کر دیا۔ اس کے روم روم سے پسینہ پھوٹ نکلا تھا اور اس نے دوپٹے کے پلو سے پیشانی خشک کی۔ نوما نے مڑ کر دیکھا، ہما عجیب کھوئے کھوئے انداز میں فون کو گھور رہی تھی۔

''کیا ہوا بھابی خیریت تو ہے، کس کا فون تھا.....؟'' وہ گھبرا کر پاس آئی تھی۔

''ہاں..... آ..... نن..... نہیں.....'' اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ پھر ارتیج کو اس سے لیتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ گئی۔ وہ ابھی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی کہ فون کی گھنٹی دوبارہ بج اٹھی۔ اس نے لپک کر فون اٹھایا۔ ''ہیلو کون.....'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔

''ہما سے بات کرنی ہے۔'' ادھر سے مردانہ آواز آئی تھی۔

''آپ کون ہیں.....'' اس نے لہجہ ذرا سخت کیا تھا۔

''ارے.....'' وہ زور سے ہنس دیا۔ ''آپ نوما ہیں..... کمال ہے آپ سے ملاقات تو ہو چکی ہے۔ میں نے تو سنا تھا کہ آپ کے بھائی نے آپ کو بہت مارا بھی تھا۔ ہماری وجہ سے۔ ویسے شے آپ غضب کی ہیں۔ اینی وے! اس وقت ہم نے ہما سے بات کرنے کو فون کیا ہے۔ خاکسار کو اسد ملک کہتے ہیں۔ آپ کی حالیہ بھابی کے پاس ہماری ایک چیز ہے اسی کی بابت دریافت کرنا ہے۔'' بات مکمل کر کے وہ پھر ہنسا تھا۔

نوما کا رواں رواں سلگ اٹھا تھا۔

''تم انتہائی گھٹیا شخص ہو؟'' وہ چلائی تھی۔ ''کاش تم میرے سامنے آؤ تو میں تمہیں شوٹ کر دوں اور اس ذلیل عورت کو بھی۔''

''ہا..... ہا..... ہا.....'' اس نے قہقہہ لگایا۔ ''تم کچھ نہیں کر سکتی کمزور لڑکی۔ ہاں میں اب بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ بہرحال اپنی بھابی تک میرا پیغام پہنچا دینا۔ اوکے..... بائے..... میں پھر فون کروں گا۔''

نوما نے ریسیور رکھا اور بھاگتی ہوئی اوپر آ گئی۔ اس ذلیل شخص کا ہما سے کیا تعلق ہو سکتا تھا۔ ہما نے دروازہ بند کر رکھا تھا۔ نوما نے دستک دی۔ ''بھابی..... دروازہ کھولیں.....'' لیکن اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔

''بھابی.....!'' اس نے گھبرا کر دروازہ پیٹ ڈالا۔

☆======☆======☆

''ارے اذغان آپ یہاں خیریت تو ہے؟'' ارمغان نے خوشگوار حیرت سے پوچھا تھا۔

''کیا ہمارے یہاں آنے پر پابندی ہے؟'' اس نے مسکرا کر مصافحہ کیا تھا۔

''نہیں یار..... خیریت ہے جب چاہے آئیں۔'' ارمغان نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تمہارے لئے پیشنٹ لایا ہوں۔'' اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ارمغان کی

ادھر نظر نہیں پڑی تھی۔ استفہامیہ اذغان کو دیکھا۔ وہ اسے تفصیل بتانے لگا۔

''اصل میں یہ میرا خیال ہے کہ تم اسے ایز اے سائیکی کیس ٹریٹ کرو تو عین ممکن ہے، نارمل ہو جائے۔ کیونکہ ہم نے جہاں تک اندازہ لگایا ہے یہ مکمل ابنارمل نہیں ہے، کئی باتیں بڑی ہوش مندی کی کرتی ہے۔''

''ٹریٹمنٹ تو یہاں نفسیاتی ہی ہوتا ہے۔'' ارمغان نے سرسری نظر جائزہ لیا تھا۔ ''آپ کی......؟''

''مہمان ہیں۔'' وہ اس کا مطلب سمجھ کر بولا تھا۔ ''بڑی دور سے آئی ہیں۔ اور آپ جان گئے ہوں گے کہ مما کتنی جینئس ہیں۔ سو انہیں آپ کے پاس لے آنے کا حکم ملا ہے۔''

''کہیں اس کے پیچھے کوئی قتل وتل شاملِ حال نہ ہو۔ یہ دوسرا کیس ہے، اور دونوں ایک جیسی کیفیات والے لگ رہے ہیں۔'' ارمغان ہنسا تھا۔

''پھر تو شروعات ہی خاصی مشکل ہوئی ہیں۔'' اذغان نے ساتھ دیا تھا۔

ارمغان نے سسٹر کو بلا کر مریضہ کو ایڈمٹ کرنے کا کہا اور ساتھ ہی چائے بھجوانے کا بھی۔ پھر چائے کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو میں مصروف رہے۔ دونوں کی پہلی تفصیلی ملاقات تھی بہت کچھ جاننا ایک دوسرے کے بارے میں۔ چائے پیتے ہی اذغان اٹھ کھڑا ہوا۔

''اچھا اجازت! اب تو آنا جانا رہے گا۔'' اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ''تم بھی چکر لگاؤ نا یار گپ شپ کریں گے۔ رحمہ کے ہاتھ کی چائے پئیں گے۔ مما سے فش فرائی کروائیں گے۔ پاپا کی ڈانٹ سنیں گے۔ اور......اور...... تمہیں اپنی مہمان سے ملوائیں گے۔'' اس کا لمبا پروگرام سن کر ارمغان بے ساختہ ہنس دیا تھا۔ ''اللہ حافظ!'' وہ اسے دروازے تک خدا حافظ کہنے آیا تھا۔

اور تب ہی اندر داخل ہوتے سلجوق شاہ پر اس کی نظر پڑی تھی۔

''یہ اب یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔'' اس نے سوچا اور انہیں اپنی طرف آتا دیکھ کر خود ان کی طرف بڑھ گیا۔

''کیسے ہیں ڈاکٹر صاحب؟'' وہ رسمی سا مسکرائے تھے۔

''فائن، آپ نے کیسے زحمت کی؟'' وہ انہیں اپنے آفس کی طرف لے کر چلا۔

''کام تھا ضروری، سوچا آپ سے ملتا چلوں۔''

''زہے نصیب، ربیعہ کیسی ہے۔ کیسا ہو رہا ہے اس کا علاج؟''

''شاید آپ کے علم میں نہیں۔ بابا جان کا انتقال ہو گیا؟'' سلجوق نے بتایا۔

''اوہ، آئی ایم سوری......کب......؟''

''جس دن ربیعہ کو لے کر گئے تھے اسی دن، آپ تو ہاسپٹل میں تھے نہیں۔'' انہوں نے دانستہ یہ ذکر چھیڑا تھا اور اب کن انکھیوں سے ارمغان کا چہرہ تک رہے تھے۔

''جی...... مجھے اس دن کام تھا، میری بھابی ہاسپٹل ایڈمٹ تھیں بسلسلہ ڈلیوری۔ انہیں گھر چھوڑنا تھا، کیا منگواؤں آپ کے لئے، چائے یا ٹھنڈا۔'' اس نے انٹر کام کا بٹن پش کرتے ہوئے پوچھا۔

''نو تھینکس۔'' انہوں نے منع کیا۔ پھر پوچھنے لگے۔

''آپ کے ہاں شادیاں فیملی میں ہی کرتے ہیں؟''

ارمغان سمجھا شاید یہ جہانگیر شاہ والا پروپوزل دہرانا چاہتے ہیں۔ اس لئے قصداً جھوٹ بول گیا۔ ''جی ہاں......''

''ہمارے ہاں بھی ایسا ہی ہے لیکن اب مسئلہ یہ آن پڑا ہے کہ...... اینی وے، چلتا ہوں پھر ملاقات ہو گی۔'' وہ ایک دم ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ارمغان کچھ الجھا الجھا ان کی آمد کے متعلق غور کرتا باہر تک ان کے ساتھ آیا، پھر ٹائم دیکھا۔ پانچ بجنے میں کچھ ہی منٹ تھے۔ وہ ''اُف'' کرتا گاڑی کی طرف آ گیا تھا۔

☆======☆======☆

''آ جائیں سب، چائے تیار ہے۔'' ثوبیہ نے لاؤنج سے آواز لگائی تھی۔ ناجیہ اور راضیہ لان میں بیٹھی تھیں۔ جب کہ بابا جان اسٹڈی میں تھے۔

''باہر ہی لے آؤ!'' راضیہ نے سستی سے کہا تو ثوبیہ ٹرالی گھسیٹتی چلی آئی۔

''میں نے بڑی مشکل سے بریڈ رول تیار کئے ہیں۔ مکمل داد ملنی چاہئے ورنہ میں آگے سے پلیٹ اٹھا لوں گی۔'' ثوبیہ نے چائے بناتے ہوئے کہا تو ناجیہ ہنس پڑی۔

''ان کی جو شکل ہے، اس کے پیشِ نظر تم ابھی یہ پلیٹ اٹھا لو، ہم ممنون ہوں گے۔''

''آپی!'' وہ روہانسی ہوئی۔

''چلو تمہارے لئے یہ زہر بھی قبول ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے رول اٹھایا۔

''ڈیڈی کو چائے دے آئی ہو؟'' راضیہ نے یاد دلایا تو وہ کپ اٹھا کر اسٹڈی کی طرف بھاگی۔

''بس یہ مخبوط الحواس نہ ہو تو بہتر ہے۔ پچھلے ہفتے ساتھ والی آنٹی آئیں محترمہ کو مہمان نوازی نبھانے کا بڑا شوق ہے۔ ٹرالی سجا کر لائیں اور پلیٹیں سرو کئے بغیر نمکو سرو کرنے لگیں۔

انہوں نے شرمندہ شرمندہ سی پلیٹ مانگی۔ تب ہی سوری کہتے ہوئے کچن کی طرف بھاگیں۔ راضیہ واقعہ سنا رہی تھی۔

''ابھی چھوٹی ہے ناں۔'' ناجیہ نے سائیڈ لی، اسی وقت ثوبیہ بھاگتی ہوئی آئی۔

''راض، تمہارا فون ہے۔ فون......'' اس کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔

''اوہو تو اتنا بوکھلانے کی ضرورت کیا ہے؟'' اس نے ناگواری سے کہا۔

''ضرورت ہے کیونکہ فون سلجوق شاہ کا ہے۔'' اس نے دھماکہ ہی تو کیا تھا۔

راضیہ ایک دم کھڑی ہوگئی تھی۔ ''سلجوق'' ناجیہ کو یہ نام سنا سنا لگا تھا۔ راضیہ اندر چلی گئی تھی۔ جب کہ ثوبیہ اسے سلجوق کے متعلق بتانے لگی تھی۔

''مجھے یہ نام مانوس سا لگ رہا ہے شاید......'' پھر جیسے اسے یاد آگیا۔

''یہ سلجوق شاہ جو ہیں ان کی شادی......'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

''شادی کیا مطلب...... راضیہ تو چاہتی ہے لیکن وہ نہیں مانتے۔'' ثوبیہ نے کچھ اور ہی سمجھا تھا۔ وہ خاموشی سے چائے کے سپ لینے لگی۔ اسے یاد تھا سلجوق شاہ اور نقشم میں گہری دوستی تھی اور پھر سلجوق شاہ کی شادی میں وہ سب انوائیٹڈ تھے۔ اچانک چچی جان کی طبیعت خراب ہونے کی بناء پر وہ گھر ہی رک گئی تھی اور نقشم اور عذیر چلے گئے تھے۔ نقشم نے اسے سلجوق شاہ کی لو اسٹوری سنا رکھی تھی۔ تب ہی تو جب نقشم نے واپسی پر بارات خالی لوٹ جانے کا سنایا تو اسے بہت دکھ ہوا تھا۔ پھر نقشم کے ڈیوٹی پر چلے جانے کی وجہ سے بعد کے حالات کا پتہ نہ چل سکا تھا۔ اور پھر تو جیسے وہ خود طوفانوں کی زد میں آگئے تھے، کسی کی کیا خبر رکھتے۔

راضیہ واپس آئی تو خاصی خوش تھی۔ ''مجھے تو یقین نہیں آرہا، سلجوق نے مجھے خود فون کیا ہے۔'' وہ مٹھیاں کھولتی بند کرتی سرشاری کیفیت میں بول رہی تھی۔

''تو کیا کوئی اور تھا؟'' ثوبیہ نے ابرو چڑھائے۔

''بکو نہیں......'' اس نے ڈانٹ دیا۔ ''مجھے یقین ہے سلجوق زیادہ دن میری محبت سے انکار نہیں کرسکیں گے۔''

''کیا انہوں نے کچھ ایسا کہا ہے؟'' ثوبیہ پھر بولے بنا نہ رہ سکی۔

''نہیں فی الحال تو یہ کہہ رہے تھے کہ وہ امریکہ سے پاکستان آگئے ہیں۔ میں تو خود پریشان تھی...... اُف...... توبہ...... انہوں نے خود مجھے انفارم کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کے دل میں میرے لئے کوئی Soft corner (نرم گوشہ) بن گیا ہے۔ کیوں ناجیہ تمہارا تجربہ کیا کہتا ہے؟''

''شاید...... لیکن راضیہ تمہارے علم میں ہے کہ سلجوق آل ریڈی میرڈ ہیں۔'' ناجیہ کو یہ سب اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ اس کی بہن تھی اور سلجوق جان بوجھ کر اسے دھوکا دینے کی کوشش میں تھے۔

''تمہیں کس نے بتایا؟'' راضیہ کو حیرت ہوئی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید ڈیڈی نے بتایا ہو۔

''سلجوق اور نقشم گہرے دوست تھے اور ہم ان کی شادی پر انوائیٹڈ بھی تھے۔''

راضیہ کو دھچکا سا لگا۔ وہ تو یہ سمجھ رہی تھی کہ سلجوق نے محض اس سے جان چھڑانے کی خاطر یہ جھوٹ بولا تھا لیکن...... وہ ایک دم اٹھی اور بھاگ کر اندر چلی گئی۔

''شاید...... اسے پتہ نہیں تھا۔'' ثوبیہ نے اسے جاتے دیکھ کر کہا تھا۔

ثوبیہ چائے کے برتن سمیٹ کر اندر آئی تو وہ صوفے پر چپ چاپ بیٹھی تھی۔

''اب ان دونوں بڑی بہنوں کو کیا ہوگیا ہے؟'' وہ بڑبڑائی۔

''بابا جان کیا کر رہے ہیں؟'' ناجیہ نے پوچھا۔ پھر اس کے جواب دینے سے قبل ہی وہ اسٹڈی میں آگئی۔

''میں آجاؤں بابا جان؟'' اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر پوچھا تھا۔

''ہاں...... کیوں نہیں......'' انہوں نے کتاب بند کرتے ہوئے بہت محبت سے کہا تھا۔

وہ پیچھے دھری کرسی پر بیٹھ کر جائزہ لینے لگی۔ کافی وسیع ذخیرہ تھا کتابوں کا۔

''بابا جان!'' وہ جائزے سے فارغ ہو کر بولی۔ ''آج عذیر کی طرف چلیں۔ ان کے جانے میں دو روز رہ گئے ہیں۔''

''چلے جائیں گے۔ تم تینوں تیار ہو جانا، بس میں یہ تھوڑا کام نمٹا لوں۔''

''ایک بات پوچھوں؟'' اس کی اداسی اسے بولنے پر مجبور کر رہی تھی۔

''ہوں...... جتنی مرضی پوچھ لو......'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''میری ماں کیسی تھیں؟'' عزیز احمد نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ بے چینی سے پاؤں ہلاتی وہ کھوئی کھوئی لگ رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اس نے اپنی ماں کے بارے میں استفسار کیا تھا۔

''بہت اچھی، بہت خوبصورت، شہزادیوں کی سی آن بان والی۔ پتہ ہے جب اس کی شادی ہوئی تو میں بہت رویا تھا۔ شاید اسی دن مجھ پر ادراک ہوا تھا کہ میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔'' وہ جانے کس رو میں بہہ گئے تھے۔

"ان کی شادی؟" وہ چونکی تھی۔ "کیا کہہ رہے ہیں بابا آپ؟"

"نن۔ نہیں۔ میں شاید کچھ غلط بول گیا ہوں۔" وہ سیدھے ہو بیٹھے تھے۔ ایک سوال نے انہیں کہاں پہنچا دیا تھا۔ بیس بائیس برس پہلے کی شبیہ تصور کے پردے پر لہرائی تھی اور وہ جانے کیا سے کیا بول گئے تھے۔ انہوں نے رومال سے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔

"نہیں بابا۔ مجھے لگتا ہے آپ صحیح بول گئے ہیں۔ بتائیں ماں کی شادی کس سے ہوئی تھی؟ میں کس کی بیٹی ہوں؟ آپ میرے کیا لگتے ہیں؟" اس نے بیک وقت کئی سوال کر ڈالے تھے۔

"ایسا کچھ نہیں ہے تم جاؤ اس وقت، میں ڈسٹرب ہوں پلیز۔" انہوں نے سلگتی کنپٹیوں کو انگلیوں سے دبایا تھا۔

وہ خود بری طرح ڈسٹرب ہوئی تھی۔ لب کاٹتی باہر آ گئی تھی۔

کبھی یوں بھی ہوتا ہے، جس سوال سے، جس حقیقت سے منہ چھپائے بھاگ رہے ہوتے ہیں وہ اچانک ہی سامنے آ کھڑی ہوتی ہے اور تب کہیں مفر نہیں ہوتا۔ کہیں جائے پناہ نہیں ملتی۔ ان کے منہ سے ان جانے میں نکلی بات انہیں بہت پیچھے لے گئی تھی۔ وہ جہاں سب کچھ بہت تلخ تھا۔ بہت ڈراؤنا۔ بہت تکلیف دہ۔

☆======☆======☆

آنکھوں میں پھر پہلے جیسی برسات اتری تھی۔ اس نے جو رونا شروع کیا تو آنسو تھمنے کا نام نہیں آ رہے تھے۔ شاید اس لئے کہ عرصے بعد اسے کوئی ایسا سینہ ملا تھا جس پر سر رکھ کر وہ رو سکتی تھی۔ اپنا دکھ بتا سکتی تھی۔

"انکل آپ ہی میری خبر رکھتے آپ ہی......" ہچکیوں کے درمیان اس نے کہا تھا۔

احسن انصاری نے اس کا سر تھپکتے ہوئے خود سے الگ کیا۔ پھر حیران کھڑی رحمہ کو پانی لانے کا کہا۔ پھر کم و بیش رحمہ والی کیفیت میں مبتلا بیگم احسن کو دیکھ کر کہنے لگے۔

"یہ حفیظہ ہے۔ رحمٰن ملک کی بیٹی۔"

"کیا؟" وہ فوراً آگے بڑھی تھیں۔ "کمال ہے اس نے اشارہ تک نہیں دیا کہ یہ "ملک پور" سے آئی ہے۔ بس یہی کہا کہ اس کی جان کو خطرہ ہے۔ کچھ لوگ اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اذغان تو اس کے ساتھ آئی خاتون کو غالباً مینٹل ہاسپٹل چھوڑ آیا ہے۔"

"کون تھا اس کے ساتھ۔ کیا بیگم رحمٰن؟" انہوں نے حفیظہ کو استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

"نہیں وہ بھی مجھے تنہا چھوڑ گئیں وکیل انکل۔" وہ پھر سسک اٹھی۔

"اوہ!" انہوں نے تاسف سے اسے دیکھا۔ رحمہ پانی لے آئی تھی۔

"پانی پیو حفیظہ اور مجھے سب کچھ بتاؤ۔ میں تو وہاں سے آتے ہی کینیڈا چلا گیا تھا، ایک ماہ پہلے ہی واپس آیا ہوں۔ یہاں بھی کئی مسائل تھے۔ وہ نپٹاتے دن گزر گئے حالانکہ میرا ارادہ تمہاری طرف چکر لگانے کا تھا۔ مجھے قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ حالات اس قدر خراب ہو جائیں گے کہ تمہیں "ملک پور" سے یوں جان بچا کر بھاگنا پڑے گا۔"

حفیظہ نے دو گھونٹ لے کر گلاس واپس رحمہ کی طرف بڑھایا۔ پھر جیسے بولنے کے لئے ہمت جمع کرنے لگی۔ بیگم احسن اس کے پاس آ بیٹھی تھیں اور اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر اسے تسلی دے رہی تھیں۔ حفیظہ نے کہنا شروع کیا۔

"انہوں نے انکل میرے جعلی سائن کر کے عدالت میں خلع کی درخواست دائر کر دی تھی۔ سلجوق شاہ نے یہ شرط عائد کی تھی کہ اگر میں عدالت کے روبرو خود یہ بیان دے دوں تو وہ طلاق دے دیں گے لیکن ایسا ہوا ہی نہیں اور مجھے طلاق کے کاغذات مل گئے بمعہ حق مہر دس لاکھ۔" آنسو پھر چھلک اٹھے تھے۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟ ضرور اس میں بھی کوئی چال ہے۔" احسن انصاری نے پُرسوچ لہجے میں کہا تھا۔

"پھر انکل انہوں نے زبردستی میرا نکاح سجاول سے کر دیا۔ میں نے سائن نہیں کئے بے ہوشی کی حالت میں میرا انگوٹھا لگوالیا گیا تھا۔ مجھے زبردستی سجاول کے ساتھ رہنے پر مجبور کیا گیا۔ تمام جائیداد کے مختار تایا جان بن بیٹھے۔ بڑی مشکل سے میں آنٹی کے ساتھ وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئی۔"

"خیر پاگل کے ساتھ تو تمہارا نکاح بقائمی ہوش و حواس بھی نہیں ہو سکتا۔ سو تم اس کی پابند نہیں ہو، ہاں وہ آنٹی کون ہیں؟"

"پتہ نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہاں حویلی میں قید تھیں۔"

"کیا؟" انہیں حیرت کا شدید جھٹکا لگا پھر جیسے کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہنے لگے۔

"تم یہاں محفوظ ہو بالکل یہ تمہارا اپنا گھر ہے بے فکر ہو کر رہو۔ بیگم یہ تمہاری تیسری بیٹی ہے، میرا خیال ہے اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"آپ بے فکر رہیں احسن، پہلے میں نے کبھی آپ کو مایوس کیا ہے؟" بیگم احسن نے حفیظہ کو اپنے ساتھ لگایا تھا۔

"اور پاپا آپ جانتے ہیں میں آپ کی کتنی اچھی بیٹی ہوں۔" رحمہ نے ہنستے ہوئے ماحول

کا تناؤ کم کرنا چاہا تھا۔ وہ سب مسکرا دیئے تھے۔

حفیظہ کو محسوس ہوا تھا جیسے وہ محفوظ پناہ گاہ میں آ گئی ہے۔ اب اسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

''وہ عورت کون سے ہاسپٹل میں ہے؟'' احسن انصاری نے اٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ارمغان کے ہاسپٹل میں ہے۔'' بیگم احسن نے جواب دیا۔

''چلو حفیظہ تم منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو جاؤ پھر میں تمہیں شزا کی طرف لے چلتی ہوں۔ وہاں سے آپا کی طرف چلیں گے۔'' رحمہ نے فٹافٹ پروگرام ترتیب دے دیا تھا۔ حفیظہ کھڑی ہو گئی۔

''رحمہ میرا خیال ہے ابھی حفیظہ کا یوں باہر جانا مناسب نہیں۔ وہ سب اسے ڈھونڈ رہے ہوں گے۔ تم شزا اور صبیحہ کو اِدھر بلا لو۔'' بیگم احسن کے خیال سے احسن انصاری نے اتفاق کیا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ میں انہیں فون کرتی ہوں۔ تم فریش تو ہو جاؤ حفیظہ۔'' وہ لاؤنج کی طرف جاتے ہوئے بولی تھی۔ حفیظہ سر ہلاتے سیڑھیاں چڑھ گئی جب کہ احسن انصاری ہاسپٹل جانے کے ارادے سے باہر نکل گئے تھے۔

حفیظہ فریش ہو کر آئی تو رحمہ موجود تھی۔

''شزا پہنچ رہی ہے جب کہ آپا کا بلو بیمار ہے وہ اسے لے کر ہاسپٹل گئی ہوئی ہیں۔ ہاں آپا کی نند نینا پہنچ رہی ہیں ویسے تم اس ڈریس میں بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔'' اس نے کھلے دل سے تعریف کی تھی۔

''تھینک یو۔'' وہ جھینپ گئی تھی۔ بیگم احسن کل ہی بازار جا کر اس کے لئے تین جوڑے خرید کر لائی تھیں۔ کچھ دن اس نے رحمہ کے کپڑے استعمال کئے تھے پھر جیسے ہی بیگم احسن کو احساس ہوا تھا تو وہ اس کے لئے چند ضروری چیزوں کی شاپنگ کر لائی تھیں۔ وہ بہت ہچکچائی تھی۔ کہا تھا وہ رحمہ کے کپڑے ہی استعمال کر لے گی کیونکہ وہ بھی نئے ہی تھے لیکن انہوں نے بہت اصرار سے اسے وہ سب چیزیں رکھنے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ ان کے احسانوں تلے مزید دب گئی تھی۔

اور اب تو اسے یوں بھی تسلی ہو گئی تھی کہ وہ اتفاق سے وکیل انکل کے گھر آ پہنچی تھی۔

تھوڑی دیر بعد نینا اور شزا پہنچ گئی تھیں اور یوں گھر میں خاصی رونق ہو گئی تھی دونوں ہی پارہ صفت تھیں۔ حفیظہ کو ایک پل بھی نہیں لگا کہ وہ ان کے لئے اجنبی ہے۔

ہاسپٹل کے بیڈ پر لیٹی اس کمزور معمر خاتون کو پہچاننے میں احسن انصاری کو تھوڑا وقت

لگا تھا اور پھر شدید حیرت نے ان کا احاطہ کر لیا تھا۔ یہ وہ مہرو تھی، جس کے جنازے میں وہ خود شریک ہوئے تھے۔

☆======☆======☆

''راضیہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں فوراً!'' سلجوق شاہ کے الفاظ سن کر راضیہ کو یوں لگا جیسے اس کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آ گیا ہو۔

''کک...... کیا کہہ رہے ہیں شاہ جی؟'' وہ کافی دیر بعد بول پائی تھی۔ لہجے میں بے یقینی تھی۔

''کیا تم مجھے سنبھال سکو گی؟'' وہ مضطرب تھے۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا شاہ جی!'' اس کا لہجہ کانپا تھا۔

''یہ حقیقت ہے یقین کرو مجھے لگتا ہے کہ تم مجھے سمیٹ لو گی۔ میں بہت بکھر گیا ہوں۔ تم محبت تو کرتی ہو ناں مجھ سے؟'' وہ پوچھ رہے تھے اور راضیہ کا جی چاہا کہ چیخ چیخ کر کہے، ہاں شاہ جی میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔ اتنی جتنی کسی نے نہیں کی ہو گی لیکن پھر ایک خیال تیر کی طرح دل میں پیوست ہو گیا۔ ''نہیں وہ اسے بیوقوف بنا رہے تھے۔ خود انہوں نے ہی تو کہا تھا وہ میرڈ ہیں۔''

''کیا ہوا راض چپ کیوں ہو گئیں۔ کیا وہ سب محض وقتی تھا؟'' اس کی طویل خاموشی پر وہ ٹھٹکے تھے۔

''نا...... نہیں محبت وقتی نہیں ہوتی شاہ جی میں اب بھی اپنے کہے لفظوں پر قائم ہوں لیکن یہ بھی درست ہے کہ میں کسی کا حق نہیں مارنا چاہتی۔'' اس نے دھیرے سے کہا تھا۔

''کس کا حق؟'' وہ ہنسے تھے۔

''آپ نے خود ہی تو بتایا تھا کہ آپ میرڈ ہیں۔'' بالآخر اس نے کہہ ہی دیا تھا۔

''ہاں۔'' وہ کھل کر ہنسے راضیہ کو غصہ آنے لگا۔ کاش وہ سامنے ہوتے۔

''میں میرڈ ہوں۔'' انہوں نے کہنا شروع کیا۔ ''آج سے دو سال قبل میری شادی ہوئی تھی میں نے بہت ارمانوں سے سہرا باندھا تھا۔ بہت چاہت سے اپنی دلہن کو بیاہنے گیا تھا لیکن...... لیکن بارات واپس ہو گئی، دلہن لئے بغیر۔'' وہ چند ثانیے رکے جیسے بہت تکلیف میں ہوں۔ ''اور پھر اسی محبت نے طلاق مانگ لی۔ محبت کا ڈسا ہوں میں، بہت زخم ہیں میرے دل پر، بہت اکیلا ہوں میں اور اب مجھے وحشت ہونے لگی ہے اس اکیلے پن سے، تم میرا ساتھ دو گی؟'' بات مکمل کرتے ہوئے انہوں نے بہت امید سے پوچھا تھا۔

وہ چپ تھی کیا کہے سمجھ نہ پا رہی تھی پھر اس نے ریسیور رکھ دیا، ابھی وہ کچھ فیصلہ نہ کر سکی تھی۔ وہ جانتی تھی ایک محبت خوردہ شخص کے ساتھ رہنا کیسا مشکل امر ہے وہ بہت زیادہ محبت کر سکتی تھی لیکن اگر جواباً اسے محبت نہ ملتی تو وہ ٹوٹ جاتی۔ اس نے سوچا تھا وہ ناجیہ سے بات کرے گی وہی اسے صحیح مشورہ دے سکتی ہے اور یہی سوچ کر وہ ناجیہ کے کمرے میں آئی تھی۔ وہ ایزی چیئر پر دراز کسی گہری سوچ میں تھی۔

''آر یو اوکے ناجیہ؟'' اس نے دھیرے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''ہاں!'' وہ چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔

''کیا بات ہے راضیہ؟'' اسے پریشان دیکھ کر اس نے پوچھا تھا اور راضیہ کو پتہ نہیں کیا ہوا اس کے شانے پر سر ٹکا کر رونے لگی۔

''ارے!'' وہ ایک دم پریشان ہو گئی۔ ''اِدھر آؤ!'' وہ اسے تھام کر بیڈ پر لائی۔

''کیا مسئلہ ہے؟'' ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

اور تب اس نے دھیرے سے سب کچھ بتا ڈالا۔

''میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی کہ کیا کروں شاہ جی سے محبت ہے لیکن مجھے یہ بھی خوف ہے کہ وہ اپنی پہلی محبت میں کھوئے رہیں گے۔ مجھ سے محبت نہیں کریں گے تب میں کیا کروں گی ناجیہ؟'' وہ پھر بے قابو ہوئی تھی۔

''اچھا رو تو مت!'' اس نے اس کے ہاتھ دبائے۔ ''نکالتے ہیں کچھ حل بلکہ اگر تم کہو تو میں سلجوق سے بات کرتی ہوں تمہاری ساری الجھنیں ان کے سامنے رکھوں گی، اور وہ جو بھی جواب دیں گے اس کی روشنی میں فیصلہ کرنا بہت آسان ہو گا میرے خیال میں۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' اسے جیسے حوصلہ ہوا تھا اور پھر راضیہ سے سلجوق شاہ کے گھر کا نمبر لے کر ڈائل کرتے ہوئے وہ خود بے حد کنفیوز ہو رہی تھی۔

''ہاں راضیہ فون کیوں بند کر دیا تم نے۔'' دوسری طرف سے فون اٹھا کر بے تابی سے کہا گیا تھا۔ وہ جان گئی کہ سلجوق شاہ ہی ہیں۔ اس لئے سنبھل کر بولی تھی۔

''جی میں راضیہ کی سسٹر ناجیہ بات کر رہی ہوں۔ مجھے آپ سے چند ضروری باتیں ڈسکس کرنی ہیں اگر آپ کے پاس ٹائم ہو تو۔''

''ہاں کیوں نہیں کہئے میں سن رہا ہوں۔'' اِدھر سے کہا گیا تھا۔

''راضیہ کا خیال ہے کہ۔'' اتنا کہہ کر وہ رک گئی کیا بات کرے۔ کس قدر عجیب لگ رہا تھا کہ وہ پوچھتی کہ آپ راضیہ سے شادی کے بعد محبت کریں گے یا نہیں۔ اس نے تھوڑی دیر سوچا

پھر کہنے لگی۔

''آپ باقاعدہ پرپوزل بھجوا دیں۔'' راضیہ نے ٹپٹا کر اسے دیکھا تھا۔ ''اسے کوئی اعتراض نہیں ہاں بابا جان کے بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ یہ آپ کی قسمت۔'' اتنا کہہ کر اس نے فون ڈسکنیکٹ کر دیا تھا۔

''یہ کیا کہہ دیا تم نے۔'' راضیہ چڑھ دوڑی۔

''مجھے بہت نامناسب سا لگا پوچھنا اور ویسے بھی راضیہ اگر تم ان سے محبت کرتی ہو تو باقی سب بے معنی رہ جاتا ہے۔ رہی بات محبت کی تو اگر وہ تمہیں بیاہ کر لے جائیں گے تو لازمی بات ہے محبت بھی کریں گے اور بالفرض وہ نہ بھی کریں تو تم اپنی محبت سے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دینا، محبت میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔''

اس نے ہنستے ہوئے اس کے بال بگاڑے تو وہ قدرے مطمئن ہو کر اٹھی تھی۔

☆======☆======☆

ارمغان گھر میں داخل ہوا تو اس نے عجیب ہی منظر دیکھا۔ نوما، ہما کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ اس کی طرف بھاگی۔

''پتہ نہیں بھابی کو کیا ہو گیا ہے۔ صبح سے کمرے میں بند ہیں۔ میں دستک دے دے کر تھک گئی ہوں۔''

''کیا بات ہوئی؟'' وہ گھبرا کر ادھر بڑھا تھا۔

''بھابی، بھابی دروازہ کھولیں پلیز بھابی!'' اس نے بھی زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا پھر کھڑکی کی طرف بھاگا وہ بھی بند تھی۔ مجبوراً اسے لاک توڑنا پڑا اندر داخل ہوا تو ہما ایزی چیئر پر جھول رہی تھی ارتیج بیڈ پر کسمسا رہی تھی۔ شاید شور کی آواز سے جاگ گئی تھی۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں فون کیا؟'' وہ نوما پر برستا ہوا ہما کی جانب بڑھا تھا۔ تبھی ہما نے آنکھیں کھولی تھیں۔ ''تھینکس گاڈ!'' دونوں کی جان میں جان آئی۔

''یہ کیا مذاق ہے بھابی؟'' نوما نے ناراضگی سے کہا تھا۔

''فرحان آ گئے کیا؟'' ہما نے پوچھا تو نوما نے نفی سے سر ہلایا۔

''میں نے کئی دفعہ فون کیا ہے لیکن وہ ابھی تک سائٹ پر ہیں۔''

''اور میں...... اگر کچھ ہو جاتا تو کم از کم مجھے ہی فون کر دیتیں۔'' ارمغان کا غصہ ہی نہیں اتر رہا تھا۔

''کیا تھا بھائی مگر آپ کا نمبر بھی شاید خراب تھا مسلسل Busy tone آ رہی تھی۔'' نوما

نے صفائی پیش کی۔ اسے تو کچھ سمجھ ہی نہ آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

''آپ ٹھیک تو ہیں بھابی؟'' ارمغان نے اس کی نبض ٹٹولی۔

''ہوں تم لوگ پلیز مجھے ڈسٹرب مت کرو Leave me alone...... پلیز۔''
نے اسی طرح بیٹھے بیٹھے کہا تھا۔

ارمغان نے کچھ دیر سوچا پھر نوما کو پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ نوما نے ار
اٹھایا اور ارمغان کے پیچھے آگئی۔

''کیا ہوا تھا؟'' باہر آتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

نوما قدرے جھجکی۔ بتائے نہ بتائے۔

''کیا ہوا تھا؟'' اس نے اپنا سوال دہرایا۔

''ایک فون آیا تھا دو گھنٹے پہلے وہی سن کر بھابی کمرے میں بند ہوگئیں۔ بعد میں جو فو
میں نے اٹینڈ کیا وہ عاصمہ بھابی کے اسی دوست کا تھا جس نے......'' وہ رک سی گئی۔

''اوہ۔'' وہ جیسے سمجھ گیا۔ ''عاصمہ بھابی نے دھمکایا وغیرہ ہوگا، اس خبیث کے ذریعے
بھائی جان کو مت بتانا ایسے ہی پریشان ہوں گے۔'' اس نے منع کیا تو نوما نے اثبات میں
ہلا دیا۔ پھر قدرے سوچ کر کہنے لگی۔

''وہ مجھ سے کچھ اور کہہ رہا تھا کہ اس کی کوئی چیز ہے بھابی کے پاس ہما کے پاس۔
بھابی کو کیسے جانتا ہے۔''

''کیا؟...... پھر بھی جب تک میں خود بھابی سے بات نہ کرلوں۔ تم کچھ مت کہنا۔''
ارمغان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔ نوما ارتج کو لے کر باہر لان میں چلی گئی۔ ارمغان اوپر
کے پاس آگیا۔ وہ فرحان کے آنے سے پہلے بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔

☆======☆======☆

سلیمان ملک کی حالت عجب ہوگئی تھی۔ بیٹی کا دکھ انہیں مارے دے رہا تھا۔ ''ملک پور''
انہیں مل گیا تھا لیکن جیسے سکون رخصت ہوگیا تھا۔ اس ''ملک پور'' کو حاصل کرنے کے لئے
انہوں نے کتنا بڑا کھیل کھیلا تھا۔ کیا کچھ داؤ پر لگایا تھا تب کہیں جا کر ''ملک پور'' ان کی تحویل میں
آیا تھا۔ اگرچہ حفیظہ ملک ان کی گرفت سے نکل گئی تھی لیکن وہ اس کی تلاش میں دن رات ایک
کئے ہوئے تھے۔ انہوں نے سارے دارالامان دیکھ لئے تھے لیکن ان دونوں کو زمین نگل گئی تھی
یا آسمان کھا گیا تھا، کچھ پتہ نہ چل رہا تھا۔ انہوں نے اپنے کارندوں کو حکم دے دیا تھا کہ
دونوں جہاں نظر آئیں، انہیں گولی ماردی جائے۔ جائیداد تو سجاول کے ذریعے ان کو مل ہی جاتی

تھی لیکن وہ کہیں نظر بھی آتے۔ اوپر سے رومانہ کی پریشانی شروع ہوگئی تھی۔ وہ کسی صورت وہاں
رہنے کو تیار نہ تھی اور خاندانی روایات کے مطابق رومانہ کا جنازہ تو وہاں سے نکل سکتا تھا۔ اس
کے قدم نہیں۔

شہباز ملک نے تو صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ وہ ان کے گھریلو معاملات میں دخل
اندازی نہ کریں، وہ چشم پوشی بھی اختیار نہیں کرسکتے تھے۔ رومانہ کا دن میں دو تین بار فون آجاتا
تو راشدہ بیگم دہائی دینے لگتیں۔

وہ کبھی رومانہ کو صبر کی تلقین کرتے تو کبھی راشدہ بیگم کو تسلیاں دیتے۔

''یہ سب آپ کے کئے کی سزا ہے۔'' اس دن راشدہ بیگم نے روتے ہوئے کہا تھا۔

''بکواس نہیں کرو۔'' انہوں نے ڈانٹ دیا۔ کوئی انہیں آئینہ دکھائے یہ کہاں برداشت
تھا۔

''شروع سے، شروع سے ظلم ہی ہوتا آیا ہے اس حویلی میں، پہلے مہرو، پھر حفیظہ اور اب
رومانہ۔ میں کہتی ہوں اس سارے کا کوئی انت ہے، ہے کوئی آخیر؟'' راشدہ بیگم کے صبر کا پیمانہ
جیسے لبریز ہوگیا تھا۔

''مہرو کا نام کیوں آیا تمہاری زبان پر؟'' وہ غضب ناک ہوکر پلٹے تھے۔

''میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا۔'' وہ آج بے خوف ہوئی بیٹھی تھیں۔

''اپنی زبان بند رکھو راشدہ بیگم کہیں تمہارا حشر بھی نہ کرنا پڑے مجھے۔'' وہ دھاڑے
تھے۔

''خدا کے غضب سے ڈریئے ملک صاحب۔ اب تو ڈریئے آپ کی اپنی بیٹی ظلم کا شکار
ہورہی ہے۔ اس کے لئے ہی سہی۔ اپنی فرعونیت چھوڑیئے، دفع کیجئے یہ ''ملک پور'' اور اس کی
جائیداد ہم اپنی حویلی چلتے ہیں۔ آپ حفیظہ کی جائیداد اس کے حوالے کریں اور اسے بتائیں کو
سجاول سے اس کا نکاح جھوٹ......''

''بکواس بند کرو۔'' ملک صاحب کا ہاتھ اٹھا تھا اور پوری قوت سے نشان چھوڑ گیا تھا۔
راشدہ بیگم دم بخود سی انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''اگر آج کے بعد تمہاری زبان پر یہ ذکر آیا تو تمہاری زبان کاٹ کر ہتھیلی پر رکھ دوں گا۔''
انہوں نے خون آشام نظروں سے راشدہ بیگم کو دیکھا تو خوف سے ان کے بدن میں کپکپی
دوڑ گئی۔ وہ فوراً وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ جب کہ سلیمان ملک فون پر کسی
کو ہدایات دینے لگے تھے۔

☆======☆======☆

''ارے بیٹا! میں پاگل نہیں ہوں۔'' ارمغان کی ساری کوششوں کے جواب میں اس نے کہا تھا۔ ارمغان نے سر اٹھا کر دیکھا۔ بیڈ سے ٹیک لگائے وہ واقعی اس وقت ہوش مند دکھائی دے رہی تھی۔

''بس زندگی میں کبھی کچھ ایسا ہو جاتا ہے کہ آپ کے حواس ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ خصوصاً اگر آپ کی آنکھوں کے سامنے آپ کی زندگی کا قتل ہو جائے۔ آپ کے سر سے سایہ چھین لیا جائے اور آپ کو قید تنہائی کی سزا دے دی جائے تو پھر کون نارمل رہ سکتا ہے؟ اور یہ سب کرنے والے آپ کے اپنے ہوں تو دکھ اور گہرا ہوتا ہے۔ تمہارے پاس وقت ہے؟ میں آج دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہوں۔ حفیظہ کو بلا لو۔ میں اسے بھی بتانا چاہتی ہوں کہ میں کون ہوں؟ میرا حفیظہ ملک سے کیا رشتہ ہے؟ میرا حویلی سے کیا تعلق ہے؟ بلاؤ حفیظہ کو۔'' اس نے بے چینی سے کہا تو ارمغان فون کرنے چلا گیا۔

اٹینڈ کرنے والے احسن انصاری تھے۔

''نہیں حفیظہ کا آنا مشکل ہے۔'' انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ایسا کرو میں اذغان کو بھیجتا ہوں۔ تم اس کو گھر بھجوا دو اگر کوئی مسئلہ ہوگا تو تمہیں بلا لیں گے۔''

''ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی۔'' ارمغان نے فون بند کیا اور اٹھنے کو تھا کہ سلجوق شاہ اندر آ گئے۔

''معافی چاہتا ہوں بغیر Appoint ment آ گیا۔'' انہوں نے آتے ہی معذرت کی۔ تو ناچار ارمغان کو چہرے پر مسکراہٹ سجانی پڑی۔ ورنہ اس وقت وہ واقعی کوفت کا شکار ہو رہا تھا۔

''جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں، آئیے بیٹھیے۔'' اس نے سامنے اشارہ کیا۔ سلجوق شاہ بیٹھ گئے اور چند لمحے ارمغان کو بغور دیکھتے رہے، پھر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر بولے۔

''میں آپ سے ہما کے سلسلے میں بات کرنے آیا ہوں۔''

''جی؟'' ارمغان کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

''ہما میری چھوٹی بہن ہے۔'' انہوں نے مزید کہا۔

یہ دوسرا جھٹکا تھا، ارمغان اضطراب سے انگلیاں میز پر بجانے لگا۔

''ہما نے گھر والوں کی مرضی کے خلاف شادی کی ہے۔ دوسرے معنوں میں چھپ کر

بڑی دیر سے اسے ڈھونڈ رہے تھے۔ محض اتفاق تھا کہ اس روز وہ آپ کے ساتھ آ گئی، میں اسی وقت بات کرنا چاہتا تھا لیکن رزاق بھائی نے منع کر دیا۔ بعد میں بابا جان کے انتقال کی وجہ سے میں ادھر آ ہی نہیں سکا، قصہ مختصر کہ مجھے ہما چاہیئے۔''

''جی! یہ کیسے ممکن ہے؟'' ارمغان نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

''جب میں کہہ رہا ہوں تو یہ ممکن ہے!'' وہ ہٹ دھرمی سے گویا ہوئے۔

''کمال کرتے ہیں شاہ صاحب آپ!'' ارمغان کا لہجہ سخت ہو گیا۔

''آپ کی بہن نے گھر سے بھاگ کر شادی کی یا آپ کی مرضی سے۔ ہم یہ نہیں جانتے، لیکن اب وہ میرے بھائی کی منکوحہ ہے، ہمارے گھر کی عزت ہے۔ آپ اس سے ملنا چاہتے ہیں تو شوق سے آئیے ہمارے گھر کے دروازے آپ کے لئے کھلے ہیں لیکن کسی غلط مقصد کے لئے نہ تو وہ آپ کے حوالے کی جا سکتی ہے اور نہ ہی آپ سے مل سکتی ہے۔ غیرت ہم میں بھی بہت ہے۔'' ارمغان نے دوٹوک فیصلہ سنا دیا۔

''میں چاہتا تھا یہ معاملہ افہام و تفہیم سے حل ہو جائے، لیکن آپ اس پر راضی نہیں ہیں۔ چلیں ٹھیک ہے آپ اپنی کر لیں، ہم اپنی کر لیں گے۔'' وہ واضح انداز میں دھمکی دیتے اٹھے اور باہر نکل گئے۔ ارمغان نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ ہما کی ذات نئے نئے مسائل ہی اٹھا رہی تھی۔

''Hay' Yong man، کیا مسئلہ ہے؟'' اذغان نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا تو وہ چونکا۔

''کچھ نہیں یار!'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''بس یونہی ذرا طبیعت بوجھل ہو رہی ہے۔'' وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے وارڈ تک آیا۔

پھر اذغان کے جاتے ہی وہ سیدھا گھر چلا آیا۔ وہ فوراً ہما سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اس ... باوجود کوشش کے ہما نے کچھ نہیں بتایا تھا لیکن آج وہ ہر صورت جاننا چاہتا تھا۔ پورچ میں ...ان کی گاڑی کھڑی تھی۔

''چلو اچھا ہوا۔ بھائی جان کی موجودگی میں ہی بات ہو جائے۔'' اس نے سوچا تھا۔

وہ سب لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے، خلاف توقع ہما بھی اچھے موڈ میں تھی۔

''آئیے ڈاکٹر صاحب! آپ اس وقت کیسے ٹپک پڑے۔'' فرحان بھائی نے ہنستے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔

''خیر تو ہے۔ اتنے چپ چپ کیوں ہو؟'' ہما نے پوچھا تھا۔

"آج سلجوق شاہ آئے تھے میرے پاس۔" ارمغان نے کہا تو چائے لبوں تک لے جاتا ہما کا ہاتھ وہیں رک گیا۔ فرحان نے ایک نظر ہما پر ڈالی پھر کھڑے ہوتے ہوئے کہنے لگے

"تم دونوں میرے کمرے میں آؤ۔" دونوں پیچھے گئے تھے۔

"پچھلے کئی دنوں سے کسی اسد ملک کا فون میرے آفس آرہا ہے۔" کمرے میں داخل ہوتے ہی فرحان اعجاز نے کہا تھا اور ہما کو پیروں تلے سے زمین کھسکتی محسوس ہوئی تھی۔

☆======☆======☆

"میں جب تک، جب تک ہما کو گولی نہیں مار دیتا۔ میرے اندر کی آگ ختم نہیں ہوگی" سلجوق شاہ بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔

"پھر کیا ہوگا؟" رزاق شاہ پُرسکون تھے۔ "تم جیل چلے جاؤ گے، عمر قید کاٹو گے، پھر یار تعلیم بھی تمہاری سوچ بدلنے میں ناکام رہی جو ہوگیا سو گیا، کچھ عقل سے کام لو۔"

"یہ آپ کہہ رہے ہیں بھائی صاحب؟" سلجوق شاہ کو جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

"جذبات سے کام لینے کا کوئی فائدہ نہیں سلجوق۔ انہی جذبات کے ہاتھوں کتنا کچھ ہوگیا۔ کہیں تو اس کا خاتمہ ہونا چاہیے تم مجھے ہما کا پتہ دو میں خود اس مسئلے کا حل نکالتا ہوں۔"

"کیا حل نکالیں گے آپ؟ اب بھی کوئی حل رہتا ہے؟ نہیں بھائی صاحب مجھے بابا نہیں بھولتیں۔ اسی ناہنجار کی وجہ سے ان کا قتل ہوا، ربیعہ پاگل ہوئی۔ اس کی محبت کیا ہم کی محبتوں پر حاوی تھی؟ نہیں میں اس کو کبھی معاف نہیں کرسکتا۔" انہوں نے مٹھیاں بھینچی تھیں

اسی وقت پردہ اٹھا کر فارحہ اور صوفیہ اندر داخل ہوئی تھیں۔ رزاق شاہ کچھ کہتے کہتے چپ ہوگئے تھے۔

"عزیز احمد کے گھر سے فون آیا تھا۔ آج رات کے کھانے پر انہوں نے سب کو بلایا ہے۔" صوفیہ نے کہا تھا تو سلجوق شاہ کے تنے اعصاب کچھ ڈھیلے پڑے تھے۔ رزاق شاہ اٹھ کر سلجوق کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اپنے آپ پر قابو رکھو یہ عمر ایسے جذباتی فیصلے کرنے کی نہیں ہے۔ نئی زندگی کی ابتدا کر رہے ہو اور انتہا تک جانے کی بھی سوچ رہے ہو۔ ٹیک اٹ ایزی۔ نقصان ہم سب کا ہے تو کیا ضروری ہے کہ مزید نقصان کرلیا جائے۔ ٹھنڈے دماغ سے سوچو غلطی کی سزا مزید کر کے دیں تو اصلاح کیسے ہوگی؟

ہاں چلو بھئی تم لوگ کپڑے وغیرہ تیار کرو تمہارے بچوں کی وجہ سے اکثر دیر ہو جاتی ہے۔" رزاق نے بے حد ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو صوفیہ اور فارحہ ہنستی ہوئی باہر نکل

رزاق شاہ نے دوبارہ سلجوق کو پُرسکون رہنے کو کہا اور خود بھی باہر نکل گئے۔ سلجوق شاہ تھکے تھکے انداز سے کرسی پر گر گئے۔ وہ حقیقتاً ذہنی طور پر بہت تھک چکے تھے اور تبھی انہوں نے راضیہ سے شادی کا فیصلہ کیا تھا اور اس فیصلے میں زیادہ ہاتھ رزاق شاہ کا ہی تھا۔

"تمہاری شادی ہو جائے گی تو تمہارے آدھے مسائل ختم ہو جائیں گے۔ ذہن بٹے گا، نئی ذمہ داریاں پڑیں گی تو پچھلی تلخیاں بھولنے میں آسانی ہوگی۔"

"میں حفیظہ کو بھلا نہیں پارہا۔" انہوں نے بے بسی سے کہا تھا۔

"بھول جاؤ گے پگلے، اگر کوئی محبت کرنے والی لڑکی مل گئی تو سب کچھ بھلا دے گی تمہیں۔ حفیظہ گزرا ہوا کل ہے، تلخ کل، اگر اپنے ہاتھوں سے آنے والے کل کے دروازے بند کرو گے تو تمہارے پاس کچھ نہیں بچے گا۔ یادوں کے سہارے زندگی نہیں کاٹی جاسکتی۔ بھلانا آسان نہیں لیکن ایک تعلق جو ہر لحاظ سے ختم ہو چکا، اس کو حرزِ جاں بنانا حماقت ہے۔ وہ کیا لڑکی ہے..... فارحہ بتا رہی تھی کہ کسی لڑکی کے فون آتے تھے تمہارے لئے شاید تمہارے آفس میں ہوتی تھی۔ اگر وہ اچھی لڑکی ہے تم سے محبت کرتی ہے تو دیر مت کرو۔ محبت بار بار دستک نہیں دیا کرتی، تم نے وہ مقولہ نہیں سنا اگر تم سکھی رہنا چاہتے ہو تو اس سے شادی مت کرو جس سے تم محبت کرتے ہو بلکہ اس سے کرو جو تم سے محبت کرتا ہے۔ سو فوراً اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھاؤ۔"

اور سلجوق شاہ نے راضیہ کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ اس کی دیوانگی کوئی ڈھکی چھپی نہ تھی اور پھر ایک دن انہوں نے اپنی ڈائری میں سے عزیز احمد کا نمبر نکال لیا۔ یہ فون نمبر انہوں نے پاکستان آنے سے قبل انہیں دیا تھا۔ جب وہ ان کے پاس راضیہ سے شادی کا پروپوزل لے کر آئے تھے اور تب انہوں نے بڑی رعونت سے اس مغرب زدہ لڑکی سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ عزیز احمد نے ان کی صاف گوئی کا قطعاً برا نہیں منایا تھا۔ بلکہ آتے ہوئے وہ اپنے تمام Contact نمبر دے کر آئے تھے۔ جیسے انہیں امید تھی کہ سلجوق شاہ ان سے رابطہ کریں گے۔ پھر انہوں نے نمبر ملا کر عذیر کا پوچھا تھا تو ادھر سے کھلنڈری آواز سے بتایا تھا کہ یہ نمبر انہوں نے لے لیا ہے کیونکہ عذیر آسٹریلیا چلا گیا ہے اور تبھی انہوں نے بڑی سہولت سے راضیہ کا نام لے دیا تھا۔ زندگی واقعی یوں نہیں کاٹی جاسکتی تھی۔ وہ بے وقوف سی لڑکی تو جیسے خوشی سے پاگل ہوگئی تھی اور انہیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ انہیں سنبھال لے گی۔

"بھیا آپ نہیں چل رہے؟" ربیعہ کی آواز انہیں خیالات کی دنیا سے باہر کھینچ لائی۔

"ہوں کیا خیال ہے؟" وہ مسکرائے۔

"آپ کی مرضی ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ وہ اتنی ہی سنجیدہ رہنے لگی تھی۔ مگر جیسے بھول ہی گئی تھی اور ان کے لئے تو یہی غنیمت تھا کہ وہ ٹھیک ہوگئی تھی۔ رفتہ رفتہ نارمل ہو جاتی۔

"ویسے ان کو کوئی اعتراض نہیں۔ بلکہ انکل تو بصد اصرار آپ کو انوائیٹ کر رہے ہیں" ربیعہ نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے ہم بھی چلیں گے، ہماری بہنا کون سے کپڑے پہن رہی ہے؟" انہوں نے پوچھا تو وہ بتانے لگی۔

پھر شام کے اُترتے ہی وہ سب عزیز احمد کے گھر پہنچ گئے تھے۔

راضیہ کا دل کسی طور قابو میں نہ تھا وہ کئی بار ناجیہ کے گلے لگ کر رو چکی تھی۔

"مجھے ایک فیصد امید نہیں تھی کہ میں کامیاب ہو جاؤں گی۔" وہ بچوں کی طرح [illegible] ہو رہی تھی۔

"ہمیشہ اسی طرح خوش رہو۔" ناجیہ نے اسے دعا دی تھی۔

اور پھر رزاق شاہ نکاح کی تاریخ فائنل کر کے اٹھے تھے۔ ایک ہفتہ بعد کی تاریخ رکھی تھی۔

"سب کچھ سادگی سے ہوگا کیونکہ ابھی اماں ابا کے انتقال کو بہت کم دن ہوئے ہیں" انہوں نے کہا تھا۔ عزیز احمد کو کچھ اعتراض نہ تھا۔ وہ تو راضیہ کی خوشی میں خوش تھے۔ گھر سناٹے میں اچانک ہی خوشی کی لہر دوڑی تھی۔

اور وہ تینوں اس خوشی کو انجوائے کرنے کی ابھی سے پلاننگ کرنے لگی تھیں۔

☆======☆======☆

"اِدھر آ حفیظہ میرے قریب۔" اس نے تھوڑا کھسک کر حفیظہ کے لئے جگہ بنائی۔ حفیظہ آ کر وہاں بیٹھ گئی۔ کمرے میں اس وقت وہ اور وکیل انکل ہی تھے۔ رحمہ اور احسن صبیحہ کی طرف گئی ہوئی تھیں۔

"تُو ہمیشہ پوچھتی آئی ناں کہ میں تیری کون ہوں؟ میرا اس حویلی سے کیا رشتہ ہے؟ سن، میں تیری سب سے چھوٹی پھوپھی مہرینہ ہوں۔"

"کیا......؟" حفیظہ کے لبوں سے چیخ نکلی تھی۔

"ہاں، میں بدنصیب تیری پھوپھی ہوں۔ سلیمان لالہ اور رحمٰن لالہ کی چہیتی اور لاڈلی بہن جسے ایک غلطی کی پاداش میں پہلے سزائے موت سنائی گئی اور پھر رحم کھا کر سزا عمر قید

تبدیل کر دی گئی۔"

"لیکن بی بی میں خود آپ کے جنازے میں شریک ہوا تھا۔" احسن انصاری دم بخود تھے۔

"ہاں ایسے جنازے بہت اٹھے اس حویلی سے!" وہ ہنسنے لگی۔ "جنازے بہت اٹھے ہیں ملک پور سے ہاہا۔" وہ ہنسنے لگی۔ حفیظہ نے گھبرا کر وکیل انکل کو دیکھا، انہوں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ کافی دیر ہنستی رہی۔ پھر اپنی ہتھیلی پھیلا کر انگلیوں سے جیسے ساز بجانے لگی۔ اس کے ہونٹوں سے وہی گیت ابھرنے لگا، جو وہ قید خانے میں گایا کرتی تھی۔

تم بن کون سنے ماہ راج
راکھو بانہہ گہے کی لاج
تم بن کون سنے ماہ راج
بر جو ہن جب سے من بسے
ہم بھولن سب کام کاج
تم بن کون

رفتہ رفتہ اس کی آواز دھیمی ہوتی گئی اور اس نے آنکھیں بند کر کے تکیے پر سر رکھ دیا، لب ابھی تک ہل رہے تھے۔

"اس کو علاج کی ضرورت ہے، میں خود ارمغان سے بات کروں گا۔ تم آؤ حفیظہ میرے ساتھ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" احسن انصاری کہہ کر باہر نکل گئے۔ وہ بھی پیچھے آ گئی تھی۔

"مجھے تفصیلات چاہئے۔ ملک صاحب کے مرنے کے بعد کے تمام حالات و واقعات کیا تم طلاق کے لئے عدالت گئی یا نہیں۔ تم نے عدالت سے طلاق وصول کی تھی، سب کچھ بتاؤ چھپانا مت شاید تمہارے لئے کوئی راہ نکل آئے۔" اس کے اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی تھی۔ ہاتھ میں کاغذات کا پلندہ لئے وہ منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے وہ سوچ میں پڑ گئی۔ تب انہوں نے خود ہی اس کی مشکل آسان کی۔

"کیا تم نے عدالت میں خلع کا دعویٰ دائر کیا تھا؟"

"نہیں!" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم نے اپنے کسی عزیز کو اس امر پر مامور کیا ہو؟"

"بالکل نہیں۔"

''عدالت میں جو کاغذات جمع کروائے گئے، کیا تم سے ان پر دستخط کروائے گئے؟
کروائے گئے تو کیا زبردستی؟''
''میں نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس پر تایا جان نے کہا تھا کہ وہ جعلی دستخط
کر کے کاغذات جمع کروا چکے ہیں۔''
''ہوں!'' انہوں نے کاغذات پر کچھ لکھا پھر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔
''اس دوران تمہاری سلجوق شاہ سے یا اس کے کسی عزیز سے کوئی بات یا ملاقات ہوئی؟''
''سلجوق شاہ کی بہن کا فون آیا تھا ایک بار، وہ کہہ رہی تھی کہ اگر میں اپنی زبان سے کہہ
دوں کہ مجھے طلاق چاہیے تو وہ دے دیں گے؟''
''تو تم نے کہہ دیا؟''
''نہیں! میں خاموش رہی تھی۔ اصل میں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا میں کیا کہوں لیکن با
جان کی وصیت کے مطابق میں علیحدگی نہیں چاہتی تھی۔''
''سلجوق نے کوئی شرط عائد کی؟''
''پھوپھو بیگم نے بتایا تھا کہ سلجوق نے مجھے عدالت میں پیش ہونے کی درخواست کی
ہے، تا کہ وہ روبرو مجھے طلاق دیں۔''
''پھر تم عدالت میں پیش ہوئیں؟''
''نہیں! کیونکہ سب کا کہنا تھا کہ ملکوں کی بیٹیاں کورٹ کچہری نہیں جایا کرتیں۔''
''اس مطالبے کے کتنے عرصے بعد تمہیں طلاق کے کاغذات وصول ہوئے؟''
''تقریباً ایک مہینہ بعد۔ وہ بھی تایا جان کی وساطت سے۔ انہوں نے مجھے کاغذات
دیتے ہوئے کہا تھا کہ عدالت نے میری خلع کی درخواست قبول کر لی ہے اور مجھے سلجوق کی
زوجیت سے فارغ کر دیا گیا ہے۔''
''کیا حق مہر تمہیں ملا تھا؟''
''سنا تھا کہ سلجوق شاہ نے حق مہر ادا کر دیا ہے، میں نے ایسی کوئی رقم نہیں دیکھی۔''
''سجاول سے تمہارا نکاح طلاق کے کتنے عرصے بعد ہوا؟''
''کوئی ڈیڑھ ماہ بعد حالانکہ میں نے کہا تھا کہ میری عدت باقی ہے لیکن ایک نہ سنی گئی۔''
''کیا تم نے نکاح نامے پر سائن کیے؟''
''نہیں! بے ہوشی کی حالت میں میرا انگوٹھا لگوایا گیا۔''
''کیا سجاول حقِ زوجیت ادا کرنے کے قابل ہے؟''

حفیظہ نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔
''جواب دو!''
''وہ، وہ تو پاگل ہے اور ویسے بھی وہ مجھے ابھی تک بہن ہی کہتا ہے۔'' اس نے اسی طرح
سر جھکائے جواب دیا تھا۔
''ہوں!'' انہوں نے کاغذات پر کچھ لکھا۔ پھر انہیں بریف کیس میں رکھتے ہوئے کہنے
لگے۔
''یہ سارے جوابات جو تم نے مجھے دیئے ہیں کیا عدالت میں دے سکتی ہو؟''
''میں...... انکل میں...... کبھی عدالت میں نہیں گئی۔ بہت بری بات ہے یہ اور پھر اب
ان ساری باتوں کا کیا فائدہ جو ہونا تھا ہو چکا۔ میں تو اب ملک پور سمیت سب پر فاتحہ پڑھ چکی
ہوں۔ آپ میرے لئے کسی جاب کا انتظام کر دیں تو میں اپنا بوجھ اٹھانے کے قابل
ہو جاؤں۔''
''کیسی باتیں کرتی ہو حفیظہ!'' وہ ناراض ہوئے تھے۔ ''یہ گھر ملک پور کی حویلی جتنا بڑا نہ
سہی لیکن پھر بھی اتنا کھلا ضرور ہے کہ تمہیں پناہ دے سکے۔ ہوسکتا ہے یہاں تمہیں ساری
آسائشیں نہ مل سکیں لیکن تم میری بیٹی ہو۔ جو رحمہ کو مل رہا ہے کوشش کروں گا تمہارے لئے اس
سے زیادہ کر سکوں۔ آئندہ جاب کی بات کی تو میں ناراض ہو جاؤں گا۔ رہی بات عدالت کی، تو
تم باپردہ ہو کر جا سکتی ہو اور اپنے حق کے لئے لڑنا کوئی بری بات نہیں ہے۔ اگر تمہاری زندگی پھر
سے سنور سکتی ہے تو کیا حرج ہے قسمت آزماؤ تو سہی۔ میں تمہارا بھرپور ساتھ دوں گا۔ اور
ان شاءاللہ جیسا کہ میں سمجھ رہا ہوں فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا تم سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔''
احسن انصاری نے ذہن میں سارا لائحہ عمل ترتیب دے لیا تھا۔ وہ اگلے روز ہی ملک پور جانے کا
تہیہ کر چکے تھے۔

☆======☆======☆

''ارے ناجیہ تم! یہ تم ہو یا اللہ یہ سورج آج کدھر سے نکلا ہے۔ جو آپ ہمارے گھر جلوہ
افروز ہوئی ہیں۔ ارے کوئی ہے جو مجھے تیل پکڑائے۔'' نوما نے مارے حیرت کے چلانا شروع
کر دیا تھا۔ ناجیہ شرمندہ ہوئی جا رہی تھی۔
''توبہ ہے نوما۔ اب ایسی بھی کیا۔ میں کوئی صدیوں بعد آئی ہوں دو ماہ قبل ہی تو چکر لگا
ہے میرا خود تو تم نے سڑکیں توڑ دی ہیں آ آ کر۔'' اس نے جوابی حملہ کر دیا۔
''اچھا اچھا آیئے آیئے ناں۔'' وہ جھکتے ہوئے بولی تھی تو ناجیہ اور راضیہ دونوں اندر چلی

آئیں۔

''ارے آپ بھی ہیں؟'' راضیہ پر اب نظر پڑی تھی۔ وہ خوشگوار حیرت میں گھری ہوئی تھی۔

''بیٹھیں۔ میں بھابی کو بلاتی ہوں۔'' انہیں بٹھا کر وہ غائب ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد آئی تو بتانے لگی۔ ''بھابی اریج کو فیڈ کروا کر آتی ہیں۔ کیسی ہو ناجیہ تم بھی فون ہی کر لیتا ہے؟'' اس نے بیٹھتے ہوئے شکوہ کیا تھا۔

''بس یار تمہیں تو پتہ ہی ہے عذیر اور چچی جان آسٹریلیا چلے گئے۔ میں بابا جان کے گھر شفٹ ہو گئی۔''

''ہاں میں نے ادھر فون کیا تھا تو پتہ چلا تھا بلکہ عذیر تو کہہ رہا تھا کہ یہ والا نمبر بھی دو چار روز میں ادھر شفٹ ہو جائے گا۔''

''وہ بند کروا رہا تھا۔ بابا جان نے شفٹ کروا لیا۔ تم سناؤ کیسی ہو۔ کیا کر رہی ہو آج کل؟''

''میں نے کیا کرنا ہے بس سارا دن اریج کے ساتھ لگی رہتی ہوں۔ ایگزامز کے بعد بالکل ہی فراغت ہو گئی ہے۔ یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے، کیا شادی کر رہی ہو؟'' اس نے راضیہ کے ہاتھ میں پکڑے کارڈ کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں، سوری ہم اسی لئے تو آئے ہیں۔ سنڈے کو راضیہ کا نکاح ہو رہا ہے۔ یہ اس کا Invitation ہے۔ تمہیں ضرور آنا ہے۔ بلکہ ہفتے کو مہندی کی رسم بھی ہے۔ کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ سب کو لے کر آنا۔''

ناجیہ نے کارڈ اسے تھمایا۔ نوما نے کارڈ پڑھا اور سائیڈ پر رکھ دیا۔ ہما بھی آ گئی تھی۔ علیک سلیک ہوئی۔ نوما چائے بنانے چلی گئی۔

''بڑی مشکل سے سلا کر آئی ہوں۔ بچے کی بھی بڑی مصروفیت ہوتی ہے۔ کہو ناجیہ کیسی ہو؟ نوما کی زبان پر ہر وقت تمہارا ہی تذکرہ ہوتا ہے۔'' وہ بے تکلفی سے محو گفتگو تھی۔

ناجیہ مسکرا کر رہ گئی۔

''آپ نے بھی ضرور آنا ہے۔'' اس نے دعوت دی۔ ہما کارڈ دیکھنے لگی اور پھر جیسے اسے یقین نہیں آیا تھا۔ اس نے ایک بار نہیں کئی بار نام پڑھا۔ پھر راضیہ کی شکل دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا؟'' ناجیہ نے پوچھا تو اس نے نفی سے سر ہلا دیا، پھر کارڈ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ کہتی تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

پھر وہ لوگ کب رخصت ہوئیں، ہما کو خبر نہیں تھی۔ وہ تو عجیب سی سوچوں میں گھری ادھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی۔

حفیظہ ملک کا کیا بنا؟

کیا بھائی نے اسے چھوڑ دیا؟

کیا ایسا ممکن تھا؟

بھائی تو کہتے تھے کہ حفیظہ ان کی زندگی ہے پھر یہ زندگی؟

لیکن مرد ذات کا کیا بھروسہ۔ دم میں کچھ، پل میں کچھ۔

خود وہ مرد کا کیا کیا روپ دیکھ چکی تھی۔

ڈکٹیٹر کی صورت میں باپ۔

درندے کی صورت میں محبوب (جس کے متعلق سوچ کر اسے کراہیت محسوس ہوتی تھی)

نرمی و گرمی لئے بھائی۔

پھر ارمغان جو اس کی بہت عزت کرتا تھا۔

اور ایک وہ اسد ملک تھا جس نے حفیظہ کی خاطر اس کی زندگی برباد کر ڈالی اور ابھی بھی اسے چین نہیں پڑ رہا تھا۔

اب بھی بلیک میلنگ کے نت نئے حربے آزما رہا تھا۔

فرحان نے جس فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے اپنایا تھا۔ اس کا مظاہرہ نایاب تھا۔ اس نے نہ صرف اس کے ماضی کو بھلا ڈالا تھا بلکہ کبھی اس بارے میں سوال تک نہ کیا تھا۔ اگر کبھی اس نے بتانے کی کوشش کی تو وہ منع کر دیا کرتا اور تو اور اس کی بچی کو اپنا نام دیا تھا۔

اگرچہ وہ اس سے باپ جیسی والہانہ لگاوٹ کا اظہار نہیں کرتا تھا۔

لیکن یہی کیا کم تھا کہ وہ بچی کو اکثر و بیشتر گود میں لے لیا کرتا۔ جب وہ رو رہی ہوتی اور ہما کام میں مشغول ہوتی تو اسے چپ کرانے کے جتن بھی کرتا۔ شاید وہ محبت کے معاملے میں اتنا ہی سرد مزاج تھا۔ ہما سے بھی کبھی اس نے محبت نہیں جتائی تھی۔ اور وہ خود کو اس کا حق دار سمجھتی بھی نہیں تھی۔ اس کی بے شمار خدمت کے بدلے وہ تھینک یو بول دیتا یا پھر ''ہما تم بہت اچھی ہو۔'' اور وہ نادانستہ طور پر اس کے کہے جملوں میں جذبہ تلاش کرنے لگتی اور پھر تھک ہار کر خود کو تسلی دینے لگتی۔ ''جو کچھ تمہیں مل گیا ہے ہما شاہ اس کا شکر ادا کرو ورنہ تو تم اس کی بھی مستحق نہیں تھی۔''

''اور سلجوق بھائی!'' سوچ کا دھارا پھر سلجوق شاہ کی طرف بہہ نکلا۔ ''وہ بھی دبئی میں رہ گئے ہوں گے۔ انہیں مجبور کر دیا گیا ہوگا ورنہ وہ حفیظہ کو چھوڑنے والے نہ تھے لیکن ادھر ناجیہ

کی بہن سے بابا جان کیسے مانتے۔ وہ تو حفیظہ کے لئے بڑی مشکلوں سے مانے تھے شاید اب، بابا جان اب نرم ہو گئے ہوں گے۔

غصہ بھی نہیں کرتے ہوں گے۔ بی بی اماں اب شاید ان سے ڈرتی بھی نہ ہوں۔ بیمار جو ہیں بابا محبت سے پیش آتے ہوں گے۔

اور ربیعہ!

انا نے بتایا تھا کہ ربیعہ پاگل ہو گئی ہے۔

وہ کیوں پاگل ہوئی ہو گی۔

حساس بھی بہت تھی۔

شاید کسی اندرونی پریشانی کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہو گا۔''

وہ خود ہی سوال خود ہی جواب دیئے جا رہی تھی۔

''میں شادی پہ جاؤں گی۔ وہ نہیں ملتے نہ سہی میں اک نظر ان کو دیکھ تو لوں گی اور زبردستی معافی بھی مانگ لوں گی۔'' اس نے فیصلہ کیا تھا۔

☆======☆======☆

وہ لنچ کے لئے اٹھنے والے تھے جب Peon نے کسی وزیٹر کے آنے کی اطلاع دی۔

انہوں نے Wrist watch میں ٹائم دیکھا۔ پھر اسے بھجوانے کا کہہ دیا اور خود فائلیں سمیٹنے لگے۔

''میں اندر آ سکتی ہوں فرحان صاحب؟''

مانوس آواز پر انہوں نے سر اٹھایا۔ عاصمہ حیات تھی۔ ان کی پیشانی شکنوں سے پُر ہو گئی۔ جی میں آیا صاف کہہ دیں ''نہیں'' لیکن تب تک وہ نہ صرف اندر آ چکی تھی بلکہ نشست سنبھال چکی تھی۔

''میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔'' اس نے خود ہی آغاز کیا۔ لہجہ اب بھی ویسا ہی رعونت بھرا تھا۔

''مجھے پتہ ہے تم اس وقت اپنی ڈیئر مسز کے ساتھ لنچ کرتے ہو۔'' وہ تمسخرانہ ہنسی۔

''میں تو چند باتیں بڑی اہم تم سے کرنے آئی ہوں۔'' اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر ایزی ہوتے ہوئے کہا۔

''تم جانتے ہو کہ تمہاری نئی بیوی ہما شاہ، اسد ملک کی رکھیل رہ چکی ہے۔'' فرحان اعجاز کا چہرہ سرخ ہو گیا لیکن وہ ضبط کئے بیٹھے رہے۔

''اس نے اسد ملک کے لئے گھر چھوڑ دیا تھا یعنی بھاگ گئی تھی۔'' وہ پھر ہنسی۔

''اور جب اسد ملک کا جی بھر گیا تو اس نے اسے نکال دیا اور تب اس نے اپنی پارسائی کا ڈھونگ رچا کر، اپنی مظلومیت کا رونا رو کر تم سے شادی کر لی۔ ہاہا بے چارے تم۔'' فرحان نے پہلو بدلا، ان کے اندر جوار بھاٹا ابل رہا تھا۔

''اور سنا ہے تمہاری ایک چار ماہ کی بیٹی بھی ہے۔ تمہاری شادی کو تو غالباً نو دس مہینے ہوئے ہیں۔''

''شٹ اَپ، شٹ اَپ عاصمہ حیات اینڈ گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔'' وہ چلائے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

''ابھی سے ضبط کھو بیٹھے فرحان اعجاز؟'' وہ زہر خند ہوئی۔

''اطلاعاً عرض ہے کہ اسد ملک اپنی بیٹی واپس لینا چاہتا ہے۔''

''ہاں تو لے جائے مجھے کوئی دلچسپی نہیں اس کی بیٹی سے۔'' وہ سیخ پا ہوئے۔

''اور سب سے اہم بات۔'' اس نے کھڑے ہو کر ٹیبل پر ہاتھ ٹکاتے ہوئے کہا۔

''مجھے ابھی اسی وقت طلاق چاہئے کوئی بہانہ مت کرنا ورنہ تمہاری نام نہاد عزت کا ابھی جنازہ نکال کر رکھ دوں گی۔ میں کس قدر چیخ سکتی ہوں یہ تمہیں بخوبی اندازہ ہے۔''

''تم...... اتنی گھٹیا عورت ہو عاصمہ حیات کہ میں ایک پل بھی تمہارا نام اپنے نام کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتا لیکن تم نے جس طرح میری زندگی اجیرن کی اور تا حال کرنے کی کوششوں میں ہو اس کی پاداش میں تمہیں میں طلاق نہیں دوں گا۔ تم جو چاہو کر لو چیخو چلاؤ میری عزت کا جنازہ تو تم نکال چکی ہو۔ اس لئے اس بات کا مجھے کوئی خوف نہیں۔

رہی بات ہما شاہ کی! وہ کیا تھی؟ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ اب وہ بہترین بیوی ہے جو کہ تم اچھے خاندان کے ہوتے ہوئے بھی نہیں بن سکیں۔ اسد ملک سے اس کا تعلق تھا ہے تو نہیں تم، تم نے صرف اپنے شوہر ہی سے تعلق نہیں رکھا باقی تو تمہاری دوستیاں خوب تھیں۔''

فرحان اعجاز بولتے بولتے رکے۔ عاصمہ کے چہرے کا رنگ دیدنی تھا۔ اسے توقع نہ تھی کہ فرحان اسے یوں کھری کھری اور وہ بھی اتنے مضبوط لہجے میں سنا ڈالیں گے۔ فرحان نے ایک پیپر پر کچھ لکھا، پھر عاصمہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔

''اگر تم اس بات پر اکڑ رہی ہو کہ میں اب بھی تمہارے باپ کی سفارش کی ہوئی نوکری کی کرسی پر بیٹھا ہوں۔ تو یہ رہا میرا استعفیٰ اور خیال رکھنا آئندہ یوں میرے روبرو بات کرنے کی، چیخنے کی حماقت مت کرنا ورنہ منہ توڑ دوں گا تمہارا۔ اینڈ ناؤ گیٹ لاسٹ ہماری آئندہ

ملاقات عدالت میں ہوگی۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ تم کیسے مجھ سے رہائی حاصل کرتی ہو۔'' بات مکمل کر کے انہوں نے دراز لاک کیا۔ گاڑی کی چابی اٹھائی۔ بیل بجا کر پیون کو بلایا۔

''جی سر!'' وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوا تھا۔

''یہ خاتون جب چلی جائیں تو آفس لاک کر دینا اور یہ لفافہ صبح آفندی صاحب کو دے دینا۔ باقی حساب کتاب میں آ کر کرلوں گا۔'' انہوں نے لفافہ پیون کو تھمایا اور دونوں کو ہکا بکا چھوڑ کر باہر نکل گئے۔

عاصمہ حیات کو پہلے تو سمجھ ہی نہ آئی اور پھر اگلے ہی پل وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگی تھی۔ سُوئے اتفاق آفس اس وقت خالی تھا۔ لوگ لنچ بریک پہ چلے گئے تھے۔ پیون نے کچھ دیر تو سب دیکھا پھر بازو سے پکڑ کر باہر چھوڑ دیا۔

''آئی ایم سوری میڈم لیکن صاحب کی غیر موجودگی میں آفس کھلا نہیں رکھا جاسکتا۔''

''میں دیکھ لوں گی تم سب کو، ایک ایک کو نکلوا دوں گی۔'' وہ جیسے ہذیانی ہو گئی تھی۔

''عاصمہ ہوش کرو۔'' اسد ملک باہر گاڑی میں منتظر تھا۔ فرحان کو جاتے دیکھ چکا تھا۔ جب کافی دیر تک عاصمہ باہر نہیں نکلی تو وہ دیکھنے آیا تھا اور آگے یہ منظر تھا۔ وہ بمشکل تمام اسے سنبھال کر باہر گاڑی تک لایا۔

''چلو جوس پیتے ہیں!'' اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''I will kill him۔اسد۔I will kill him۔'' وہ مٹھیاں بھینچ رہی تھی۔

اسد نے خاموشی سے گاڑی جوس کارنر پر روک دی تھی۔ پھر جوس کے سِپ لیتے ہوئے اسد نے ہلکے پھلکے انداز سے اس کو کافی حد تک Relax تو کر دیا تھا لیکن آج کا واقعہ اس کی یادداشت سے محو ہونے والا نہیں تھا۔ وہ فرحان اعجاز کو اس ہتک آمیز رویے کی کڑی سزا دینے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

☆======☆======☆

عجیب خاموشی طاری تھی ''سید منزل'' میں۔ سب ایک دوسرے سے نظریں چرائے تیار ہوتے پھر رہے تھے۔ سلجوق شاہ اپنے کمرے میں بند تھے۔ فارحہ اور صوفیہ کئی بار آ کر دیکھ چکی تھیں لیکن دروازہ Knock کرنے کی کسی میں ہمت نہیں تھی، ایک انجانا سا خوف سب پر طاری تھا۔ ماضی سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

ابھی کل کی بات تھی۔

کتنی رونق تھی۔ رنگ برنگے لہراتے آنچل۔ خوشیوں سے معمور چہرے۔ ڈھولک کی

تھاپ، گانے، ڈانس۔

بوکھلائی بوکھلائی سی بی اماں۔

''سب تیاری مکمل ہے؟'' انہیں کمی رہ جانے کی فکر تھی۔

''بوا کی نجر اتاری یا نا ہیں۔ واری صدقے جاتیں انا بی۔''

خوشی سے اندر باہر چکر لگاتے بابا جان۔

ڈھولک سنبھالے ربیعہ، ہما اور صوفیہ بجو۔

بازاروں کے چکر۔ کسی کا کچھ رہ گیا تو کسی کا کچھ۔

دلہن کا جوڑا، دلہن کی جوتی، دلہن کا زیور۔

اور سلجوق شاہ کے دل میں امڈتے جذبات کا طوفان، جوان سب پر حاوی تھا۔

آنے والے لمحوں کی رنگینی عجب سی بے خودی کا احساس۔

سلجوق شاہ نے گھبرا کر کھڑکیاں کھول دیں۔ ٹھنڈی ہوا کا خوشگوار جھونکا اندر آیا تھا۔ بہار کی آمد آمد تھی۔ نئی کونپلوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا لیکن ان کے دل میں وہی خزاں رُت تھی اگرچہ یہ فیصلہ انہوں نے بخوشی کیا تھا۔ راضیہ احمد کو زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ انہوں نے بہت سوچ بچار کے بعد کیا تھا۔ سارے نفع و نقصان سوچنے کے بعد لیکن اب دل کے ٹوٹنے پر بھی انہیں کہیں راضیہ احمد محسوس نہ ہوئی تھی۔ دل دھڑکنے کے سارے حوالے اب بھی حفیظہ ملک سے جا کر مل رہے تھے۔ ایسی ہی کومل رُت تھی۔ یہی موسم۔ مگر اب کے سب کچھ بدل گیا تھا انہوں نے سائیڈ ٹیبل کی دراز سے اپنی پرانی ڈائری نکال لی۔ ایک ایک ورق حفیظہ ملک سے ان کی محبت کا امین تھا۔

انہوں نے اپنے سارے جذبے ان صفحات پر بکھیر دیئے تھے اور ارادہ کیا تھا کہ حفیظہ جب ان کے کمرے میں آ جائے گی تو وہ ایک ایک ورق اسے پڑھ کر سنائیں گے۔ ورق الٹتے الٹتے ان کے ہاتھ رک سے گئے۔ فیض کی شاعری سے مزین وہ ورق۔ جب سب مہندی لے کر ملک پور روانہ ہو گئے تھے اور وہ آنکھوں میں سپنے سجائے بے خود ہوئے جا رہے تھے۔ تب انہوں نے بے حد جذب کے عالم میں قلم تھاما تھا اور چاندنی رات جیسے گنگنانے لگی تھی۔

نصیب آزمانے کے دن آ رہے ہیں
قریب ان کے آنے کے دن آ رہے ہیں
جو دل سے کہا جو دل سے سنا ہے
سب ان کو سنانے کے دن آ رہے ہیں

ابھی سے دل و جان سرِ راہ رکھ دو
کہ لٹنے لٹانے کے دن آ رہے ہیں
صبا پھر ہمیں پوچھتی پھر رہی ہے
چمن کو سجانے کے دن آ رہے ہیں
چلو فیض پھر سے کہیں دل لگا لیں
سنا ہے ٹھکانے کے دن آ رہے ہیں

وہ کمزور پڑنے لگے۔ جی میں آئی اٹھیں اور راضیہ احمد سے معذرت کر لیں۔ حفیظہ ملک بھرپور شدتوں سے ان کے دل میں براجمان تھی۔ وہ کیسے...... کیسے راضیہ احمد سے انصاف کر پائیں گے؟

انہوں نے ڈائری دوبارہ دراز میں رکھی اور موبائل اٹھا لیا۔ اس سے پہلے کہ رنگ کرتے باہر سے دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

''سلجوق۔ یار اندر گھسے کیا کر رہے ہو۔ چلنا نہیں ہے کیا؟ وقت دیکھو کیا ہو رہا ہے ابھی تم نے تیار ہونے بھی جانا ہے۔'' باہر سے رزاق شاہ کی آواز آئی تھی۔

وہ کچھ ثانیے موبائل کو گھورتے رہے۔ پھر ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ رزاق شاہ انہیں ڈانٹ سنانے لگے تھے مگر ان کے چہرے پر ایسا کچھ تحریر تھا کہ وہ نظریں چرائے انہیں جلد تیار ہونے کا کہہ کر پلٹ گئے تھے۔ انہوں نے چند لمحوں میں خود کو Manage کیا اور مسکراتے ہوئے باہر آ گئے۔

''بھئی ربیعہ۔ میرا Dress کدھر ہے اور یہ گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے۔ بھئی یہ شادی والا گھر تو لگ ہی نہیں رہا۔ بھابی، بجو کہاں ہیں سب؟'' اور یہ شاید سلجوق کی آواز کا اثر تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں گھر میں ہلچل سی نظر آنے لگی تھی۔ بجو نے جن بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر چپ رہنے پر مجبور کیا تھا۔ اب وہ کمروں سے نکل کر چہکنے لگے تھے۔ عمیر اپنی شیروانی اٹھائے ان کے پاس آ گیا تھا۔

''چاچو یہ چھوٹی ہو گئی ہے۔ آپ مجھے نئی دلا دیں۔'' اور انہوں نے فوراً ربیعہ کو بھی ہمراہ لیا اور بازار آ گئے۔

ربیعہ کو زبردستی نیا سوٹ اور میچنگ جیولری لے دی تھی۔

''ہما کے لئے بھی لے لو پھر وہ چلائے گی۔'' بے ساختہ ہی ان کے منہ سے نکلا تھا پھر ایک دم چپ کر گئے تھے۔ ربیعہ بھی باہر جھانکنے لگی تھی۔

گھر پہنچے تو رزاق شاہ نے شور مچا رکھا تھا۔

''یہ کوئی وقت تھا بازار جانے کا؟'' انہیں دیکھتے ہی وہ برس پڑے تھے۔

''چلو اب جلدی کرو۔ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔ عزیز صاحب چار بار فون کر چکے ہیں۔'' انہوں نے سلجوق شاہ کو کمرے میں دھکیلتے ہوئے ہدایت کی تھی۔

''میرا خیال تھا خالد کو بلوا لیتے، اب سو اعتراض اٹھیں گے کہ بھائی کا نکاح چپ چپاتے کر دیا۔'' صوفیہ نے باہر نکلتے ہوئے فارحہ سے کہا تھا۔

''ہاں اعتراض تو ہو گا لیکن رزاق کہہ رہے تھے کہ یہ کام خاموشی سے ہی کرنا ہے کیونکہ اب یہ بھی کہنا ہے کہ ہما کا نکاح بھی ساتھ ہی کر دیا ہے۔ یا اللہ کتنی ناعاقبت اندیش تھی یہ لڑکی۔'' فارحہ نے کہا تو صوفیہ چپ سی کر گئیں۔ پھر قدرے توقف سے کہنے لگیں۔

''ہاں بس...... چلو کہہ دیں گے اچانک ہی ہو گیا سب۔ ویسے بھی خالد کو بزنس سے ہی فرصت نہیں ہے۔''

پھر تمام راستہ وہ دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں ہی کرتی رہی تھیں۔ رزاق اور سلجوق ایک گاڑی میں تھے جب یہ تینوں اور بچے ڈرائیور کے ہمراہ تھے۔

ان کا استقبال بہت شاندار ہوا تھا۔

''بہت اچھے لگ رہے ہیں سلجوق بھائی۔''

ثوبیہ نے دلہن بنی راضیہ کے کان میں سرگوشی کی تھی اور وہ مسکرا دی تھی۔

ناجیہ مہمانوں کے ساتھ مصروف تھی۔ کم کرتے کرتے بھی ان کے ہاں مہمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی۔ دو چار عزیز احمد کے دوست اور ان کی فیملیز تھیں۔ ثوبیہ کی فرینڈز تھیں۔ تین چار ہمسائے سے خواتین تھیں۔ نوما اور اس کے گھر والے ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔ وہ رات ہونے پر بھی نہیں آئے تھے۔ ناجیہ فون کرنے کے ارادے سے اندر جا رہی تھی کہ تب نوما کی آواز کان میں پڑی۔ وہ ثوبیہ سے اس کا پوچھ رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا پھر ہاتھ ہلا کر بلایا۔ ارمغان اسے پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ دل کی دھڑکنیں پل بھر کو رکی تھیں۔ پھر سنبھل کر عزیز احمد سے ملنے لگا تھا۔

ہما اریج کو سنبھالے قدرے پیچھے تھی ایک انجانا سا خوف اس پر طاری تھا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' فرحان نے اسے یوں نروس دیکھ کر پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''دل گھبرا رہا ہے آپ اریج کو سنبھال لیں۔ میں تھوڑی دیر بیٹھ کر سانس بحال کر لوں۔''

اس نے اریج کو ان کی طرف بڑھایا۔

فرحان ارمغان کو آوازیں دینے لگے۔ اس کے آنے پر اریج کی طرف اشارہ کر دیا۔

''ذرا اس کو لے لو۔''

''بھائی جان کیوں آپ میرا امیج خراب کرنے پر تلے ہیں۔ لوگ سمجھیں گے کہ میں بڑا محترم ہوں۔'' وہ بدکا تھا۔

ہما نے کچھ نہیں کہا خاموشی سے اریج کو لے کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔

''بھابی شاید ناراض ہو گئی ہیں۔'' ارمغان پکارتا پیچھے لپکا لیکن تب تک وہ ناجیہ اور ثوبیہ کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ اسے پلٹ کر آنا پڑا۔

ناجیہ انہیں اندر راضیہ کے پاس چھوڑ گئی تھی۔ وہ اکیلی بیٹھی گھبرا رہی تھی۔

''بیٹھے بیٹھے میری کمر اکڑ گئی ہے۔'' راضیہ نے پہلو بدل کر کہا تھا۔

ہما سامنے بیٹھی دلہن بنی راضیہ کو بغور تک رہی تھی۔

یہ لڑکی اس کی بھابی تھی۔

اس کے پیارے بھائی کی بیوی۔

لیکن کیسی بدقسمتی تھی کہ وہ اسے اپنا رشتہ نہیں بتا سکتی تھی۔

اس رشتے کے حوالے سے چھیڑ چھاڑ نہیں کر سکتی تھی۔

''نکاح ہونے والا ہے۔'' ثوبیہ نے منہ گھسیڑا تھا۔

راضیہ قدرے سنبھل گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد نکاح خواں کے ساتھ عزیز احمد اندر داخل ہوئے۔ پیچھے فرحان اور ان کے پیچھے رزاق شاہ تھا۔ ہما کا دل گویا مٹھی میں آ گیا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر پیچھے گئی تھی، رزاق شاہ کی اس پر نظر نہیں پڑی تھی۔

نکاح ہو گیا۔ مبارک باد کا شور اٹھا۔ ناجیہ راضیہ کو گلے لگا کر مبارک باد دے رہی تھی۔ نوما اور ثوبیہ نے بھی ایسے ہی کیا تھا اور ہما جیسے وہیں ثبت ہو گئی تھی۔ اس کی ایک لغزش نے اسے حقیقی خوشیوں سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا تھا۔ یہ خوبصورتیاں جن سے زندگی کے رنگ جاوداں ہو جاتے ہیں اس نے اپنے ہاتھوں برباد کر دی تھیں۔

''بھابی آپ نے مبارک باد نہیں دینی؟'' نوما نے اسے یاد دلایا تو وہ تھکے تھکے قدموں سے اٹھ کر اس کے قریب آ کر مبارک باد دینے لگی۔

''بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔'' اس نے تعریف کی۔

اسی وقت صوفیہ، فارحہ اور ربیعہ اندر داخل ہوئی تھیں۔

ہما یونہی سر جھکائے باہر نکلنے کو تھی کہ ایک آواز نے اس کے قدم روک دیئے۔

''کب تک اور کہاں تک بھاگو گی ہما شاہ؟''

ہما کو اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی تھی۔

☆======☆======☆

''تو تم سلجوق شاہ کی بہن ہو؟'' لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ ہما چونک گئی۔ آج تک انہوں نے اس سے اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ وہ کپڑے بدلنے کے ارادے سے واش روم کی طرف جا رہی تھی۔

''جواب نہیں دیا تم نے؟'' فرحان جھک کر بوٹوں کے تسمے کھولتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''ہاں۔'' اس نے مختصراً کہا اور سر جھکائے پیروں کو دیکھنے لگی۔

''اور اسد ملک؟''

ہما کی سانسیں رکنے لگیں۔ اس نے سوچا ہی نہ تھا کہ زندگی میں کبھی اسد ملک کے حوالے سے اس سے کچھ پوچھا گیا تو وہ کیا جواب دے گی، یا اس کی کیا کیفیت ہو گی، اسے لگا ابھی وہ شدتوں سے رو پڑے گی۔ کسی بھی غلط تعلق، غلط حوالے کے متعلق کسی کو بتانا بہت کٹھن ہوا کرتا ہے خصوصاً جب کوئی استفسار کرے۔ اس نے بار ہا فرحان کو بتانے کی کوشش کی تھی لیکن فرحان نے کہا تھا اسے اس کے ماضی سے کوئی سروکار نہیں اور اب یکا یک یہ سروکار کیوں پیدا ہو گیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی، اس نے ہمت مجتمع کی جواب تو دینا ہی تھا۔

''میں نے آپ کو پہلے بھی بتانے کی کوشش کی تھی لیکن......'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر فرحان کی سمت دیکھا۔ وہ خاموشی سے اسے تک رہے تھے۔

''میں بھی ایک عام سی لڑکی تھی اور عام سے ہی میرے خواب۔ یہی کہ کوئی چاہنے والا ہو، سراہنے والا ہو، میں نے بچپن سے ہی گھر میں گھٹا ہوا ماحول دیکھا۔ بابا جان کے خوف سے ہم سب کی سانسیں خشک ہوئی رہتی تھیں۔ وہ جب بھی زمینوں سے واپس آتے تو ہم کونوں کھدروں میں چھپتے پھرتے۔ یہ وہ خوف تھا جو بچپن سے بی اماں نے ہمارے دلوں میں ڈالا۔ روزینہ بجو کی شادی بہت کم عمری میں کر دی گئی تھی۔ پتہ نہیں کیسے سلجوق بھائی اور رزاق بھائی کے کہنے میں آ کر بابا جان نے ربیعہ کو کالج بھجوا دیا تو میرے لئے راہ ہموار ہو گئی۔

ربیعہ اور میرے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ خاندانی روایات پہ عمل کرنے والی لڑکی تھی۔ چار سال کالج میں

طرح برقعے میں لپٹی لپٹائی گھر سے نکلتی اسی طرح واپس آجاتی جب کہ میرے اندر بغاوت کی بو موجود تھی۔

مجھے یوں اپنے آپ کو چھپا کر جانا سخت ناپسند تھا اور برقعے سے تو مجھے چڑ تھی۔ اس لئے میں نے پہلی بغاوت برقعے کو رد کر کے کی۔ میں نے بی اماں سے بڑی سی چادر لے لی۔ اگرچہ اس پر بہت اعتراضات اٹھے لیکن میں نے ضد کر کے منوا ہی لیا۔ ہاں چادر کو میں اچھی طرح لپیٹ کر رکھتی تھی۔ مگر کبھی کبھار جب موقع ملتا تو میں چہرہ کھلا چھوڑ دیا کرتی تھی اور تب ہی شاید تب ہی اسد ملک نے مجھے دیکھ لیا تھا اور میں یہ سمجھتی رہی کہ وہ بنا دیکھے مجھ سے محبت کرتا ہے۔'' وہ کچھ دیر کو چپ ہو گئی۔

''میری عمر ایسی تھی، خوابوں کی، شہزادوں کی، کچھ گھر کا گھٹا ماحول کہ میں بہک گئی۔ اس پر ایمان لے آئی۔ مجھے اس کی باتوں سے ان جہانوں کی خوشبو آنے لگی جو میرے لئے گم گشتہ تھے۔ جہاں آزادی تھی اور سب سے بڑی بات محبت تھی، ہم لڑکیوں کو ساری عمر محبت کی تلاش، محبت کی بھوک رہتی ہے۔ میری تلاش بھوک بن گئی تھی، میں اسد سے کئی بار ملی اکیلے میں لیکن اس نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ مجھے اس پر اعتبار ہو گیا، اندھا اعتبار، اور میں صرف اسی کی بات سننے لگی۔ اسی کی آنکھوں سے دیکھنے لگی، ربیعہ کو پتہ چل گیا تھا۔ اس نے بہت سمجھایا مجھے لیکن وہ مجھے اپنی دشمن لگا کرتی۔''

ہما کے گلے میں پھندے پڑنے لگے۔ کتنی دیر وہ سر جھکائے کھڑی رہی۔ پھر بولنے لگی۔

''میں اس سے واقعی محبت کرتی تھی لیکن اس نے یہ سب ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت کیا تھا۔ وہ حفیظہ ملک کا کزن تھا اور اپنی کزن کا بدلہ وہ مجھے ذلیل کر کے لینا چاہتا تھا۔ وہ سلجوق بھائی اور بابا جان کو مزا چکھانا چاہتا تھا۔ وہ سلجوق بھائی اور بابا جان کو سزا دینا چاہتا تھا۔ میں روئی...... تڑپی...... چیخی چلائی لیکن وہ جو اتنے مہینوں سے محنت کر رہا تھا اپنی محنت کیسے اکارت جانے دیتا۔ سو اس نے مجھے چار ماہ دس دن وہیں رکھا، وہ دن میں نے ذلت کی جس بھٹی میں گزارے ہیں۔ یہ میں ہی جانتی ہو فرحان صاحب...... میری غلطی یہ تھی کہ میں نے محبت کی اور ایک مرد پر بھروسہ کیا۔ جس کے صلے میں مجھے یہ ذلت بھری زندگی ملی ہے۔ ارتیج اس کی بیٹی ہے وہ لے جائے آپ نے مجھے اپنا نام دے کر جو احسان کیا ہے وہ میں ساری عمر نہیں چکا سکتی۔ آپ مجھے اس گھر میں رہنے دیں تو میں باندی بن کر رہ لوں گی، بے شک آپ مجھ سے کوئی تعلق نہ رکھیے گا۔ لیکن خدارا مجھے بے گھر مت کیجئے گا، میں خودکشی کر کے مزید گناہ نہیں کرنا چاہتی خدا کے لئے فرحان۔''

وہ چیخ چیخ کر رونے لگی تھی۔ فرحان نے اٹھ کر دروازے اور کھڑکیاں بند کر دیں تاکہ آواز نیچے نہ پہنچے۔ وہ وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تھی۔ فرحان کپڑے اٹھا کر واش روم میں چلے گئے۔ واپس آئے تو وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔ وہ خاموشی سے آکر بیڈ پر لیٹ گئے۔ اس وقت ان کا دل ہر قسم کے جذبات و احساسات سے عاری ہو رہا تھا۔

ابھی کچھ دیر پہلے جب راضیہ کا نکاح ہو رہا تھا تو ارمغان نے ان کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ ''سلجوق شاہ ہما کے بھائی ہیں۔'' اور وہ حیرت سے کتنی دیر اس کا منہ تکتے رہے تھے اور ارمغان انہیں اپنی اور سلجوق شاہ کی ملاقات کا احوال سناتا رہا۔ پھر وہ جو اتنے دنوں سے سب کچھ سن کر چپ سادھے ہوئے تھے۔ ان کے اندر لاوا سا پکنے لگا تھا اور کچھ عاصمہ حیات کی باتوں کا اثر بھی تھا اور انہوں نے جو سوچا تھا کہ کبھی ہما سے اس سلسلے میں کرید نہیں کریں گے۔ اب سب کچھ پوچھ بیٹھے تھے اور ہما کی باتوں نے ان پر جیسے برف انڈیل دی تھی۔ وہ ایک دم سے ٹھنڈے ہو گئے تھے ہما کب بستر پر آئی؟ آئی بھی یا نہیں انہیں پتہ نہیں تھا وہ تو جب صبح نیند سے جاگے تو ہما بستر پر نہیں تھی۔ وہ اٹھے اور اُدھر دیکھنے لگے جہاں وہ رات کو بیٹھی تھی۔ اسے وہاں نہ پا کر وہ یہ سوچ کر باتھ روم میں چلے گئے کہ وہ نیچے ناشتہ بنا رہی ہوگی۔ رات والی باتیں ذہن سے محو تو نہیں ہوئیں تھیں ہاں کچھ اثر ضرور کم ہوا تھا۔ تیار ہو کر وہ نیچے آئے تو نوما ٹیبل پر ناشتہ لگا رہی تھی۔

''آجائیں بھائی جان!'' انہیں دیکھ کر وہ بولی تھی۔

وہ خاموشی سے ٹیبل پر بیٹھ کر اخبار دیکھنے لگے۔ ارمغان بھی آ گیا تھا۔ نوما اور ارمغان رات والا فنکشن Discus کرنے لگے۔ فرحان ہما کے انتظار میں تھے لیکن پوچھا ارمغان نے۔

''بھابی کدھر ہیں۔ ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

''وہ...... بھابی......'' نوما نے ایک نظر فرحان پر ڈالی پھر سر جھکائے کہنے لگی۔

''چلی گئی ہیں۔''

''کیا؟'' دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا تھا۔

''ہاں...... وہ بہت رو رہی تھیں۔ کیا اتنی شدید لڑائی ہو گئی بھائی جان؟'' نوما نے فرحان کو دیکھا، فرحان نے کچھ جواب نہ دیا۔ اخبار رکھا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میں آفس جا رہا ہوں۔'' کہتے ہوئے چابیاں اٹھائیں اور باہر نکل گئے۔

...ت کی تہہ تک پہنچ چکا تھا۔ اس لئے قدرے مطمئن تھا۔

"تم ناشتہ کرو آجائیں گی۔ انہوں نے کہاں جانا ہے۔" نوما سے کہہ کر وہ ناشتہ کرنے لگی تھا۔ نوما کچھ دیر چپ بیٹھی رہی پھر چائے کا مگ لبوں سے لگا لیا۔

"پتا نہیں دونوں میں کیا بات ہوگئی جو ہما نے یہ سنگین قدم اٹھایا۔" وہ مسلسل سوچ رہی تھی۔

☆======☆======☆

"میں نے تو آواز دی تھی لیکن وہ رکی نہیں۔" تیزی سے باہر بھاگ گئی۔ بعد میں رخصتی کا شور مچ گیا اور پھر وہ نظر بھی نہیں آئی۔" ربیعہ صوفیہ کو بتا رہی تھی۔

"تم نے مجھے تو بتایا ہوتا میں ایک دفعہ تو اس کے لتے لے ہی لیتی۔" صوفیہ نے چھوٹے کو دھپ رسید کرتے ہوئے کہا۔ "خیر راضیہ سے اس کا کوئی نہ کوئی تعلق تو ہوگا، اس سے پوچھ لیتے ہیں۔" وہ مطمئن ہوئی تھیں۔

اسی وقت راضیہ کمرے سے باہر آئی تھی، دونوں سنبھل گئیں۔

"آؤ راضیہ!" صوفیہ نے کھسک کر اپنے قریب جگہ بنائی۔ ابھی ابھی فارحہ دونوں کا ناشتہ لے کر گئی تھی۔ وہ باہر منتظر بیٹھی تھیں ان کے فارغ ہونے کی کہ وہ خود ہی چلی آئی تھی۔

"کیسا لگا ہمارا بھائی؟" انہوں نے شوخی سے پوچھا تھا۔

راضیہ کچھ کہتے کہتے شرما کر چپ کر گئی۔ اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔ کس قدر بولڈ تھی وہ اور اب کیسے ایک رات نے اس کی ساری تیزی طراری چھین لی تھی۔

"ناشتہ ٹھیک سے کیا آپ نے؟" ربیعہ نے موضوع بدلا تھا۔

"جی۔" اس نے سر ہلا دیا۔

"راض...... بھئی راض کدھر ہو تم؟" اندر سے سلجوق شاہ کی آواز آئی تھی۔ وہ فوراً اٹھ کر اندر بھاگی۔ بھائی کے لہجے کی خوشگواریت نے دونوں بہنوں کو مطمئن کیا تھا۔ رزاق شاہ ولیمہ کا انتظام کرنے نکل گئے تھے۔ وہ دونوں راضیہ کے متعلق باتیں کرنے لگی تھیں کہ انابی کا گزر ادھر سے ہوا۔

"لو بی بی میں تو شکرانے کے نفل پڑھوں گی۔ خیر سے میاں کا گھر آباد ہوا۔" اپنا سارا سامان تخت پر دھرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا اور تب ہی وہ چلائیں۔

"اوئی ماں...... یہ کون کم بخت منہ اٹھائے گھسی چلی آرہی ہے۔" وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھیں اور پھر جیسے ان کی زبان کے ساتھ قدموں کو بھی بریک لگ گئے تھے۔

"اوئی نوج...... تم...... تم کیا کرنے آگئیں ادھر......؟" انہوں نے گھبرا کر پیچھے مڑ کر

دیکھا تھا۔ ربیعہ اور صوفیہ ادھر منہ کئے بیٹھی تھیں۔

"ایک بار انابی۔ صرف ایک بار۔" اس کے ٹوٹے بکھرے لہجے میں کچھ تھا کہ انابی پگھل گئیں۔

"سلجوق میاں گھر پر ہیں، نئی دلہن بھی، کوئی تماشا نہ کھڑا ہو جائے بی بی۔" انہوں نے سرگوشی میں کہا تھا۔

"مجھے سلجوق بھائی سے ہی ملنا ہے پلیز انابی۔"

اس نے بیٹی کو سینے سے لگاتے ہوئے ہاتھ جوڑے تھے۔ اسی لمحے سلجوق باہر نکلے تھے اور پہلی نظر ادھر ہی پڑی تھی۔

"ہما تم۔" ان کی آواز پر ربیعہ اور صوفیہ بھی متوجہ ہوئی تھیں۔ سلجوق شاہ کا چہرہ شدتِ غیظ سے سرخ ہو گیا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے۔ ہما بھاگتی آئی اور اریج کو سلجوق شاہ کے قدموں میں ڈال دیا وہ بدک کر پیچھے ہٹے تھے۔ ربیعہ، صوفیہ دم بخود تھیں۔ آنے والے لمحے نے ان کی قوتِ گویائی سلب کر لی تھی۔

"خدا کے لئے بھائی جان مجھے معاف کر دیں، میں آپ سب کی گناہ گار ہوں۔ مجرم ہوں، میں نے آپ کے اعتماد کو دھوکا دیا، خدا کے لئے میری بیٹی آپ کے قدموں میں ہے۔" وہ ہاتھ جوڑے بلکنے لگی تھی۔

"اس سے کہو ربیعہ یہ یہاں سے چلی جائے ورنہ میں ضبط کھو بیٹھوں گا۔" وہ خود پہ جبر کئے پلٹے تھے۔ شور کی آواز سن کر فارحہ اور راضیہ بھی باہر آ گئی تھیں۔

"میری بات تو سنیں۔ پلیز بھائی جان...... ربیعہ...... آپا......" وہ باری باری سب سے التجا کر رہی تھی اریج رونے لگی تھی۔

"جو قدم اس دہلیز کو چوری چھپے پار کرتے ہیں وہ کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ ہما شاہ اس حویلی کی روایت تو تمہیں یاد ہوگی۔ تم شکر کرو تمہارے پیر سلامت ہیں۔"

سلجوق شاہ سرد مہری سے گویا ہوئے تھے۔ راضیہ اپنی جگہ دم بخود تھی۔ نوما کی بھابی یہاں اس حالت میں، وہ کچھ سمجھ نہ پا رہی تھی۔

"آپ ان پیروں کو کاٹ دیں سلجوق بھائی...... مجھے یہیں کہیں دفن کر دیں لیکن مجھے معاف کر دیں۔ میں اپنے کئے کی سزا بھگت رہی ہوں۔ جو بیٹیاں، جو بہنیں والدین کی عزت داؤ پر لگا کر نکلتی ہیں۔ وہ سدا بے سائبان رہتی ہیں۔ میں بھی بے سائبان ہوں۔ بے وقعت ہوں۔" وہ سر جھکائے ہاتھ جوڑے روئے چلی جا رہی تھی۔

''انابی...... بچی اٹھا کر اسے دیں اور گیٹ تک چھوڑ آئیں۔'' سلجوق کا لہجہ پتھروں کی سختی لئے تھا۔ وہ اپنی کہہ کر کمرے میں جا گھسے تھے۔ سب سر جھکائے کھڑے تھے۔ انابی نے روتی ہوئی بچی کو اٹھا کر اسے دینا چاہا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔

''نہیں انابی۔ یہ صرف میری محبت کا تاوان نہیں ہے۔ اس میں سلجوق شاہ اور حفیظ ملک کا بھی حصہ ہے۔ یہ ذلت بھری زندگی اسد ملک نے حفیظ ملک کا بدلہ چکانے کی شکل میں دی ہے۔ اس نے اپنی ذلت و بے عزتی کا بدلہ مجھ سے لیا ہے۔ میرے قدم گھر سے باہر نکلوانا با قاعدہ پلاننگ تھی اسد کی...... انابی سلجوق شاہ سے کہئے گا یہ بچی ملک پور پہنچا دیں۔ ابھی انہیں ملک پور کا رستہ بھولا نہیں ہوگا۔''

وہ بات مکمل کر کے رکی نہیں...... تیزی سے گیٹ عبور کر گئی۔ وہ اس وقت بالکل خالی الذہن ہو رہی تھی۔ بے سمت چلتے جانے اسے کتنی دیر ہو گئی تھی کہ ایک گاڑی کے بریک اس کے قریب چرچرائے وہ بے طرح چونکی اور اگلے ہی پل اس کے چہرے پر خوف چھا گیا تھا۔

☆======☆======☆

''ارے زادان تم۔ یوں اچانک'' بیگم احسن ابھی ابھی کچن صاف کر کے نکلی تھیں اور سامنے ہی لاؤنج میں زادان کو کھڑے دیکھ کر وہ حیرت و خوشی سے چلائی تھیں۔

''السلام علیکم امی جان!'' وہ آگے بڑھ کر ان کے گلے آ لگا۔ وہ اس کا ماتھا چومنے لگیں۔

''بتاتے تو سہی کوئی جا کر لے آتا تمہیں، تم بھی بس۔'' وہ اسے پیار سے سرزنش کرتی اپنے ساتھ لگائے اندر آئیں اور رحمہ کو آواز دینے لگیں۔ رحمہ اور حفیظہ اس وقت چھت پر تھیں۔ بیگم احسن کی پکار پر رحمہ نیچے چلی گئی جب کہ حفیظہ وہیں کرسی پر بیٹھ گئی، موسم کافی بدل گیا تھا اب دن میں اچھی خاصی تیز دھوپ نکلنے لگی تھی جب کہ شام ہلکی ہلکی خنکی لئے ہوتی تھی اور یہ خنکی اچھی بھی لگتی تھی۔ وہ دونوں بھی کمروں سے نکل کر اسی لئے چھت پر آئی تھیں۔ اس نے آسمان کی طرف نگاہ کی۔

نیلا ہوتا آسمان اور غروب ہوتا سورج۔ بڑا دلفریب منظر تھا۔ بڑے عرصے کے بعد اس نے آسمان کو اتنے غور سے دیکھا تھا اور اس کے ذہن میں بے ساختہ یہ فقرہ آیا تھا۔

''بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے......؟؟''

اور اس نے تو اتنے رنگ دیکھ لئے تھے کہ اب مزید کچھ نہ دیکھنا چاہتی تھی۔ وکیل انکل اس سنڈے کو ملک پور جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ حالانکہ اس نے منع کیا تھا۔ کہہ دیا تھا کہ ملک پور سے کوئی سروکار نہیں لیکن وہ اسے اس کا حق دلوانے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے۔

صرف اسے ملک پور واپس دلوانے کا اردہ رکھتے تھے بلکہ وہ طلاق کا مقدمہ بھی ری اوپن کروا چکے تھے۔ وہ بہت پُر امید تھے۔

''حفیظہ حفیظہ یار نیچے آؤ۔'' رحمہ جانے کب سے اسے پکار رہی تھی۔

وہ خیالات کی دنیا سے باہر آئی۔ سورج مکمل غروب ہو چکا تھا اور ملجگا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر آسمان پر نظر ڈالی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ مہرو پھوپھی کو انکل پھر ارمغان کے کلینک چھوڑ آئے تھے۔ صحیح صورتِ حال ان کے مکمل ٹھیک ہونے پر ہی معلوم ہو سکتی تھی۔ جانے ملک پور کون کون سے راز اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا۔ وہ نیچے آئی تو رحمہ اِدھر اُدھر چکر لگا رہی تھی۔

''خیریت ہے؟'' اسے اس کیفیت میں دیکھ کر حفیظہ کو قدرے پریشان ہوئی تھی۔

''ہاں ناں۔ بس تم فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔ اذغان اور ڈیڈی آتے ہوں گے۔ ہم زادان بھائی کی شادی کی Date fix کرنے جا رہے ہیں ابھی۔ تمہارے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں۔'' اس نے الٹی میٹم دے دیا۔ حفیظہ مسکراتی ہوئی تیار ہونے چلی دی۔

''زادان بھائی!'' اب رحمہ نے زادان کی رٹ لگائی۔

''تو گویا زادان بھائی تشریف لا چکے ہیں۔'' حفیظہ نے سن کر سوچا۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ تیار ہو کر نیچے آئی تو لاؤنج میں سب ہی موجود تھے۔ نیا چہرہ یقیناً زادان احسن تھے۔ وہ قریب آئی تو رحمہ نے تعارف کروایا۔

''زادان بھائی یہ حفیظہ ملک ہیں اور حفیظہ یہ میرے بڑے بھائی زادان احسن۔''

حفیظہ نے ہولے سے سلام کیا جب کہ زادان احسن ایک ٹک حفیظہ کو دیکھ رہے تھے۔ اور کسی نے اس بات کو محسوس نہیں کیا تھا۔ حفیظہ کو اپنے چہرے پر ان کی نظروں کی تپش محسوس ہو رہی تھی۔

''یہ زادان بھائی کو کیا ہو گیا ہے۔'' اس نے سر جھٹکا اور کن انکھیوں سے اُدھر دیکھا۔ زادان احسن کی نگاہوں کا مرکز اب بھی وہی تھی۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ باقی سب تو زور و شور سے بحث میں الجھے تھے۔ وہ چپکے سے وہاں سے کھسک گئی اور آ کر لان کی سیڑھیوں میں بیٹھ گئی۔

زادان احسن کی نگاہیں اب بھی اسے خود پر گڑی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ اس کو بار بار اپنا وہم قرار دے رہی تھیں لیکن دور اندر کہیں خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔

''زادان بھائی کو ایسے نہیں دیکھنا چاہئے۔''

"شاید پہلی بار مل رہے ہیں اس لئے۔"

"لیکن...... یوں تو نہیں دیکھتے کسی کو پہلی بار بھی۔" وہ خود ہی سوال جواب کئے جا رہی تھی کہ اچانک اسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر دیکھتی زادان احسن کی آواز آئی۔

"آپ باہر کیوں چلی آئیں اٹھ کر......؟"

حفیظہ کے رگ و پے میں سرد لہر دوڑ گئی اور وجود جیسے وہیں منجمد ہو گیا۔ وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ حفیظہ کو لگا جیسے اس کے تن سے جان نکلنے ہی والی ہے۔ وہ پوری قوت سے زور لگا کر اٹھی تھی اور اسی وقت رحمہ بولتی ہوئی باہر آئی تھی اور ان کے پیچھے انکل، آنٹی اور ازغان بھی تھے۔

"اُف یہ سب یہاں میری موجودگی دیکھ کر کیا خیال کریں گے؟" حفیظہ کو ایک اور خوف دامن گیر ہوا تھا لیکن ان کے لئے یہ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ وہ ذرا بھی توجہ دیئے بنا پورچ کی سمت بڑھ گئے۔

"حفیظہ اب آ بھی چکو۔" اسے وہیں جمے دیکھ کر رحمہ نے آواز لگائی تھی تو وہ چونک کر تیز تیز چلتی ہوئی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ تمام راستہ وہ عجیب سے خیالات میں گھری رہی تھی۔

گھر میں نوما اور ارمغان ہی موجود تھے، فرحان کو فون کر دیا تھا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں پہنچ رہے تھے۔ عجیب سی کشیدگی محسوس ہو رہی تھی۔ بیگم احسن نے محسوس کر لیا تھا، فون پر بھی ارمغان بہت چپ چپ سا لگا تھا۔

"ہما کہاں ہے؟ نظر نہیں آ رہی۔" بیگم احسن نے پوچھا تو وہ دونوں پہلو بدل کر رہ گئے۔

"وہ بھابی آج ہی اپنے میکے گئی ہیں۔" ارمغان نے جواب دیا تھا۔ نوما کچن میں چلی گئی، پیچھے ہی رحمہ بھی چلی گئی۔

"کیا دوسرے شہر میں ہے اس کا میکہ؟" وہ تو برسبیلِ تذکرہ پوچھ رہی تھیں جب کہ وہ پریشان ہو رہے تھے۔

"ہاں۔ بس بڑی دیر بعد گئی ہیں۔ پہلے تو اریج کی وجہ سے ہی نکلنا نہیں ہو پا رہا تھا اب کہہ رہی تھیں کہ زیادہ دن رہ کر آئیں گی۔" ارمغان نے ہنستے ہوئے کہا تو بیگم احسن قدرے مطمئن سی ہوئیں ورنہ وہ تو مشکوک ہو چلی تھیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد فرحان بھی چلے آئے اور انہوں نے اپنی باتوں سے ماحول کو قدرے بہتر کر دیا تھا۔

ایک مہینہ بعد کی Date fix ہو گئی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ رخصت ہوئے تو وہ تینوں نئی پریشانی میں گھر گئے ہما کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ ارمغان کئی بار سلجوق شاہ کے گھر فون کر چکا تھا

لیکن وہاں سے ہر بار یہی جواب مل رہا تھا وہ کسی ہما کو نہیں جانتے۔ وہ تو سوچ سوچ کر تھک گئے تھے کہ آخر ہما کہاں جا سکتی تھی؟ دوسرا خیال روح فرسا تھا۔ وہ اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے پھر بھی وہ سارے اخبار چیک کرتے۔ کہیں کوئی خبر شائع ہو گئی ہو، فرحان تو سارے شہر کا چکر بھی لگا چکے تھے۔ اسپتالوں میں بھی دیکھ لیا تھا لیکن ہما ایسے غائب تھی جیسے گدھے کے سر سے سینگ اور اب شادی پر اس کی غیر موجودگی کیا کیا افسانے بنا سکتی تھی۔

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" فرحان سر پکڑے بیٹھے تھے۔

اچھی خاصی خوشی کی خبر بھی گھر کی اداسی میں ڈھل گئی تھی۔

"جو بھی ہوا، بھائی آپ کو اس طرح بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔" ارمغان نے کہا تو انہوں نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر اٹھ کر اوپر چلے گئے۔

"اور تم کیوں اتنی اداس بیٹھی ہو، ہو جائے گا یہ مسئلہ بھی حل۔ تم جا کر یہ خبر اپنی اس عزیز از جان اور میری دشمن جان کو سناؤ...... تاکہ اس کے دل میں بھی کچھ اچھے خیالات جنم لیں اور وہ بھی خواب دیکھنے لگے۔" ارمغان نے سر جھکائے نوما سے کہا تو اس کے کہنے کے انداز پر وہ ہنس پڑی۔

"میں صرف اپنی نہیں بلکہ تمہاری بات بھی کروں گی اور اب اس سے منوا کر ہی چھوڑوں گی۔"

وہ فون کی طرف بڑھی تھی۔ پھر ٹائم دیکھا تو یہ وقت نامناسب لگا۔ سو صبح پر چھوڑتی وہ سونے کے لئے کمرے میں آ گئی۔

دل میں یکا یک عجیب سے خیالات پیدا ہونے لگے تھے۔

زادان کی اس نے بس تصویر دیکھی تھی۔ منگنی ہونے کے چند دن بعد ہی وہ بزنس ٹور کے سلسلے میں باہر چلے گئے تھے۔ رحمہ کہا کرتی تھی کہ وہ زادان کی پہلی نظر کی محبت ہے۔ کیسا عجیب سا احساس ہوتا ہے چاہے جانا۔

اور بڑی شرط یہ کہ آپ کو چاہنے کا دعویٰ کرنے والا مخلص بھی ہو۔

ورنہ تو آج کل قدم قدم پہ دل پھینک قسم کے عاشق پڑے ہیں۔

زادان نے اسے ایک نظر دیکھا اور پھر ڈھونڈ ڈھانڈ کر گھر آ پہنچے اور پھر اسے پانے کے لئے سیدھا راستہ اختیار کیا۔ وہ خوش قسمت تھی۔ ورنہ تو...... وہ ہما بھی تو تھی جس کے فسانے سارے کالج میں مشہور ہوئے تھے۔ ہر لڑکی اس کی داستان مزے لے لے کر بتاتی۔ کسی نے اسے فلاں جگہ دیکھا تو کسی نے فلاں۔

اور پھر انہی لڑکیوں میں سے کسی نے یہ خبر اُڑائی کہ ہما اس لڑکے کے ساتھ بھاگ گئی ج
کے ساتھ وہ ڈیٹ مارا کرتی تھی اور یہ خبر کالج میں آگ کی طرح پھیلی۔ کئی مہینے یہ خبر ''ہاٹ
کیک'' بنی رہی۔ پھر بھول بھال گئی اور تب ہی وہ اس کی بھابی بنی اس کے گھر آ گئی۔

حیرت اسے اس بات پر ہوئی تھی کہ فرحان وہ شخص تھے جن کے ساتھ وہ ڈیٹ مارا کرتی
تھی اور کیا انہی کے ساتھ وہ بھاگ گئی تھی اور پھر اتنا عرصہ فرحان بھائی نے اسے باہر کہیں رکھ
اور ان میں سے کسی کو شک نہیں ہوا تھا۔ یا شاید عاصمہ نے ان سب کو اس قدر الجھا کر رکھ دیا تھا
کہ وہ اور کچھ محسوس کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ پہلے پہل تو وہ ہما کو قبول ہی نہ کر پا رہی
تھی۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی ان کی بات چیت بند رہی تھی۔ حالانکہ اس نے آتے ہی
اس کے اور ارمغان کے سارے کام اپنے ذمے لے لئے تھے۔

لیکن پھر بھی اس کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اور پھر ہما کے وضاحت دینے پر
ہی رفتہ رفتہ اس کا دل صاف ہوا تھا کہ اسد ملک کا فون پھر سے اسے ڈانواں ڈول کر گیا تھا اور
اب یکا یک ان کی لڑائی اور ہما کا صبح سویرے اٹھ کر گھر چھوڑ دینا۔ پتہ نہیں اصل بات کیا تھی؟
وہ الجھتی الجھتی جانے کب نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔

☆======☆======☆

''مجھے تو کسی لمحے یقین ہی نہیں آیا ناجیہ۔ بڑی عجیب سی سچویشن ہو رہی تھی۔ سلجوق نے
بڑی بے رحمی سے اسے گیٹ آؤٹ کر دیا۔ یہ تو بعد میں پتہ چلا کہ وہ سلجوق کی سب سے چھوٹی
بہن تھی اور گھر سے بھاگ گئی تھی۔ بہت رو رہی تھی اور اس کی چھوٹی سی بے بی اس قدر کیوٹ
ہے۔ انا بی تو سنبھال سنبھال کر ہلکان ہو گئی ہیں۔'' راضیہ جب سے آئی تھی یہی کہانی لئے بیٹھی
تھی۔ ناجیہ کے لئے یہ کسی انکشاف سے کم نہ تھا کہ نوما کی بھابی اور سلجوق آپس میں بہن بھائی
ہیں۔

''راضیہ photo graphs کدھر ہیں؟'' ثوبیہ اندر آئی تھی۔

''میرے بیگ میں۔'' راضیہ کے بتانے پر وہ واپس چلی گئی۔

''ہنی مون پر کب جا رہی ہو؟'' ناجیہ نے پوچھا تھا۔

''بس اگلے ہفتے کسی بھی دن۔ اصل میں ہما اپنی بچی ادھر چھوڑ گئی تھی۔ اب اسے بھی تو
نہ کہیں چھوڑنا ہے۔ اکیلی ربیعہ کیسے سنبھال سکتی ہے۔''

''کیوں صوفیہ اور فارحہ کہاں گئیں؟''

''صوفیہ بجو تو اگلے دن ہی چلی گئی تھیں جب کہ فارحہ بھابی اور رزاق بھائی کل شام

جا رہے ہیں۔''

''آپا آپ کو ڈیڈی بلا رہے ہیں اور راضیہ تھوڑا وقت میرے ساتھ بھی گزار لو۔ اب ایسی
بھی کیا طوطا چشمی؟'' ثوبیہ دوبارہ اندر آتے ہوئے بولی تھی۔ راضیہ ہنس دی۔

ناجیہ اٹھ کر چلی گئی۔ اسے بھی بابا جان سے اجازت لینی تھی۔ کل نوما کا فون آیا تھا اس کی
شادی کی Date fix ہو گئی تھی اور وہ اسے بازار لے کر جانا چاہ رہی تھی۔

''جی بابا جان!'' اس نے اندر آتے ہی کہا تھا۔ وہ غالباً کوئی فائل دیکھ رہے تھے اسے
دیکھ کر کام چھوڑ دیا۔

''آؤ ناجیہ!'' اپنے قریب اس کے لئے جگہ بنائی۔ وہ بیٹھ گئی۔

''بہن سے مل لیں خوش تو ہے وہ؟'' انہوں نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''جی بہت زیادہ اللہ اسے یونہی ہنستا مسکراتا رکھے۔'' اس کا انداز دعائیہ تھا۔

''ہاں ماں باپ کی خوشی اولاد کی خوشی میں ہی ہوتی ہے۔ اولاد اپنے گھر کی ہو جائے اس
سے بڑی خوشی اور سکون اور کیا ہو سکتا ہے۔ رات عذیر کا فون آیا تھا دونوں خیریت سے ہیں،
بھابی کا علاج ہو رہا ہے۔ تمہارا پوچھ رہا تھا، عذیر ثوبیہ کے لئے کیسا رہے گا؟'' انہوں نے
اچانک ہی پوچھا تھا۔ کئی ثانیے وہ خاموش رہی۔

''کیا تمہیں پسند نہیں؟'' اس کی خاموشی سے انہوں نے اخذ کیا تھا۔

''نہیں بابا جان۔ ایسی کوئی بات نہیں بلکہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ عذیر بہت اچھا لڑکا
ہے، اچھا ہے ثوبیہ بھی اپنے گھر بار کی ہو جائے۔ آپ کی فکر کم ہو۔'' اس نے فوراً وضاحت کی۔

''اور تم...... تم نے کیا سوچا ہے؟'' وہ اصل موضوع کی طرف آ گئے تھے۔

''تمہارے فرض سے بھی میں سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ اصل فکر تو تم ہو۔'' وہ اس کا چہرہ
بغور تک رہے تھے۔ ایک لحظہ کو وہ خاموش ہی ہو گئی تھی۔

''میرے پاس اپنے سوچنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔'' کافی دیر بعد وہ گویا ہوئی تھی۔

''کیوں نہیں ہے۔ زندگی صرف ایک بندے پر ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ بات تمہیں سب
سمجھا چکے ہیں اور میں تمہیں یہ سب سمجھا بھی نہیں رہا۔ میں تو صرف تمہیں یہ بتا رہا ہوں کہ میں
تمہاری بات طے کر رہا ہوں۔ ایک باپ ہونے کے ناطے میں یہ کرنے کا حق رکھتا ہوں، تم اگر
میرے حق کو چیلنج کرنا چاہو تو کر سکتی ہو۔''

انہوں نے فیصلہ صادر کرتے ہوئے فائل دوبارہ کھول لی۔ ناجیہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے
انہیں دیکھتی رہ گئی۔ بابا جان یوں جبراً اس کی شادی کیسے کر سکتے تھے۔ اس سے پوچھے بغیر اور پھر

جب وہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔ پھر وہ وہاں نہیں۔ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ بابا جان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یوں اپنا فیصلہ ٹھونسنا نہیں چاہیے تھا۔ جب راضیہ کی شادی اس کی مرضی سے ہوئی تھی تو اس معاملے میں کیوں ایسا رویہ اختیار کیا جا رہا تھا۔ بابا جان شروع سے اس کے معاملے میں ایسا رویہ ہی رکھتے تھے۔ ان کے دل میں اس کے لئے Soft corner تھا ہی نہیں، جب جہاں چاہا اٹھا کر رکھ دیا۔

وہ بری طرح سے بدگمان ہو رہی تھی۔ وہ جو یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ نقشم کو کچھ بھلانے میں کامیاب ہو چکی ہے تو یہ خیال غلط ثابت ہو رہا تھا۔ وہ تو اب بھی اسی طرح اس کے دل میں براجمان تھا۔ اپنی تمام تر شوخیوں سمیت۔ ہنستا کھلکھلاتا اسے تنگ کرتا لیکن اب کی بار تو اس نے ایسا ستایا تھا، ایسا تنگ کیا تھا کہ وہ کہیں جائے امان نہ پا رہی تھی۔

''اے یہ کیا ہو رہا ہے۔ اندھیرا کئے تم کیا میری شادی کا سوگ منا رہی ہو؟'' نوما نے لائٹ آن کرتے ہوئے شوخی سے کہا تھا۔ وہ یونہی لیٹی رہی۔ نوما چونکہ وجہ جانتی تھی اس لئے اس کی حالت کو قطعی نظر انداز کر گئی اور اسے کھینچ کر بیڈ سے اٹھا دیا۔

''فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔ ہم شاپنگ کے لئے چل رہے ہیں۔ انکل سے میں نے اجازت لے لی ہے۔'' راضیہ اور ثوبیہ بھی آ گئی تھیں۔

''مبارک ہو نوما، مجھے تو ابھی ثوبیہ نے بتایا ہے۔'' راضیہ اسے مبارکباد دینے لگی۔ ناچار ناجیہ کو تیار ہونا ہی پڑا۔

ارمغان گاڑی لئے موجود تھا۔ وہ دونوں پیچھے بیٹھ گئی تھیں۔ نوما اسے ساری تفصیلات سنا رہی تھی اور وہ خالی الذہنی سے ہوں ہاں کر رہی تھی۔ تب ہی ارمغان نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور کہنے لگا۔

''تھینک یو ناجیہ! آپ نے مجھے اس قابل سمجھا اور میرے حق میں فیصلہ دے دیا'' نوما نے گھبرا کر بھائی کو دیکھا۔ ناجیہ ہکا بکا اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆======☆======☆

''کوئی صاحب ملنے آئے ہیں آپ سے؟'' وہ زمینوں پر جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے جب کمدار نے بتایا۔ وہ پگڑی سر پر جمائے ڈرائنگ روم میں آئے تو چونک گئے۔

''اوہو! وکیل صاحب آئے ہیں۔'' وہ ہاتھ ملاتے ہوئے بولے۔

''کہیے کیسے آنا ہوا...... میں ذرا جلدی میں ہوں۔'' انہوں نے بیٹھتے ساتھ ہی کہا تو

انصاری مسکرا دیئے۔

''مجھے حفیظہ بیٹی سے ملنا ہے۔'' انہوں نے بغور سلیمان ملک کو دیکھتے ہوئے کہا تو سلیمان ملک کا چہرہ متغیر ہو گیا لیکن اگلے ہی پل وہ سنبھل کر بولے۔

''حفیظہ سے کس سلسلے میں ملنا ہے؟''

''آپ حفیظہ کو بلوائیے تو سہی۔ اصل میں مجھے سلجوق شاہ نے بھیجا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے حفیظہ ملک کو طلاق نہیں دی۔ میں حفیظہ سے مل کر یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا وہ عدالت میں پیش ہوئی تھی یا نہیں؟'' احسن انصاری نے بہت تاک کر وار کیا تھا۔

''تو اس میں حفیظہ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں خود وہاں موجود تھا۔ حفیظہ عدالت میں پیش ہوئی تھی اور اس نے خود عدالت سے خلع کی درخواست کی تھی۔'' سلیمان ملک بھی اتنی آسانی سے زیر دام آنے والے نہیں تھے۔

''لیکن سلجوق شاہ کا کہنا ہے کہ خلع کا مقدمہ حفیظہ کی طرف سے نہیں بلکہ آپ کی طرف سے دائر کیا گیا تھا۔ کیونکہ درخواست پر حفیظہ کے جعلی سائن (Sign) ہیں اور یہ کہ عدالت میں پیش کی جانے والی لڑکی حفیظہ کی بجائے کوئی اور تھی۔''

''یہ آپ سے کس نے کہا؟'' وہ کچھ گھبرائے ہوئے تھے لیکن ظاہر نہ ہونے دے رہے تھے۔

''کہا کس نے ہے؟'' احسن انصاری نے گہری مسکراہٹ سے سلیمان ملک کو دیکھا۔

''آپ حفیظہ کو بلوائیے، اصل حقیقت تو وہی بتا سکتی ہیں۔''

''حفیظہ آپ سے نہیں مل سکتی۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اور ویسے بھی سلجوق شاہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ اب وہ میری بہو ہے اور میں اپنی بہو کو کسی غیر آدمی سے ملنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ آپ چائے پی کر جا سکتے ہیں۔'' انہوں نے قدم باہر کی طرف بڑھائے تو احسن انصاری بھی اٹھ گئے۔

''اوہ یہ تو ایک نئی خبر ہے۔ مبارک ہو ملک صاحب مجھے یہ خبر نہیں تھی کہ حفیظہ آپ کی بہو بن چکی ہے لیکن مجھے یاد نہیں آ رہا آپ کے کس بیٹے سے اس کی شادی ہوئی ہے؟'' احسن انصاری نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیا تھا۔

''سجاول سے۔'' انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے جواب دیا۔

''اوہ!'' ان کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ اپنا بریف کیس اٹھا کر وہ ان کے قریب آئے۔ چند لمحے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ سلیمان ملک گھبرا کر سامنے دیکھنے لگے تھے۔

''شاید آپ کو علم نہیں ملک صاحب، ہوش و خرد سے بے گانہ کسی بھی آدمی کا نکاح نہیں ہوسکتا خواہ وہ سلیمان ملک کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔'' بہت ٹھہر ٹھہر کر انہوں نے کہا تھا اور باہر نکل گئے تھے۔ سلیمان ملک کا بس نہیں چلا تھا کہ احسن انصاری کو گولی سے اُڑا دیں وہ پاؤں پٹخ کر رہ گئے تھے۔

☆======☆======☆

''کھانا کھائیں گے آپ؟'' بہت ڈرتے ڈرتے رومانہ نے پوچھا تھا۔ اسد ملک اپنا ریوالور صاف کرنے میں مگن رہا۔ وہ کچھ دیر منتظر رہی پھر پلٹ کر جانے کو تھی کہ اسد پھنکارا۔

''یہاں کھڑے رہنے میں تمہیں کیا تکلیف ہے؟'' میں نے ابھی جواب تو نہیں دیا۔

''میں سمجھی شاید......'' اس نے وضاحت دینے کی کوشش کی تھی۔

''کیا سمجھیں تم؟'' اس کا اتنا کہنا غضب ہوگیا۔ وہ اس کے سر پر کھڑا اکڑے تیوروں سے پوچھ رہا تھا۔ گویا اس کی گردن دبوچ لے گا۔ رومانہ کی فطری خودسری عود آئی۔

''جب آپ جواب نہیں دیں گے تو میں کیوں فضول میں کھڑی رہوں۔'' وہ باہر جانے کو بڑھی تھی کہ اسد نے اسے دبوچ لیا۔

''تم اپنے رویئے سے مجھے کیا جتانا چاہتی ہو۔ ہاں!'' اس نے اسے ایک جھٹکا دیا۔ رومانہ کے لبوں سے چیخ نکل گئی۔

''تمہیں اگر اپنے باپ کا زعم ہے تو دل سے یہ خوش فہمی نکال دو۔ اب تم میری منکوحہ ہو اور تمہیں ویسی ہی زندگی گزارنی ہے جیسی کہ یہاں کی عورتیں گزارتی آئی ہیں۔ سر اٹھاؤ گی تو کچل دیا جائے گا اور تمہاری ایک چیخ بھی ان دیواروں سے باہر نہیں جائے گی۔'' اسد نے اسے صوفے پر دھکا دے کر گراتے ہوئے کہا تھا۔

شدتِ تکلیف سے رومانہ کی آنکھیں لبالب ہوگئی تھیں۔ اس نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیرا اور ڈبڈبائی نظروں سے اسد ملک کو دیکھا۔ پھر دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں زندگی ویسے ہی گزاروں گی اسد ملک جیسا کہ یہاں کی عورتیں گزارتی آئی ہیں۔ لیکن میں یہاں کی عورتوں کی طرح تمہیں وارث نہیں دوں گی۔ یہ میری بھی ضد ہے۔'' کہہ کر وہ اٹھی اور سرعت سے باہر نکل گئی۔ اسد اسے دیکھتا رہ گیا پھر وہ اس کے پیچھے بھاگا لیکن تب تک وہ اپنے کمرے میں داخل ہوکر دروازہ لاک کرچکی تھی۔ اس نے عالم طیش میں دو چار ٹھوکریں دروازے کو رسید کیں اور کھولتا ہوا پورچ کی طرف آگیا۔ صفیہ بیگم نے اسے یوں آندھی اور

طوفان کی طرح نکلتے دیکھا تو رومانہ کے کمرے کی طرف آگئیں۔ دروازہ بند تھا، انہوں نے دستک دی۔

''رومانہ......رومانہ دروازہ کھولو۔'' وہ پکارنے لگیں۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔

''خیریت سے تو ہو۔'' انہوں نے پریشانی سے اس کی سرخ آنکھوں کو دیکھا۔ وہ ہنس پڑی۔

''امید ہے اب ہر طرح خیریت ہوجائے گی۔ بس پھپھو میں اس حویلی کی روایت کو توڑنا چاہتی تھی۔ میں نے سوچا تھا میں آپ کی طرح اماں کی طرح نہیں بنوں گی۔ میں اپنی حق تلفی پر سر نہیں جھکاؤں گی۔ میں اسد سے اپنے حقوق کی جواب دہی کروں گی۔ اگر میرا شوہر کسی اور عورت سے تعلقات رکھے گا تو میں چپ چاپ برداشت نہیں کروں گی۔ میں اس روایت کو ختم کردوں گی کہ خاندانی بیویاں صرف نسل بڑھانے کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ مرد جہاں جی چاہے گل چھرے اُڑائے اور جب جی چاہے بیوی کو شرف بخشے۔

لیکن پھپھو بیگم۔ میری ساری کوششیں بے کار ہوگئیں۔ میں نے اپنا آپ مار کر اس شخص کے ساتھ نباہ کیا ہے۔ بتایئے پھپھو کون عورت ہے جو یہ برداشت کرے کہ اس کا شوہر اپنی بیوی کے بجائے کسی اور عورت کے ساتھ تعلق رکھے اور تعلق بھی ناجائز......چھی! گھن آتی ہے مجھے ایسے مردوں سے جن کی شرعی بیویاں راتیں کروٹیں بدل کر بتائیں اور شوہر گناہوں کے بستر پر سکون سے سوئیں۔''

''چپ کر رومانہ۔'' انہوں نے گھبرا کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔ رومانہ نے ہاتھ جھٹک دیا۔

''بولنے دیں پھپھو بیگم۔ آج آخری بار بول رہی ہوں۔ پھر تو یہ حویلی، یہ دیواریں میری کسی کی بھی آواز کو ترسیں گی۔'' اس نے آنکھوں میں اتر آنے والی نمی کو ہتھیلیوں سے رگڑا۔ صفیہ بیگم کا دل کسی انہونی کے خیال سے کانپنے لگا۔ وہ رومانہ کو بازو سے پکڑ کر اندر لے گئیں۔ پھر کہنے لگیں۔

''دیکھ رومانہ! صبر کرنا اس حویلی، اس خاندان کی عورتوں کا دین ایمان ہے۔ صبر ان کا مقدر ہے۔ تُو بھی ہم میں سے ہے۔ تیرا مقدر ہم سے مختلف کیسے ہوسکتا ہے۔'' انہوں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''ہاں میرا مقدر آپ سے الگ کیسے ہوسکتا ہے لیکن یہ بھی طے ہے کہ اب کی بار صبر کی

چادر میں اکیلی نہیں اوڑھوں گی۔ یہ ساری حویلی صبر کی چادر سے ڈھک جائے گی۔ ساری حویلی۔'' اس کا انداز خود کلامی کا سا ہو گیا تھا۔ پھپھو خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھتی وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔

☆======☆======☆

یہ سب کچھ کتنا حسین ہو گیا تھا۔

اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ اپنے محبوب کے سنگ یوں قدم ملا کر چل سکے گی۔

اس نے تو سمجھا تھا کہ محبت کے جس راستے پر اس نے قدم رکھا ہے، وہ اکیلی ہی اس پر چلتی رہے گی۔

سلجوق شاہ اس کے لئے ناقابلِ تسخیر تھے۔

انہوں نے کہیں بھی ایک پل کے لئے اس کی محبت کو حوصلہ نہیں بخشا تھا۔

بلکہ اس کا دل بارہا توڑا تھا۔

لیکن ان کی بے رخی اس کے دل میں ان کا مقام مضبوط تر کرتی گئی تھی۔

اور پھر جب وہ مایوس ہونے لگی تھی۔

تب اچانک ہی سلجوق شاہ نے اسے پرپوز کر دیا۔

وہ جو محبت کے ایک بول کی طلب گار تھی۔

اتنا اس قدر مل جانے پر ساکت رہ گئی تھی۔

کیا خدا یوں بھی مہربان ہوتا ہے؟

کیا اس کی رحمتیں یوں بھی احاطہ میں لے لیتی ہیں کہ بندہ اپنے گناہوں، اپنی خطاؤں پر شرمندہ سا ہو جاتا ہے۔

بن مانگے اس طرح جھولی بھر دیتا ہے کہ آپ کو سمیٹنے کے لئے جگہ نہیں ملتی۔ اسے بھی سب کچھ اس قدر اچانک ہی مل گیا تھا اور اس سے سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

''اے وہ دیکھو..... ڈوبتا سورج۔'' سلجوق شاہ نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونکی اور خالی خالی نظروں سے سلجوق شاہ کو دیکھنے لگی۔

''Are you all right?'' اس طرح دیکھنے پر انہوں نے پوچھا تو بے اختیار اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے سلجوق شاہ کے مضبوط ہاتھ پکڑ لئے۔

''مجھے کبھی اپنے سے الگ مت کیجئے گا شاہ جی۔ کبھی بھی ورنہ میں مر جاؤں گی۔'' سلجوق شاہ اس کی دیوانگی پر ہنس دیئے۔

''پاگل ہو بالکل۔ سب وہم ذہن سے نکال کر ماحول انجوائے کرو۔ ہم اس وقت ہنی مون منا رہے ہیں یاد ہے۔'' وہ معنی خیزی سے مسکرائے تھے۔

''پتہ نہیں کیوں شاہ جی لیکن میرا دل اب بھی خوفزدہ ہے۔ جیسے کوئی آپ کو چھین لے گا مجھ سے۔'' وہ اب بھی ہراساں سی تھی۔

''مثلاً کون؟'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوئے تھے۔ آنکھوں میں عکس سا لہرایا تھا۔ وہ اپنے خوف کو کوئی نام نہ دے سکی۔

''چلو کمرے میں چلیں۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ راضیہ اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی۔

''آپ چلیں میں آتی ہوں۔'' اس کا دل خواہ مخواہ ہی اداس ہو گیا تھا۔ سلجوق شاہ کمرے میں چلے گئے۔ وہ کچھ دیر بیٹھی رہی۔ پھر جب ہر چیز پر اندھیرا چھانے لگا تو وہ بھی اٹھ گئی۔ کمرے میں آئی تو سلجوق شاہ بیڈ پر دراز تھے۔

''کل جھیل سیف الملوک چلیں گے۔'' اسے دیکھ کر وہ بولے تھے۔

''کتنے بجے؟'' وہ اپنے پیروں کو جوتوں کی قید سے آزاد کرتے ہوئے بولی۔

''ناشتہ کے بعد، ویسے یہ علاقہ تمہیں کیسا لگا؟''

''خوبصورت ہے۔ ویسے مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ پاکستان میں اس قدر خوبصورتی ہے۔'' اس کا ذہن ہلکا پھلکا ہونے لگا۔ مری، ایوبیہ، نتھیا گلی کے حسین مناظر اس کے پردہ تصور پر ابھرنے لگے تھے اور پھر کاغان، ناران یہ بھی کم خوبصورت نہیں تھے۔

''گائیڈ بتا رہا تھا کہ لالہ زار بھی دیکھنے کی چیز ہے آج کل تو ویسے بھی بہار کا موسم ہے۔ بہت خوبصورت علاقہ ہو رہا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ لالہ زار سے ہو کر جھیل پر جائیں گے۔ بھوک لگ رہی ہو تو کھانا منگواؤں۔''

''ہاں۔ لیکن باہر چلتے ہیں۔ ابھی ہلکی ہلکی بارش شروع ہوئی ہے۔ اچھا لگے گا بھیگنا۔'' راضیہ نے فوراً پروگرام بنا لیا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' سلجوق شاہ بستر سے نکل آئے۔ پھر کھانا کھا کر وہ دیر تک باہر ہی گھومتے رہے تھے۔ بارش کبھی تیز ہو جاتی کبھی ہلکی۔ راضیہ کو بہت مزا آ رہا تھا۔

اگلی صبح ناشتے کے بعد وہ لالہ زار کے لئے نکل گئے تھے۔ جیپ اپنے مقررہ وقت پر ہوٹل پہنچ گئی تھی۔

بہت تنگ راستہ تھا۔ راضیہ تو خوفزدہ ہو گئی۔

''ادھر دیکھو۔'' سلجوق شاہ نے نیچے کی طرف اشارہ کیا تو راضیہ نے نیچے جھانکا تو اس کا

اوپر کا سانس اوپر رہ گیا۔ جیپ بالکل کنارے پر چل رہی تھی۔ ذرا سی بھی چُوک ہو جاتی تو وہ کھلونے کی طرح لڑھکتے ہوئے کسی کھڈ میں جا گرتے۔

بہت دشوار گزار موڑ تھے، ڈرائیور کی مشاقی تھی کہ انہیں بخیر و عافیت لے آیا تھا۔ رابعہ تمام راستہ آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی تھی اور سلجوق شاہ مسلسل اسے چھیڑنے میں مصروف رہے تھے۔

لالہ زار واقعی خوبصورت علاقہ تھا۔ ہر طرف سبزہ اور پھول۔ اس قدر دلفریب نظارہ تھا کہ وہ راستے کا تمام خوف بھول گئی تھی۔

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ ہمیشہ کے لئے یہاں رہ جاؤں۔'' اس نے آنکھیں میچیں تھیں۔

''تو رہ جاؤ۔ روکا کس نے ہے۔ مجھے تو واپس پہنچنا ہے، میں مہینے دو مہینے بعد تمہیں لینے آ جاؤں گا۔'' ان کا لہجہ شرارت بھرا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ مجھ سے بے زار ہو گئے ہیں؟'' اس کی پلکیں پھر بھیگنے لگی تھیں۔

''اُف خدایا۔ ایک تو تم روتی بہت ہو۔'' انہوں نے سر پر ہاتھ مارا۔

جب وہ جھیل سیف الملوک کی طرف روانہ ہوئے تو سلجوق شاہ نے اسے بتایا کہ اس جھیل پر پریاں اترا کرتی ہیں۔

''کیا سچ مچ؟'' وہ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔

''ہاں سنا ہے بلکہ پڑھا بھی ہے۔ کہتے ہیں اس جھیل کی گہرائی ناپی نہیں جا سکی۔ دنیا کی سب سے خوبصورت جھیل ہے یہ۔''

''آپ پہلے بھی کبھی آئے ہیں؟'' وہ مشتاق ہوئی تھی۔

''نہیں۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

جھیل واقعی بے حد حسین تھی۔ نیلگوں اور سبزی مائل پُرسکون پانی اردگرد بلند پہاڑ گلیشیئر۔ وہ دونوں گھوڑوں پر بیٹھ گئے۔ جھیل کا چکر لگانے کے لئے۔

گھوڑے والا انہیں پریوں کی کہانی سنانے لگا تھا۔

شہزادی بدر جمال اور شہزادہ سیف الملوک کی۔ وہ پوری محویت سے سن رہی تھی اور لطف اٹھا رہی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس کہانی کا ایک حصہ ہے۔ وہ ان کرداروں کو حقیقت میں چلتا پھرتا محسوس کر رہی تھی سبز پہاڑ سے اترتی کوہ قاف کی پریاں۔ کالا دیو اور شہزادہ سیف الملوک۔

وہ وہاں سے لوٹ آنے کے باوجود وہیں پر تھی۔ سامان کی پیکنگ کرتے ہوئے تمام راستے وہ جیسے اسی ماحول میں تھی۔ عجیب سا سحر طاری تھا اس پر۔ رابعہ اس سے پوچھ رہی تھی اور وہ ایک ایک جگہ کے بارے تفصیلاً بتا رہی تھی۔

بہت مزا آیا سچ مچ۔ اتنی خوبصورت جگہیں ہیں سب کی سب۔ دل چاہتا ہے وہیں رہ جاؤ۔''

اسی وقت انا بی ہما کی بچی کو اٹھائے اندر داخل ہوئی تھیں۔ وہ بری طرح رو رہی تھی۔

''خدا کے واسطے اس بچی پر رحم کھاؤ۔ یہ رو رو کر مر جائے گی۔''

وہ ایک دم ہی چپ ہو کر انا بی کی شکل دیکھنے لگی۔ اسے سمجھ نہ آیا وہ کیا کہے۔ ٹیلی فون کی گھنٹی نے ان کی توجہ ہٹائی۔ رابعہ فون سننے اٹھ گئی۔

''جی ہیلو!'' وہ کہہ رہی تھی۔

''سلجوق شاہ سے بات ہو سکتی ہے میں احسن انصاری بول رہا ہوں۔ ایڈووکیٹ احسن انصاری۔'' دوسری جانب سے کہا گیا۔

''ایک منٹ ہولڈ کریں میں بلاتی ہوں۔'' وہ ریسیور سائیڈ پر رکھ کر سلجوق شاہ کو بلانے چلی گئی۔

''یس سلجوق شاہ اسپیکنگ!'' انہوں نے ریسیور لیتے ہوئے کہا تھا۔

''میں ایڈووکیٹ احسن انصاری بات کر رہا ہوں۔'' ماؤتھ پیس سے ابھرتی آواز نے انہیں الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔

''مجھے آپ سے حفیظہ کے سلسلے میں بات کرنی ہے۔ پلیز تھوڑا سا ٹائم دیجئے گا۔'' انہوں نے بات مکمل کی۔

''لیکن کیوں؟ یہ سلسلہ تو ختم ہو چکا۔'' ان کی پیشانی پر رگیں نمودار ہو گئی تھیں۔

''آپ مجھے وقت تو دیں۔ بہت ساری ایسی باتیں ہیں جو آپ کے علم میں نہیں۔''

''ٹھیک ہے آپ آ جائیں۔ اگرچہ اب یہ بے سود ہے۔'' وہ نیم رضامند ہوئے تھے۔

''اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو میرے چیمبر میں آ جائیں۔ لاء ایسوسی ایٹس سیکنڈ فلور۔'' انہوں نے اپنا ایڈریس سمجھایا۔

''As you wish۔'' انہوں نے ریسیور رکھتے ہوئے اپنے سراپے پر نظر ڈالی۔ ابھی انہوں نے چینج کیا تھا، سفر کی تھکان باقی تھی۔ وہ ڈھیر سارا سونا چاہتے تھے لیکن ایک انجانی قوت انہیں کھینچ رہی تھی۔ انہوں نے گاڑی کی چابیاں اٹھائیں۔

"کہاں جا رہے ہیں، ابھی تو آئے ہیں۔ آرام تو کر لیں۔" راضیہ باہر نکلی تھی اور انہیں یوں تیار دیکھ کر ٹوکا تھا۔

"ہر بات میں دخل اندازی ضروری نہیں ہوتی۔ مجھے کب کیا کرنا ہے اچھی طرح جانتا ہوں۔" وہ درشت لہجے میں کہتے باہر نکل گئے۔ راضیہ پر جیسے پہاڑ گر پڑا تھا۔ ان کا لہجہ، ان کا رویہ کس قدر اجنبیت لئے ہوئے تھا۔ بے اختیار آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ لب کاٹتی وہیں بیٹھ گئی۔

آخر ہوا کیا جو وہ یوں بولے تھے، میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی۔ وہ سوچ سوچ کر ہلکان ہوتی رہی۔ شام کے سائے گہرے ہو گئے سلجوق شاہ ابھی تلک نہیں لوٹے تھے۔ وہ واہموں میں ڈوبتی ابھرتی رہی۔

"ارے بھابی آپ یہاں اکیلی، اندھیرے میں کیا کر رہی ہیں؟" ربیعہ اِدھر سے گزری تو اسے یوں بیٹھے دیکھ کر ٹوک دیا۔ وہ یونہی بیٹھی رہی۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ پریشانی سے اس کے قریب آئی۔

"ہاں۔" اس نے ہولے سے سر ہلایا۔ باہر سے گاڑی کے ہارن کی آواز آئی تو وہ کھڑی ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد تھکے تھکے قدموں سے سلجوق اندر داخل ہوئے۔ وہ لپک کر ان کی طرف گئی۔ وہ بنا اس کی طرف دیکھے کمرے کی طرف چلے گئے۔ راضیہ کے دل پر مزید ایک گھونسہ پڑا۔ اس نے چور نظروں سے ربیعہ کو دیکھا پھر تیزی سے سلجوق کے پیچھے ہی کمرے میں گھس گئی۔ ربیعہ نے الجھی نظروں سے انہیں دیکھا تھا، پھر کندھے اچکا کر کام میں مصروف ہو گئی۔

☆=====☆=====☆

"تم انتہائی احمق لڑکی ہو۔" وہ نوما سے لڑ رہی تھی۔ آخری حربہ یہی تھا کیونکہ بابا جان نے حتمی فیصلہ سنا دیا تھا۔

"شکریہ!" وہ مسکرائی۔ وہ صبح سے اِدھر آئی ہوئی تھی۔ کپڑے وغیرہ لے کر۔

"تم جانتی ہو کہ میں......" اس نے بے بسی سے نوما کو دیکھا۔

"ہاں میں جانتی ہوں۔" نوما نے اس کی بات کاٹی۔

"کہ تم نقشم کے علاوہ کسی اور کے بارے میں نہیں سوچ سکتیں۔ تم نقشم سے عشق کرتی ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ ساری باتیں تم پہلے بھی پچاس دفعہ مجھے سنا چکی ہو اور اس کے جواب میں، میں نے جو کچھ کہا ہے وہ بھی تمہیں ازبر ہے۔ اس لئے پرانی باتوں کو دہرانے سے صرف وقت کا زیاں ہے اور کچھ نہیں۔ تم آگے کی سوچو اور اگر نہیں سوچ سکتی تو اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دو۔ جو رنگ گہرا ہو گا جم جائے گا اور اب یہ باتیں چھوڑو اور تیزی سے ہاتھ چلاؤ۔ کل یہ سوٹ پہن کر مجھے مایوں بیٹھنا ہے۔" نوما نے بات ختم کرتے ہوئے کہا تو وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"ارے ہاں نوما۔" اسے جیسے کچھ یاد آیا۔ "بھابی نظر نہیں آ رہیں۔ مجھے تو راضیہ نے بتایا کہ وہ سلجوق شاہ کی بہن ہیں۔"

"آں۔ ہاں......" وہ گھبرائی تھی۔

"کیا ہوا تم گھبرا کیوں گئی ہو۔ کیا سلجوق شاہ کی بہن ہونا بری بات ہے؟" اس نے نوما کی گھبراہٹ کو واضح طور پر محسوس کیا تھا۔

"نن نہیں اصل میں۔ بھابی کافی دنوں سے لاپتہ ہیں۔ بھیا سے لڑائی ہو گئی تھی ناراض ہو کر چلی گئیں۔ ہم تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے ہیں۔ اِدھر سے پتہ کرتے ہیں تو یہی جواب ملتا ہے پتہ نہیں وہ کسی ہما کو نہیں جانتے۔ ہم تو بے حد پریشان ہیں۔ اُوپر سے شادی آ گئی ہے۔ اب

بھابی کی غیر موجودگی کو کیا تصور کیا جائے گا۔ ہمیں تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' نوما نے ساری حقیقت کھول کر رکھ دی۔ وہ تو پہلے بھی ناجیہ سے کوئی بات نہیں چھپاتی تھی۔

''اوہ۔'' ناجیہ نے تاسف سے کہا۔ پھر اس نے راضیہ کی بتائی بات دہرادی۔

''کیا؟ یعنی اریج ان کی طرف ہے۔ پھر تو بھابی وہیں ہوں گی۔'' وہ پُر جوش ہوئی تھی۔

''نہیں۔ راضیہ بتا رہی تھی کہ وہ اریج کو وہاں چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ سلجوق بھائی بہت غصہ ہیں اور ہما کو کسی طور پر قبول ہی نہ کر رہے تھے اور باقی سب کا رویہ بھی برا ہی تھا۔ میرا دل تو بہت خراب ہوا۔ بے چاری کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا معاف کر دیتے لیکن کیا کیا جا سکتا ہے۔''

''پھر بھابی گھر کیوں نہیں آئیں؟ کہاں چلی گئیں؟'' نوما نئے سرے سے متفکر ہوئی۔

''کسی اور عزیز کے ہاں چلی گئی ہوں گی۔'' ناجیہ نے کہا تو نوما نے نفی میں سر ہلا دیا۔ پھر چیزیں سمیٹنے لگی۔

''تم مجھے گھر ڈراپ کروا دو۔ میں بھائی سے بات کرتی ہوں۔''

''اچھا دیکھتی ہوں بابا جان ہیں یا نہیں۔ اس وقت وہ عموماً Game کے لئے نکل جایا کرتے ہیں۔'' ناجیہ بابا جان کی تلاش میں نکلی تو وہ پورچ کی طرف جا رہے تھے۔

''ایک منٹ بابا جان۔'' اس نے پکارا تو وہ رک گئے۔

''آپ پلیز نوما کو Drop کر دیجئے گا اگر ٹائم ہو تو......'' اس نے پاس آتے ہوئے کہا۔

''ہاں کیوں نہیں۔ ویسے بھی مجھے ارمغان کی طرف جانا ہی تھا واپسی پر۔ اب ہوتا ہوا چلا جاؤں گا۔'' انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ اتنے میں نوما خود ہی آ گئی تھی۔

''ناجیہ کل تک سوٹ مکمل کر لینا اور دیکھو مہمانوں کی طرح وقت پر مت آنا بلکہ صبح ہی آ جانا سو کام دیکھنے والے ہوں گے۔ ویسے تو عافیہ بجو صبح پہنچ رہی ہیں لیکن ان کے بچے۔ سمجھ رہی ہو ناں۔'' اس نے بیٹھتے بیٹھتے تاکید کی تھی۔

''ہاں فکر نہیں کرو۔ صبح بابا جان آفس جاتے ہوئے مجھے Drop کر دیں گے۔'' اس نے ہاتھ ہلایا۔ بابا جان نے گاڑی ریورس کر کے باہر نکال لی۔

''کچھ کہا تو نہیں ناجیہ نے؟'' انہوں نے نوما سے پوچھا۔

''کچھ زیادہ نہیں۔ آپ بے فکر رہیں انکل۔ ٹھیک ہو جائے گی لڑکیوں میں Quality ہوتی ہے کب تک وہ ارمغان کی محبت سے بھاگے گی۔''

''کہیں ایسا تو نہیں کہ میں اس سے زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہوں۔ وہ Adjust نہ

کر سکے۔'' فیصلہ کر لینے کے باوجود وہ مطمئن نہیں تھے۔

''ارے نہیں انکل، آپ خوامخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔ ارمغان بہت اچھا ہے۔ آپ دیکھئے گا ناجیہ کو پچھلے دنوں کی بالکل یاد نہیں آئے گی۔''

''ہاں اللہ کرے۔ تمہیں گھر جانا ہے یا ارمغان کے پاس ہی چھوڑ دوں؟'' انہوں نے گاڑی ہاسپٹل کے سامنے روکتے ہوئے پوچھا۔

''میرا خیال ہے یہیں اتار دیں بلکہ آپ کو شاید کام بھی تھا۔'' وہ چیزیں سمیٹ کر نیچے اترنے لگی تو عزیز احمد بھی پیچھے ہی اتر آئے۔

ارمغان باہر لان میں ہی نظر آ گیا۔ کسی مریضہ کے ساتھ مشغول تھا۔ انہیں دیکھ کر ہاتھ ہلا کر اُدھر ہی آنے کا اشارہ کر دیا۔

''کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ ارمغان بھی پاگل ہی ہے۔ سارا دن Abnormal لوگوں کے ساتھ رہ رہ کر Half-Abnormal تو ہو ہی گیا ہے۔'' نوما نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''السلام علیکم انکل۔ کیسے ہیں؟'' ارمغان نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا تھا۔

''تم سناؤ برخوردار؟'' وہ مسکرائے تھے اور تب ہی ان کی نظر ارمغان سے ہوتی ہوئی پیچھے بیٹھی خاتون پر جا ٹھہری اور ان کا وجود جیسے جھٹکوں کی زد میں آ گیا۔

''مہرینہ ملک۔ تم زندہ ہو؟'' وہ بے خود سے اس کی طرف بڑھے تھے۔

☆======☆======☆

تم بن کون سنے مہاراج
راکھو باہنہ گہے کی لاج

سناٹے کو چیرتی آواز نے انہیں بے خود سا کر دیا۔ وہ بے اختیار کمرے سے باہر نکل آئے تھے۔ جیسے اس غیر مرئی آواز کو دیکھ رہے ہوں۔ دور دور تک سناٹا تھا۔ بالکل ویسا ہی سناٹا جیسے بیس بائیس برس سے ان کے دل میں تھا۔

جسے کوئی بھی آواز نہ توڑ سکی تھی۔

وہ کتنا لڑے تھے کتنا بھاگے تھے۔

لیکن یہ آواز انہیں راتوں کی نیند سے جگا دیتی تھی۔

اور ان کا یہ سفر پھر وہیں سے شروع ہو جاتا تھا۔

یا شاید ایسا ہی ہوتا ہو۔

محبت کا سفر پلٹ کر پھر وہیں سے شروع ہو جاتا ہو۔ دنیا کے سفر کی طرح؟

اور انہوں نے بھی کیسی عجیب محبت کی تھی۔

''ارے بابا جان۔آپ یہاں۔اس وقت طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' ناجیہ کی پریشان آواز نے انہیں خیالات کی دنیا سے باہر لا کھڑا کیا۔

''ہاں......!'' انہیں ایک دم ہی ماحول کی خنکی کا احساس ہوا۔وہ گیلی گھاس پر پاؤں پسارے بیٹھے تھے۔

''تم سوئیں نہیں ابھی تک؟'' پاؤں سمیٹتے ہوئے انہوں نے ناجیہ کو بغور دیکھا۔

''نیند نہیں آرہی تھی۔عجیب سی بے چینی نے میرے دل کو جکڑ رکھا ہے۔عذیر نے بھی اچھا نہیں کیا۔'' وہ بھی وہیں بیٹھ گئی۔

''کیا کر دیا عذیر نے؟''

''یہی وہاں جا کر بیٹھ گیا۔وہ میرا بھائی تھا۔اچھا دوست تھا۔میں ہر مسئلہ اس سے ڈسکس کر لیا کرتی تھی۔''

''میں بھی تمہارا باپ ہوں۔دوست سمجھ کر مجھ سے Share کر سکتی ہو۔''

''نہیں آپ صرف بابا ہیں۔دوست نہیں بن سکتے کیونکہ......'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔

عزیز احمد سمجھ گئے وہ کیا کہنے لگی تھی۔

''دیکھو ناجیہ۔تم سمجھتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ زیادتی کر رہا ہوں جب کہ ایسا نہیں ہے۔ایک وقت آئے گا جب تم میرے درست فیصلے کو تسلیم کرو گی۔وقت کسی کے لئے ٹھہرتا نہیں ہے۔اگرچہ ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے۔کسی ایک فرد سے بچھڑ کر، جدا ہو کر لگتا ہے جیسے اب زندگی میں کچھ نہیں رہا۔ختم ہو گیا سب کچھ......'' بولتے بولتے ان کی آواز مدھم ہو گئی۔

ناجیہ نے دیکھا ان کے چہرے پر عجیب سا کرب تھا۔وہ چونکی۔اس نے کبھی عزیز احمد کو اس طرح کمزور نہیں دیکھا تھا۔وہ تو ایک عرصہ باپ کے چہرے پر اس کمزوری کو تلاشتی رہی تھی جو کسی محبت کی کمی کے بعد حصہ بنتی ہے لیکن اسے ہمیشہ ناکامی ہوئی تھی اور اب کیسی شکستگی، کیسا دکھ تھا جو ان کے چہرے، ان کی آنکھوں سے جھانک رہا تھا۔کچھ کھو دینے کا ملال۔

''بابا جان!'' وہ بے اختیار ان کی طرف بڑھی تھی۔''آپ ٹھیک تو ہیں؟''

''آں......ہاں......'' انہوں نے پیشانی پر ہاتھ پھیرا۔

''ناجیہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ......تمہاری ماں زندہ ہے تو؟'' بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے جیسے دھماکہ کیا تھا۔

''جی......کیا کہہ رہے ہیں بابا جان؟'' وہ کافی دیر بعد بول سکی تھی۔

''ماں تو......ماں کیسی ہوتی ہے، اس کی محبت کیسی ہوتی ہے، میں تو جانتی ہی نہیں بابا۔یہ خلا تو میرے اندر بہت دور تک پھیلا ہوا ہے اور آپ۔آپ ہی تو کہتے آئے ہیں کہ میرے پیدا ہوتے ہی ماں مر گئی۔اگر وہ زندہ ہے تو کیوں کہا گیا یہ سب......کس لئے۔شاید اپنے ظلم کو چھپانے کے لئے۔آپ نے ماں کو چھوڑ دیا ہو گا اور مجھے یہ کہہ دیا۔اگر آپ کو وہ پسند نہیں تھیں تو شادی کیوں کی تھی؟'' وہ بلک بلک کر رونے لگی۔اس کا ذہن جیسے الٹ گیا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں تھا۔'' عزیز احمد حالات کو یہ رخ اختیار کرتے دیکھ کر گھبرا گئے۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔تمہاری ماں......تمہاری ماں سے تو مجھے عشق تھا......عشق۔'' وضاحت دیتے دیتے وہ اقرار کر گئے۔

یہ عشق ہی تو تھا جس نے انہیں رات کی تاریکی میں ننھی سی جان کے ساتھ بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

یہ دوستی ہی تو تھی جس نے اب تک ان کی زبان بند رکھی تھی۔

دوستی اور عشق نبھاتے نبھاتے خود وہ کس قدر خالی دامن تھے، یہ کب کسی نے دیکھا تھا؟ نہ احمد یار نے، نہ مہرینہ ملک نے۔

''سب کچھ ویسا نہیں ہوتا ناجیہ، جیسا کہ نظر آرہا ہوتا ہے۔زندگی ہے ناں جو اس میں ہر لمحہ ایک نیا شاک آپ کا منتظر ہوتا ہے۔ایک نئی حقیقت آپ کا منہ چڑانے آموجود ہوتی ہے۔ہم آئندہ کے لئے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ایک لفظ بھی۔'' وہ اٹھے اور اسی تیزی سے اندر چلے گئے۔

ناجیہ کچھ دیر وہاں بیٹھی رہی پھر وہ بھی اٹھ آئی۔یہ کیسا انکشاف کیا تھا بابا جان نے۔اس کی ماں زندہ تھی۔وہ ماں جس کے لئے وہ لمحہ لمحہ ترستی تھی۔وہ اپنے دھیان میں لاؤنج سے گزر رہی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔اسی کھوئی کھوئی کیفیت میں اس نے فون اٹھایا تھا۔''ہیلو!'' بوجھل آواز میں اس نے کہا تھا۔

''ہیلو! ارمغان بول رہا ہوں۔کیسی ہیں آپ؟'' اس کی آواز سنتے ہی وہ خوش ہو گیا تھا۔

''ہاں۔ٹھیک ہوں۔'' اس نے دھیمے سے کہا تھا۔

''لگ تو نہیں رہیں۔'' وہ شوخ ہوا۔

''پلیز ارمغان۔میری طبیعت اس وقت ٹھیک نہیں ہے۔پھر بات کریں گے۔'' اس نے ریسیور رکھنا چاہا۔

''ایک منٹ۔مجھے انکل سے بات کرنی ہے۔مہرینہ ملک کے بارے میں، انہیں بلا دیں

ذرا۔'' اس نے فوراً مدعا بیان کیا تھا۔

''کون مہرینہ ملک؟'' وہ چونکی ہوئی تھی۔

☆======☆======☆

''کیا ایسا ممکن ہے انکل جی؟'' وہ متذبذب تھی۔

''ہاں۔ یہ حقیقت ہے۔ تمہیں طلاق نہیں ہوئی۔ تم اب بھی سلجوق شاہ کی منکوحہ ہو۔ اگر سلیمان ملک یہ بیان عدالت میں دے دے تو عدالت اپنا فیصلہ واپس لے سکتی ہے۔'' احسن انصاری نے کہا تو حفیطہ کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

''مم۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' اس نے انگلیاں چٹخائیں۔

''میں کچھ اور وکیلوں سے بھی مشورے کر رہا ہوں۔ اور ہاں۔ میں نے سلجوق سے بھی بات کی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تم نے عدالت میں خود پیش ہو کر طلاق مانگی تھی جب کہ تمہارا کہنا ہے کہ تم عدالت تک گئی ہی نہیں۔ پھر سلجوق نے تمہیں خود طلاق نہیں دی بلکہ عدالت نے طلاق دی۔ ہاں عدالت کے کہنے پر تمہیں حق مہر ضرور ادا کیا گیا۔ اس صورت میں سارے دلائل ہمارے حق میں جاتے ہیں۔ سلیمان ملک کو تو یہی بات سزا دلانے کے لئے کافی ہے کہ اس نے نکاح پر نکاح کروایا اور وہ بھی ایک پاگل شخص سے۔''

''دولت بہت بری چیز ہے انکل جی۔'' حفیطہ سر جھکا کر گویا ہوئی۔ ''لالچ نے اپنوں کا خون اس قدر سفید کر دیا ہے کہ اب تو کسی پر اعتبار کرنے کا جی نہیں چاہتا۔''

''Hello everybody۔ اُف اس قدر تھکن ہوگئی ہے کہ الامان۔ اوپر سے بازاروں کا رش۔ مہنگائی کے باوجود ساری دنیا شاپنگ کے لئے نکلی ہوئی لگتی ہے۔'' رحمہ اور بیگم احسن اندر داخل ہوئی تھیں۔

آج کل صبح شام ان کے چکر بازاروں کے لگ رہے تھے۔ رحمہ نے تو حفیطہ کو بھی گھسیٹنا چاہا تھا لیکن اس نے منع کر دیا تھا۔ ان دونوں کے آنے سے موضوع بدل گیا تھا۔ وہ دونوں شاپنگ دکھانے لگیں۔ سب کچھ زبردست تھا۔

''اب بس زیورات اور ولیمے کا جوڑا رہ گیا ہے۔'' بیگم احسن نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

''جیولر نے کیا کہا ہے؟'' احسن انصاری نے پوچھا۔

''کہتا ہے دو دن پہلے مل جائیں گے دیکھیں اور حفیطہ کل شام تم بھی ساتھ چلنا۔ اپنی مرضی کی شاپنگ کر لینا۔ رحمہ کی بھی ابھی تیاری رہتی ہے۔''

بیگم احسن نے بتا کر ساتھ ہی حفیطہ کو مخاطب کیا تو وہ ٹپٹا کر انہیں دیکھنے لگی۔

''نہیں آنٹی میرے پاس جتنے کپڑے ہیں سب نئے ہی تو ہیں۔ کوئی ایک پہن لوں گی۔'' وہ تو پہلے ہی ان کے احسانوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔ مزید بار کیوں بنتی اور پھر ابھی کچھ روز پہلے تو انہوں نے اسے کتنے سارے نئے سوٹ دلائے تھے۔ جن میں سے ابھی کچھ استعمال میں بھی نہیں آئے تھے۔

''یہ کیا بات ہوئی؟'' وہ خفا ہوئیں۔ ''شادی ہے گھر میں، سب کے بن رہے ہیں۔ کیا تم اس گھر کی فرد نہیں ہو، یا ابھی تک تم ہمیں اپنے سے الگ سمجھتی ہو؟''

''نہیں ایسی بات نہیں آنٹی!'' اس نے گھبرا کر وضاحت کی۔ ''میں......تو......چلیں ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔'' اس نے ہتھیار پھینک دیئے پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

''میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' بیگم احسن نے سر ہلا دیا۔ رحمہ اب کپڑے سمیٹنے لگی تھی۔

وہ کچن میں آ گئی۔ چائے کا پانی رکھتے ہوئے وہ مسلسل انکل کی کہی گئی باتوں کو سوچ رہی تھی۔ کیا ایسا ہو سکتا تھا وہ ابھی تک سلجوق شاہ کے نکاح میں تھی۔ اسے ایک دم سے تحفظ کا احساس ہونے لگا تھا۔

''Hello prety girl!'' بہت قریب سے آتی آواز اسے خیالوں سے چونکا گئی تھی۔ اس نے گھبرا کر دیکھا۔ زادان احسن اس کے بہت ہی قریب کھڑے تھے۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' انہوں نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''آپ چائے پئیں گے؟'' وہ رخ موڑ گئی۔

''ان ہاتھوں سے تو زہر پینا بھی گوارا ہے۔'' وہ گھمبیر لہجے میں بولے۔ حفیطہ کا دل مارے خوف کے دھڑک اٹھا۔ وہ بے سبب ہی چیزوں کو ادھر اُدھر کرنے لگی۔

''تم مجھ سے اتنی خوفزدہ کیوں رہتی ہو؟ کیا بہت خوفناک شکل ہے میری؟'' وہ پھر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

''آپ۔ زادان بھائی چلئے میں چائے لے کر آتی ہوں'' وہ پلٹی۔

''اوہ کم آن یار۔ ایسا بھی کیا ڈرنا۔'' وہ قہقہہ مار کر ہنس دیئے۔ حفیطہ کو عجیب سا خوف رگ وپے میں سرایت کرتا محسوس ہوا۔ زادان احسن کے تیور ٹھیک نہیں تھے۔ شروع دن سے اس نے محسوس کر لیا تھا لیکن وہ اسے اپنا وہم قرار دیتی آ رہی تھی۔ رحمہ نے بتایا تھا کہ نوما زادان کی اپنی پسند ہے بلکہ بڑی مشکلوں سے اس کا پتہ چلا کر وہ گھر پہنچے تھے۔ تو پھر زادان کا جھکاؤ کسی

اور طرف کیوں؟

یا پھر یہ کہ وہ جہاں سے آئے تھے وہاں ایسی باتوں کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ وہ یونہی بات کرنے کے عادی ہوں۔ ان کے دل میں ایسی کوئی بات نہ ہو۔ لیکن اب...... ان کی آنکھوں سے جھانکتا کھلم کھلا اقرار۔ ان کے بے چین تھرکتے لب۔ اُف...... اسے ایک بار پھر جھرجھری آ گئی۔ یہ سب کیا ہونے چلا تھا۔ وہ تو کسی کو بتا بھی نہیں سکتی۔ کون یقین کرے گا۔ اس نے رحم طلب نظروں سے زادان کی سمت دیکھا۔

وہ اِدھر ہی دیکھ رہے تھے۔ ''اگر تم کہو حفیظہ ملک تو میں اس شادی سے بھی انکار کرسکتا ہوں۔'' گھمبیر لہجے میں کہتے وہ باہر نکل گئے۔ حفیظہ کا اوپر کا سانس اوپر رہ گیا۔

یہ کیا کہہ گئے تھے وہ۔ اُف خدایا۔ وہ گرنے کو تھی کہ رحمہ نے پکڑ لیا۔

''کیا ہوا حفیظہ خیریت تو ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے اور یہ چائے کا پانی بھی ابل ابل کر خشک ہو گیا؟'' اس کی نظر چولہے پر دھری کیٹل (Kettle) پر جا پڑی۔

''ہاں بس۔ ذرا چکر آ گیا۔'' اس نے دونوں نے ہاتھوں سے کنپٹیاں دبائیں۔

''چلو تم ریسٹ کرو۔ میں چائے بنا لیتی ہوں۔'' وہ اسے زبردستی کمرے میں چھوڑ گئی۔

اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ یہ کیا ہونے چلا تھا رب عظیم......؟ وہ اور کسی آزمائش کی متحمل نہیں تھی۔ بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

☆======☆======☆

وہ واش روم سے نکلی تو بیڈ روم میں زیرو کا بلب جل رہا تھا اور سلجوق کمبل اوڑھے دوسری سمت منہ کیے لیٹے تھے۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر Night creem ہاتھوں اور چہرے پر لگائی۔ پھر بالوں میں برش کر کے بیڈ پر آ گئی۔ سلجوق شاہ اسی پوزیشن میں لیٹے تھے۔ اس نے تھوڑی دیر انتظار کیا پھر پوچھنے لگی۔

''آپ سو گئے ہیں؟''

''ہاں!'' آواز آئی۔ راضیہ کا دل دکھ سے بھر گیا۔ یہ کئی دنوں سے چل رہا تھا۔ جب سے وہ ہنی مون سے واپس آئے تھے، سلجوق کے رویئے میں عجیب سی سرد مہری آ گئی تھی۔ وہ خواہ مخواہ خود کو مصروف رکھنے کی کوشش میں لگے رہتے۔ رات گئے بیڈ روم میں آتے اور لائٹ آف کر کے لیٹ جاتے۔ وہ بات کرتی تو ہوں ہاں کر کے ٹال جاتے۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ لبوں سے سسکیاں آزاد ہوئیں۔ سلجوق نے ایک دم ہی کمبل پرے پھینکا تھا۔

''اب کیا مصیبت آ گئی یا میرا آرام کرنا تمہیں اتنا گراں گزر رہا ہے۔'' عجیب چٹختا ہوا لہجہ

تھا۔ وہ دم بخود رہ گئی۔ یہ کس طرح بات کر رہے تھے وہ۔

''آپ مجھے بتاتے کیوں نہیں، آپ کیوں اس طرح Behave کر رہے ہیں میرے ساتھ۔ میری غلطی تو بتائیں۔'' وہ سسکیوں کے درمیان بولی تھی۔

''سو جاؤ چپ کر کے اور پلیز مجھے مزید ڈسٹرب مت کرو۔'' اب کے ذرا نرم لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے دوبارہ کمبل اوڑھا اور دوسری طرف منہ کر کے لیٹ گئے۔

راضیہ سے سسکیاں دبانا مشکل ہو گیا۔ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخوں کو روکنا چاہا اور ناکامی پر تکیے میں منہ دے لیا۔

وہ پچھلے کئی دنوں سے جو زندگی گزار رہی تھی وہ ناقابلِ برداشت تھی۔ سلجوق شاہ نے اسے محبت نہ دی ہوتی تو اور بات تھی۔

مگر اب دے کر چھین رہے تھے تو اس کی رگ رگ جیسے نچڑ رہی تھی۔ ایسا کیا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے گزشتہ دنوں پر نظر دوڑائی۔ شاید اس سے کوئی غلطی کوتاہی ہو گئی ہو۔ جو سلجوق کے لہجے میں یہ تلخی گھل گئی تھی لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ اس کا جی چاہا ساری چیزیں توڑ پھوڑ کے رکھ دے لیکن پھر تماشے کے ڈر سے ضبط کر گئی تھی۔

☆======☆======☆

''خیریت بہو؟'' انا بی کی جہاندیدہ نظروں سے اس کی کیفیت چھپی نہ رہ سکی۔ ''یہ تمہاری آنکھیں کیوں سرخ ہو رہی ہیں؟'' وہ تشویش سے پوچھ رہی تھیں۔

''ہاں۔ وہ انا بی رات بھر سر میں شدید درد رہا ہے۔ شاید اسی وجہ سے، پھر نیند بھی نہیں آئی۔'' اس نے فوراً بات بنائی تھی۔

''اے تو بتوا کوئی دوا لینی تھی۔ ایسے معاملوں میں لاپروائی نہیں برتا کرتے۔'' انہوں نے ہمدردی سے کہا تو راضیہ کی آنکھیں پھر نم ہونے لگیں۔

''جی انا بی۔ اب جاؤں گی۔'' وہ اٹھ آئی۔ انا بی پھر سے روتی بچی کی طرف متوجہ ہوئیں۔ وہ واپس کمرے میں آئی تو سلجوق جاگ رہے تھے۔ اس کی طرف دیکھا وہ نظر انداز کر گئی۔

''میرا کوئی شلوار سوٹ استری ہے؟'' یونہی لیٹے لیٹے پوچھا۔

''دیکھتی ہوں۔'' وہ ڈریسنگ روم کی طرف چلی گئی۔ شلوار سوٹ استری نہیں تھا، اس نے وائٹ شلوار کرتا نکالا اور باہر آ گئی۔

''ابھی کر دیتی ہوں آپ نہا لیں۔'' اس نے کہا تو سلجوق نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''کیا ہوا راضیہ، تمہاری آنکھیں کیوں سوجی ہوئی ہیں؟'' سلجوق نے پوچھا تو وہ بنا جواب دیئے لب کاٹتی باہر نکل گئی۔

''جیسے کچھ جانتے ہی نہیں۔'' وہ بڑبڑائی۔ جب دوبارہ کمرے میں آئی تو سلجوق باتھ روم میں تھے۔ وہ بستر ٹھیک کر کے سیدھی ہوئی تھی کہ دو مضبوط بانہوں نے اسے جکڑ لیا۔ ''چھوڑیں مجھے۔'' وہ پوری قوت سے اپنا آپ چھڑانے لگی۔

''کیا چھوڑیں۔ ہاں!'' سلجوق نے اس کا رخ اپنی طرف موڑتے ہوئے حق کا استعمال کیا ایک لمحے کو وہ ڈھیلی پڑ گئی۔

''بس چھوڑیں مجھے۔ مت چھوئیں مجھے۔'' اب کے وہ شدت نہیں تھی۔

''دیکھو راضیہ۔ جانِ من۔ تم مجھ سے ناراض مت ہوا کرو۔'' انہوں نے دوبارہ وہی حرکت کی۔ ان کی بات پر راضیہ بھڑک ہی تو گئی۔

''میں ناراض ہوتی ہوں۔ آپ سارا الزام میرے سر دھر رہے ہیں اور خود پچھلے پندرہ دنوں سے آپ جو کر رہے ہیں میرے ساتھ وہ......'' اس کا گلا رندھ ہو گیا۔

''سیدھے منہ بات نہیں کر رہے۔ سارا وقت یا تو گھر سے باہر رہتے ہیں یا اِدھر اُدھر کاموں میں مصروف۔ کمرے میں آجائیں تو آتے ہی پڑ کر سو جاتے ہیں۔ جو میں بات کروں تو آگے سے ڈانٹ دیتے ہیں۔ آخر میں نے کیا کیا ہے۔ کوئی غلطی بھی تو بتائیں۔''

سلجوق نے چپ چاپ سنا پھر بنا کچھ کہے کپڑے اٹھا کر ڈریسنگ روم کی طرف چلے گئے۔ وہ کچن میں آ گئی۔ ربیعہ موجود تھی۔

''بھائی جان اٹھ گئے!'' اس نے چائے مگ میں انڈیلتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔'' اس نے ڈبل روٹی فریج سے نکالتے ہوئے جواب دیا۔ سلجوق پیچھے ہی چلے آئے۔

''اچھا راضیہ میں جا رہا ہوں۔ شام دیر ہو جائے گی۔ بائے۔'' اپنی سناتے وہ فٹافٹ باہر نکل گئے۔

''ناشتہ۔'' وہ پیچھے بھاگی۔

''نہیں میں باہر سے ہی کر لوں گا۔''

اس نے بجھے بجھے دل سے گیٹ بند کیا اور دوبارہ کچن میں آ گئی۔ اس کو بھی ناشتے کی طلب نہ رہی تھی۔ ڈبل روٹی اٹھا کر دوبارہ فریج میں رکھ دی تھی۔ ربیعہ کہنے لگی۔

''رات صوفیہ آپا کا فون آیا تھا۔ آپ لیٹ گئی تھیں اس لیے میں نے نہیں بلایا۔ وہ

ضروری بات کرنی تھی انہوں نے۔ آپ انہیں فون کر لیں۔''

''ہوں اچھا۔'' اس نے سر ہلایا۔

☆======☆======☆

''دیکھو اسد! میں اس طرح کب تک تمہارے ساتھ رہ سکتی ہوں۔ ابھی تو چلو ڈیڈی یہاں نہیں ہیں لیکن مہینہ ڈیڑھ مہینہ بعد ان کا چکر لگتا ہے۔ پھر میں گھر سے باہر کیسے آؤں گی؟'' عاصمہ نے کہا تو اسد ہنس دیا۔

''تو میں گھر آ جایا کروں گا۔ اس میں کیا مسئلہ ہے؟''

''مسئلہ ہے ناں۔ تم گھر نہیں آ سکتے جب تک کہ...... تمہارا اس گھر سے کوئی رشتہ نہیں جڑ جاتا۔'' وہ جھنجھلائی تھی۔

''رشتہ نہیں جڑ جاتا؟ کمال ہے اتنے عرصے کا ساتھ ہے ہمارا۔ پچھلے چھ مہینوں سے ہم اکٹھے رہ رہے ہیں۔ کیا ہوا جو تم رات کو اپنے اس عالیشان مکان کے بیڈروم میں سوتی ہو۔ دن کو تو ہمارا بیڈروم ڈیرے کا وہ چھوٹا سا کمرہ ہے۔ اب اور کیا رشتہ ہونا چاہئے ہمارے درمیان؟'' اس نے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''یہی تو میں کہہ رہی ہوں اسد۔ میں دن رات تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔'' اپنی فطرت کے عین خلاف وہ بہت نرمی سے بول رہی تھی۔

''یعنی شادی کر لیں ہم دونوں؟'' اسد نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''شادی تو ہماری ہو چکی ہے۔ اصل بات تو ایجاب و قبول کی ہی ہوتی ہے ناں، وہ سنا نہیں تم نے میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی؟ تو کیا ضروری ہے کہ خواہ مخواہ لوگوں کو تکلیف دی جائے کہ آؤ اور ہماری خوشی میں شریک ہو۔ جب زندگی ہم دونوں کو گزارنی ہے تو کسی اور کو کیوں شامل کریں۔ تم ادھر میرے قریب آؤ۔ آج تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔ میں تمہارا روپ ہمیشہ کے لئے آنکھوں میں قید کرنا چاہتا ہوں۔ آؤ ناں۔'' اس نے عاصمہ کو بازو سے پکڑ کر قریب کرنا چاہا تو اس نے ہاتھ جھٹک دیا۔

''میں سمجھ گئی اسد۔ تم شادی کرنا ہی نہیں چاہتے ہو۔ کیونکہ تمہاری شادی ہو چکی۔'' وہ ایک دم بھڑک گئی تھی۔

''Oh! come on' cool down'' حالات کو پلٹا کھاتے دیکھ کر اس نے فوراً ٹون بدلی۔

''وہ شادی صرف ایک Paper marriage and nothing، میں نے تو

آج تک اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ تم جانتی ہو مجھے صرف اور صرف تم سے محبت ہے۔ اگر تم میری محبت کا یقین شادی کر کے ہی آئے گا تو چلو۔ اٹھو ابھی اسی وقت میں تم سے شادی کرتا ہوں۔ چلو اٹھو۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔ عاصمہ نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ آج نہیں تو کبھی نہیں۔ میک اَپ درست کر کے اس نے بیگ کندھے پر ڈالا اور اسد کے پیچھے آ گئی۔

''کمدار۔ او کمدار۔'' اس نے ڈرائیور کو آواز لگائی تھی۔ تب ہی کمدار کی بیوی بھاگتی ہوئی آئی۔ ''وہ ملک صیب۔ ملک صیب۔'' عاصمہ نے دیکھا اس کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔ ڈر کے مارے گھبراہٹ کے اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

''کیا بات ہے جلدی بکو۔'' اسد غرایا تھا۔

''وہ اس نے۔ اس نے جی۔ کمدار کے پیٹ میں چھری ماردی جی۔ ملک صیب۔ میں برباد ہو گئی۔'' وہ چیخنے لگی۔

''اُف فوہ کس نے چھری ماردی؟'' اسد جھنجھلایا تھا۔

''وہ جی۔ اس لڑکی نے۔ جسے آپ......'' بات اس کے منہ میں رہ گئی۔ کیونکہ اسد ملک نے خونخوار نظروں سے اسے گھورا تھا۔

''چلو تم...... میں آتا ہوں۔''

اس کے کہنے پر وہ عورت مڑ گئی۔ عاصمہ عجیب خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسد نے اس کا کاندھا تھپکا۔

''کم آن یہاں یہ سب چلتا رہتا ہے۔ تم گاڑی میں بیٹھو میں ذرا دیکھ کے آؤں کیا مسئلہ ہو گیا ہے؟'' وہ اُدھر ہی چلا گیا جدھر وہ عورت گئی تھی۔

عاصمہ کو پہلی بار بڑا عجیب سا احساس ہوا تھا۔ وہ لڑکی کون تھی جسے اسد نے یہاں لا کر رکھا ہوا تھا۔ کہیں اسد اسے کراس تو نہیں کر رہا۔ کہیں ایسا تو نہیں وہ لڑکی بھی اس کی طرح سے آگے اس سے سوچا نہ گیا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی اور اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ گاڑی یہاں سے بھگا لے جائے۔

تھوڑی دیر بعد اسد آتا دکھائی دیا۔ ''یہ کمی کمین لوگ بھی بس ہر وقت دنگے فساد میں لگے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو تو برداشت کر ہی نہیں سکتے اور پتہ نہیں کیوں۔ اس قدر کمدار۔ مجھے علم نہیں تھا۔'' اس نے آتے ہی بولنا شروع کر دیا۔

''کون تھی وہ لڑکی؟'' اس نے خود ہی پوچھا۔

''ارے لڑکی کیا بچی ہے؟ بارہ تیرہ برس کی۔ شرفو مزارعے کی بیٹی۔ بے چارہ مر گیا ہے۔ اکیلی بیٹی تھی۔ میں نے کمدار کے ہاں چھوڑ دی کہ چلو اس کے بچوں کے ساتھ پل جائے گی۔ لیکن کمدار بھی ایک ذلیل نکلا۔ اکیلا جان کر اپنی ہوس پوری کرنے کے چکر میں تھا۔ اس نے آگے سے چھری ماردی۔ بہت اچھا کیا، میں تو کہتا ہوں دو چار اور ماردیتی تا کہ اس جیسے کمینے سے چھٹکارا تو ملتا۔'' اب کے اسد کے چہرے پر دکھ اور ناگواری تھی۔

''اوہ!'' عاصمہ کے سر سے جیسے بوجھ اتر گیا۔ اور وہ پتہ نہیں لمحوں میں کیا سے کیا سوچ گئی تھی۔

''آئی ایم سوری اسد! میں نے پتہ نہیں کیا غلط سلط سوچ لیا تھا تمہارے بارے میں۔'' وہ شرمندہ ہوئی تھی۔

''چھوڑو یار۔ تمہیں اعتبار بھی نہیں مجھ پر۔'' اس نے ناراضگی سے منہ موڑ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

''I am realy sorry! اسد۔ پلیز۔'' اس نے ہاتھ جوڑے تھے۔

''ہاں۔ ٹھیک ہے بس۔'' اس کا موڈ ہنوز آف تھا۔ تب ہی وہ چلایا۔

''Oh my God۔ بابا جان اِدھر کیا کرنے آ رہے ہیں؟'' عاصمہ نے سامنے دیکھا۔ ایک جیپ دھول اُڑاتی چلی آ رہی تھی۔ ''اُف۔ یہ تو سارا کھیل ہی بگڑ جائے گا۔'' اسد نے گاڑی روک دی۔

''عاصمہ پلیز! تم کہیں چھپ جاؤ...... جلدی اترو۔''

''اسد! میں کہاں چھپوں...... کدھر جاؤں پلیز؟'' وہ بوکھلائی تھی۔

''تم اِدھر Left side والی پگڈنڈی پر ہو جاؤ۔ یہ سیدھی سڑک تک جاتی ہے۔ میں آگے سے آ کر تمہیں پک کر لیتا ہوں اور بالفرض اگر نہ آ سکا تو تم میرا انتظار مت کرنا۔ کوئی سواری لے کر گھر پہنچ جانا۔ میں کل آؤں گا۔ ہری اَپ پلیز عاصمہ۔ وہ ہم دونوں کو Shoot کر ڈالیں گے۔'' اس نے عاصمہ کی طرف کا دروازہ کھول کر جلدی کا شور مچایا تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی عاصمہ اتر گئی۔ اس کے اترتے ہی اسد تیزی سے گاڑی آگے بڑھا کر لے گیا۔ عاصمہ کچی پگڈنڈی پر ہو گئی۔ چلتے چلتے اس نے مڑ کر دیکھا، دور تک کسی گاڑی، کی جیپ کا نشان نہ تھا۔ وہ راستے سے انجان تھی۔ کچی پگڈنڈی پر چلتے اسے کافی دیر ہو گئی تھی لیکن ابھی تک کوئی سڑک نظر نہیں آئی تھی۔ ارد گرد کپاس کے کھیت تھے اور دور تک خالی راستہ اور دھیرے دھیرے پھیلتا شام کا اندھیرا۔

یکا یک ہی اسے خوف محسوس ہوا اور اس نے دوڑ لگا دی۔ دوڑتے دوڑتے اس کا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا اور اگلے ہی پل وہ منہ کے بل زمین پر آ گری۔ اور اس سے پہلے کہ وہ زمین سے اٹھتی کسی نے اسے بالوں سے دبوچ لیا۔ ایک چیخ سناٹے میں گونجی تھی اور اس کے بعد وہی خاموشی چھا گئی۔ جو پہلے تھی۔

اگلے دن اخبار میں جو خبر چھپی وہ کچھ اس طرح تھی۔

''مشہور صنعت کار اور حیات انٹر پرائزز کے مالک حیات آفندی کی بیٹی عاصمہ حیات کو ڈاکوؤں نے قتل کر ڈالا۔'' تفصیلات کچھ یوں تھیں کہ۔

''عاصمہ شاپنگ کے لئے نکلی تھیں کہ راستے میں کچھ ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کر دیا۔ وہ پرس میں موجود نقدی، زیورات اور گاڑی لے کر فرار ہو گئے۔ جب کہ عاصمہ کی لاش کو وہ نہر کے کنارے پھینک گئے۔''

اسد ملک نے نہایت سکون سے یہ خبر پڑھی اور اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔

''چلو یہ باب بھی بند ہوا'' اس نے مسکراتے ہوئے سوچا تھا۔

☆======☆======☆

''اوہ نو!'' ارمغان تو سناٹے میں رہ گیا تھا۔ اس نے فوراً فرحان کا نمبر ملایا۔

''ہیلو بھائی آپ نے خبر پڑھی عاصمہ بھابی......''

''ہاں!'' اُدھر سے اطمینان بھرا جواب آیا۔ ''وہ جس راستے پر چل رہی تھی اس کا یہی انجام ہونا چاہئے تھا۔ اب پتہ نہیں لوٹنے والے سچ مچ کے ڈاکو تھے یا وہ خود ڈاکو سے ملی ہوئی تھی۔'' وہ زہر خند ہوئے تھے۔

''جو بھی ہو بھائی جان رشتہ تو اس کا آپ سے برقرار رہا ہے ناں۔'' ارمغان سچ مچ افسردہ تھا۔

''نہیں! وہ جو نام کا رشتہ برقرار تھا وہ بھی ختم ہو چکا۔ تین ماہ قبل وہ کسی اسد ملک کے ساتھ آئی تھی میرے آفس اور اس کی ڈیمانڈ پر میں نے اس کو طلاق دے دی تھی۔ میرا اس سے اب کوئی رشتہ نہیں۔ ہاں حیات انکل کے احسانات کے جواب میں مَیں نے ان سے تعزیت کرنے کو فون کیا تھا لیکن وہ ابھی تک پاکستان پہنچے نہیں۔ اینی وے۔ کارڈز آج شام مل جائیں گے تم جلدی آ جانا۔ یہ کام آج ہی نمٹ جائے تو اچھا ہے۔ پھر دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ پھر [illegible] والا مسئلہ بھی حل کرنا ہے۔ مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی اب نوما کے سسرال والوں سے کیا بہانہ کریں۔''

موضوع ہی بدل گئے تھے۔

''صاف صاف کہہ دیتے ہیں اب اور کیا ہو سکتا ہے۔'' ارمغان کو یہی مناسب لگا۔

''چلو دیکھتے ہیں، بہر حال تم شام کو آ جانا۔ اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔'' ارمغان نے فون بند کیا اسی وقت عزیز احمد اندر داخل ہوئے۔

''آیئے انکل کیسے ہیں آپ؟'' وہ گرمجوشی سے ان کی طرف بڑھا۔ انہوں نے ہاتھ ملانے کے بعد اس کا سر تھپکا۔ ''تشریف رکھیئے۔'' انہیں بیٹھنے کا کہہ کر وہ انٹر کام پر چائے کے لئے کہنے لگا۔

''تیاری کیسی چل رہی ہے بیٹا۔ میرے لائق کوئی کام ہو تو میں حاضر ہوں۔''

''نہیں انکل بس تھینک یو! آپ کی دعا سے سب تیاری مکمل ہے۔ کارڈز آج مل جائیں گے شاید شام کو میرا چکر لگے۔'' وہ ممنون ہوا۔ عزیز احمد چند لمحے خاموش رہے پھر پوچھنے لگے۔

''مہرینہ ملک کیسی ہے؟''

''مہرینہ ملک کی حالت تو ویسی ہی ہے انکل۔ کبھی کبھی تو ان کی باتیں سمجھ دار لوگوں والی ہوتی ہیں۔ لگتا ہی نہیں کہ یہ ابنارمل ہیں لیکن بات کرتے کرتے وہ جب کسی ایک لفظ پر اٹک جاتی ہیں پھر ان سے کچھ اور کہلوانا ناممکن ہو جاتا ہے۔''

''کیا میں مل لوں؟'' انہوں نے اجازت چاہی۔

''ہاں کیوں نہیں...... لیکن چائے پینے کے بعد۔'' وہ مسکرایا۔ چائے آ گئی تھی۔ ارمغان نے چائے بنا کر عزیز احمد کو دی۔ پھر اپنا کپ لے کر اپنی سیٹ پر جا بیٹھا۔ عزیز احمد خاموشی سے چائے کے Sip لینے لگے۔

''انکل اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ مہرینہ کا آپ سے کیا رشتہ ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اس طرح ہمیں بہت آسانی ہو گی کیس سمجھنے میں اور ہو سکتا ہے ہمیں کوئی Clue مل جائے۔'' ارمغان نے بغور عزیز احمد کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ عزیز احمد جیسے چونکے تھے پھر اگلے ہی پل Normal ہو کر کہنے لگے۔

''رشتہ کیا ہونا ہے بیٹے۔ بس ہم ایک ہی گاؤں میں رہتے تھے اسی ناطے۔''

''اچھا!'' ارمغان کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

''ویسے یہاں ان کو کون چھوڑ گیا۔ میرا مطلب ہے یہ گھرانہ تو پردے کا سخت پابند تھا؟'' عزیز احمد نے سوال کیا شاید اس طرح وہ ارمغان کی توجہ ہٹانا چاہ رہے تھے۔

''Actually نوما کے سسرال سے ان کی عزیز داری ہے۔ یہ اپنی بھتیجی کے ساتھ وہاں

ٹھہری ہوئی ہیں۔"

"ہوں!" انہوں نے پُرخیال انداز میں سر ہلایا۔ پھر اٹھتے ہوئے بولے۔ "ایک بات کہوں ارمغان بیٹا۔ تم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر یہ ٹھیک ہوگئی تو اور بہت کچھ خراب ہو جائے گا۔ پلیز۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انکل۔ یہ میری Patient ہے۔ میں ان کو ایسے کیوں چھوڑ دوں اور ان کے ٹھیک ہونے سے کیا ہوگا؟" ارمغان کو ان کے یوں کہنے پر شدید حیرت ہوئی تھی۔

"یہ بہتر ہے۔ بہت بہتر۔" وہ اس کا کاندھا تھپکتے ہوئے باہر نکل گئے۔ ارمغان گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ نہ کچھ کالا تھا ضرور۔ صرف ایک گاؤں کے باسی ہونا کوئی ایسی عزیز داری نہیں تھی جو وہ یوں متفکر تھے۔

"سر آپ کو ڈاکٹر صاحب بلا رہے ہیں۔" وارڈ بوائے کے آنے سے اس کا سلسلۂ سوچ منقطع ہوا۔

"آ رہا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

☆======☆======☆

"تم سمجھتی نہیں ہو؟" سلیمان ملک چلائے تھے۔ "کیس ری اوپن ہونے سے پہلے سجاول کا ٹھیک ہونا بہت ضروری ہے۔ ورنہ ہم پر دوہرے نکاح کا کیس تو بنے گا ہی ساتھ میں ایک پاگل کے ساتھ زبردستی شادی کرنے کے جرم میں سزا بھی ہو جائے گی اور یہ ملک پور تو سمجھو پھر ہاتھ سے گیا ہی گیا۔" جب سے احسن انصاری ہو کر گئے تھے ان کا سکون برباد ہو کر رہ گیا تھا۔ حفیظہ ملک اور مہرینہ کا بھی کہیں پتہ نہیں تھا۔ ویسے اب انہیں شک سا ہونے لگا تھا کہ وہ دونوں احسن انصاری کے پاس ہیں ورنہ احسن انصاری کا یوں آنا اور اس طرح دھمکی دینا خالی از وجہ نہیں تھا۔

"ملک پور۔ ملک پور۔ ملک پور آخر ہے کیا ملک پور میں۔ ملک صاحب جو یوں آپ نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ آخر اور کتنا ظلم ہوگا اس ایک ملک پور کے لئے۔ آپ کے سارے ظلموں کا حساب آپ کی بیٹی کو بے باق کرنا پڑ رہا ہے۔ کیا یہ سزا کافی نہیں ہے ہمارے لئے۔ میں تو کہتی ہوں لعنت بھیجیں ملک پور پر اور چلیں اپنے گھر۔ ہمیں کچھ نہیں لینا حفیظہ سے بلکہ حویلی اور گاؤں سے۔ رحم کھائیں اپنی بیٹی پر۔" راشدہ بیگم کی قوت برداشت جواب دے گئی تھی۔ سلیمان ملک ان کی اس جرأت پر ششدر رہ گئے۔

"تمہاری اتنی ہمت! بہت زبان چلنے لگی ہے راشدہ بیگم تمہاری۔ مجھے کیا کرنا ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں اور یہ ملک پور...... یہ تو میری اس شکست کا بدلہ ہے جو رحمٰن ملک نے مجھے آج سے تیس سال قبل گاؤں بدر کر کے دی تھی اور میں نے اسی دن سوچ لیا تھا کہ اپنی ذلت کا بدلہ ضرور لوں گا اور تم نے دیکھا راشدہ بیگم۔ آج اس کا نام لیوا کوئی نہیں ہے۔ ہاہاہا...... تم نے دیکھا کیسے اس کی بیٹی کی بارات لوٹی۔ تم نے دیکھا رحمٰن ملک نے کیسے تڑپ تڑپ کر مجھ سے اپنی بیٹی کی خوشیاں مانگیں۔ تم نے دیکھا میں نے کیسے بھری عدالت میں اس کی بیٹی کو رسوا کیا۔ عدالت سے طلاق دلوائی اور کیسے ذلیل و خوار ہو کر وہ سجاول کے نکاح میں آئی اور سجاول میرا بیٹا۔ ارے تھوڑا سا دیوانہ ہی تو ہے کیا ہوا؟ اور اگر وہ شادی کے بعد اس طرح پاگل ہو جاتا تو کیا وہ چھوڑ دیتی۔ تمہیں عقل نہیں ہے راشدہ بیگم بالکل بھی عقل نہیں ہے اور اب تم کہتی ہو کہ میں اس ملک پور پر لعنت بھیجوں۔

میں تم سمیت ہر چیز پر لعنت بھیج سکتا ہوں مگر ملک پور پر نہیں۔ یہ میری تیس سالہ ریاضتوں کا اجر ہے۔ یہ ان دھکوں کا صلہ ہے جو رحمٰن ملک نے مجھے دیئے۔ میں وہی تو لوٹا رہا ہوں۔ کچھ زیادہ تو نہیں...... ہاہا...... ہاہا۔" وہ دیوانہ وار قہقہے لگانے لگے۔

"صاحب گوٹھ سے فون آیا ہے، بی بی صیب چھت پر سے گر گئی ہیں۔ آپ جلدی پہنچیں۔" باہر سے کسی نوکر کی آواز آئی تو وہ دیوانہ وار باہر لپکے۔ راشدہ بیگم بھی گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کون گر گیا ہے؟" انہوں نے دہل کر راکھے کو آواز دی۔

"اپنی بی بی صیب جی۔ بہت پریشان تھیں۔ آپ فوراً پہنچ جائیں۔" دونوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ سلیمان ملک نے ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کو کہا۔

راشدہ بیگم بھی جلدی سے چادر اوڑھ کر آگئیں۔ تمام راستہ وہ دعائیں کرتی آئی تھیں۔ مہرینہ تھی بھی امید سے۔ ایسی حالت میں چھت سے گر جانا۔

"یا اللہ خیر کرنا!" انہوں نے کانپ کر دعا مانگی تھی۔ نوکر نے باہر سے ہی ہاسپٹل کا پتا بتا دیا تھا اور ان کی گاڑی تیزی سے رواں تھی۔

"اللہ کو آپ کے بڑے بول پسند نہیں ملک صاحب۔ توبہ کریں۔" راشدہ بیگم نے روتے ہوئے ملک صاحب کو نصیحت کی۔

"اچھا تم چپ کرو۔ خواہ مخواہ ملانی جی بننے کی ضرورت نہیں۔" انہوں نے انہیں ڈپٹ دیا۔ کچھ لوگوں کو کبھی بھی نصیحت نہیں ہوتی۔ شاید ایسے ہی دل ہوتے ہیں جن پر اللہ نے مہر لگا

رکھی ہے۔ جو کچھ سننے، کچھ کہنے اور کچھ بولنے کے قابل نہیں ہوتے۔ تو ان کے لئے پناہ کیسی؟ مدد کیسی؟

گاڑی رکتے ہی وہ تیزی سے اندر بھاگے تھے۔ کاؤنٹر سے معلومات لے کر وہ اوپر پہنچ ہی رہے تھے کہ شہباز ملک نیچے اترتے دکھائی دیئے۔

''کیا ہوا میری بیٹی کو؟'' سلیمان ملک بے تابانہ ان کی طرف بڑھے تھے۔

''دھیرج رکھیں بھائی صاحب۔'' شہباز ملک نے ان کا ہاتھ تھپکا۔ ''آپ اوپر چلیں میں ایک فون کر کے آتا ہوں۔'' ان کو تسلی دے کر وہ سیڑھیاں اتر گئے۔ تہمینہ بیگم موجود تھیں۔ ہراساں و پریشان۔ ''کیا کر دیا تم نے میری بیٹی کو؟'' راشدہ بیگم نے جاتے ہی دہائی دی تھی۔

''آرام سے بھرجائی۔ آپریشن تھیٹر میں ہے وہ۔ یہ وقت دعا کرنے کا ہے۔ دعا کریں آپ۔'' تہمینہ نے نہایت اطمینان سے کہا تو وہ بھڑک گئیں۔

''کدھر ہے وہ اسد۔ میں اس سے پوچھتی ہوں۔ وہ کس بات کا بدلہ لے رہا ہے میری بیٹی سے۔'' سلیمان ملک ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر انہیں پرے گھسیٹ لے گئے۔

''یہ ہاسپٹل ہے راشدہ بیگم۔ خواہ مخواہ چیخ چلا کر مسئلہ کھڑا نہ کرو۔ یہ ساری باتیں گھر جا کر بھی ہو سکتی ہیں۔ کسی کے کان میں ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی تو یہاں پولیس آجائے گی۔ اپنی عقل اور زبان کو قابو میں رکھو۔'' دبی دبی آواز میں وارننگ تھی۔ راشدہ بیگم چپ کر گئیں لیکن ان کے اندر لاوا ابل رہا تھا۔

سلیمان ملک اب تہمینہ کے پاس کھڑے اسد کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ ''ملک صاحب گئے ہیں اسے فون کرنے۔'' تہمینہ بیگم نے نظریں جھکا کر جواب دیا تھا۔

''کہاں فون کرنے۔ کوئی خبر ہے اس کی؟'' ان کا لہجہ آپ ہی آپ درشت ہو گیا تھا۔

''آپ فکر کیوں کرتے ہیں بھائی صاحب ابھی آجائے گا۔''

''میری بیٹی کو۔ تہمینہ! میری بیٹی کو کچھ نہیں ہونا چاہئے۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو...'' بات ادھوری چھوڑ کر دوسری طرف چلے گئے۔

تہمینہ بیگم ایک لمحے کو تو کانپ ہی گئیں۔ وہ اپنے بھائی کی فطرت سے واقف تھیں لیکن اب تک انہوں نے جو کچھ دیکھا تھا سب دوسروں کے ساتھ ہوتا دیکھا تھا۔ وہ ان کی بہن تھیں۔ کچھ تو لحاظ کریں گے...... لیکن یہ ان کی اپنی سوچ تھی۔

سلیمان ملک واقعی کچھ بھی کر سکتے تھے لیکن اس میں ان کا کیا قصور تھا۔ انہوں نے رومانہ کی کڑی نگرانی رکھی تھی۔

جس دن سے اس نے اعلان کیا تھا کہ وہ وارث پیدا نہیں کرے گی۔ وہ سائے کی طرح اس کے ساتھ رہا کرتی تھیں۔ جس رات اسد ڈیرے پر ہوتا وہ اس کے کمرے میں سوتیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام ملازماؤں کو بھی خصوصی ہدایات جاری کی گئی تھیں اور پانچ ماہ ٹھیک ٹھاک گزر گئے تھے لیکن آج ہی ان سے غلطی ہو گئی۔ وہ باتھ روم گئیں اور جاتے ہوئے نصیبن کو ہدایت کر کے گئیں کہ وہاں سے ہلے نہیں لیکن پتہ نہیں رومانہ نے کیسے اسے باہر بھیج دیا اور خود چٹخنی لگا کر اوپر چلی گئی۔ ٹھیک اسی وقت اسد آیا تھا اور اس نے باہر سے رومانہ کو اوپر جاتے دیکھ لیا تھا۔ وہ پیچھے بھاگا۔ ''دیکھو رومانہ کوئی غلطی مت کرنا۔'' ساتھ میں چلایا بھی تھا لیکن رومانہ ان سنی کرتے سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔ وہ آخری سیڑھی پر تھی جب اسد نے اسے جالیا۔

''مت چھوؤ مجھے اسد ملک۔ میں تمہاری خاندانی بیوی تو ہوں مگر میرے بطن سے تمہیں کوئی وارث نہیں ملے گا۔'' وہ خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرانے کی بھرپور جدوجہد کر رہی تھی۔ پھپھو بیگم دل پہ ہاتھ رکھے ششدر کھڑی تھیں۔

اسد ملک کا ہاتھ اٹھا اور اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔ اس کی گرفت پل بھر کو ڈھیلی ہوئی۔ ''تم ذلیل انسان۔'' رومانہ نے خود کو چھڑاتے ہوئے اس کے سینے پر مکا مارنا چاہا اور اسی لمحے اس کا پاؤں پھسل گیا۔ اسد باوجود کوشش کے اسے نہ بچا سکا اور وہ لڑھکتی ہوئی سب سے آخری سیڑھی پر جا گری۔

پھپھو بیگم کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ رومانہ نے البتہ ساری چیخیں روک لیں اسد پاگلوں کی طرح اس پر جھکا چیخ رہا تھا اور تکلیف سے کراہتے ہوئے وہ ہنسے جا رہی تھی۔ کسی نے باہر شہباز ملک کو خبر کر دی۔ وہ بھاگے آئے اور فوراً اس کو گاڑی میں ڈال کر اسپتال لے گئے۔ اسد اور تہمینہ دوسری گاڑی میں پیچھے تھے۔ اسد نے انہیں اسپتال کے سامنے اتار دیا۔

''تم نہیں چلو گے؟'' تہمینہ بیگم نے پوچھا۔

''نہیں۔ ایسی خودسر اور ضدی لڑکی کے لئے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں۔'' وہ کٹھور پن سے کہتا گاڑی آگے بڑھا کر لے گیا۔

اس کو فوراً ایمرجنسی میں لے جایا گیا۔ شہباز ملک اسد ملک کو فون پر ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اس نے اپنا موبائل آف کر دیا تھا۔ تھک ہار کر وہ آ گئے تھے۔

سب ہی چپ تھے۔ کوئی انہونی انہیں ہولائے دے رہی تھیں۔ راشدہ بیگم آنکھیں بند کئے مسلسل دعائیں کر رہی تھیں۔ تہمینہ بیگم کبھی بھائی کو دیکھتیں کبھی شوہر کو۔ دونوں سر جھکائے بیٹھے تھے۔

وہ ان کے پاس جانے کے ارادے سے اٹھی ہی تھیں کہ آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا۔ وہ سب ایک ساتھ اُدھر بھاگے۔

☆======☆======☆

ڈھولک بجا کے، سہیلیاں بلا کے
بنڑے کے گیت میں گاؤں گی
ہو اپنے بھیا کو دولہا بناؤں گی
ہو بھیا۔ پیارے پیارے بھیا، بھولے بھالے بھیا

رحمہ اور شنزا گلا پھاڑ رہی تھیں۔

''ارے حفیظہ تم تالی ہی بجادو۔'' رحمہ نے ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی حفیظہ سے کہا۔

''ہاں تو۔'' اس کے کہنے پر اس نے ہاتھوں کو حرکت دی۔

''چلو اب تھوڑا سا سُر بھی ملالو۔ کیا حرج ہے۔'' شنزا نے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ حقیقتاً وہ اس وقت سخت کنفیوز ہو رہی تھی کیونکہ سامنے صوفے پر بیٹھے زادان احسن اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ اسے ان سے سخت قسم کی کوفت محسوس ہونے لگی تھی۔

جس طرح کی باتیں انہوں نے کی تھیں اور اب جس طرح ہر وقت اس کو نظروں میں رکھے ہوئے تھے وہ سخت برے لگنے لگے تھے۔ دو دن بعد شادی تھی اور وہ اب بھی۔

''جی اِدھر تو محفل جمی ہوئی ہے، ہم سمجھ رہے تھے ہماری غیر موجودگی بڑی کھل رہی ہوگی۔'' صبیحہ اندر آتے ہوئے بولیں۔ تو سب ہی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ رحمہ اور شنزا اٹھ کر ملنے لگیں۔ حفیظہ نے سلام کیا اور پھر موقع غنیمت جان کر کھسک گئی۔ زادان کی نظروں سے بچنے کا بہترین موقع تھا۔

وہ باہر لان میں چلی آئی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی لان چیئر پر آ بیٹھی۔ پچھلی راتوں کا چاند بہت زرد تھا یا پھر اسے لگا۔ ہر چیز اداسی میں ڈوبی محسوس ہو رہی تھی۔ پتہ نہیں انکل، سلجوق شاہ سے ملے بھی ہوں گے یا نہیں اور سلجوق نے کیسے ری ایکٹ کیا ہوگا۔ وہ تو شاید اس خوشی سے سنبھل ہی نہ سکیں۔ انہیں امید ہی نہ ہوگی کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ انہیں مجھ سے تو رابطہ کرنا چاہئے تھا لیکن شاید انکل نے انہیں بتایا ہی نہ ہو کہ میں یہاں ہوں۔ زندگی کی الجھی ڈور سلجھنے کی امید پیدا ہو چلی تھی۔ من آپ ہی آپ سوچنے لگا۔ سلجوق شاہ کا خیال ہی کیسا جاں فزا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے کی چھائی اداسی جیسے یک لخت دور ہو گئی۔ اسے چاند مسکراتا محسوس ہونے لگا۔

''لگتا ہے کوئی بہت خوبصورت بات سوچ رہی ہیں آپ؟'' زادان احسن اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولے تھے۔ وہ خیالات کا سلسلہ ٹوٹ جانے پر ناگواری سے انہیں دیکھنے لگی لیکن انہوں نے مطلق پرواہ نہ کی۔

''کیا بات ہے حفیظہ آپ کو میرا یہاں بیٹھنا برا لگ رہا ہے؟'' ڈھیٹ بنے پوچھنے لگے۔

وہ بنا جواب دیئے اٹھنے لگی کہ زادان نے اس کے پاؤں پر پاؤں رکھ دیا۔ وہ کسمسا کر رہ گئی۔

''آپ میری کسی بھی بات کا جواب دینا پسند نہیں کرتیں کیوں؟'' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ پوچھ رہے تھے۔ حفیظہ نے ایک جھٹکے سے اپنا پاؤں کھینچا اور لہجے میں جتنی نفرت سموئی جا سکتی تھی سمو کر بولی۔

''اس لئے زادان بھائی کہ میں اس طرح کی اوچھی باتوں کا جواب دینا اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہوں۔ کیا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو؟ میں مہمان ہوں آپ کے گھر میں کیا آپ مہمانوں سے یہی وطیرہ اختیار رکھتے ہیں؟ شادی ہو رہی ہے آپ کی۔ ایک لڑکی آپ کے نام کے خواب سجائے منتظر بیٹھی ہے اور آپ اپنی کشتیوں کا رخ نئی منزل کی طرف موڑ رہے ہیں۔ زادان بھائی، یوں قدم قدم پر منزل بدل لینے سے صرف خواری حصے میں آتی ہے اور کچھ نہیں۔ آپ صحیح راستے پر چلیں۔ بار بار اِدھر اُدھر دیکھیں گے تو راستہ بھول جائیں گے اور یہ راستہ تو آپ کے لئے ہے ہی نہیں۔'' دل کا غبار نکال کر وہ وہاں رکی نہیں۔ تیزی سے نکلتی چلی گئی۔

دیکھا ہی نہیں کچھ فاصلے پر کھڑے احسن انصاری سب کچھ سن چکے تھے اور بے حد تاسف سے زادان کو دیکھ رہے تھے جن کا سر شرمندگی سے جھک گیا تھا۔

''مجھے تم سے یہ امید نہ تھی زادان۔'' زادان احسن کا بس نہ چل رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائیں۔ احسن انصاری اندر جا چکے تھے اور ان میں اندر جانے کا حوصلہ نہ تھا۔

وہ تھکے تھکے انداز میں وہیں بیٹھ گئے۔ ان کی کیفیات بڑی عجیب سی ہو رہی تھیں۔ وہ سوچ رہے تھے جو وہ کر رہے تھے غلط تھا سراسر غلط، لیکن پتہ نہیں انہیں کیا ہو گیا تھا۔ ان کا جی چاہتا تھا وہ ساری دنیا چھوڑ کر اس لڑکی کو اپنی پناہوں میں لے لیں اور ایسے میں انہیں ایک بار بھی نوما کا خیال نہیں آتا تھا۔ وہی نوما جسے ایک بار دیکھ لینے کے بعد انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ شادی کریں گے تو اس لڑکی سے۔ وہ لڑکی جیسے ان کے لئے ناگزیر ہو گئی تھی اور پھر رحمہ نے ان کی خاطر اس لڑکی کو ڈھونڈ نکالا تھا۔ بعد میں اس کے گھریلو حالات کی وجہ سے بیگم احسن رضامند نہ تھیں لیکن خود انہوں نے Pressurised کیا تھا۔ نوما کے حالات کبھی بھی نارمل نہیں

رہے تھے حتیٰ کہ فرحان کی دوسری شادی پر بھی وہ معترض ہوئی تھیں لیکن یہاں بھی رحمن نے حالات سنبھالے تھے اور سب کچھ ٹھیک ہوتا چلا گیا تھا اور سب کچھ اب بھی ٹھیک ہی تھا۔ وہ مدد لوٹتے وقت صرف اور صرف نوما کے بارے میں سوچتے آئے تھے۔ ڈھیر ساری شاپنگ انہوں نے نوما کے حوالے سے کی تھی لیکن یہاں آتے ہی کایا پلٹ گئی تھی۔

انہیں گھنی پلکوں والی حفیظہ ملک چونکا گئی تھی اور اس کی ذات کا یہی پرتو تھا جس نے انہیں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ بلا ارادہ سب کچھ اس سے کہنے لگے تھے۔ جو ان کے کردار کے سراسر منافی تھا۔ وہ کوئی دل پھینک یا عاشق مزاج قسم کے نہ تھے۔ زندگی بڑی سیدھی سادی گزاری تھی۔ بس یہ اچانک ہی کھلا ہو گیا تھا اور کھلا بھی ایسا کہ سب کچھ تلپٹ ہو گیا تھا۔

"ارے دولہا میاں تم کیوں اداس بلبل کی طرح بیٹھے خلاؤں میں گھور رہے ہو۔ اندر آؤ، یہ جو دھما چوکڑی مچی ہے تمہارے لئے ہے۔ انجوائے کر واپنی آخری ہنسی کو، پھر تو تم نوما بی بی کے اشاروں پر ہنسونا چوگا وٴ گے۔" صبیحہ کھڑکی سے منہ باہر نکالے ہنس رہی تھی۔ وہ اٹھ گئے۔

زندگی میں کبھی کبھی وہ سب ہو جاتا ہے جس کے بارے میں انسان کو توقع نہیں ہوتی اور پھر سمجھ بھی نہیں آتی کہ آخر کیا کیا جائے۔ شاید اسی کو بے بسی کہتے ہیں۔ انہوں نے اندر داخل ہو کر نظر دوڑائی۔ حفیظہ ملک اطمینان و سکون سے تالیاں پیٹ رہی تھی۔ اب اذغان ڈھولک کی تھاپ پر ڈانس کر رہا تھا اور وہ سب ہنس ہنس کر بے حال ہوتی جا رہی تھیں۔ زادان کو خود کو اس ماحول کا حصہ بنانے میں چند منٹ ہی لگے تھے۔

☆======☆======☆

"مہرینہ۔ مہرینہ مجھے پہچانو۔ میں عزیز احمد ہوں۔" وہ بے تابی سے گویا ہوئے۔

ارمغان سر جھکائے بظاہر متوجہ نہیں تھا لیکن وہ عزیز احمد کی ایک ایک حرکت کو نوٹ کر رہا تھا۔ مہرینہ نے آنکھیں کھولی تھیں اور اب ایک ٹک عزیز احمد کو گھور رہی تھیں۔ پھر جیسے ان کی سپاٹ آنکھوں میں چمک اُتری تھی۔ وہ عزیز احمد کو بغور دیکھتی رہیں۔ پھر ایک دم ہی کروٹ بدل لی۔

"مہرینہ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ تمہاری بیٹی میرے پاس ہے۔ وہ زندہ ہے مہرینہ تمہاری بیٹی زندہ ہے۔" ارمغان نے جس سرعت سے سر اٹھایا تھا، مہرینہ ملک اتنی ہی تیزی سے اٹھی تھیں۔

"میں نے تمہاری بیٹی کو بچا لیا تھا مہرینہ سچ مچ۔" وہ انہیں یقین دلا رہے تھے اور مہرینہ ملک جیسے زندہ ہوتی جا رہی تھیں۔ انہوں نے اپنی گود پر نظر ڈالی۔ پھر اپنے بازو پھیلائے۔

"بیٹی، میری بیٹی میری لالہ...... ہاں میری بیٹی۔" بازو سینے سے بھینچے وہ کبھی رو رہی تھیں کبھی ہنس رہی تھیں۔

"تم عزیز احمد ہو عزیز احمد، انہوں نے مار دیا۔ احمد یار کو مار دیا، لالہ کو بھی مار دیا۔ وہ حویلی بنا ہی ہے سب کچھ کھا جاتی ہے۔ وہ احمد یار کو بھی کھا گئی، لالہ کو بھی کھا گئی۔ مجھے بھی کھا گئی، یہ دیکھو۔" اس نے ہاتھ پھیلائے۔

"دیکھو یہ ایسے تو نہیں تھے۔ یہ تو بہت خوبصورت تھے۔ تم ہی کہتے تھے عزیز ہے ناں۔"

"ہاں!" انہوں نے مہرینہ کے ہاتھ تھامے۔ جھریوں زدہ سیاہ رنگت والے ہاتھ۔ واقعی کبھی یہ بے حد خوبصورت ہوتے تھے۔

"میری بیٹی کیسی ہے۔ لالہ کیسی ہے۔ ہوں...... بہت خوبصورت۔" وہ اشتیاق سے پوچھ رہی تھیں۔

"ہاں تم ٹھیک ہو جاؤ پھر میں تمہیں تمہاری بیٹی سے ملوانے لے چلوں گا۔" عزیز احمد نے وعدہ کیا تو انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں ٹھیک ہوں بالکل۔" وہ اپنے آپ پر نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگیں۔ "مجھے کچھ نہیں ہوا میں بالکل اچھی ہوں۔ تم مجھے ابھی اس کے پاس لے چلو۔" انہوں نے بے قراری سے کہا تو عزیز احمد اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں لالہ کو لے کر آتا ہوں۔" انہیں تسلی دے کر وہ ارمغان کی طرف متوجہ ہوئے۔ جو اب بڑی عجیب نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ شکوہ کرنے لگا۔

"آپ نے چھپایا کیوں انکل؟"

"کیا...... میں نے کیا چھپایا؟" وہ نظریں چرا گئے۔

"یہی کہ مہرینہ ملک آپ کی بیوی ہیں۔"

"نہیں نہیں۔" انہوں نے بات کاٹی۔ "وہ میری بیوی نہیں ہے، بس ناجیہ کی ماں ہے۔"

"کیا؟" ارمغان کو دھچکا لگا۔

"ناجیہ، آپ...... مہرینہ What a jigsaw puzzle، میں سخت Confuse ہو رہا ہوں انکل؟" اس نے عجیب مشکوک نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"کوئی غلط خیال دل میں مت لانا ارمغان، شادی سے فارغ ہو کر آنا میں تمہیں بتاؤں گا سب کچھ ناجیہ کو بھی۔" وہ اس کا کندھا تھپکتے ہوئے باہر نکل آئے۔

بعض حقیقتیں اتنی تلخ ہوتی ہیں کہ چاہنے کے باوجود ان کی تلخی بھلائی نہیں جا سکتی اور عزیز

احمد بھی ایسی ہی تلخیوں کا شکار تھے۔ ایسی ہی تلخیوں کا بوجھ اٹھائے پھر رہے تھے اور یہ بوجھ اٹھائے اٹھائے تھک گئے تھے اور اب اس بوجھ سے رہائی چاہتے تھے۔

☆======☆======☆

فون کی گھنٹی کافی دیر سے بج رہی تھی۔ ہر کوئی اپنی اپنی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اذغان مہندی کا سامان لے کر ابھی تک نہیں لوٹا تھا اور سب بڑبڑاتی پھر رہی تھیں۔

حفیظہ کسی کام سے اِدھر آئی تو فون کی گھنٹی بجتی دیکھ کر تذبذب میں پڑ گئی۔ فون سنے نہ سنے۔ لیکن ارد گرد کسی کو نہ پا کر اسے فون اٹھانا پڑا۔

"ہیلو۔" بہت مدھم آواز میں اس نے کہا تھا۔

"ہیلو احسن انصاری صاحب سے بات ہو سکتی ہے، میں سلجوق شاہ بول رہا ہوں۔"

اُدھر سے آتی آواز اس کی دھڑکنیں منتشر کر گئی۔ کیسی جادو جگاتی آواز تھی۔

"میں سلجوق شاہ بول رہا ہوں۔" سماعتوں نے تکرار کی۔

"ہیلو! ہیلو۔" اِدھر سے طویل خاموشی پر اُدھر سے آواز آئی۔

"جج، جی!" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

"احسن انصاری کا نمبر ہے ناں یہ پلیز ان سے بات کرا دیں۔"

"وہ، مم میں حفیظہ...... حفیظہ ملک ہوں۔" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی اور ادھر بھی کی وہی حالت تھی جو حفیظہ کی ہو رہی تھی۔

"کیسی ہیں حفیظہ آپ؟" وہ خود پر قابو پا کر بولے تھے۔

"ٹھیک ہوں۔" گزرے دن آنسو بن کر حلق میں گھل گئے۔

"آپ یہاں کیسے ملک پور...... اوہ وہاں سب خیریت تو ہے ناں؟"

"حفیظہ پلیز ذرا اذغان کی سواری باد بہاری تشریف لے آئی ہے۔ ذرا کام نمٹا لیں۔"

رحمہ کی آواز آئی تھی اور اس نے گھبرا کر بنا جواب دیئے ریسیور رکھ دیا اور بھاگ کر...

"میں سلجوق شاہ بول رہا ہوں۔" ایک جملہ سماعتوں میں رس گھول رہا تھا۔

وہ بے خود ہوئی جا رہی تھی۔

"حفیظہ یہ کیا کر رہی ہو؟" رحمہ نے ٹوکا تو وہ حواسوں میں آئی۔ دیکھا تو وہ ساری مہندی نیچے گرا رہی تھی۔

"اوہ آئی ایم سوری۔" اس نے فوراً معذرت کی اور جلدی سے ٹھیک کرنے لگی۔

"میڈم حفیظہ آپ کو نیچے ڈیڈی بلا رہے ہیں۔ فوراً حاضر ہو جائیں۔" اذغان نے...

پہنچا پایا

"اچھا آ رہی ہوں۔" اس کا دل انجانے وہم سے دھڑک اٹھا تھا۔

"ہاں بیٹا تیاری ہو گئی؟" وہ نیچے آئی تو انکل سیڑھیوں کے پاس ہی مل گئے۔

"جی بس تھوڑی دیر ہے۔" اس نے دھیمے سے جواب دیا۔

"تمہاری بات ہوئی سلجوق شاہ سے؟" انہوں نے اچانک پوچھا تو وہ فوراً کوئی جواب نہ دے سکی۔

"میں نے سلجوق شاہ کو کل Invite کر لیا ہے وہ آئے گا۔ تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔"

اس کی خاموشی پر انہوں نے کہا تو وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"Take it easy۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" انہوں نے اس کا سر تھپکا تو وہ مسکرا دی۔

"چلو بھئی چلو مزید دیر نہیں، دس منٹ تک جو بھی گاڑی میں بیٹھ گیا، بیٹھ گیا اس کے بعد کوئی نہ کہے۔" اذغان نے اندر آتے ہی دھمکی دی۔

"اچھا! تمہیں تو خواہ مخواہ جلدی مچانے کی عادت ہے۔" رحمہ نے چڑ کر کہا۔

"کہاں یار جلدی میں تو کافی لیٹ ہو رہا ہوں۔ کیوں شزا؟" وہ اس کی طرف جھکا، وہ جھینپ کر وہاں سے ہٹ گئی۔

اور پھر اس کے جلدی مچانے کے باوجود نو بج ہی گئے تھے۔ مزید ستم ہوا کہ اذغان کو راستہ بھول گیا۔ اب چونکہ باقی گاڑیاں بھی اس کے پیچھے تھیں اس لئے وہ بھی بھٹکتے پھرے۔ پھر صبیحہ کے کہنے پر اذغان نے فون پر دوبارہ ایڈریس لیا، تب کہیں ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ پہنچے۔

پھولوں کی پتیوں سے ان کا استقبال ہوا۔

نوما پیلے جوڑے میں بہت اداس مگر نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ رحمہ اور شزاء نے اسے گجرے پہنائے۔ پھر رسم کا آغاز ہوا۔

"اے ہمارے زمانے میں تو صرف سات سہاگنیں ہی تیل اور مہندی لگایا کرتی تھیں اور اب زمانہ دیکھو، بیاہی کنواری سب ہی اس کام میں شامل ہوتی ہیں۔" کسی بڑی بی نے اعتراض جڑا تھا۔

"بس بی بی زمانہ ہی ایسا آ گیا ہے، کسی کو روک ہی نہیں سکتیں۔" ان کی ہم خیال ایک اور بڑی بی نے ساتھ دیا تھا۔

ان کی واپسی رات گئے تک ہوئی تھی اور ان کے تھوڑی دیر بعد لڑکی والے مہندی لے آ گئے تھے۔ یوں صبح پانچ بجے یہ Function اختتام کو پہنچا اور اس کے بعد جس کو جہاں جگہ ملی پڑ کر سو گیا کہ بارات کا فنکشن شام کا تھا۔

احسن انصاری نے سب کو تنبیہہ کر دی تھی کہ بارات اپنے مقررہ وقت پر روانہ ہو جائے گی۔ کل کی طرح تاخیر ہرگز برداشت نہیں کی جائے گی اور یہ ان کی تنبیہہ کا اثر تھا کہ سب مقررہ وقت پر تیار ہو گئے تھے۔

حفیظہ تیار ہو کر نیچے آئی تو سب نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔ ہر وقت سادہ رہنے والی یہ لڑکی ایک نئی چھب دکھلا رہی تھی۔

''آخاہ! یہ سارا اہتمام کس لئے آج......'' شہزاء نے کان میں سرگوشی کی تو وہ من کے چور سے لجا گئی۔ یہ حقیقت تھی کہ آج وہ دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔

''اپنے سلجوق شاہ کے لئے۔'' اذغان بیچ میں ٹپک پڑا تھا۔

''وہ تشریف لا چکے ہیں اور ان کی بے چین نظریں گیٹ سے لے کر کمروں تک کا طواف کر رہی ہیں۔ ویسے میں ان کو تسلی دے آیا ہوں کہ شہزادی حفیظہ ملک کچھ ہی دیر میں جلوہ افروز ہونے والی ہیں۔'' اذغان جس لہجہ میں بولا تھا ان سب کی ہنسی نکل گئی جب کہ حفیظہ شرما کر وہاں سے ہٹی تھی۔

''کہاں چل دیئے اُدھر چلیئے۔'' وہ مترنم ہوا تھا۔

''تم انتہائی بدتمیز ہو۔'' وہ کہہ کر کمرے میں گھس گئی۔

وہ بڑی مشکلوں سے انکل کے Convince کرنے پر سلجوق سے ملی تھی۔

اس کی حالت بری تھی۔ مارے گھبراہٹ و شرم کے وہ نظریں نہ اٹھا پا رہی تھی۔

سلجوق شاہ کی وارفتہ نظریں وہ محسوس کر رہی تھی۔

دونوں چپ تھے مگر خاموشی باتیں کر رہی تھی۔

''کیسے گزرے دن؟'' سلجوق شاہ کی سوال کرتی نگاہیں۔

''بہت کٹھن بہت دردناک۔'' جواب دیتی جھکی پلکیں۔

''تم نے یہ فیصلہ کیوں کیا؟'' شکوہ۔

''آپ نے بنا تصدیق کے اس فیصلے کو تسلیم کیوں کیا؟'' جواب شکوہ۔

''میں نے تسلیم نہیں کیا تھی تو!''

''لیکن فیصلے کی صلیب پر تو مجھے چڑھا دیا گیا۔ آپ بزدل نکلے۔''

''میں بزدل نہیں تھا لیکن مجھے اور کوئی صورت نظر ہی نہ آتی تھی۔ میں نے سوچا شاید اس طرح یہ تعلق قائم رہ جائے۔''

''لیکن تعلق تو ٹوٹ گیا۔''

''نہیں جب یہ ہم دونوں کا فیصلہ ہی نہیں تھا پھر اس دستاویز کی کوئی اہمیت نہیں۔''

''یہ ہم کہہ رہے ہیں ناں۔ کیا خبر منصف کا فیصلہ اب کی بار کیا ہو؟''

''نہیں اب کے یہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا۔ بے خبری کے یہ دن بڑے کٹھن تھے حفیظہ تمہیں کھو کر پل بھر چین نہیں پایا میں نے۔''

''اور میرے پاس تو آپ کے علاوہ کچھ تھا ہی نہیں۔ میں نے تو ماں باپ گھر جاگیر سب کچھ کھو دیا۔''

''میں تمہیں اتنی محبت دوں گا حفیظہ کہ تم سارے غم، سارے دکھ بھول جاؤ گی!''

''ہاں میں اب بھولنا چاہتی ہوں بہت تھک گئی ہوں۔ آپ کی محبت بھری پناہ میں آنا چاہتی ہوں۔''

کتنے پل بیت گئے تھے۔ وہ یونہی ساکت بیٹھے تھے۔

''رخصتی ہو چکی ہے بلکہ اب تک دولہا دلہن حجلہ عروسی بھی پہنچ چکے ہوں گے۔ ہال والے Good bye کہہ رہے ہیں کیونکہ Time is over، لہٰذا یہ خاموش باتیں آپ راستے میں کر لیں۔ اگر پھر بھی کچھ بچ جائیں تو گھر تو آخر اپنا ہے۔'' اذغان قریب آ کر جھکا تو ان کی محویت ٹوٹی۔ سلجوق شاہ جھینپ کر کھڑے ہو گئے۔ حفیظہ کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔

''حفیظہ آپ میرے ساتھ جائیں گی یا......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر سوالیہ دیکھا۔

''میں چھوڑ دیتا ہوں۔'' سلجوق شاہ فوراً بولے۔ وہ آئی بھی ان ہی کی گاڑی میں تھی۔

''اوکے بائے۔'' اذغان نے انہیں خدا حافظ کہا تھا۔

تمام راستے بھی وہ خاموش ہی رہے تھے۔ اترتے سے سلجوق نے وعدہ کیا تھا کہ وہ جلدی نانا کو لے لیں گے۔ پُر امید تھے وہ اور امید کی قندیلیں تو حفیظہ ملک کی آنکھوں میں بھی جگمگا رہی تھیں۔ سلجوق شاہ بہت خوش تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اب کی بار وہ جیت جائیں گے۔ احسن انصاری نے انہیں بہت امید دلائی تھی۔

ہارن دیتے ہوئے انہوں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ ''بہت دیر ہو گئی۔'' انہوں نے سوچا۔ گیٹ سے گاڑی اندر لے جاتے ہوئے ان کی نظر ٹیرس کی طرف اٹھی۔ راضیہ نیچے جھانک رہی تھی۔ ان کی خوشگوار سوچ کو ایک دم ہی دھچکا لگا۔ وہ خواب کی

کیفیت سے باہر نکلے۔ حقیقت ان کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ ایک دم ہی نڈھال ہو گئے تو آتے آتے ان کی ہمت جواب دینے لگی تھی۔

''کہاں رہ گئے تھے آپ؟'' راضیہ نے بجھے بجھے لہجے میں پوچھا تھا۔

''اب ضروری ہے کہ ہر جگہ تمہیں بتا کر ہی جاؤں۔ کیا تمہارے رجسٹر میں انٹری لازمی ہے۔''

وہ تلخی سے گویا ہوئے تو راضیہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ اس نے بمشکل آنکھوں میں امڈ آنے والے آنسوؤں کو روکا۔ سلجوق کپڑے اٹھا کر باتھ روم میں گھس گئے تھے۔ واپس آئے تو راضیہ بہت سوگوار سی بیڈ کے کنارے ٹکی تھی۔ وہ نظر انداز کر کے لائٹ آف کرتے دوسری طرف بیڈ پر آ گئے۔ لیٹتے ہوئے ان کی نظر تپائی پر دھرے کیک اور بجھتی شمعوں پر جا پڑی۔

''اوہ۔'' انہیں یاد آ گیا۔ آج راضیہ کی Birth day تھی اور صبح نکلنے سے پہلے اس نے جلدی لوٹ آنے کا کہا تھا۔

''اوہ آئی ایم سوری راضیہ Oh i am sorry raazia! happy birth day to you۔ مجھے قطعاً یاد نہیں رہا۔'' انہوں نے Wish کرتے ہوئے معذرت کی۔

راضیہ اٹھی اور کیک اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

''یہ کیا حرکت ہے؟'' سلجوق شاہ نے ڈپٹ کر کہا۔ اس نے قطعاً پرواہ نہ کی اور ہتھیلیوں سے آنسو پونچھتی بیڈ پر آ گئی۔ پھر تمام رات اس کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا رہا تھا اور سلجوق شاہ ذرا سی بھی پروا کیے بغیر گہری نیند سو رہے تھے۔

☆======☆======☆

''مریضہ کی جان تو بچالی گئی ہے، مگر اب وہ کبھی ماں نہیں بن سکے گی۔'' ڈاکٹر نے کہا تو سب کی چیخیں نکل گئیں۔

''ایسا نہیں ہو سکتا ڈاکٹر!'' اسد تڑپ کر بڑھا۔ وہ ابھی ابھی پہنچا تھا۔

''دیکھیں جس قدر Complicated یہ کیس تھا اس میں آپ کی مسز بچ گئی ہیں شکر کیجیے۔ ورنہ تو...... یہ حادثہ ہوا کیسے؟'' ڈاکٹر فرخندہ نے پوچھا۔

''بس سیڑھیوں سے پاؤں پھسل گیا حالانکہ ہم اس کی کڑی نگرانی میرا مطلب ہے دیکھ بھال کرتے ہیں۔ دو دو ملازمائیں ہر وقت اس کے ساتھ رہتی ہیں۔ میں خود ہمہ وقت اس کے ساتھ رہتی ہوں پھر بھی۔'' تہمینہ بیگم نے تفصیلاً بتایا۔

''خیریت اتنی کڑی نگرانی میرا مطلب ہے اتنی سخت دیکھ بھال کیوں کی جا رہی تھی۔''

ڈاکٹر امجد کو کچھ گڑبڑ کا احساس ہوا۔

''نن، نہیں ظاہر ہے وہ حویلی کا وارث پیدا کرنے جا رہی تھی۔ میری اکلوتی بہو ہے اور میری بھتیجی بھی تو ہے۔'' تہمینہ بیگم نے پھر جواب دیا تھا۔

''ہم مریضہ کو گھر کب لے جا سکتے ہیں؟''

راشدہ بیگم نے اکتا کر پوچھا تھا۔ ان کی دکھاوے کی محبت برداشت سے باہر تھی۔

''ابھی نہیں کم از کم پندرہ دن تک انہیں مزید Admit رہنا پڑے گا، کیونکہ ابھی تک وہ خطرے سے باہر نہیں ہیں۔''

''ہم اس سے مل سکتے ہیں؟'' تہمینہ بیگم نے کہا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔ تہمینہ اور راشدہ دونوں لیبر روم میں چلی گئیں اسد کھسکنے کو تھا کہ سلیمان ملک نے جا پکڑا۔

''ایک منٹ اسد میری بات سن لو پھر بھاگ جانا۔''

''جی کیا بات ہے، ذرا جلدی کیجیے میں جلدی میں ہوں۔'' وہ اکھڑ پنے سے بولا۔

''رومانہ کی نگرانی کیوں کی جا رہی تھی؟'' انہوں نے نظریں اسد کے چہرے پر گاڑیں۔

''کیونکہ آپ کی بیٹی مرنے کا پروگرام بنائے بیٹھی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ اس گھر کے وارث کو جنم نہیں دے گی اور دیکھ لیں اس نے اپنا عہد نبھایا اپنی جان کی بازی لگا دی۔ اب یہ تو اس کی زندگی باقی تھی، بچ گئی ورنہ اس نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی۔'' وہ تلخی سے کہتا آگے بڑھا۔

''اور ہاں! اپنی خود سر، لاڈلی اور ضدی بیٹی کو لے جایئے گا۔ مجھے اتنی خود سری پسند نہیں اور نہ ہی میری زندگی میں اس کی کوئی جگہ ہے۔ بنایئے اس کو ملک پور کی رانی۔'' اسد کہتا باہر نکل گیا۔

سلیمان ملک ششدر کھڑے تھے۔ رومانہ ضد کی اتنی پکی ہوگی کہ اپنی جان کی بازی لگا دے گی ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ وہ تو سمجھ رہے تھے کہ سال دو سال میں Adjust کر لے گی، رو دھو کر چپ ہو جائے گی۔ ان کے نزدیک یہ کوئی نئی بات نہ تھی لیکن وہ اس قدر اٹل ہو جائے گی اور یوں اپنے آپ سے ہی کھیل جائے گی انہوں نے تصور بھی نہ کیا تھا۔

راشدہ اور تہمینہ باہر آئیں تو وہ اندر چلے گئے۔

رومانہ کی حالت بہت خراب تھی۔ پیلا زرد چہرہ، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں۔ پھر بھی انہیں دیکھ کر وہ مسکرائی تھی۔

''کیسے ہیں بابا سائیں!'' اس نے پہل کی تھی۔

''یہ تم نے کیا کر لیا اپنے آپ کو؟'' وہ دکھ سے اس کی طرف بڑھے تھے۔

''مجھ میں Compromise کرنے والی حس ہی نہیں۔ بابا جان میں نے کوشش
کہ میں باقی ساری عورتوں کی طرح بن جاؤں لیکن میرے اندر آپ والی ضد ہے ناں
میری کوشش بے کار بنادی۔ چلو یہ تو ہوا اگر اسد ملک میرا حق باہر بانٹ کر آتا ہے تو میں نے
اسے اس کے حق سے محروم کردیا۔ اب وہ باہر سے بیوی لے آئے، لیکن اسے خاندانی
کوکھ سے کچھ نہیں ملے گا۔ اب اس کی اولاد خاندانی نہیں ہوگی، میں نے بہت سوچ سمجھ
فیصلہ کیا تھا بابا سائیں۔'' ہنسنے کے باوجود اس کے گالوں پر آنسوؤں کی قطاریں تھیں۔
عورت اپنی کوکھ اجاڑنے پر رضامند ہوتی ہے؟

''میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ میں دیکھوں گا اب مجھے کون روکتا ہے؟'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''نہیں بابا سائیں، میرا مقدر اسی گھر میں ہے۔ میں اب خاندانی روایات کے مطابق کر ہی وہاں سے نکلوں گی۔ میں خاندانی عورت ہوں خاندانی۔'' اس نے انکار کیا تو فی الحال خاموش ہوگئے لیکن یہ کہ وہ اسے دوبارہ اس گھر میں بھیجنے کو تیار نہ تھے۔ انہیں بس اس کے ہاسپٹل سے ڈسچارج ہونے کا انتظار تھا۔ اس کے بعد وہ اسد ملک اور شہباز ملک سے نمٹنے ارادہ بنائے بیٹھے تھے۔

☆======☆======☆

''ماشاء اللہ دلہن بہت خوبصورت ہے۔ اللہ جوڑی سلامت رکھے۔'' کسی بڑی بی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ شرما کر رحمہ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''آج تم کل سے کہیں زیادہ اچھی لگ رہی ہو۔ ویسے کی دلہن کا رنگ و روپ اور ہی ہے ایک ہی رات میں کتنی بدل جاتی ہے لڑکی۔'' صبیحہ نے معنی خیزی سے کہا تو وہاں موجود لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

''ارے حفیظہ میں نے تمہیں جو ڈبے پکڑائے تھے وہ کدھر رکھے ہیں؟'' بیگم احسن آتے ہوئے بولیں۔

''وہ آنٹی جی میرے کمرے میں رکھے ہیں میں ابھی لے کر آتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر چلی گئی۔ آخری سیڑھی پر تھی کہ زاداں کو بعجلت اپنے کمرے سے نکلتے دیکھا۔ وہ ٹھٹکی۔ زاداں اسے دیکھ کر ادھر ہی چلے آئے۔

''ماشاء اللہ!'' سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ حفیظہ نے لب دانتوں تلے دبا لئے۔

''آج تو کل سے بھی زیادہ غضب ڈھا رہی ہیں۔ مائنڈ مت کیجئے گا۔ ابھی

خوبصورت چیز کو سراہنا رب کی تعریف ہوتی ہے۔ ہوں۔'' بڑی معنی خیز مسکراہٹ اس کی طرف اچھالتے ہوئے وہ اس کے قریب سے ہوتے ہوئے سیڑھیاں اتر گئے۔ حفیظہ یوں بے جان ہوگئی تھی، جیسے وہ ابھی گر جائے گی۔

وہ تو سمجھ رہی تھی کہ شادی ہونے کے بعد زاداں ٹھیک ہو جائیں گے۔ بلکہ اُس دن جس طرح اس کی طبیعت صاف کی تھی، اُس کے بعد وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ زاداں کی طرف سے دوبارہ ایسی بات ہوگی لیکن یہ تو پہلے سے زیادہ بے باک ہوگئے تھے۔ اُف ان کی بے حجابانہ نظریں۔

''کہاں رہ گئی ہو حفیظہ؟'' بیگم احسن کی آواز اسے ہوش کی دنیا میں لائی۔ وہ جلدی سے کمرے میں آکر مطلوبہ چیزیں اٹھانے لگی۔ تبھی اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر دھرے ایک لفافے پر پڑی۔ اٹھا کر دیکھنے کا سوچا پھر بیگم احسن کا خیال آتے ہی وہ چیزیں لے کر نیچے آگئی۔ پھر نیچے آتے ہی اس کے ذہن سے سب نکل گیا تھا۔ زاداں اب نوما کے قریب بیٹھے تھے۔ آہستہ آہستہ سرگوشیوں میں کچھ کہہ رہے تھے۔ نوما کا چہرہ گلنار ہورہا تھا۔

''یاخدایا۔ یہ شخص کس قدر Diplomate ہے؟'' حفیظہ نے سر تھام لیا۔

نوما کے گھر والے آگئے تھے۔ سب ہی ان کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔

حفیظہ نسبتاً ویران گوشے میں آکر بیٹھ گئی۔ آج سلجوق نہیں آئے تھے حالانکہ انکل نے بصد اصرار انہیں آنے کا کہا تھا۔ پتہ نہیں کیا بات ہوئی تھی۔ وہ رات بھر یہی سوچتی رہی تھی کہ آج وہ کل کی طرح چپ نہیں رہے گی۔ ان سے باتیں کرے گی۔ شکوے کرے گی۔ انہیں بتائے گی کہ یہ محض ان کی وجہ سے اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ گئے تھے۔ وہ گھر سے بے گھر ہوگئی تھی اور انہوں نے پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔ ہاں وہ ساری باتیں کہے گی لیکن آج وہ آئے ہی نہ تھے۔ وہ مایوس ہونے لگی تھی کہ تبھی کوئی اس کے قریب آکر رکا۔ بے حد دلفریب خوشبو اس کی سانسوں نے محسوس کی تھی اور ابھی وہ سر اٹھا کر دیکھنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ ایک اجنبی آواز اس کی سماعتوں سے آن ٹکرائی۔

☆======☆======☆

"تم حفیظہ ملک ہو، رحمٰن ملک کی بیٹی؟" حفیظہ نے سرعت سے سر اٹھایا تھا اور ایک اجنبی کو اپنے پاس کھڑا دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ اس کی گھبراہٹ کو محسوس کیا گیا تھا۔ تبھی نہایت ہلکے پھلکے انداز میں کہا گیا۔

"گھبراؤ مت! میں عزیز احمد ہوں۔ تمہارے بابا کا بہت گہرا دوست۔"

"جی!" وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔ عزیز احمد پلٹ کر کسی کو آواز دینے لگے اور تھوڑی دیر بعد ایک Cute سی لڑکی ادھر آ گئی۔

"ناجیہ ان سے ملو یہ تمہاری ماموں زاد ہیں، حفیظہ اور یہ ناجیہ ہیں تمہاری پھپھو زاد تمہاری مہرینہ پھوپھو کی بیٹی۔" انہوں نے تعارف کروایا تو دونوں نے ہی چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ بے یقینی دونوں کی آنکھوں سے مترشح تھی۔

"کیا کہہ رہے ہیں بابا جان؟" بے یقینی کو ناجیہ نے توڑا۔

"مہرینہ نظر نہیں آ رہیں؟" عزیز احمد نے ناجیہ کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے حفیظہ سے کہا اس کی حالت بھی مختلف نہ تھی خود پر قابو پا کر بولی۔

"ہاسپٹل میں ہی ہیں۔"

"ملو گی اپنی ماں سے؟" وہ ناجیہ سے مخاطب ہوئے۔

"میں کچھ نہیں سمجھ پا رہی بابا جان۔" اس نے لب کاٹتے ہوئے کہا۔

"او کے بیٹا پھر ملیں گے۔" انہوں نے حفیظہ سے کہا اور ناجیہ کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آئے۔ وہ نوما کو خدا حافظ بھی نہ کر سکی۔ کسی معمول کی طرح وہ عزیز احمد کے پیچھے چل پڑی تھی۔

جذبات کا کوئی سیلاب تھا جو امڈ آیا تھا۔ مہرو پاگلوں کی طرح ناجیہ کا منہ چوم رہی تھیں۔

"تم، تم زندہ ہو۔ تم میری لالہ مجھے یقین کیوں نہیں آ رہا عزیز احمد...... یقین کیوں نہیں

آ رہا۔" وہ اس کے ہاتھ تھام کر بولی تھیں ناجیہ کے اندر البتہ ویسی ہی خاموشی تھی۔ کوئی ہلچل نہ تھی۔ زندگی میں پہلی بار ماں سے مل رہی تھی اور اس کے دل میں کوئی جذبہ، کوئی امنگ نہ تھی۔ شاید وہ ابھی تک یقین نہ کر پا رہی تھی۔ یا پھر وہ اپنے، عزیز احمد اور مہرینہ کے تعلق کو جانچ رہی تھی۔

وہ مہرینہ کی بیٹی تھی۔

وہ عزیز احمد کی بیٹی تھی۔

پھر مہرینہ اور عزیز احمد کے درمیان وہ رشتہ کیوں نہ تھا جو ہونا چاہئے تھا۔

راستے میں جب اس نے ایک بار پھر پہلے والا سوال دہرایا تھا تو بابا جان نے بہت کرب آمیز لہجے میں کہا تھا ان کی شادی مہرینہ سے نہ ہو سکی تھی۔

تو کیا وہ ان کی محبت میں کی جانے والی کوئی جذباتی غلطی تھی؟

کیا وہ ان کی ناجائز اولاد تھی؟

یہ خیال ہی روح فرسا تھا۔

جس نے اسے اندر سے بالکل ڈھا دیا تھا۔

اس کی ساری شخصیت مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔

اور یہی وجہ تھی کہ وہ ایک دم سرد ہو گئی تھی۔

ممتا کی گرمی بھی اس کے وجود میں حدت پیدا نہ کر سکی تھی۔

اسے اپنے آپ سے، عزیز احمد سے، مہرینہ ملک سے بیک وقت گھن محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے اپنا آپ مہرینہ ملک سے چھڑایا اور کھڑی ہو گئی۔

"چلیں بابا۔" بابا جان کہتے ہوئے اس کی زبان رک سی گئی۔

عزیز احمد اس کو بغور دیکھ رہے تھے۔ اس نے ایک بار بھی گرمجوشی کا مظاہرہ نہ کیا تھا۔

"مت جاؤ عزیز احمد اسے میرے پاس رہنے دو۔" مہرینہ بستر سے نیچے اُتر آئیں۔

"ابھی تو میں نے اسے جی بھر کے دیکھا بھی نہیں۔ ابھی تو میری ممتا کی پیاس باقی ہے۔ اب تو اسے مت چھینو۔" انہوں نے ناجیہ کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے۔ ناجیہ نے فوراً اپنے ہاتھ چھڑائے اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ مہرینہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"یہ ایسا کیوں کر رہی ہے عزیز احمد؟" وہ بے تابی سے گویا ہوئی تھیں۔

"ابھی وہ Disturb ہے اس لئے تم پریشان مت ہو اسے تمہارے ساتھ ہی رہنا ہے

خود ہی مان جائے گی۔ بہت اچھی بیٹی ہے تمہاری۔'' وہ مہرینہ کو تسلی دیتے باہر آ گئے۔

ناجیہ گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔

عزیز احمد آئے تو منہ دوسری طرف کیے گاڑی سے باہر جھانکنے لگی۔

''نوما کی طرف چلنا ہے یا گھر؟'' انہوں نے لہجے کو ہلکا پھلکا بناتے ہوئے پوچھا تھا۔

''گھر۔'' اس نے مختصراً جواب دیا۔ انہوں نے مہرینہ کے ٹاپک پر فی الحال بات کرنا مناسب نہ سمجھی خاموشی سے ڈرائیو کرنے لگے۔ ناجیہ یونہی باہر جھانکتی رہی۔

''فرحان کہہ رہا تھا کہ وہ منگنی کی رسم کرنا چاہ رہے ہیں۔'' تھوڑی دیر بعد انہوں نے کہا تو ناجیہ نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔

''کیا ضرورت ہے؟''

''ارمغان کی خواہش ہے تو اس میں حرج ہی کیا ہے اسی بہانے مل بیٹھیں گے۔ میں نے تو کہہ دیا ہے کہ اس جمعہ کی شام کو آ جائیں۔''

ناجیہ کے اندر جوار بھاٹا اٹھا تھا۔ اس نے لب بھینچے بمشکل خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا تھا۔

گھر آتے ہی وہ سیدھی فون کی طرف گئی تھی۔

ارمغان کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے اس نے سارے نفع نقصان سوچ لیے تھے۔

''ہیلو کون؟'' ارمغان کی چہکتی آواز آئی تھی۔ شاید وہ نوما کو لے کر آ گئے تھے کیونکہ پیچھے سے خوشگوار شور سنائی دے رہا تھا۔

''میں...... ارمغان میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔ پلیز اس سلسلے کو یہیں ختم کر دو۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں اپنی جان دے دوں گی۔''

اپنی بات مکمل کر کے اس نے ریسیور رکھا تو عزیز احمد اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

ان کے کچھ پوچھنے سے قبل ہی وہ سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔

☆======☆======☆

اور وہ سمجھ نہ پا رہے تھے کیا کریں کیا نہ کریں۔ ایک طرف حفیظہ ملک تھی۔ ان کی محبت پہلی منکوحہ دوسری طرف راضیہ احمد تھی ان کی بیوی شریکِ حیات۔

جب انہیں پتہ چلا تھا کہ حفیظہ سے ان کا نکاح قائم ہے تو وہ سب کچھ بھول گئے تھے۔ حتیٰ کہ راضیہ احمد کو بھی۔ خوشی و انبساط کا عجیب عالم تھا جو ان کے رگ و پے میں سرور بن کر اترا تھا۔ وہ حفیظہ ملک سے ملنے کو بے چین ہو اٹھے تھے۔

عجیب امید و بیم کی کیفیت میں وہ احسن انصاری سے ملے تھے۔

اور پھر کیسے انہوں نے تمام حالات ان کو بتائے تھے کہ ان کے دل و دماغ پر دھند ایک دم سے غائب ہو گئی تھی۔

انہوں نے حفیظہ کو کھویا نہیں تھا بلکہ وہ کچھ عرصہ کے لیے چھن گئی تھی۔

محبت تو نام ہی آزمائش کا ہے۔

وہ جو تھوڑی تگ و دو کے بعد انہیں مل گئی تھی تو وہ اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھنے لگے تھے۔

پھر یکا یک آندھی آئی اور سب اُڑا لے گئی۔

تقدیر حفیظہ کو ان کی مٹھی میں سے ریت کی طرح اُڑا لے گئی تھی اور وہ کچھ نہ کر سکے تھے۔

بس رب سے شکوہ کناں ضرور ہوئے تھے کہ اس نے انہیں بااختیار کر کے بے اختیار کر دیا تھا۔

لیکن اب انہوں نے جانا کہ وہ سب تو امتحان تھا۔ آزمائش تھی۔

وقتی جدائی تھی جو ان کے بیچ آئی تھی اور وہ دونوں اس دیوار کے آر پار کھڑے تقدیر کا کھیل دیکھتے رہے تھے اور اب جب دیوار گری تھی تو سب کچھ کتنا صاف ہو گیا تھا۔ صاف شفاف آئینے کی طرح۔

ان کے ہاتھ میں جو لکیر حفیظہ کے نام کی تھی، انہیں مزید گہری دکھائی دینے لگی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور لکیر بھی بے حد واضح تھی۔ راضیہ احمد کے نام کی اور ان دونوں کا ایک ساتھ ہونا انہیں بری طرح الجھا گیا تھا۔ انہوں نے جلد بازی کر کے یقیناً غلطی کی تھی۔

وہ کچھ عرصہ اور ٹھہر جاتے زندگی تو گزر رہی تھی۔

راضیہ احمد کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ انہوں نے جلدی میں ہی کیا تھا۔ یونہی بیٹھے بیٹھے۔ انہیں اپنی زندگی ریت کا تپتا صحرا دکھائی دینے لگی تھی اور اس صحرا میں کسی ابرِ نیساں کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی تھی اور تب بے اختیار انہیں وہ پاگل سی لڑکی یاد آئی تھی۔ اگرچہ وہ کسی طرح بھی ان کے شایانِ شان نہیں تھی۔ وہ اپنی قیمتی متاع لٹا چکی تھی اور انہوں نے بے حد حقارت سے اسے دھتکار بھی دیا تھا، لیکن ان ساری باتوں پر اس کی شدت کی محبت غالب آ گئی تھی۔

بس ایک لمحہ ہی ان کی زندگی میں آیا تھا اور وہ کمزور پڑ گئے تھے۔

راضیہ احمد کو پروپوز کرتے ہوئے بھی ان کے ذہن میں راضیہ احمد نہیں حفیظہ ملک تھی۔

وہ جانتے تھے راضیہ احمد انہیں سمیٹ لے گی۔ ان کے ٹکڑے ٹکڑے وجود کو جوڑ دے گی کیونکہ وہ ان سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔

اور ویسے بھی اب وہ اس مقولے کو کثرت سے دہرانے لگے تھے کہ شادی ہمیشہ اس سے کرو جو تم سے محبت کرے نہ کہ اس سے جسے تم چاہو اور یہی سوچتے ہوئے انہوں نے راضیہ کو اپنانے کا فیصلہ کیا تھا اور چند دنوں میں ہی وہ جان گئے تھے کہ ان کا فیصلہ درست تھا۔ راضیہ نے اپنا آپ ان کی ذات میں مدغم کر دیا تھا۔ وہ ان کی سانس سے سانس لیتی تھی۔

ان کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتی تھی۔

ان کے لباس، کھانا پینا، آرام، ہر چیز کا خیال رکھتی تھی۔

انہیں کبھی کسی کام کے لیے کہنا نہیں پڑا تھا۔ بلکہ وہ اس کے عادی ہو چکے تھے۔

لیکن یہ بھی تھا کہ حفیظہ ملک کا خلا پورا نہ ہو سکا تھا۔

ان کا وجود تو ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہو گیا تھا۔ کبھی حفیظہ ملک کا پلڑا جھک جاتا اور کبھی راضیہ احمد کا اور وہ عجیب سی الجھن میں گھر گئے تھے۔

''باہر بارش ہو رہی ہے، بڑا اچھا موسم ہے۔'' راضیہ نے اندر آتے ہوئے کہا تو وہ چونکے۔ راضیہ کھڑکیوں سے پردے ہٹانے لگی۔ انہوں نے دیکھا وہ بہت چپ چپ تھی۔ بلکہ پچھلے کئی دنوں سے ایسی ہی تھی اگرچہ اس کے معمولات میں کوئی فرق نہ آیا تھا، لیکن یہ کہ اب وہ ضرورتاً ہی گفتگو کرنے لگی تھی اور وہ اپنی الجھنوں میں گھرے اس سے لاپروا ہو گئے تھے انہیں ندامت سی محسوس ہوئی اور غالباً اسی ندامت کو مٹانے کے لیے وہ اسے پکار بیٹھے۔

''ادھر آؤ راضیہ!'' وہ جو کھڑکی سے لگی باہر برسنے والی بارش کو تک رہی تھی پلٹی اور پتہ نہیں کیوں سلجوق کو اس سے وہ بارش راضیہ احمد کی آنکھوں میں برستی محسوس ہوئی۔

احساسِ ندامت شدید تر ہو گیا۔

''چلو باہر چلتے ہیں۔ لانگ ڈرائیو پہ۔'' انہوں نے فنافٹ ہی پروگرام بنایا تھا۔

اور سلجوق کے کسی حکم سے سرتابی اس کی لغت میں ہی نہ تھی۔ سو اب بھی نہ چاہنے کے باوجود وہ تیار ہونے چل دی۔ یہ موسم اور لانگ ڈرائیو تو اس کا کریز تھے۔

تیز برستی بارش میں وہ کتنی دیر سڑکوں پر گھومتے رہے۔ پھر آئس کریم پارلر کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔ بارش اب بھی زوروں پر تھی۔ اس کا پسندیدہ فلیور آرڈر کرتے ہوئے وہ اس بارش میں بھیگتے رہے اور ایک انجانا سا بوجھ ان کے دل پر بڑھتا چلا گیا۔

''وہ کون ہے شاہ جی؟'' ٹیبل پر انگلی سے لکیریں کھینچتے ہوئے اس نے اچانک ہی پوچھا تھا۔

وہ کئی ثانیے چپ ہی رہ گئے۔ پھر پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولے۔

''کون، کون ہے؟''

راضیہ نے شکایت آمیز نظروں سے انہیں دیکھا۔

''ایک بات بتاؤں شاہ جی۔'' اس نے نظریں انگلیوں کے ناخنوں پر جما دیں۔

''میرے پاس آگے پیچھے کوئی راستہ نہیں ہے۔ آپ کے رویے پر احتجاج کر کے نہ تو میں روٹھ کر میکے جا سکتی ہوں اور نہ ہی کہیں اور آپ کی شکایت لگا سکتی ہوں۔ کیونکہ یہ فیصلہ سراسر میرا اپنا تھا اور اس فیصلے کے سارے نفع، سارے نقصانات مجھے خود ہی برداشت کرنے ہیں۔ آپ شاہ جی کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے سوچ لینا کہ میرے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے موت۔ میں اس شرمندگی کا بار اٹھا ہی نہیں سکتی کہ میں ایک شخص کو اپنا اسیر نہ کر سکی۔ شدید محبت کے باوجود۔'' وہ چپ ہوئی تو کئی سوئیاں سلجوق شاہ کے وجود میں گڑ گئیں۔ آئس کریم کپوں میں پگھل گئی۔ راضیہ احمد اب کچھ پُرسکون تھی۔ انہوں نے دیکھا بارش یکایک تھم گئی تھی، لیکن ان کے اندر دھند سی جمع ہوتی جا رہی تھی اور کچھ بھی واضح طور پر دکھائی نہ دے رہا تھا۔

☆======☆======☆

ارمغان کچھ دیر کو سناٹے میں رہ گیا تھا۔ اس قدر واضح انکار اور اتنے سنگین الفاظ میں۔ بہت دیر تک اسے اپنی سماعتوں پر شبہ رہا تھا۔ شاید اس نے غلط سنا ہو، شاید اس ظالم لڑکی نے کچھ اور کہا ہو۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

''میں ارمغان تم سے شادی نہیں کر سکتی۔ پلیز اس سلسلے کو یہیں ختم کر دو۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں اپنی جان دے دوں گی۔''

اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں بازگشت فضا میں تھی۔

''اس سلسلے کو یہیں ختم کر دو۔ میں اپنی جان دے دوں گی۔''

''نہیں ناجیہ احمد نہیں۔'' اس نے آنکھوں میں آئی نمی صاف کی۔

''تمہاری جان کے عوض مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ اگر تم میرا ساتھ پسند نہیں کرتی ہو تو کیا مجبوری ہے؟ دل تو دل ہی ہے کچھ عرصہ شور کرے گا۔ تڑپے گا، چپ ہو جائے گا۔''

''بھائی، بھائی۔'' دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

وہ اٹھا آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا۔ چہرے پر رتجگا لکھا تھا۔ اس کی شکست چیخ چیخ کر بتا رہی تھی۔ وہ باتھ روم میں گھس گیا۔ منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے اس

نے خود کو کمپوز کیا تھا۔ دروازہ کھولتے ہی اس نے بولنا شروع کیا تھا۔

''ہاں کیا ہے صبح صبح کیا شور مچا رہی ہو، اگر پیا کی یاد آ رہی ہے تو انہیں فون کیا ہوتا مجھ بے چارے کو کیوں تنگ کر رہی ہو۔''

''اوہو ابھی سے طوطا چشم ہو گئے ہو۔ ابھی تو میری شادی کو ایک دن ہوا ہے اور تم ابھی سے پرائے پن کی باتیں کرنے لگے۔'' نوما تیکھی ہوئی تھی ارمغان نے دلچسپی سے اسے دیکھا Sky blue ہلکے پھلکے کام والے سوٹ اور ہلکی پھلکی جیولری میں وہ بڑی اچھی لگ رہی تھی۔

''ارے واہ تم تو ایک ہی دن میں Change ہو گئی ہو۔'' اس نے سراہا۔

''چلو شکر ہے تمہیں بھی کوئی اچھا لگا۔ ورنہ تو تم اپنے آپ کو ہی شہزادہ گلفام سمجھے ہوئے ہو۔'' وہ ہنسی تھی۔

''سمجھے ہوئے ہو کیا مطلب؟'' وہ انجان بنا۔ ''بھئی میں ہوں۔'' وثوق سے کہتے ہوئے اس نے قہقہہ لگایا تھا۔

''اچھا اب تشریف نیچے لے آؤ ناشتے پر انتظار ہو رہا ہے۔ زادان بھوک کے بڑے پکے ہیں۔'' اس نے اسے کھینچا تھا وہ نیچے چلے آئے۔ زادان اور فرحان منتظر بیٹھے تھے۔

''بڑی راہ دکھائی ارمغان میاں۔'' زادان نے آتے ہی کہا تھا۔

''بس آنکھیں کھلنے میں دیر ہو گئی۔ حالانکہ میں صبح سویرے اٹھنے کا عادی ہوں۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یار ناشتے کے بعد تیار ہو جانا میں نے عزیز انکل سے بات کر لی ہے ادھر چلیں گے۔ منگنی کا پروگرام فائنل ہو جائے گا۔'' فرحان نے اگلا پروگرام اناؤنس کیا وہ گڑبڑا سا گیا۔

''آج جانا ضروری ہے کیا میرا مطلب ہے آپ لوگ ہو آئیں۔ پہلے ہی کافی چھٹیاں ہو گئی ہیں۔'' اس نے نپا تلا انکار کیا۔

''چلو ٹھیک ہے۔ ہم تینوں ہو آتے ہیں۔'' فرحان بلا تامل مان گئے اور ابھی وہ ناشتہ ہی کر رہے تھے کہ ناجیہ کا فون آ گیا۔

وہ انہیں دوپہر کے کھانے پر انوائیٹ کر رہی تھی۔ فون فرحان نے سنا تھا۔ پھر نوما کو تھما دیا اور وہ اب زادان کو ساری تفصیلات بتا رہی تھی۔ ارمغان چپ تھا۔

''بھئی تمہاری یہ Fast friend ہمیں پوری شادی میں کہیں نظر نہیں آئی۔ جس کا ذکر کر کر کے تم نے میرے کان کھا لیے ہیں۔'' زادان ہنسا تھا۔

''آپ نے غور نہیں کیا ہو گا۔ ورنہ وہ تو ہر فنکشن میں پیش پیش تھی۔ سارے

Arrangements اس نے اور ثوبیہ نے ہی کی تھیں۔ ثوبیہ اس کی چھوٹی بہن ہے۔'' اس نے فوراً وضاحت کی تھی۔

فرحان دوپہر آنے کا کہہ کر آفس چلے گئے تھے۔ جبکہ ارمغان کلینک جانے کے لیے تیار ہونے لگا تھا اور پھر لنچ ٹائم سے ایک گھنٹہ قبل وہ تینوں پہنچ گئے تھے۔

''ارمغان بھائی نہیں آئے؟'' ثوبیہ نے پوچھا تھا۔ ''اور عافیہ آپا؟''

''اسے کلینک میں زیادہ اہم کام تھا اور عافیہ بجو کل رات ہی واپس چلی گئیں۔'' زادان نے ناجیہ کو دیکھتے ہوئے معنی خیزی سے کہا۔ وہ نظریں چرا گئی انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر ناجیہ اور ثوبیہ دونوں کچن میں آ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد نوما بھی وہیں چلی آئی۔

''ارے آج تم مہمان ہو۔ وہیں بیٹھو خبردار جو کچن میں گھسیں تو۔'' ناجیہ نے ڈانٹا۔

''میں کوئی مہمان نہیں ہوں۔ میرا تو گھر ہے یہ اور پھر اب تو ڈبل ڈبل رشتے ہیں۔'' وہ وہیں کرسی پر براجمان ہو گئی۔

ناجیہ اس کی بات ان سنی کر کے سلاد کاٹنے لگی۔ پھر سر اٹھا کر کہنے لگی۔

''راضیہ اور سلجوق بھائی بھی آ رہے ہیں۔ میں نے انہیں بھی انوائیٹ کر لیا کہ گپ شپ بھی رہے گی۔''

''بڑی اچھی بات ہے یہ۔ میں بھی دیکھوں ہما بھابی کا بھائی کیسا ہے؟'' وہ ایک دم ہی اداس ہو گئی تھی۔

''ہما بھابی کا کچھ پتہ نہیں چلا اور اریج، پتہ نہیں کس حال میں ہوں گی دونوں۔''

''اریج! ارے وہ تو میں نے شاید تمہیں بتایا نہیں۔ اریج کو ہما سلجوق بھائی کے گھر چھوڑ گئی تھی وہیں ہے وہ۔'' ناجیہ کو ایک دم یاد آیا تھا۔

''کیا؟'' وہ حیرت وخوشی سے گنگ رہ گئی۔ ''کمال کرتی ہو تم بھی، اتنی بڑی بات تمہیں یاد نا نہیں رہی۔''

''سوری یار، تم جب بھی ملیں افراتفری کا ہی عالم رہا بس ذہن سے نکل گئی یہ بات۔'' وہ شرمندہ ہوئی۔

اسی وقت راضیہ کا سر کچن کے دروازے سے برآمد ہوا۔

''Hello every body کیسی ہے نئی دلہن؟'' اس نے آتے ہی پوچھا تھا۔

''دلہن آپ سے ناراض ہے۔ آپ شادی میں کیوں نہیں آئیں؟'' نوما نے فوراً شکوہ کیا۔

''اوہو! یار اصل میں سلجوق Busy تھے۔'' اس نے جھوٹ بولا۔ حقیقتاً اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ ناجیہ نے اس کو بتایا تو تھا کہ اس کا کارڈ آیا ہوا ہے۔ اس نے کارڈ دیکھا بھی تھا۔ پھر جانے کیسے وہ یہ بھول گئی تھی اور ویسے بھی سلجوق سچ مچ بزی ہی تھے۔ اس کی برتھ ڈے تک تو یاد نہیں رہی تھی انہیں اس مصروفیت میں۔ ایک تلخ یاد سرسرائی۔ وہ سر جھٹک کر نوما کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''اچھی لگ رہی ہو۔ بلکہ خوبصورت تمہیں ہمیشہ سادہ ہی دیکھا ہے ناں۔''

''تھینک یو تمہاری کیسی گزر رہی ہے؟'' وہ مسکرائی۔ شاید تمہید باندھ رہی تھی۔

''اے ون۔'' راضیہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

''راضیہ اریج کیسی ہے؟'' نوما نے اچانک ہی پوچھا تو راضیہ نے الجھ کر ناجیہ کو دیکھا اس نے ناجیہ کو منع کر رکھا تھا اور یہ سلجوق کی ہدایت تھی لیکن ناجیہ نے سب بتا ڈالا تھا۔

''کون اریج؟'' وہ انجان بن گئی تھی۔

''ہما کی بیٹی۔'' نوما بے تابی سے گویا ہوئی تھی۔

''ناجیہ میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا۔ سلجوق اس بات کو کبھی پسند نہیں کریں گے۔ تمہیں نہیں معلوم یہ بات اس گھر کے افراد کے علاوہ صرف میں نے تمہیں بتائی تھی اور تم......''

''وہ میری بھتیجی بھی ہے راضیہ'' اس کے یوں کہنے پر نوما جزبز ہوئی تھی۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن سلجوق ہما سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے۔ وہ اپنی بیٹی چھوڑ گئی۔ اس کو تو باہر نہیں پھینکا جا سکتا۔''

''باہر کیوں ہماری بچی ہے ہمیں واپس دیں۔'' نوما کو راضیہ کی بات بہت بری لگی تھی۔

''اپنی وے تم مجھ سے کیوں الجھ رہی ہو۔ یہ سب تم سلجوق سے کہو۔'' راضیہ بھی ہتھے سے اکھڑ گئی۔ ماحول خراب ہوتے دیکھ کر ناجیہ نے مداخلت کی۔

''تم آپس میں کیوں لڑنے لگی ہو۔ بے کار میں چلو ڈرائنگ روم میں چلو سب۔''

''میں کھانا لگا رہی ہوں۔'' اس نے انہیں چپ کروایا۔ ماحول میں تلخی سے گھل گئی تھی۔

''آئیں نوما جی اور چلو ڈنکی تم بھی۔'' ثوبیہ انہیں پکڑ کر باہر لے گئی۔

ناجیہ کو تاسف ہو رہا تھا کہ کیوں اس نے یہ بات Leak out کی۔ جبکہ راضیہ نے منع بھی کیا تھا، لیکن اس سے نوما کی پریشانی دیکھی بھی نہ جا رہی تھی۔

جب وہ کھانا لگا کر انہیں کہنے آئی تو نوما اور راضیہ آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ گویا تلخی ختم ہوگئی تھی۔ کھانے کے دوران ہی فرحان احمد نے منگنی کا ذکر چھیڑ دیا۔ ناجیہ نے پہلو بدلا

جبکہ عزیز احمد نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی تھی اور پھر سے فرحان کے ساتھ باتوں میں مشغول ہوگئے تھے۔ تبھی نوما نے فرحان کے کان میں ہولے سے سرگوشی کی تھی۔

''یہ ہما کے بھائی ہیں اریج انہی کے پاس ہے۔'' فرحان بے طرح چونکے تھے اور سلجوق کی شکل دیکھنے لگے تھے۔

☆======☆======☆

''رومانہ نے اسی گھر میں رہنے کا فیصلہ کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اسے اندازہ نہیں ہے کہ وہ کیا کر رہی ہے۔'' سلیمان ملک ٹہل رہے تھے

''ایک غلطی تو ہم سے بھی ہوئی ملک صاحب۔'' راشدہ بیگم تیکھی ہوئی تھیں۔

''میں نے ہزار بار کہا ہے تم سے، مجھے میری غلطیوں کا احساس مت دلایا کرو۔'' وہ حسب عادت راشدہ بیگم کی دخل اندازی پر سیخ پا ہوئے تھے۔

اسی وقت سجاول اندر داخل ہوا۔

''تایا، تایا جان وہاں، وہاں حفیظہ کا دولہا پھر رہا ہے۔ وہ حفیظہ کو ڈھونڈ رہا ہے میں، میں نے اسے کہہ دیا حفیظہ تو مر گئی حفیظہ مر گئی ہے ناں، ہے نا تائی جان۔ آہا حفیظہ بھی مر گئی آہاہا تایا بھی مر جائے گا تائی بھی مر جائے گی میں بھی۔ آہاہا پھر یہاں سارے بھوت بن جائیں گے۔ آہاہا یہ حویلی بھوتوں کی حویلی کہلائے گی۔'' وہ تالیاں بجا بجا کر خوش ہو رہا تھا۔

''بکواس بند کرو۔'' سلیمان ملک نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا تھا۔

راشدہ بیگم تڑپ کر آگے بڑھیں سجاول ایک دم ہی چپ ہوگیا۔

''اپنی وحشت پر کہیں تو قابو رکھا کریں ملک صاحب، بیٹا ہے یہ آپ کا اور کتنا معصوم ہے یہ۔'' وہ اس کو ساتھ لگا کر پیار کرنے لگیں۔

''یہ بیٹا ہی کسی قابل نہیں ہے۔ یہ کسی قابل ہوتا تو آج حالات اتنے خراب نہ ہوتے۔ حفیظہ کبھی یہاں سے بھاگ نہ سکتی۔ میری تو جان سو جھمیلوں میں پھنسی پڑی ہے۔ کس کس کو دیکھوں میں، اسد کو دیکھوں یا حفیظہ کو ڈھونڈوں۔ میں اسے باہر بھجوا رہا ہوں علاج کے لیے بس۔'' انہوں نے اچانک ہی فیصلہ سنا دیا۔

''کمال کرتے ہیں آپ، میں اسے اپنے سے الگ کیسے کر دوں۔'' وہ تڑپ ہی تو گئیں۔

''تمہاری اپنی کمزوریوں نے آج اسے اس حال تک پہنچایا ہے۔ یہ کام مجھے بہت پہلے کر لینا چاہئے تھا اور تم اپنی یہ جذباتیت سنبھال کر رکھو اور فی الحال جا کر رومانہ کو سمجھانے کی کوشش کرو اور اسے لے آؤ۔ جب تک وہ یہاں نہیں آجاتی میں اسد کے خلاف کچھ نہیں کر

سکتا۔''

''وہ نہیں مانے گی۔ جب وہ سب کی منتیں کرتی پھر رہی تھی تب اسے کوئی لے کر نہیں آیا۔ اب جب کہ وہ انتہائی قدم اٹھا چکی ہے تو کیوں آئے اور پھر پریشانی کیسی آپ نے ہی تو کہا تھا یہ سب کچھ ملکوں کی شان ہے۔ ان حویلیوں میں صدیوں سے یہی ہوتا آیا ہے تو پھر اب تڑپ کیسی؟ رومانہ آپ کی بیٹی ہے اس لیے؟'' راشدہ بیگم تلخی سے گویا ہوئی تھیں۔

''تم، تم۔'' ملک صاحب غصے سے مٹھیاں بھینچ کر رہ گئے۔ ''تم دفع ہو جاؤ یہاں سے بلکہ اپنے گھر جاؤ مجھے نظر مت آنا اور کہیں میں کوئی فیصلہ کر بیٹھوں۔'' وہ کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

''ہونہہ!'' راشدہ بیگم نے نخوت سے کندھے جھٹکے۔ ''ساری عمر بیت گئی ظلم کرتے انسان کی اہمیت ایک مکھی سے زیادہ نہیں رہی ان کی نظر میں دولت کی ہوس میں کیا کچھ نہیں کیا۔ آخر ایک وقت تو مکافاتِ عمل کا بھی آنا ہے۔ کب تک بچیں گے خدا کے قہر سے۔'' وہ تلخی سے سوچ رہی تھیں۔

جب سے رومانہ والا واقعہ ہوا تھا وہ بہت رقیق القلب ہو گئی تھیں۔ انہیں سلیمان ملک کی ساری زیادتیاں ساری ناانصافیاں شدت سے محسوس ہونے لگی تھیں، یہ ان کا کیا ہی تھا جو بچوں کے آگے آیا تھا۔ بچپن میں ہی سجاول پاگل ہو گیا اور رومانہ کی حالت کیسی ترحم آمیز تھی۔ وہ ماں تھیں وہ بیٹی کی تکلیف کو جانتی تھیں لیکن بیٹی کی ضد سے بھی واقف تھیں۔ وہ اب کبھی اس گھر میں لوٹ کر نہیں آتی۔

''تائی حفیظہ کو کس نے مارا کیا تایا نے؟'' سجاول نے پھر سر اٹھایا تھا۔

''نہیں میرے بیٹے۔'' انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگایا۔ ''حفیظہ مری نہیں ہے۔ وہ زندہ ہے۔'' وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولی تھیں۔

''وہ بڑی اچھی تھی اماں مجھ سے بڑا پیار کرتی تھی کہتی تھی میری دلہن آئے گی۔ میری دلہن کیوں نہیں آئی کیا وہ کھو گئی ہے۔ آہ وہ کھو گئی ہے۔ میں اسے ڈھونڈ کر لاتا ہوں۔ میں اسے ابھی ڈھونڈ کر لاتا ہوں۔'' وہ تالیاں بجاتا اٹھا اور باہر بھاگ گیا۔

''خدا کے لیے سلیمان ملک اب تو بس کرو کتنا ظلم کرو گے خود پر اور اپنے بچوں پر۔'' انہوں نے آنکھوں میں آئی نمی صاف کی تھی۔

اور پھر چند ہی دنوں میں سلیمان ملک نے ساری تیاریاں مکمل کر لیں۔ امریکہ بہترین ہاسپٹل میں سجاول کا ایڈمشن ہو گیا۔ وہ خود ہمراہ جا رہے تھے۔ چند دن رکنے کے

واپس لوٹ آنے کا تھا۔ راشدہ بیگم چپ چاپ سب دیکھتی رہی تھیں۔

☆======☆======☆

''آخر کوئی وجہ تو ہو گی ناجیہ عزیز احمد؟'' وہ اس کے سامنے تھا۔ اس ستمگر کے سامنے جس ہمیشہ اپنی پروا کی تھی۔ کسی اور کے جذبات و احساسات کا خیال ہی نہیں تھا۔

''کوئی وجہ نہیں۔'' اس نے سر جھکائے اسے نظر انداز کیا۔

''تو پھر یکایک یہ فیصلہ کیوں؟'' اس نے احتجاج کیا۔

''میں اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کی مختار ہوں ارمغان صاحب، میں نے یہی بہتر جانا، اب کیوں اور کس لیے یہ آپ کو بتانا ضروری نہیں۔'' اس کے لہجے میں اس قدر بے گانگی تھی کہ ارمغان تڑپ کر رہ گیا۔ چند لمحے وہ اس کو دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ کر سخت لہجے میں بولا۔

''ناجیہ عزیز احمد!'' اس کے لہجے میں کچھ تھا کہ ناجیہ نے جھکا سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

''تم کیا سمجھتی ہو، تم جب چاہو کسی کو ٹھکرا سکتی ہو۔ جب چاہے دل کو پیروں تلے روند سکتی ہو، تمہارے نزدیک کسی کے جذبات و احساسات کی کوئی وقعت نہیں۔ بلکہ جذبات و احساسات کیا، تمہارے نزدیک تو کسی زندہ انسان، کسی جیتے جاگتے وجود کی کوئی اہمیت نہیں، تو محبت جیسا کومل جذبہ تمہارے لیے کیا اہمیت رکھ سکتا ہے۔'' اس کا لہجہ، اس کے الفاظ، ناجیہ کو اپنا حوصلہ ختم ہوتا محسوس ہوا تھا۔ اسے لگا جیسے اس کے سامنے ارمغان نہیں نقشم کھڑا ہو۔

''کیا تم اتنی ہی اعلیٰ و ارفع قسم کی شے ہو کہ دنیا تمہارے عشق میں پاگل ہو کر تمہارے پیچھے بھاگتی پھرے اور تم اس پر پتھر پھینکو، ہنسو، قہقہے لگاؤ۔ نہیں ناجیہ احمد نہیں تم کچھ بھی نہیں ہو۔ کوئی وقعت نہیں ہے تمہاری۔ کوئی پاگل نہیں ہوا تمہارے پیچھے۔ کوئی محبت نہیں کرتا تم سے، تمہارے مقدر میں محبت ہے ہی نہیں۔ تم بہت بدقسمت ہو وہ اور ہی لوگ ہوتے ہیں، خوش قسمت، مقدر والے، محبت جن کے لیے دعائیں لکھتی ہے۔ محبت جن کے قدموں میں پھولوں کی راہ بچھتی ہے، جن کی بلائیں لیتی ہے۔ وہ اور ہی لوگ ہوتے ہیں۔ جن کی پیشانیوں پر محبت کا راج لکھا ہے، تمہارے حصے میں صرف محرومی لکھی ہے۔ محبت سے محرومی، محبت کی دعا سے محرومی، تمہارے قدموں تلے صرف کانٹے ہیں۔ صرف کانٹے اور دیکھنا یہ ہے تم ان پر کب تک چل سکتی ہو۔ اپنے لہولہان وجود کو کہاں تک گھسیٹ سکتی ہو۔ کب تک تمہیں محبت کی دعاؤں کی طلب نہیں ہوگی، کب تک بھاگو گی۔''

وہ جذبات کی رو میں آ کر بولتا جا رہا تھا اور ناجیہ آنکھوں میں آنسو بھرے نفی میں سر ہلائے

جارہی تھی۔جیسے کہہ رہی ہو۔

''نہیں مجھے بدعامت دو میں تو پہلے ہی بددعاؤں کی زد میں ہوں۔محبت نے پہلے ہی اپنے بازو سمیٹ رکھے ہیں۔میرے پیروں تلے کانٹے ہی نہیں تپتا صحرا بھی ہے اور میں آبلہ پا ہوں۔''

لیکن ارمغان اس کی طرف دیکھے بنا اپنے دل کا غبار نکالتا چلا گیا۔وہ بے جان سی ہو کر بیڈ پر آن گری۔

ہاں وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھی،محبت جن کے لیے دعائیں لکھتی ہے۔

جن کے پیروں تلے پھول بچھاتی ہے،جن کی بلائیں لیتی ہے۔

وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھی جن کی پیشانیوں پر محبت نور بن کر دمکتی ہے۔

وہ بالکل خالی ہاتھ،خالی داماں تھی۔

اس کے پاس فخر کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔

نہ ماں،نہ باپ۔

وہ کسی جذباتی غلطی کا نتیجہ تھی۔

اس کا وجود خود اس کے لیے کراہیت زدہ ہو گیا تھا۔تو کیا جب کسی اور کو اس کی اصلیت کا پتہ چلتا تو وہ نفرت سے اس پر تھوک نہ دیتا۔

اور یہی وہ نہیں چاہتی تھی۔

وہ اتنی قابلِ تحقیر نہیں ہونا چاہتی تھی کہ لوگ اس پر تھوکتے پھریں۔اسے تمسخر بھری نظروں سے خوف آتا تھا۔

کوئی محبت نہ کرے تو اتنی تکلیف شاید نہ ہوتی ہو۔جتنا یہ امر قابلِ تکلیف ہے کہ کوئی آپ کو نفرت وتحقیر سے دیکھ رہا ہے اور صرف دیکھ نہیں رہا بلکہ وہ آپ کو اس قابل سمجھ بھی رہا ہے اور وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔

اپنی رسوائیوں،اپنی ذلتوں کا سامنا اکیلے کمرے میں تنہا بیٹھ کر کر لیا جائے تو یہ بھی حوصلے کی بات ہوتی ہے۔کیا ضرورت ہے اپنا آپ دوسرے کے سامنے رکھ کر اسے دعوت دی جائے کہ آؤ اور ہم سے نفرت کرو ہم پر تھوکو۔اس کا پورا وجود طوفانوں کی زد میں تھا۔محبت اس کے مقدر میں تھی ہی نہیں۔اس نے ایک بار پھر محبت کو کھو دیا تھا۔

''ناجیہ،ناجیہ!''کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

وہ پلٹی،عزیز احمد تھے۔اس نے دوبارہ منہ پھیر لیا۔

یہ شخص جو اس کا باپ تھا،لیکن کیسا باپ؟

اور ایک وہ تھی،جس کو اس کا باپ اس کی ماں کہتا تھا۔جو بچپن میں مرگئی تھی اور اب زندہ ہو گئی تھی کیسی فلمی سی کہانی تھی۔

مہرینہ ملک اور عزیز احمد کا رومانس چلا ہوگا۔

پھر خاندانی رسم ورواج یا اسٹیٹس آڑے آیا ہوگا،لیکن وہ جذبات کی رو میں بہت آگے نکل گئے ہوں گے اور مہرینہ ملک اپنا گناہ عزیز احمد کے حوالے کر کے خاندانی رسم ورواج کے مطابق کسی اپنے ہم پلہ کی ڈولی چڑھ گئی ہوگی اور عزیز احمد اس محبت کی نشانی کو سینے سے لگائے وہاں سے بھاگ نکلے ہوں گے۔پچ پچ اسے اپنے آپ پر رحم آیا۔

''ناجیہ میری بات سنو۔''وہ اپنے ہی خیالوں کا تانا بانا بُن رہی تھی کہ عزیز احمد کی آواز اسے حال میں کھینچ لائی وہ اٹھ بیٹھی اور اپنی سرخ انگارہ آنکھیں عزیز احمد کے چہرے پر گاڑ دیں۔

''کیا کہیں گے آپ؟''وہ تمسخرانہ گویا ہوئی۔''یہی ناں کہ آپ دونوں کی جذباتی محبت کی پیداوار ہوں میں۔یعنی ناجائز اولاد ہوں میں آپ کی شادی نہیں ہو سکی اور......''

''شٹ اَپ ناجیہ۔''عزیز احمد کا ہاتھ اٹھا اور اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔ضبط کی طنابیں یک لخت ہی ان کے ہاتھ سے چھوٹی تھیں۔ناجیہ ششدر سی گال پر ہاتھ رکھے انہیں دیکھ رہی تھی۔اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

''کس نے یہ فتور بھر دیا ہے تمہارے دماغ میں؟ بہت زیادہ گمان بھی گناہ ہوتا ہے یہ نہیں بتایا تمہیں کسی نے؟تم،تم مہرینہ ملک کی جائز اولاد ہو اور تمہارے باپ کا نام عزیز احمد نہیں احمد یار ہے سنا تم نے؟''وہ بپھر کر بولے تھے۔

''کیا؟''ناجیہ کا دماغ گھوم گیا تھا۔

''کون احمد یار؟''وہ کتنی دیر بعد بولنے کے قابل ہوئی تھی۔بے شمار طوفانوں میں آیا وجود جیسے ایک دم ٹھہر سا گیا تھا۔عزیز احمد وہیں صوفے پر ڈھے سے گئے تھے۔تھکن ان کے پورے وجود سے عیاں تھی۔

''بتائیں مجھے،کون ہوں میں،کیا رشتہ ہے میرا آپ سے،مہرینہ ملک سے اور احمد یار سے۔''وہ ان کو جھنجوڑنے لگی۔عزیز احمد نے آنکھیں کھولیں۔لال انگارہ آنکھیں۔ایک لمحہ کو ناجیہ کانپ گئی۔وہ اٹھے اور کھڑکی کے پاس جا کھڑے ہوئے۔تیز ہوا کا ایک جھونکا آیا اور کھڑکی بند ہوگئی۔انہوں نے ہاتھ بڑھا کر کھڑکی دوبارہ کھولی اور باہر جھانکنے لگے۔آسمان پر

کالے سیاہ بادلوں کا ہجوم امڈ آیا تھا۔ اسی دم بادل گرجے اور یکایک پھوار برسنے لگی۔ عزیز احمد نے ہتھیلیاں پھیلا دیں۔ ننھے منے پانی کے قطرے ان کی کھلی ہتھیلیوں پر آ کر ٹھہر گئے۔ پھر رفتہ رفتہ ان قطروں نے شکلیں اختیار کرنا شروع کر دیں۔ وہ سب شکلیں بے حد واضح تھیں۔ وہ ان سب کو پہچانتے تھے۔ بادل ایک بار پھر زور سے گرجا۔ انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ دور کہیں بجلی چمکی تھی اور چمکتے چمکتے وہ یکسر کچی پگڈنڈی کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ جس پر عزیز احمد اور احمد یار تیز بارش سے بچنے کے لیے درختوں کے نیچے سے ہوتے چل رہے تھے۔

''تمہیں کس اُلو نے مشورہ دیا تھا اس موسم میں گھر سے باہر نکلنے کا؟'' عزیز جھنجلایا تھا۔

''ایڈونچر میری جان، ایڈونچر۔'' احمد ہنسا۔

''بھاڑ میں گیا ایسا ایڈونچر تمہیں خبر ہے ہم رستہ بھول کر کدھر آ نکلے ہیں؟ دور دور تک کوئی بستی نظر نہیں آ رہی اوپر سے رات اپنا منہ کھولے تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہی ہے۔ ذرا غور کرو۔ جب رات اسی جنگل میں ہو جائے گی تو جنگلی جانوروں کے ساتھ رات گزارنا کیا ایڈونچر ہو گا؟'' عزیز نے دانت پیسے تھے۔

''ایک تو تم ڈرپوک بہت ہو۔ تمہیں تو چوڑیاں پہن کر گھر میں بیٹھ رہنا چاہیے۔'' احمد یار نے سیدھے سیدھے اس کی مردانگی پر چوٹ کی تو وہ تلملا گیا۔

''تم بڑے تیس مار خاں ہو۔ تمہاری بہادری کے قصے تو ہر روز اخباروں میں چھپتے ہیں ناں۔'' جواباً احمد یار نے زوردار قہقہہ لگایا۔ وہ اس کی تلملاہٹ سے محظوظ ہوا تھا۔

''غلطی تو تمہاری ہے تم نے بنا دیکھے بھکاری کو رحمٰن کا ایڈریس تھما دیا۔ وہ بھی بے چارہ جب روشنی میں اس جعلی نوٹ کو دیکھے گا تو تمہیں کیا کیا دعائیں دے گا سوچو میری جان سوچو۔''

احمد یار پھر ہنسنے لگا۔ عزیز چپ کر گیا کیونکہ غلطی واقعی اس کی تھی۔ بس میں بیٹھتے ہی جس بھکاری نے اس کا بازو پکڑا تھا اور بھیک لیے بغیر جان چھوڑنے پر آمادہ نظر نہ آتا تھا عزیز نے فٹافٹ جیب میں ہاتھ ڈال کر جو ہاتھ میں آیا اسے تھما دیا۔ مزید ستم یہ ہوا کہ راستے میں بس خراب ہو گئی۔ وہ دو ہی مسافر رہ گئے تھے۔ ڈرائیور نے کمال بے مروتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں بس سے اتار دیا۔ اب نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والا معاملہ ہو گیا۔

وہ کافی دیر وہاں کھڑے کسی سواری کے منتظر رہے پھر ڈرائیور سے ملک پور کا راستہ پوچھ کر ادھر کو چل پڑے اور ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھک گیا اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

ایسے میں انہیں جدھر کو رستہ ملا وہ بھاگ کھڑے ہوئے اب بارش میں تو کمی نہیں آئی تھی

البتہ وہ بھیگ جانے کے باعث تھر تھر کانپ رہے تھے اور ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرا رہے تھے۔

''شوق تو تمہیں بھی بہت تھا شکار کھیلنے کا۔ اُدھر رحمٰن کا خط آیا ادھر تم بندوقیں سنبھال محاذ پر جانے کے لیے تیار۔ جیسے بہت بڑے شکاری ہوں جناب۔''

''اچھا بابا تم تو مفت میں چلے آئے۔ اب آگے کی سوچو۔ کہاں جائیں گے اس وقت ملک پور کا رستہ تو ملنے سے رہا۔'' احمد یار نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا وہ سنجیدہ ہو گیا۔

''واقعی یار اس برستی بارش اور رات کے وقت ہم جائیں گے کہاں؟ ایسا کرتے ہیں۔ اسی پگڈنڈی پر چلتے رہتے ہیں آخر کہیں تو جائے گی۔'' عزیز احمد نے تجویز دی۔

''واہ! کیا Brilliant mind ہے تمہارا زبردست۔'' اس نے طنزیہ داد دی اور پھر بچتے بچاتے اسی سڑک پر رواں دواں ہو گئے۔ اندھیرا چھا گیا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔ احمد یار نے اپنے سفری بیگ میں سے ٹارچ نکال لی تھی، لیکن اس قدر خراب موسم میں اس کی روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔

احمد یار تو تھک کر گرنے ہی والا تھا کہ اچانک عزیز چلایا۔

''وہ مارا وہ سامنے دیکھو روشنی نظر آ رہی ہے ناں۔''

احمد یار نے ایک نگاہ ڈالی۔ ٹمٹماتی روشنی، شاید دور کہیں کوئی دیا جل رہا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ ہم بستی کے قریب پہنچ گئے ہیں۔'' عزیز نئے سرے سے پُرجوش ہوا تھا۔ بہر حال وہ ٹمٹماتی روشنی اتنی بھی قریب نہیں تھی۔ پہنچتے پہنچتے بھی اچھا خاصا وقت لگ گیا تھا ایک چھوٹا سا کچا مکان تھا۔ جس کے طاق میں رکھا وہ دیا انہیں یہاں لے آیا تھا۔ عزیز احمد نے لوہے کے دروازے پر زوردار دستک دی تھی۔ جو دور تک گونجی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک مضبوط آواز سنائی دی تھی۔

''کون اے ایس ویلے؟'' (اس وقت کون ہے۔)

''مسافر!'' دونوں بیک آواز بولے تھے۔

اندر سے چٹخنی گرانے کی آواز آئی اور پھر لوہے کا دروازہ چرچراتا ہوا کھل گیا۔ ہاتھ میں لالٹین تھامے وہ آنے والوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔

''او پتر اینہ پیا وسدا اے، پروہنے باہر ای کھلوتے رہسن؟''

(بیٹا برستی بارش میں مہمان باہر ہی کھڑے رہیں گے۔)

اندر سے ایک ضعیف آواز آئی۔ اس تنومند جوان نے ایک طرف ہو کر انہیں اندر آنے کا

راستہ دیا۔ وہ تھر تھر کانپتے اندر چلے آئے۔ وہ انہیں ایک چھپر کے نیچے لے آیا کھڑی کی ہوئی چار پائیاں سیدھی کیں۔

"بیٹھو سائیں۔" کہہ کر لالٹین وہیں ایک لکڑی سے لٹکا کر خود سامنے بنے کمرے میں گھس گیا۔ ان دونوں میں تو اب بولنے کی بھی سکت نہیں رہی تھی۔ کسی سائبان کے میسر آنے کے بعد ان کی گویا ساری ہمتیں جواب دے گئی تھیں۔ وہ سیدھے لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا۔

"سائیں ادھر چولہے ماں آگ جلا دی ہے اماں نے اودھر آ جاؤ۔" عزیز احمد نے اس پر ایک نگاہ ڈالی، پھر گرے ہوئے احمد یار پر وہ اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر بولا۔

"یار ادھر ہی لے آؤ تھوڑی سی۔ قسم سے میں ہمت کھو چکا ہوں۔"

"اٹھ جاؤ وہ کوئی چائے نہیں ہے جو کپ میں ڈال کر لے آؤں تھوڑی سی۔" عزیز نے اس کے دھپ رسید کی۔ اسے اٹھتے ہی بنی۔ اس میزبان کی ہمراہی میں وہ اٹھ کر اس چھوٹے سے کمرے میں آ گئے جو کہ غالباً باورچی خانہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

"یار یہ گیلے نچڑتے کپڑے۔" احمد یار کو اچانک ہی خیال آیا تھا۔ شاید چولہے کے گرد بچھی اس چٹائی کو دیکھ کر۔ نوجوان سمجھ گیا۔ ان کو ایک اور کمرے میں لے جا کر کپڑے دیئے کیچڑ سے لتھڑے جوتے اتار کر سائیڈ پر رکھے۔ وہ کہیں سے ادھ ٹوٹی دو چپلیں لے آیا۔

"سائیں اساں گریب لوک آں۔ جے کوئی گستاخی ہووے تاں معاف چاء کرنا۔" (سائیں ہم غریب لوگ ہیں کوئی گستاخی ہو جائے تو معاف کر دیں) اس نے نادم نادم سے انداز میں چپلیں ان کے آگے رکھیں۔ وہ چپلیں پاؤں میں اڑستے گرم لوئیاں لپیٹے پھر اسی باورچی خانے میں آ گئے۔ چولہے میں دہکتے کوئلوں کی مدھم روشنی میں کچھ بھی واضح نہیں تھا۔

قریب ہی ایک چادر میں لپٹا وجود دیگچی میں سے چائے پیالوں میں ڈال رہا تھا۔

"لنگ آؤ پترو!" ضعیف آواز آئی۔ وہ فوراً آگ کے نزدیک آ بیٹھے۔

عجیب سا سکون اترا تھا رگ و پے میں۔ ٹھٹھرتا وجود گرمی پاتے ہی مزید آسائش کا متمنی ہوا تھا۔ نوجوان نے آگے بڑھ کر چائے کے پیالے انہیں تھمائے اور وہ ندیدوں کی طرح چسکیاں لینے لگے۔

"ماں کوئی سالن بھاجی ہے؟" اس نے سرگوشی میں پوچھا تھا۔

اماں نے کوئی جواب دیئے بنا پیچھے پڑا لکڑی کا کھٹولا کھولا اور بڑی سی چنگیر نکال لی۔ چنگیر کے اوپر ہی مٹی کی پیالی میں کچھ ڈھکا ہوا تھا۔

دونوں کی بھوک یکا یک ہی چمک اٹھی تھی۔ چائے ختم کر کے وہ فٹافٹ ان روٹیوں پر ٹوٹ پڑے۔

"بھاجی تھوڑی اے بھرایا، پیپے وچوں گڑ کڈھ لیا۔" اماں نے نوجوان سے کہا (سالن تھوڑا ہے ڈبے میں سے گڑ نکال لاؤ) وہ اٹھا اور ڈبے میں سے گڑ نکال لایا۔

موٹی موٹی تنوری روٹیاں، آلوؤں کی بھاجی اور میووں والا گڑ۔

انہوں نے حقیقتاً اس طرح کا ڈنر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا نہ کھایا تھا۔

لیکن اس وقت یہ بھی انہیں کسی فائیو اسٹار ہوٹل کے کھانے سے کم نہ لگ رہا تھا۔

کھانے کے بعد وہ انہیں ایک کمرے میں لے گیا۔ جہاں چار پائیوں پر بستر لگے تھے۔

"ہن تساں آرام کرو جی!" وہ انہیں چھوڑ کر واپس پلٹنے کو تھا کہ احمد یار نے پکارا۔

"او گل تے سن بیلیا۔ تھوڑی دیر ساڈے کول وی بے جا۔" (یار بات تو سنو۔ کچھ دیر ہمارے پاس بھی بیٹھ جاؤ۔) وہ مسکراتا پلٹ آیا اور چار پائی پر بیٹھ گیا۔ مہمانوں کے منہ سے اپنی زبان سن کر اسے بے حد خوشی ہوئی تھی۔

"میرا نام اللہ بھرایا اے جی۔ ابا پنڈ دا مولوی اے۔ آج سویرے ای پھوپھی نوں ملن گیا اے۔ اک اماں اے تے اک میں ایک ساڈھی بھین وی سی...... چھڈو جی تساں کدھروں بھلے او......؟"

(میرا نام اللہ بھرایا ہے۔ ابا گاؤں کا مولوی ہے۔ صبح ہی پھوپھی سے ملنے گیا ہے۔ ایک میں اور ایک اماں ایک ہماری بہن بھی تھی...... چھوڑو جی آپ کدھر سے آئے ہو؟) جواباً احمد یار نے سارا قصہ کہہ سنایا۔

"تساں ملک صاحب دے پروہنے او؟" وہ چونکا تھا۔

"ہاں، اب تم اگر ہمیں صبح وہاں پہنچانے کا بندوبست کر دو تو یہ ایک اور احسان ہوگا تمہارا ہم پر۔"

عزیز احمد نے کہا تو وہ چپ سا کر گیا۔ پھر اٹھتے ہوئے بولا۔

"تساں ہن آرام کرو۔ سویرے گل ہوسی۔"

(آپ آرام کریں صبح بات کریں گے۔)

وہ کچھ مطمئن ہوئے اور نیند کی آغوش میں جاتے انہیں پتہ بھی نہیں چلا تھا۔

☆======☆======☆

"بھاگی او بھاگی۔" ایک کراری آواز آئی تھی۔

"جی مالکن۔" ملازمہ دوڑی آئی تھی۔

"ہمارا جھولا کدھر گیا۔ کس نے اتنی ہمت کی کہ ہمارا جھولا اتارے۔" وہ چیخ رہی تھی۔ بھاگی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا اس لیے خاموش کھڑی رہی۔

"مثلاً کس کتاب میں لکھا ہے کہ اگر مہر بی بی صبح اٹھ کر جھولا نہیں جھولیں گی تو سورج نہیں چڑھے گا۔" رحمٰن ادھر چلا آیا تھا۔ اصل میں اسے مہمانوں کی فکر ہوئی تھی۔ جو اس قدر شور پر جانے کیا سمجھتے۔

"لالہ، مجھے نہیں پتہ بس۔" اس نے پاؤں پٹخے۔

"کیا نہیں پتا عقل نام کی کوئی چیز ہے تیرے پاس یا کہ نہیں؟" رحمٰن نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"مہمان کیا سوچیں گے کہ ان کے گھر میں سب جاہل اجڈ اور گنوار ہیں۔"

"تو پھر پوچھیں ان سے کدھر گیا ہمارا جھولا؟" وہ ذرا دھیمی پڑی تھی۔

"ہاں بھئی بھاگی پتہ کرو اور ہاں بابا جان نے ناشتا کر لیا یا نہیں؟" بھاگی ان کی خاندانی ملازمہ تھی اور باقی ملازماؤں سے اس کا درجہ قدرے بلند بھی۔

"ملک صیب تو جی سویرے ہی وڈے گھر چلے گئے۔ فون آیا تھا جی۔" اس نے اطلاع پہنچائی۔

"کیوں خیر تو تھی؟ چلو تم ناشتا دیکھو کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔" وہ اسے کہتے ہوئے مہر کو پھر سے تنبیہہ کرتے اوپر چلے آئے۔

عزیز احمد نے دریچے سے سارا منظر دیکھا تھا۔ احمد یار ابھی تک پڑا اینٹھ رہا تھا۔ کل دن چڑھے تک اللہ بھرایا کے گھر پڑے اینٹھتے رہے تھے۔ کچھ بارش سے بھیگ جانے کے باعث کچھ تھکن۔ ان کا جسم بری طرح دکھ رہا تھا۔

اللہ بھرایا نے انہیں اصلی گھی سے تر بتر پراٹھوں اور انڈوں کا ناشتہ کروایا تھا ساتھ میں میٹھی لسی تھی۔ وہ دوپہر کے کھانے پر مرغی پکانے کا ارادہ رکھتا تھا، لیکن انہوں نے بے حد مشکور ہوتے ہوئے اس سے اجازت چاہی تھی۔ اللہ بھرایا انہیں ملک پور جانے والے تانگے پر بٹھا گیا تھا۔ وہ رات آٹھ بجے ملک پور پہنچے تھے۔

رحمٰن ان کی کوئی اطلاع نہ پا کر سخت پریشان تھا۔ شہر بھی فون کر چکا تھا، لیکن وہاں سے یہی خبر ملی تھی کہ وہ روانہ ہو گئے ہیں ان کو دیکھتے ہی وہ پُرسکون ہو گیا تھا۔

کھانا کھاتے ہوئے احمد یار نے سارا واقعہ اس کے گوش گزار کیا تھا اور وہ بے حد

تھا۔

پھر رات گئے تک وہ باتوں میں مشغول رہے تھے۔ رحمٰن نے انہیں سلطان ملک اور ملکانی بی بی سے ملوایا تھا۔ دونوں بڑی اچھی طبیعت کے مالک تھے۔ رحمٰن کو ان کا پورا خیال رکھنے کی تاکید کرتے وہ خواب گاہ میں چلے گئے تھے۔ وہ دونوں سچ مچ اس حویلی سے اور اس کے مکینوں سے مرعوب ہو گئے تھے۔ وہ اتنا تو جانتے تھے کہ رحمٰن ملک کھاتی پیتی فیملی سے تعلق رکھتا ہے، لیکن اس قدر وسیع رقبے پر پھیلی ریاست کا انہیں اندازہ نہیں تھا۔ رحمٰن ملک کو شو مارنے کی عادت نہیں تھی، لیکن یونیورسٹی میں اس کا رکھ رکھاؤ جداگانہ ہی تھا۔

دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ عزیز احمد نے آگے بڑھ کر احمد یار کے اوپر سے کمبل کھینچا۔

"اُٹھ جا باہر سے بلاوا آ رہا ہے۔"

"کیا ہے سونے کیوں نہیں دیتا۔" وہ جز بز ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے سوتو ہم ہاسٹل کے اس کمرے میں بھی رہے تھے۔ یہاں ہم کوئی سونے کے مقابلے میں شریک ہونے نہیں آئے۔ اٹھ جا نہیں تو بیڈ الٹ دوں گا۔" عزیز کی دھمکی کارگر ثابت ہوئی احمد اٹھ بیٹھا۔ دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی تھی۔ عزیز نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ رحمٰن مسکراتا ہوا اندر آیا۔

"صبح بخیر میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟"

"عادی مجرم ڈسٹرب نہیں ہوتے۔" احمد یار نے قہقہہ لگایا اور اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔

ناشتہ بھی رات کے کھانے کی طرح پُرتکلف تھا۔ وہ تینوں ہی تھے۔ انہوں نے ملک صاحب کے بارے میں پوچھا تو رحمٰن بتانے لگا۔

"وہ صبح سویرے ناشتہ کرنے کے عادی ہیں۔ آج شاید ناشتہ کیے بغیر ہی "بڑے گھر" چلے گئے۔"

"بڑے گھر؟" دونوں نے ایک ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں بڑی اماں کی طرف!" وہ ہنسا۔ "بابا جان نے دو شادیاں کی ہیں وہی زمینداروں کی طرح۔ دو دو، چار چار بیویاں رکھنا ان کے شایانِ شان ہوتا ہے۔ یہ ملک پور اصل میں اماں کو جہیز میں ملا تھا۔ بڑی اماں کو جب پتہ چلا بابا جان نے شادی کر لی ہے تو انہوں نے آبائی حویلی میں ان کا داخلہ بند کر دیا تھا۔ یہ جگہ صرف چند ایک گھروں پر مشتمل تھی۔ کمی لوگوں کے اکا دُکا گھر تھے اور بس، لیکن جب یہ جگہ نانا جان نے اپنی بیٹی رابعہ کے نام لگائی تو یہ حویلی تعمیر کروا

دی تھی۔ بابا جان کو اماں سے بڑا زوردار قسم کا عشق ہو گیا تھا۔''

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد وہ چلتے ہوئے باہر آ گئے تھے۔ رحمٰن بڑے دلچسپ پیرائے میں ماضی کو دہرا رہا تھا اور وہ دونوں بھی بڑی دلچسپی سے سن رہے تھے۔

''تو بابا جان نے اماں کے گھر کی دہلیز ایسی پکڑی کہ نانا جان کو ہاں کرتے ہی بنی۔ شادی ہو گئی وہ بڑے کروفر سے اماں کو حویلی لے کر پہنچے لیکن ان کی سلطنت کا تختہ الٹ چکا تھا۔ شہزادی بیگم جو کبھی اونچی آواز میں شوہر کے آگے نہ بول سکی تھیں۔ حویلی کے سب کمرے لاک کروائے بیٹھی تھیں۔

''کمداران سے بول دو اس حویلی میں ان کے لیے کہیں جگہ نہیں ہے۔ یہ گھر میرا اور میرے بچوں کا ہے۔ اپنی دلہن سمیت یہاں سے چلے جائیں اور مہربانی ہو گی آئندہ ادھر کا رخ نہ کریں۔''

ان کے لہجے میں تحکم تھا سختی تھی اور سلطان ملک شکست کھا گئے۔ وہ رابعہ کو لے کر کسی دوست کے ہاں بھی نہیں جا سکتے تھے۔ جب رابعہ کو ساری بات کا پتہ چلا تو انہوں نے سلطان ملک سے ملک پور چلنے کو کہا۔

''ملک پور تب تک ملک پور نہیں بلکہ یونہی گاؤں کہلاتا تھا کیونکہ وہ نانا جان کی جاگیر کا ہی ایک حصہ تھا۔ سلطان ملک کی غیرت اس بات کے منافی تھی وہ رابعہ کو لے کر شہر آ گئے اور رات ایک ہوٹل میں بسر کی۔ رات بھر میں انہوں آئندہ کے لیے لائحہ عمل سوچ لیا تھا، لیکن رابعہ ان سے کہیں زیادہ جلد باز نکلیں انہوں نے گاؤں فون کر کے فوراً منشی اور پٹواری کو طلب کر لیا۔ سلطان ملک شہزادی بیگم سے بات کرنے نکلے تھے۔ انہوں نے فوراً سے پیشتر انہیں کاغذات تیار کرنے کو کہا اور پھر بالا ہی بالا گاؤں کا نام ملک پور رکھ کر تمام جائیداد کا مختار نامہ سلطان ملک کے نام منتقل ہو گیا۔ یہ کام دو چار روز میں ہی نپٹ گیا۔ سلطان ملک کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔

نانا جان نے رابعہ کے کہنے پر حویلی کی از سرِ نو تزئین و آرائش کروا دی اور ضرورت کی ہر چیز وہاں پہنچا دی گئی۔ جب سب کام مکمل ہو گیا، تب انہوں نے سلطان ملک کو گاؤں چلنے کو کہا۔ وہ اب بھی وہاں جانے کو قطعاً رضامند نہ تھے۔ رابعہ نے انہیں تمام کاغذات دکھا دیئے۔ وہ ہکا بکا رہ گئے۔ وہ جو اتنی چاہ سے انہیں بیاہ کر لے آئے انہیں کچھ نہ دے سکے تھے اور رابعہ نے اپنا سب کچھ انہیں سونپ دیا تھا۔

''یوں یہ ملک پور آباد ہو گیا۔'' وہ چلتے چلتے باغ میں پہنچ گئے یہ وہی جگہ تھی جہاں صبح عزیز احمد نے چیخ و پکار سنی تھی۔

''باغ تو بہت بڑا ہے اور حویلی کے احاطے میں۔'' احمد یار نے ستائشی نظروں سے باغ کو دیکھا۔

''یہ بھی نانا جان کا شوق تھا۔ تم دیکھنا یار اس حویلی میں بہت کچھ ہے۔ یہ باغ تو ہلکا سا نمونہ ہے۔'' رحمٰن ہنسا تھا۔

''مگر یار تم تو کہہ رہے تھے کہ بابا جان بڑے گھر گئے ہیں۔ غالباً تمہاری بڑی اماں نے انہیں حویلی بدر کر دیا تھا؟'' عزیز احمد اس ادھوری کہانی میں الجھا تھا۔

''ہاں!'' وہ ایک بار پھر ہنسا۔ ''بڑی اماں نے سمجھا تھا بابا جان ان کے اس فیصلے سے گھبرا کر اماں جان کو طلاق دے دیں گے اور ان کی طرف دوڑے آ جائیں گے، لیکن ہوا اس کے برعکس۔ یہاں ملک پور آباد ہو گیا تو انہیں حویلی کے اجڑنے کا احساس ہوا انہوں نے سوچا اس سے اچھا تھا کہ وہ انہیں حویلی میں رہنے دیتیں اور رابعہ بیگم کا جینا دوبھر کر دیتیں لیکن ان کی چال الٹی ہو گئی تھی۔ پھر انہوں نے بچوں کو سیڑھی بنایا۔ ہفتہ میں ایک دوبارہ کوئی ملازم چلا آتا۔

''آپ کو سلیمان صاحب یاد کر رہے ہیں یا تہمینہ بی بی آپ کی یاد میں رو رہی ہیں۔''

ظاہر ہے وہ بچے تھے۔ بابا جان کو جانا پڑتا۔ یوں حویلی میں جانے کی راہ ہموار ہو گئی۔ بڑی اماں نے سمجھ لیا کہ وہ یہ بازی ہاتھ سے نکال چکی ہیں، اس لیے اب صبر سے کام لینا ہی دانشمندی ہے، لیکن انہوں نے یہ ظلم ضرور کیا کہ اپنی ساری نفرت انہوں نے بچوں کے دل میں انڈیل دی ہے۔ سلیمان لالہ اور تہمینہ آپا ہم سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ کبھی ''ملک پور'' نہیں آئے۔ حتیٰ کہ پچھلے برس سلیمان لالہ کی شادی ہوئی تو بھی ہمیں وہاں جانے نہیں دیا۔ حالانکہ اماں ان کا ہر موقع پر خیال رکھتی ہیں۔ عید شب برات پر ان کو کپڑے بھجواتی ہیں۔ آگے پیچھے بھی وہ کچھ نہ کچھ بھجواتی رہتی ہیں، لیکن ان کی نفرتوں میں کمی نہیں آئی۔''

رحمٰن کچھ افسردہ سا ہو گیا تھا۔ وہ دونوں بھی خاموش ہو گئے۔

''چلو یار اس طرح تو ہوتا ہے۔ اس طرح کے کاموں میں۔'' عزیز نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''شکار پر کب نکل رہے ہیں ہم لوگ؟''

''آئے ہو تو رکو کچھ دن یہاں کی سیر کرو خالص آب و ہوا کا مزہ چکھو پھر شکار پر بھی چلیں گے۔''

رحمٰن مسکرایا تھا۔

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں اسے Home sickness ہونے لگے گی۔

Mummy Dady Child ہے یہ پتہ نہیں ہاسٹل رہ کر پڑھائی کیسے کرتا ہے؟'' احمد نے طنزیہ عزیز کی طرف دیکھا۔

''ممی ڈیڈی نہیں بھائی بھاوج۔'' عزیز نے برا منائے بغیر تصحیح کی۔

پھر تینوں ہنس پڑے تھے۔

☆======☆======☆

''مائی ڈیئر احمد یار یہ جو تم وائلن بجا رہے ہو۔ اس سے اور کچھ ہو نہ ہو پڑوس کے مُردے ضرور جاگ جائیں گے، میرے خدا رحم کرنا۔'' اس نے ہاتھ اوپر اٹھائے۔

احمد یار کی حالت میں سرِ مُو کوئی فرق نہ آیا۔ وہ دھنیں چھیڑنے میں محو تھا۔ پچھلے ایک گھنٹے سے اس کی یہی حالت تھی اور عزیز احمد اب بور ہونے لگا تھا۔

''مثلاً اب ہوا کیا ہے؟'' تنگ آ کر اس نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ خلافِ توقع وہ جھنجھلایا نہیں بلکہ مسکرا کر عزیز کی طرف دیکھنے لگا۔ عزیز کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا۔

''تم ٹھیک تو ہو؟'' وہ تشویش سے اس کی طرف بڑھ آیا۔

''ہاں مجھے کیا ہوا ہے؟'' اس نے مسکراتے ہوئے وائلن ایک طرف رکھا اور اٹھ کر دریچے میں جھک آیا۔ رحمٰن کے کچھ دوست آئے تھے وہ ادھر مصروف تھا اور یہ دونوں کمرے میں پڑے تھے۔ باغ اس وقت ویران پڑا تھا۔ اس نے گھڑی پر نظر دوڑائی سہ پہر کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔ اس وقت تک تو وہ آ جاتی تھی۔ آج ابھی تک کیوں نہیں آئی تھی وہ مضطرب ہونے لگا۔

''تم میری سمجھ سے بالاتر ہو رہے ہو احمد یار۔'' عزیز چیخا تھا۔

وہ پلٹ آیا۔ ''تم نے کبھی کوئل دیکھی ہے؟'' انداز کھویا کھویا تھا۔

''نہیں!'' وہ چڑا بیٹھا تھا اس لیے لٹھ مار انداز میں جواب دیا۔

''بہت خوبصورت ہے کوئل۔ اس کی آواز میں اتنی مٹھاس اور جادو ہے کہ انسان مبہوت ہو جائے۔'' وہ آنکھیں میچے کسی اور ہی جہاں میں تھا گویا۔

عزیز احمد کا دل گھبرا اٹھا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف آیا تھا۔

''سنو کہیں وہ کوئل رحمٰن ملک کے باغ کی تو نہیں؟''

''ارے نہیں۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر نفی میں سر ہلایا۔

''سنو، سنو!'' اچانک ہی وہ اٹھ کر دریچے کی طرف بھاگا۔

امبوا کی ڈاریوں پر جھولنا جھلا جا
اب کے برس تو ساجن گھر آجا

فضاؤں میں مدھر آواز بکھری تھی۔ عزیز احمد بے ساختہ احمد یار کے پیچھے بھاگا تھا باغ میں ذی نفس نہ تھا، لیکن آواز آ رہی تھی۔ مدھر جادو بکھیرتی آواز، اسے The Cuckoo یاد آئی شاعر کوئل کی آواز کی سحر میں کھویا اس کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے لیکن کوئل اسے کہیں نظر نہیں آتی۔ عزیز کو لگا جیسے احمد یار کی حالت بھی اس شاعر جیسی ہو رہی ہے۔

اس نے بلا ارادہ احمد یار کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ چونک اٹھا۔ ''یہ غلط ہے۔'' وہ دھیمے سے کہتا اسے واپس لایا تھا۔

''میں جانتا ہوں یہ غلط ہے!'' وہ مسکرایا۔ ''مگر میں آواز سنتے ہی مبہوت ہونے لگتا ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے میں اس کو ایک نظر دیکھوں۔ مگر وہ نظر نہیں آتی۔''

''ہم یہاں مہمان ہیں احمد یار۔ ایسی کوئی بات نہیں ہونی چاہئے۔ جس سے رحمٰن ملک کی عزت پر حرف آئے۔'' عزیز نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

''ایک تو تم ہر بات میں پند و نصائح کھول کے بیٹھ جاتے ہو۔'' احمد یار چڑ کر بولا تھا۔

عزیز نے مزید کچھ کہنے سے گریز کیا۔ پھر ماحول کی کشیدگی ختم کرنے کو بولا۔

''چلو نیچے چلتے ہیں۔ کیا کمرے میں بند ہو کے بیٹھے ہیں۔''

''میں نہیں جا رہا۔'' اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ عزیز اسے اس کے حال پر چھوڑتا نیچے آیا۔ آخری سیڑھی پہ تھا جب اچانک ہی کوئی زور سے آن کر گرا۔ وہ تیزی سے لپکا تھا۔ مگر تب تک گرنے والی سنبھل چکی تھی۔

''لگا دی ناں نظر۔'' وہ گھنی پلکیں اٹھا کر شکوہ کناں ہوئی تھی۔

اور عزیز احمد جہاں کا تہاں رہ گیا تھا۔

کائنات جیسے گردش کرتے کرتے تھم گئی تھی۔

ان ساگر آنکھوں میں ڈوبنے میں اسے سیکنڈ کا ہزارواں حصہ لگا تھا۔

وہ ششدر کھڑا تھا کہ اچانک خاموشی میں گھنٹیاں بج اٹھیں۔

وہ منہ پر ہاتھ رکھے ہنسے جا رہی تھی۔

''ہو گئے ناں پتھر۔ ہم چیز ہی ایسی ہیں۔'' ہنسی روک کر اس نے ساکت کھڑے عزیز پر ایک مغرور نگاہ ڈالی پھر ریلنگ کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی۔ پھر ایک دم کراہی۔

''پاؤں زخمی ہو گیا ہمارا۔'' اس نے ایک ہاتھ سے ریلنگ تھام کر دوسرے سے پاؤں دبایا۔ عزیز احمد تو سچ مچ پتھر کا ہو گیا تھا۔ وہ لنگڑاتی ہوئی اسے عجیب نظروں سے دیکھتی وہاں سے

"کیا ہوا؟ یہاں کیوں پتھر ہوئے کھڑے ہو!" احمد یار نے اسے جھنجھوڑا تھا۔ وہ چونکا
خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا پھر واپس سیڑھیاں چڑھ گیا۔ وہ اپنا آپ اس سیڑھی پر چھوڑ
تھا۔ احمد یار سمجھا وہ کچھ دیر پہلے کا بدلہ لے رہا ہے۔ کندھے اچکاتا نیچے اتر گیا۔ "خود ہی مان جائے گا۔" اس نے سوچا تھا۔

☆======☆======☆

اگلے دن انہیں شکار کے لیے نکلنا تھا۔ وہ دونوں باہر جیپ میں منتظر بیٹھے تھے احمد یار اچانک کچھ یاد آنے پر اوپر گیا تھا۔

"اب یہ اوپر کیا کرنے گیا ہے؟" رحمٰن ملک نے گھڑی پر نظر ڈالی۔

"اپنے شکار کا سامان لینے۔" عزیز احمد مسکرایا تھا۔

"کیا مطلب؟" اس نے حیران ہو کر دیکھا۔

"موصوف اپنا وائلن لینے گئے ہیں۔ وائلن ہی سے تو شکار کریں گے۔"

اور عزیز کی بات سچ تھی۔ وہ اپنا وائلن کندھے پر رکھے چلا آ رہا تھا۔

رحمٰن ملک نے ماتھا پیٹ لیا۔

"شکار پر جا رہے ہو یا میوزک پروگرام میں حصہ لینے۔"

"میں دیکھوں گا جب تمہارے نشانے خطا جا رہے ہوں گے۔ تب میرا یہ وائلن اپنی دھن کا جادو جگا کر تمام پرندوں کو گھیر لائے گا۔" اس نے ایک ادا سے کہا تھا۔

"سبحان اللہ!" دونوں کا قہقہہ جاندار تھا۔

پھر بے شمار تیتروں اور بٹیروں کا شکار کر کے وہ شام گئے لوٹے تھے۔

رحمٰن انہیں خانساماں کے سپرد کر کے خود ان کے ساتھ اوپر چلا آیا۔

آتی گرمیوں کی شام تھی۔ تپش ابھی باقی تھی۔ ڈوبتا سورج ایک اور دن ختم ہونے کی کہانی سنا رہا تھا۔

تینوں خاموشی سے بیٹھے شاید تھکن اتار رہے تھے۔

"کیا خیال ہے کل واپس نہ چلا جائے۔ اماں اداس ہو رہی ہوں گی۔" عزیز احمد نے کہا تو دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اماں اداس ہو رہی ہوں گی یا تم خود ان ڈھیر ساری حسیناؤں سے؟" احمد یار نے کہا تھا۔

"ڈھیر ساری حسینائیں چھٹیوں میں غالباً اپنے اپنے گھر کو چلی جاتی ہیں۔" ادھر

ترنت جواب آیا تھا۔

"تمہیں تو آگے پیچھے کی کوئی فکر نہیں۔ میں اپنے سے وابستہ لوگوں کے جذبات کا احترام کرتا ہوں۔"

"اچھا اب احترام آدمیت پر کتاب نہ کھول کے بیٹھ جانا۔ میرا قطعاً موڈ نہیں ہو رہا۔ بلکہ اس وقت تو ٹھنڈے پانی سے نہانے کا موڈ ہو رہا ہے سو میں چلا۔" احمد یار نے کہتے ہوئے باتھ روم کا رخ کیا۔

"رکو یار میں شربت کا کہہ کر آیا ہوں پی لو۔" رحمٰن جو ان کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہا تھا اسے جاتے دیکھ کر روکنے لگا۔ وہ پلٹ آیا۔ اسی وقت ملازم ٹرے میں شربت کا جگ اور گلاس رکھے اوپر آ گیا۔

"دیکھو یہ لیچی کا شربت۔ کل ہی بابا جان نے کوئٹہ سے منگوائی ہیں۔ بہت مزیدار شربت ہے۔ بابا جان بہت پسند کرتے ہیں اس لیے موسم آتے ہی ان کے لیے ٹوکرے پہنچنے شروع ہو جاتے ہیں۔"

"کیا آسمان سے؟" احمد یار نے گھونٹ بھرتے ہوئے رحمٰن کو دیکھا۔

"کوئٹہ سے، بابا جان کے دوست رہتے ہیں ناں وہاں۔" اس نے وضاحت کی، شربت واقعی مزیدار تھا۔ کچھ پیاس تھی پورا جگ خالی ہو گیا۔

"اور منگواؤں؟" رحمٰن ملک نے پوچھا۔

"نہیں یار پھر سہی۔" احمد یار کے بولنے سے قبل ہی عزیز احمد نے منع کیا۔

احمد یار نہانے چلا گیا۔ تو رحمٰن ملک بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم بھی فریش ہو لو پھر آ جانا نیچے آج پنچایت لگنی ہے۔ دیکھنا۔" اس نے عزیز احمد سے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جب وہ فریش ہو کر نیچے پہنچے تو رحمٰن ان کا منتظر تھا۔ سلطان ملک پنچایت کے سرپنچ تھے۔ اس لیے وہ پہلے ہی نکل چکے تھے۔

"میں جب گاؤں آتا ہوں تو گاؤں کی ساری سرگرمیوں میں حصہ لیتا ہوں کیونکہ مجھے بھی کل کو اسی جگہ آنا ہے۔" رحمٰن ملک بتانے لگا۔

"یعنی تم بھی چوہدری صاحب نہیں ملک صاحب بن جاؤ گے۔ پھر تو تم ہمیں پہچانو گے بھی نہیں۔"

احمد یار نے کہا تو رحمٰن ملک نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں کچھ بھی ہو جاؤں احمد یار۔ یہ گھر تمہارا بھی ہے۔ تم میرے دوست نہیں بھائی ہو اور

میں تم دونوں کی ہمراہی میں ایسے ہی محسوس کرتا ہوں جیسے میں اپنے بھائیوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چل رہا ہوں۔'' اس کا لہجہ گمبھیر ہوا تھا۔ احمد یار شرمندہ سا ہو گیا۔

''یہ پنچایت کس سلسلے میں بلائی گئی ہے؟'' عزیز احمد نے موضوع بدلا۔ وہ پیدل ہی چل پڑے تھے۔

''ساتھ والے گاؤں کے ایک لڑکے نے یہاں کے دینو کمہار کی لڑکی کو ورغلا کر اس سے چوری چھپے بیاہ کر لیا ہے۔ لڑکی کا باپ اس کی شادی کہیں اور کرنا چاہتا تھا۔ اب اس کی ناک کٹ گئی ہے اس نے پنچایت سے درخواست کی ہے کہ لڑکی کو اس غیر برادری کے لڑکے سے طلاق دلائی جائے۔ اب دونوں گاؤں کے نمبردار فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا ہے۔''

''اب فیصلہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب دونوں نکاح ہی کر چکے تو پھر ان کو اکٹھے زندگی گزارنے سے کون روک سکتا ہے۔'' احمد یار نے مداخلت کی۔

''یہ غیرت کا معاملہ ہے۔ ایسی باتیں شہروں میں تو چل سکتی ہیں یہاں نہیں کسی ایک کو رعایت دینے کا مطلب تو صاف صاف یہ ہوا کہ باقی ساری لڑکیوں کو شہ مل جائے اور کل کو ساری لڑکیاں ہی اس ڈگر پر چل پڑیں۔'' رحمٰن ملک قدرے جوش میں آ گیا تھا۔

''کمال ہے تم اتنے پڑھے لکھے ہو کر بھی اس سوچ کی حمایت کر رہے ہو جو سراسر جاہلانہ ہے، ٹھیک ہے انہوں نے غلطی کی ہے، لیکن اس میں دونوں کے گھر والے بھی تو شریک ہوں گے۔ مجھے یقین ہے دونوں نے پہلے بھرپور کوشش کی ہو گی اور تنگ آ کر دونوں نے یہ قدم اٹھایا ہو گا۔'' عزیز احمد نے بھی سائیڈ لی تھی۔

''لیکن یہ ہماری غیرت کے منافی ہے۔ پڑھے لکھے ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ غلط کو صحیح قرار دینے لگیں۔ جو غلط ہے وہ غلط ہی ہے۔ کوئی دلیل اس کو درست نہیں کہہ سکتی۔''

رحمٰن ملک کا لہجہ کسی بھی لچک سے عاری تھا۔

وہ گاؤں کے باہر ایک کھلے میدان میں پہنچ گئے تھے۔ جہاں پنچایت اکٹھی تھی۔ درختوں کے جھنڈ کے نیچے دونوں طرف بے شمار چارپائیاں لگائی گئی تھیں اور ان پر چادریں بچھا دی گئی تھیں۔ اطراف میں لگی چارپائیوں کے درمیان ایک کرسی دھری تھی جس پر سلطان ملک براجمان تھے۔ جبکہ باقی چارپائیوں پر گاؤں کے لوگ سر نیہوڑائے بیٹھے تھے۔

غالباً مقدمہ کی سنوائی ہو چکی تھی اور لوگ اب فیصلے کے منتظر تھے۔ وہ چپ چاپ جا کر پچھلی چارپائیوں پر بیٹھ گئے۔

''تم کیا کہتے ہو فضل دین؟'' ملک صاحب کی آواز گونجی۔

''مجھے کیا کہنا ہے ملک صاحب۔ جو پنچایت کا فیصلہ ہو مجھے منظور ہے۔'' ادھر سے نہایت فرمانبردارانہ جواب آیا تھا۔ ملک صاحب قدرے توقف کے بعد کہنے لگے۔

''تم جانتے ہو ہمارے یہاں کسی لڑکی کا گھر سے بھاگ کر شادی کرنا کس قدر معیوب ہے اور اس کی سزا موت ہے پنچایت اپنی پچھلی روایات کو قائم رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرتی ہے کہ دونوں کو بغاوت کرنے کے جرم میں گولی مار دی جائے۔''

''نہیں!'' احمد یار اچھلا تھا۔ عزیز احمد کے بھی کم و بیش یہی تاثرات تھے۔

جبکہ رحمٰن ملک نے دونوں کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ پنچایت میں خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ دونوں منتظر تھے شاید کوئی احتجاج کرے لیکن لوگوں کے جھکے سر اس فیصلے کی تائید کر رہے تھے۔

''یہ ظلم ہے رحمٰن۔'' احمد یار کی برداشت سے باہر تھا۔ رحمٰن نے ایک نظر اس کے مضطرب چہرے پر ڈالی۔

''تم نے دیکھا نہیں کوئی اس فیصلے پر معترض نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ لڑکے اور لڑکی کے والد بھی، یہاں کے اصول رسم و رواج یہی ہیں۔ ایسا کرنے سے باقی لوگوں کو نصیحت ہو گی۔ ہمارے گاؤں میں بہت کم ایسے واقعات ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ اس طرح کے کام کی سزا عبرتناک دی جاتی ہے۔ اینی وے تمہیں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ چلو چلتے ہیں۔''

اس نے احمد یار کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ عزیز احمد کی تو گویا قوتِ گویائی ہی سلب ہو گئی تھی۔ وہ کسی معمول کی طرح ان کے پیچھے چل پڑا تھا۔

کھانا بہت مزیدار تھا لیکن ان دونوں کو بالکل بھی مزا نہیں آیا تھا۔ ان کے دل بہت بری طرح خراب ہوئے تھے۔ انسانی جانوں کی ارزانی انہیں ہولا گئی تھی۔

''ہم کل واپس نکل رہے ہیں۔'' دو چار لقمے زہر مار کرنے کے بعد عزیز احمد نے فیصلہ سنایا تھا۔

رحمٰن نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر احمد یار کو۔ وہ بھی ادھر ہی متوجہ تھا۔

''میرا خیال ہے تم نے اس واقعہ کو ضرورت سے زیادہ سیریس لے لیا ہے۔'' اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں خاموش رہے۔

''چلو ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔ میں کمدار کو کہتا ہوں گاڑی تیار رکھے۔'' وہ مان گیا۔ وہ دونوں اوپر آ کر سامان پیک کرنے لگے۔ جبکہ رحمٰن ملک اپنے بابا جان کو اطلاع دینے چلا گیا۔ وہ سامان پیک کر چکے تھے جب رحمٰن ملک آیا۔

"اوہ کم آن یار یہی زندگی ہے۔" ان کے چہرے پر ہنوز وہی کیفیت دیکھ کر اس نے ماحول کا تناؤ دور کرنا چاہا۔

"اب تم اتنا دل خراب مت کر کے جاؤ کیونکہ یہ تمہارا آخری ٹور نہیں ہے۔ بلکہ اب تو وقتاً فوقتاً یہ ٹورز لگتے رہیں گے اور ابھی چند ماہ بعد تمہیں میری شادی میں بھی تو شریک ہونا ہے۔"

"اب یہ یکا یک تمہیں شادی کرنے کی کیا سوجھ گئی؟" دونوں نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"یکا یک کیوں۔ بھئی میں پیدائشی منگنی شدہ ہوں۔ خالہ زاد سے بات طے ہے۔ بس میرا فائنل ہو جائے پھر بارات سجے گی۔" وہ مسکراتا ہوا بتا رہا تھا۔

"اور وہ جو یونیورسٹی میں چھ سو اسّی لیلائیں ہیں ان کا کیا ہوگا۔ وہ تو ٹھنڈی آہیں بھر بھر کے فریز ہو جائیں گی۔" احمد یار کو فکر لاحق ہوئی تھی۔

"ان لیلاؤں کو میں نے ہرگز ہرگز نہیں پالا۔ اگر وہ خود آہیں بھرنا پسند کرتی ہیں تو میرا کیا قصور......؟" رحمٰن ملک نے شانِ بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"اور وہ راحیلہ نیازی وہ تو خبر سنتے ہی پٹ سے گرے گی اور بے ہوش ہو جائے گی۔"

"یار تم خواہ مخواہ افسانے تراش رہے ہو اور کچھ نہیں۔" رحمٰن قدرے جھینپ سا گیا تھا۔

صبح ناشتے کے بعد وہ روانگی کے لیے تیار تھے۔

رحمٰن انہیں بابا جان اور اماں جان سے ملوانے لے گیا تھا۔ دونوں نے ڈھیروں پیار اور دعائیں دی تھیں۔

"چکر لگاتے رہا کرو بیٹا، تمہارا اپنا گھر ہے۔ بلا تکلف چلے آیا کرو۔" اماں جان نے پیشانی پر بوسہ لیتے ہوئے کہا تھا۔

"کیوں نہیں۔" دونوں نے دل ہی دل میں کہتے ہوئے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائی تھیں۔

"شاید وہ کوئل کہیں دکھائی یا پھر سنائی ہی دے جائے۔" احمد یار کے دل کی آواز آئی۔

"کیا خبر وہ مہ جبیں ابھی کہیں سے کھلکھلاتی آئے اور......" عزیز احمد نے تمنا کی۔

لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا اور دونوں اپنی اپنی حسرتیں دل میں چھپائے لوٹ آئے تھے۔

☆======☆======☆

"بھابی یہ سوٹ آپ کے لیے یہ بھائی جان کی شرٹ اور یہ کھلونے بلو گپلو کے۔" اس نے بیگ میں سے چیزیں نکال کر بھابی جان کو تھما دی۔

"ان سب کی کیا ضرورت تھی عزیز۔ کتنی بار تمہیں منع کیا ہے فضول خرچی مت کیا کرو۔"

خفا ہوئی تھیں۔

"ارے میری پیاری بھابی جان۔ یہ فضول خرچی کب ہے اور پھر میں کون سا بہت کچھ لے آتا ہوں آپ کے لیے۔ بھائی جان جو جیب خرچ بھجواتے ہیں انہی میں سے بچا لیتا ہوں ورنہ میرا کون سا ذریعہ آمدنی ہے۔" اس نے پیار سے بھاوج کی طرف دیکھا جو صرف بھاوج ہی نہیں اس کے لیے ماں بھی تھی۔

"اسی لیے تو کہتی ہوں پو صاحب ابھی یونیورسٹی میں تمہارا پہلا سال ہے۔ تمہیں مزید تین چار سال اپنی تعلیم مکمل کرنے میں لگیں گے۔ اللہ تمہارے بھائی جان کو سلامت رکھے، لیکن قول بھی تو کسی سیانے کا ہے کہ:

Save something against a rainy day

تو میری جان جو بچے بچاؤ تا کہ کل کو کام آ سکے۔ ان چیزوں کا کیا ہے۔ یہ سب تو پہلے ہی الماریوں میں بھری پڑی ہیں۔ تن کی ضرورت ہی کیا ہے تین کپڑے۔" انہوں نے رسانیت سے سمجھایا۔

"اُف فوہ بھابی۔ آپ تو ذرا ذرا سی بات پر لیکچر دینے لگتی ہیں۔ بہر حال یہ سوٹ کل میں آپ کو پہنا دیکھوں اور یہ بلو کدھر ہے۔ نظر نہیں آ رہا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

بھابی اپنی تمام نصیحتیں رائیگاں ہوتے دیکھ کر سر جھٹک گئیں۔

"بلو سو رہا ہے۔ بہت ضد کر رہا تھا۔ پٹا ہے میرے ہاتھوں سے۔" انہوں نے چیزیں سمیٹیں۔

"کیوں مارتی ہیں آپ اسے۔ اتنا ننھا سا Cute سا ہے۔" عزیز احمد کو بھتیجا بہت عزیز تھا۔

"اچھا بس زیادہ لاڈ پیار بچے کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔" وہ مسکرائیں۔

"میں اسے اٹھانے جا رہا ہوں۔ شام تک انتظار نہیں کر سکتا اور یہ بھائی جان لنچ کے لیے نہیں آتے کیا؟" اس نے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

"بس کبھی کبھار آ جاتے ہیں۔ کام ہی بہت زیادہ ہے۔ رات کو بھی لیٹ ہی آتے ہیں۔"

"کہیں اور چکر تو نہیں؟" اس کا لہجہ معنی خیز ہوا تھا۔

"اب تم پٹو گے میرے ہاتھوں سے۔" وہ کھلکھلا کر ہنسا دی تھیں۔

عزیز نے کمرے میں جھانکا۔ بلو گہری نیند میں تھا۔ اس نے دور سے ہی بلائیں لے ڈالیں۔ جگانا مناسب نہ سمجھا۔

''آ جاؤ عزیز کھانا کھالیں۔ تمہارے بھائی جان کا آج بھی ارادہ نہیں لگ رہا۔''
بھابی نے آواز لگائی تو وہ ڈائننگ روم میں چلا آیا۔ وہ کھانا لگائے منتظر بیٹھی تھیں۔

''پکا کیا ہے آج۔'' اس نے ڈونگے کا ڈھکن اٹھایا۔

''دال ماش اور چکن قورمہ ہے۔ کھیر بھی بنائی ہے کیونکہ میں جانتی تھی آج تم آنے والے ہو۔''

''اچھا اب رہنے دیں۔ اتنی نجومی ہوتیں تو یہ نہ پتہ چلالیتیں کہ بھائی جان کن زلفوں کے اسیر ہوکر گھر کا رستہ بھول رہے ہیں۔'' عزیز نے چڑایا تھا۔

''ہائے واقعی یہ تو مجھے خیال ہی نہیں آیا۔'' وہ اس کی ہم خیال ہوئیں۔

''حالانکہ یہ خیال مجھے پہلے دن ہی آ جانا چاہئے تھا۔ ہائے عزیز تم سچ کہتے ہو۔ اُف فوہ کتنی بڑی بھول ہوئی مجھ سے، اب تو پانی سر سے گزر چکا ہے اُف میرے خدا میں کیا کروں۔ ہائے اللہ میاں جی۔'' انہوں نے ایک دم جذباتی ہوکر رونا شروع کر دیا۔

عزیز گھبرا گیا۔ ''ارے بھابی پلیز میں تو مذاق کر رہا تھا۔''

''ہاں تو میں کون سا سچ مچ رو رہی تھی۔'' انہوں نے فوراً دوپٹے سے مصنوعی آنسو پونچھ ڈالے۔

''بھابی!'' ان کی اس چالاکی پر وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا تھا۔

☆======☆======☆

''مہرو، مہرو کتنی بار کہا ہے تم سے ہم نے یہ بچوں کی طرح کد کڑے لگانا چھوڑ دے۔'' ملکانی بی بی نے ادھر اُدھر بھاگتی مہرینہ کو ٹوکا۔

''پر کیوں بی بی؟'' وہ معترض ہوئی۔

''کہا جو ہے۔ تم اب بڑی ہوگئی ہو۔'' انہوں نے نظروں ہی نظروں میں اسے جانچا۔

وہ پندرھواں پار کر رہی تھی اور یہ عمر تو جس پر آئے ٹوٹ کر آتی ہے اور مہرینہ ملک تو یوں بھی میدہ شہاب میں گندھی تھی۔

''پر بی بی۔'' وہ ان کے پاس آ بیٹھی۔ ''بڑے ہوئے تو ہمیں کافی دن ہو گئے آپ کو آج ہی کیوں خیال آیا؟'' اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں پٹپٹائیں۔

''اس لیے کہ ہم نے آج ہی تمہیں یوں لڑکوں کی طرح کد کڑے لگاتے دیکھا ہے۔''

''لیکن ابھی تو غالباً آپ نے بچوں کی طرح کہا تھا۔'' اس نے نچلا لب دباتے ہوئے ان کی غلطی پکڑی۔

''جو بھی کہا ہو۔ بس آئندہ یہ سب نہیں ہونا چاہئے۔ آرام سے بیٹھ کر کوئی لڑکیوں والے کام سیکھو۔'' انہوں نے دوٹوک فیصلہ سنایا۔ وہ بے دلی سے سر ہلاتی اٹھ گئی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ لڑکیوں والے کون سے کام سیکھے۔ اس نے فوراً نوری سکینہ اور ہاجرہ کو بلا بھیجا۔ وہ تھوڑی دیر بعد حاضر تھیں۔

''جی چھوٹی بی بی خیریت سے یاد کیا؟'' تینوں مؤدب کھڑی تھیں۔

وہ انہیں لے کر باغ میں چلی آئی اور اب رازداری سے پوچھ رہی تھی۔

''ہیں جی؟'' وہ تینوں اس کے سوال پر حیران ہوئیں پھر کھی کھی کر کے ہنسنے لگیں۔ ہاجرہ آگے بڑھ آئی۔

''ایک بات بتاؤں بی بی؟'' انداز رازدارانہ تھا۔ ''یہ جو اپنی نوری ہے اس کو محبت ہو گئی ہے۔''

''ہیں۔'' وہ چونکی۔ ''کون سی محبت وہ جو فلموں میں ہوتی ہے؟''

''ہاں جی وہی۔ یہ تو جی چھپ چھپاتے اپنے اس ہیرو سے ملنے بھی جاتی ہے۔ دوپہر کو جب روٹی لے کر کھیتوں میں جاتی ہے ناں تو راستے میں جیرو سے بھی ملاقات کرتی ہے۔'' ہاجرہ کے پاس مکمل معلومات تھیں۔ مہرینہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''اسے ڈر نہیں لگتا ہاجرہ۔ جو کوئی اس کو دیکھ لے تو؟''

''دسنگھی نپ دے جی۔'' (گردن دبا دے) ہاجرہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''پھر بھی اس کو خوف نہیں آتا کیوں ری نوری؟'' اس نے ذرا فاصلے پر کھڑی نوری کو پکارا۔ وہ ادھر لپکی۔

''جی بی بی!'' مہرو نے دیکھا اس کے چہرے پر ویسی ہی معصومیت تھی جیسے پہلے ہوا کرتی تھی۔ کچھ بھی تو نیا نہیں تھا۔

''یہ ہاجرہ کیا کہہ رہی ہے۔ تجھے ذرا ڈر نہیں لگتا۔ تیرا تو باپ بھی قصائی ہے پورا۔'' اس نے اپنے تئیں نوری کو لتاڑا۔ نوری کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ اس نے ہاجرہ کو گھور کر دیکھا۔

''نئیں بی بی ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ صاف مکر گئی۔

''تو جھوٹ بول رہی ہے ہم سے؟'' مہرو کو غصہ آیا۔ نوری زمین پر بیٹھی اور رونے لگی۔

''ہائیں یہ کیا ہوا؟'' مہرو نے حیرت سے اسے دیکھا۔ نوری نے مہرو کے پاؤں پکڑ لیے۔

''دیکھو بی بی، میں بالکل بے قصور ہوں۔ وہ جیرو خود ہی روز آتے جاتے مجھ کو چھیڑتا تھا۔

کبھی کبھی کہتا کبھی کچھ۔ پھر ایک دن وہ میرے لیے پراندہ لے آیا جی یہ، یہ والا'' اس نے چٹیا آگے کی۔ لال پراندہ شیشوں اور نگوں سے جڑا۔

''میں نے ابا سے شکایت لگانے کی بات کی تو اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ کہنے لگا وہ مجھ سے سچی محبت کرتا ہے اور یہ کہ میں اس کو نہ بتاؤں۔ وہ جی مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ پر ابا نہیں مانے گا۔'' نوری نے روتے روتے تفصیل بتائی۔

''کیوں وہ کیوں نہیں مانے گا؟'' مہرو نے ابرو چڑھائے۔

''ابا کہتا ہے غیر برادری میں دھی دینے سے بہتر ہے اس کو وڈ (کاٹ) دیا جائے اور جیرو تو بالکل غیر برادری ہے اور پھر ابا کو پسند بھی نہیں ہے۔ بی بی آپ کچھ کرو۔'' اس نے ہاتھ جوڑے۔

''ہم کیا کر سکتے ہیں نوری۔ تمہیں کس نے کہا تھا کہ تم جیرو سے ہی محبت کرو۔ کسی اپنی برادری کے لڑکے سے کر لیتیں۔ اگر ایسا ہی تمہیں شوق ہو رہا تھا۔''

''یہ کوئی بس میں تھوڑی ہوتا ہے بی بی۔'' وہ دھیمے سے بولی۔

''اچھا تم کیا اپنا ہی قصہ لے بیٹھیں۔ ہم نے تمہیں جس کام کے لیے بلایا تھا وہ تو وہیں رہ گیا۔'' مہرو نے بے زاری سے کہا اسے نوری اور جیرو کی محبت یا شادی سے کوئی غرض نہیں تھی۔

''چھوڑیں بی بی۔'' سکینہ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''یہ مکھن ملائیوں ورگے ہتھ کوئی کام کرنے واسطے نہیں۔ کم کرنے کو تو ہمارے ہتھ ہیں جی۔ تساں تے ملکہ ہو بادشاہ زادی ہو۔''

وہ خود آگاہ تھی۔ اس کا حسن واقعی ایسا تھا کہ دیکھتے ہی قدرت کی صناعی کا خیال آتا تھا۔ وہ تو جیسے سنگِ مرمر سے تراشی گئی تھی۔ سیاہ گھنگھور دراز زلفیں، کاجل سے سجی بڑی بڑی خوابیدہ آنکھیں۔ شنگرفی لب، ستواں ناک، مرمریں کلائیاں اور کلائیوں میں بجتی کانچ کی رنگ برنگی چوڑیاں۔ خوبصورت ہاتھ پاؤں اور پیروں میں بجتی سنہری پازیبیں۔ قدرت نے اسے بنانے میں کہیں کمی نہ چھوڑی تھی۔

وہ رب کی تخلیق کا منہ بولتا شاہکار تھی۔

اور اس پر دولت کی فراوانی۔

اس کا لب ولہجہ آپ ہی حکمرانی والا ہو گیا تھا۔

قدرے رعونت لیے۔

لیکن وہ نرم دل بھی تھی اور حساس بھی۔

دوسروں کی تکلیف کا احساس بھی کر لیا کرتی تھی لیکن دل پر نہ لیتی تھی۔

وہ سلطان ملک کی لاڈلی تھی تو رحمٰن ملک کی چہیتی۔

اور رابعہ بی بی کی تو اس میں جان تھی۔

بات ابھی اس کے منہ میں ہوتی اور پوری کر دی جاتی۔

زندگی میں ''نہ'' کا لفظ اس نے سنا ہی نہ تھا۔

وہ ''نہ'' کی تلخیوں سے واقف ہی نہ تھی۔

اور نہ ہی ان تلخیوں سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ تھا اس میں بہت خوبصورت زندگی تھی اس کی۔

صبح بیدار ہوتے ہی اس کی پیشانی پر بی بی کا بوسہ اپنی حلاوت گھولتا۔

سلطان ملک باہر جاتے ہوئے اس کے کمرے میں جھانک کر جاتے اگر وہ جاگ رہی ہوتی تو اپنے پیار کی مہر اس کی پیشانی پر ثبت کرتے ورنہ اس کے ڈسٹرب ہونے کے خیال سے باہر بیٹھ جاتے۔ جب وہ اٹھتی تب وہ بھاگم بھاگ کمرے میں آ کر ڈیوٹی ادا کرتے اور جاتے۔

رحمٰن ملک کی محبت سب سے جدا گانہ تھی۔

ہاسٹل میں رہنے کی وجہ سے وہ اس طرح تو اپنی محبت کا اظہار نہ کر سکتا تھا۔ البتہ روز صبح سویرے فون پر اس کی آواز سنا کرتا پھر دن کا آغاز کرتا۔

ہر ویک اینڈ پر وہ اس کے لیے ڈھیروں تحائف لے کر آتا۔ کبھی کپڑے، کبھی کتابیں کبھی کچھ کبھی کچھ اور ایک بار تو ٹیپ ریکارڈر اٹھا لایا۔

''یہ کیا لے آئے تم؟'' سلطان ملک نے اعتراض کیا۔

''ٹیپ ریکارڈر ہے بابا جان، مہرو گانے سنا کرے گی۔'' اس نے محبت سے بہن کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''کیوں، کیوں سنے گی گانے؟'' وہ ایک دم آگ بگولہ ہو گئے تھے۔ ''اب کیا حویلی میں گانے بجیں گے۔ اسے اٹھاؤ اور واپس کر آؤ۔ اس حویلی میں ایسی خرافات کی گنجائش نہیں ہے۔'' انہوں نے فیصلہ سنایا۔

مہرو نے سہم کر باپ کی طرف دیکھا۔ اس طرح انہیں غصے میں اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

''یہ کوئی بری چیز نہیں ہے بابا جان ضروری نہیں گانے ہی بجیں، قوالیاں بھی سنی جا سکتی ہیں۔'' رحمٰن ملک کا لہجہ از خود دھیما ہو گیا تھا۔

''بس کہہ جو دیا اور مجھے بات دہرانے کی عادت نہیں۔'' ان کا لہجہ حتمی انداز لیے ہوئے

تھا۔ رحمٰن ملک نے ٹیپ ریکارڈر اٹھایا اور جا کر اسٹور میں پڑے صندوقچے میں بند کر دیا... کو بہت دکھ ہوا تھا لیکن چند دنوں میں بھول بھال گئی تھی۔

پھر ایک روز خود ہی بابا جان نے وہ ٹیپ ریکارڈر نکلوا لیا۔ وہ ٹیپ ریکارڈر میں... ریڈیو سے مستفید ہو رہے تھے۔ اب سارا دن باہر مردان خانے میں ریڈیو بجا کرتا۔... خبریں لگی رہتیں یا گفتگو کے پروگرام۔ پھر ایک دن بابا جان جب بڑے گھر گئے ہوئے تھے کسی نے ریڈیو کا کان مروڑا اور دھن دھنا دھن میوزک بجنے لگا۔

مہرو بھاگ کر کمرے سے نکلی۔ بڑی رسیلی آواز تھی۔ وہ مردان خانے کے دروازے سے کان لگائے کھڑی ہو گئی۔ ایک کے بعد ایک نئی سے نئی آواز سے نیا گانا مہرو کو بڑا بھلا معلوم ہوا۔ اس نے بھاگ بھری کو بھیج کر ریڈیو اندر منگوا لیا۔

''وہ ملک صیب ناراض ہوں گے جی۔'' بھاگی بہت ڈری ڈری آئی تھی۔

''ہم ان کے آنے سے پہلے اس کو وہاں رکھ دیں گے۔''

وہ گانے کی آواز پہ سر دھنتے ہوئے بولی تھی۔

اور پھر وہ ایسا ہی کرتی۔ جب سلطان ملک کہیں جاتے وہ ریڈیو اندر منگوا لیتی۔ کمرے میں بند ہو کر خوب گانے سنتی اور ان کے آنے سے پہلے وہ اسے مردان خانے پہنچا دیتی... سب کچھ بہت اچھا لگتا۔

بی بی جان نے اسے دبے لفظوں میں سمجھایا تھا، لیکن پھر اس کی خواہش کے آگے مجبور ہو گئی تھیں۔ رحمٰن ملک نے البتہ تھوڑا سا ڈانٹا تھا کہ اسے بابا جان کی مرضی کے خلاف یہ سب... کرنا چاہئے لیکن وہ لاڈ سے ان کے گلے میں جھول گئی تھی۔

اسے کئی گانے ازبر ہو گئے تھے اور وہ چلتے پھرتے انہیں گنگنانے لگی تھی لیکن اتنا دھیان وہ ضرور رکھتی کہ آس پاس کوئی نہ ہو۔ بلکہ زیادہ تر وہ جھولا جھولتے ہوئے ایسا کرتی کہ تب بالکل اکیلی ہوتی تھی باغ میں۔ باغ بہت وسیع و عریض تھا۔ آم، کینو، کیلا، امرود، انار سب... کے درخت تھے۔ موسم کے آتے ہی گھر پھلوں سے بھر جایا کرتا۔ ملکانی جی پورے گاؤں میں پھل تقسیم کیا کرتیں۔ کوئی پھل منڈی بکنے نہیں جاتا تھا اور گاؤں والے ملکانی جی کو دعا دیتے نہ تھکتے جن کی وجہ سے انہیں پھل کھانے کو نصیب ہوتا تھا۔ ورنہ وہ کہاں یہ پھل خرید... تھے۔

بھاگی انار کے دانے نکال کر پیالے میں ڈالتی جا رہی تھی۔ مہرو بے چینی سے منتظر... اسے انار سے بھرا پیالہ لے کر باغ میں جانا تھا۔ جہاں وہ ریڈیو پہلے ہی چھپا کر آئی تھی...

جان صبح سے بڑے گھر گئے ہوئے تھے اور اس نے ریڈیو اڑا لیا تھا نوری نے بتایا تھا کہ تین بجے ریڈیو پر فرمائشی گانوں کا پروگرام آتا ہے اور اس نے دوپہر میں سونے کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا۔ بی بی جان تو سو گئی تھیں۔ رحمٰن ملک جانے کدھر تھا اور اس نے باغ جانے کا پروگرام بنا لیا تھا۔

''بہت گرمی ہے بی بی آج آپ یہ انار کے دانے اندر بیٹھ کر کھاؤ۔'' بھاگی نے فراغت کے بعد پیالہ اس کی طرف بڑھایا۔

''تم اس کو دھو کر نمک لگا کر باغ میں آجاؤ۔'' وہ اس کی بات کو نظرانداز کرتی اپنی سناتی اٹھ کر چلی گئی۔

بھاگی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ اس کے حکم کی تعمیل کرتی پیچھے ہی پہنچ گئی جھولے کے سائیڈ پر پڑے بنچ پر پیالہ رکھ کر وہ منتظر نظروں سے ریڈیو کے کان مروڑتی مہرو کو دیکھنے لگی۔

''ہاں تم جاؤ۔'' اس نے سر اٹھا کر کہا۔ تو بھاگی وہاں سے چلی گئی۔ مطلوبہ اسٹیشن پر سیٹ کر کے ریڈیو کو بنچ کے نیچے اُگی گھاس میں چھپا کر رکھا اور خود پیالہ پکڑے جھولے پر آ بیٹھی۔

مدھر آواز گونج رہی تھی۔ جانے اس آواز میں کیسا سحر تھا کہ وہ جب بھی اس آواز کو سنتی تھی۔ اس کے اندر عجیب سی بے چینی پیدا ہونے لگتی تھی اب وہ اس آواز کو بخوبی پہچاننے لگی تھی اور یکدم اس کا دل چاہا تھا کہ وہ اس جادوئی اثر رکھنے والی آواز کو روبرو دیکھے، وہ خود کیسا ہو گا؟ اور کس طرح گاتا ہو گا...... گانا ختم ہوا، تو اس کا سحر ٹوٹا۔

''اب احمد جمیل صاحب ہمیں آپ سب کی فرمائش پر یہ مشہور کافی سنائیں گے۔'' پروگرام کے میزبان کی آواز گونجی تھی۔ وہ بول دہرا رہا تھا۔

یار ڈاھڈی عشق آتش لائی اے

سُر بکھرے تھے۔ وہ مدہوش ہونے لگی۔ اچانک دھم کی آواز آئی۔ یوں لگا جیسے کوئی دیوار سے کودا ہو۔ وہ آنکھیں کھول کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ کوئی نظر نہ آیا تو دوبارہ پلکیں موند لیں۔ اس نے سوچا کوئی بلا وغیرہ ہو گا، لیکن اگلے ہی پل اسے اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔

اس نے فوراً آنکھیں کھولیں اور اگلے ہی پل اس کے لبوں سے چیخ نکل گئی۔ ''کک کون ہو تم؟'' وہ بمشکل بول پائی تھی۔

''گھبراؤ نہیں!'' وہ چلتا ہوا بنچ پر بیٹھ گیا۔ مہرو کے تو جسم میں گویا جان ہی نہیں تھی۔ ابھی اگر کوئی آجائے تو یہ سوچ کر اسے جھرجھری آ گئی۔

''تم جاؤ یہاں سے ورنہ ہم ابھی چیخ کر سب کو بلا لیں گے۔'' ہمت کر کے اس نے دھمکی

دے ڈالی۔

''نہیں،'' وہ کھڑا ہو گیا۔ ''میں تو مسافر ہوں۔ اصل میں میرے پیچھے کچھ لوگ ہیں مجھے بس تھوڑی دیر کے لیے پناہ چاہیے میں ابھی چلا جاؤں گا۔''

''اگر ایسی بات ہے تو تمہیں سیدھے راستے سے آنا چاہیے تھا۔ تمہیں یقیناً پناہ مل جاتی۔'' اس نے ابرو چڑھائے تھے۔

''ہاں لیکن میں اس طرف تھا۔ پیاس لگی ہے تھوڑا پانی مل جائے گا......؟'' اس نے لبوں پر زبان پھیری۔ مہرو نے انار والا پیالہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ کھاؤ اور فوراً یہاں سے نکل جاؤ اس سے پہلے کہ کوئی آئے اور ہم بدنام ہو جائیں۔'' اس نے بینچ کے نیچے سے اپنا ریڈیو اٹھایا، ایک نظر اس پر ڈالی۔

''اب چلے جانا اگر پکڑے گئے تو مارے جاؤ گے۔'' وہ تنبیہہ کرتی آگے کو بڑھی۔

''سنئے۔ میرا نام احمد جمیل ہے میں ریڈیو پر......''

اس اجنبی کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ کیونکہ وہ جس تیزی سے گھوم کر پلٹی تھی اور جس طرح وہ بھاگ کر اس کے قریب آئی تھی احمد جمیل کو حیرانی نے آ گھیرا تھا وہ تو محض تعارف کرانا چاہ رہا تھا۔

''آپ آپ احمد جمیل ہیں؟'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

کبھی ایسا بھی ہوا ہے۔ وہ جسے کئی دنوں سے سوچ رہی تھی وہ یوں سامنے آ جائے گا، یہ تو معجزہ ہی تھا۔ اس نے آنکھیں رگڑیں شاید وہ شخص جھوٹ بول رہا تھا۔ کیونکہ ابھی تو اس کا پروگرام ریڈیو پر آ رہا تھا اگر وہ احمد جمیل ہوتا تو اس وقت ریڈیو اسٹیشن میں ہوتا نہ کہ اس کے سامنے۔

''آپ جائیے بس اور خواہ مخواہ جھوٹ مت بولئے احمد جمیل تو ابھی ریڈیو پر گا رہے تھے۔'' وہ نارمل ہوتے ہوئے اس سے کہہ کر پلٹی۔ تو وہ ہنس پڑا۔

''بی بی وہ ریکارڈنگ تھی۔ یہ پروگرام کوئی پہلی دفعہ تھوڑی آن ایئر گیا ہے پرانا پروگرام ہے بہر حال آپ کی مرضی، ویسے میں ہوں احمد جمیل ہی۔ او کے بائے۔'' وہ ہاتھ ہلاتا اس طرف بڑھ گیا، جہاں سے دیوار پھاندا تھا دیوار پر چڑھنے سے پہلے اس نے پلٹ کر دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ آنکھوں میں شرارت لیے دیوار پر چڑھ گیا اور دیوار کے دوسری جانب کودنے سے پہلے اس کے کانوں میں آواز پڑی تھی۔

''ہم مہرو ہیں۔'' اور وہ آواز میں بجتی گھنٹیوں سے مسحور ہوتا دور کھڑی اپنی گاڑی کی طرف

بڑھ گیا تھا۔

☆======☆======☆

''مجھے لگتا ہے جیسے میں اپنا سب کچھ وہیں چھوڑ آیا ہوں۔'' احمد یار چادر تانے لیٹا تھا۔

''ہوش کے ناخن لو میاں۔ ایک لڑکی جس کو تم نے دیکھا تک نہیں، اس کی آواز سن کر ہی باؤلے ہو رہے ہو۔'' عزیز احمد نے گھر کا۔

''دیکھا ہے دیکھا ہے۔'' وہ منہ ہی میں بڑبڑایا۔

''کہاں......کہاں دیکھا ہے؟'' عزیز چونکا۔

''خیالوں میں، خوابوں میں۔ وہ بہت سندر ہے عزیز، اتنی کہ اسے دیکھ کر بندہ ہوش بھول جائے۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجہ میں بولا تھا۔

''وہ تو تمہیں دیکھ کر اندازہ ہو رہا ہے۔'' عزیز نے سر ہلایا۔

''لیکن احمد یار۔ سوچو اگر وہ رحمٰن ملک کی رشتہ دار ہوئی تو؟''

''تو کیا بھئی کہاں لکھا ہے کہ رحمٰن ملک کی رشتہ دار سے کسی کو محبت نہیں ہو سکتی۔'' وہ چڑ کر بولا۔

''تم پاگل ہو گئے ہو اور کچھ نہیں۔ بہر حال میں تمہیں دعوت نامہ دینے آیا تھا نقشم کا عقیقہ ہے اگلے جمعے کو ضرور آنا اور خالہ جان کو بھی ضرور لانا۔'' اس نے کارڈ اس کی طرف بڑھایا احمد یار نے تھام لیا پھر کہنے لگا۔

''پچھلی بار جب میں تمہارے ہاں گیا تھا تو بھابی بتا رہی تھیں کہ انہوں نے تمہارے لیے کوئی لڑکی دیکھی ہے کیا بنا اس کا؟''

''چھوڑو یار۔'' وہ بے زاری سے بولا۔ ''یہ جو بھابیاں اور بہنیں ہوتی ہیں ناں انہیں بس لڑکوں کو کھونٹے سے باندھ دینے کی جلدی ہوتی ہے اور میں کھونٹے سے بندھنا نہیں چاہتا خواہ مخواہ کی ذمہ داری۔ اچھا میں چلوں ابھی اور بھی کئی جگہوں پر جانا ہے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''یار میرے لیے دعا کرنا!'' احمد یار ملتجی ہوا تھا۔

''میری ساری دعائیں تیرے لیے ہیں میری جان۔'' عزیز نے اسے پچکارا۔ پھر دونوں ہنس پڑے۔

عزیز باہر نکلا تو اس کا ذہن ملک پور میں بھٹک رہا تھا۔

''نظر لگا دی ناں ہم کو۔'' مندر میں بجتی گھنٹیوں سی آواز۔

''ہم ہیں ہی ایسے۔'' پُر شکوہ لہجہ۔

کہیں ایسا نہ ہو وہ وہی ہو جو احمد یار کو بھا گئی تھی۔ اس سوچ سے ہی دل پر گھونسہ سا پڑا
''نہیں۔'' اس نے خود ہی تردید کی۔ ''وہ کوئی اور ہوگی۔'' دل کو تسلی دی۔

ان تینوں کی دوستی کچھ زیادہ عرصے پر محیط نہیں تھی۔ یہی کوئی دو ڈھائی سال لیکن ان دو ڈھائی سالوں میں وہ یک جان دو قالب ہو گئے تھے۔ ہر وقت کا ساتھ تھا۔ پھر یہ کہ روم میٹ بھی تھے، لیکن رحمٰن ملک کی ذات پر ایک پردہ سا تھا۔ اس نے کبھی اپنے گھر کے حوالے سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ جبکہ وہ دونوں اکثر گھر کی باتیں ڈسکس کر لیا کرتے تھے۔

عزیز احمد کی تو خیر فیملی ہی بڑی مختصر تھی۔ ایک بھائی، بھاوج اور بھتیجا چھ ماہ کا تھا ماں باپ کا انتقال ہو گیا تھا۔ یوں عزیز احمد کی دیکھ بھال ایک طرح سے حفیظ احمد نے ہی کی تھی۔ پچھلے سال ہی رشتے کی ایک خالہ نے کہہ سن کر حفیظ کی شادی کرا دی تھی۔ یوں گھر میں زندگی کا احساس جاگ اٹھا تھا۔ حمیرا اچھی لڑکی تھی۔ آتے ہی گھر کو سنبھال لیا تھا اور اب عزیز کی شادی کرانے کے درپے تھی جبکہ وہ ہر ممکن بچنے کی سعی کر رہا تھا۔

احمد یار کی فیملی لمبی چوڑی تھی سات بہن بھائیوں میں اس کا نمبر پہلا تھا۔ متوسط طبقے سے تعلق تھا لیکن تعلیم حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ اس لیے پڑھائی میں بھی بے حد اچھا تھا۔

''تعلیم انسان کی عزت میں چار چاند لگا دیتی ہے۔'' وہ کہا کرتا تھا۔

وہ گھر میں داخل ہوا تو بھابی بڑی معنی خیزی سے اس کی طرف بڑھ آئیں۔

''خالہ شکورن نے پھر تمہارے لیے ایک لڑکی دیکھی ہے اور آج تو وہ بنفسِ نفیس لڑکی کی اماں کو لے آئی ہیں۔ فریش ہو کر آ جاؤ بر دکھوے کے لیے۔'' وہ اسے چھیڑنے لگیں۔

''بھابی پلیز۔'' وہ سخت بے زار ہو گیا۔ ''مجھے نہیں کرنا شادی اور خالہ شکورن کی پسند کی لڑکی سے تو ہرگز نہیں وہ کیوں میرے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔''

''اوہو!'' وہ مسکرائیں۔ ''چلو فی الحال اندر تو آ جاؤ وہ بے چاری اتنی دور سے آئی ہیں ہم میں ٹال دیں گے۔''

''آپ ان سے کہہ دیں میں ابھی گھر آیا ہی نہیں۔'' وہ کہتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ پتہ نہیں بھابی جان نے انہیں کیا کہہ کر ٹالا لیکن وہ بھی جلدی ٹلی نہیں۔ شام چار بجے تک بیٹھی اس کے آنے کا انتظار کرتی رہیں اور پھر دوبارہ آنے کا کہہ کر چل دیں۔ ان کے جانے کے بعد وہ نقشم کو اٹھائے اس کے کمرے میں آ گئیں۔ وہ منہ سر لپیٹے پڑا تھا۔

''ویسے لڑکی بڑی خوبصورت ہے خالہ شکورن بتا رہی تھی۔'' انہوں نے مسکراہٹ چھپا کر کہنا شروع کیا۔

''میں نے مقابلہ حسن منعقد کروانا ہے کیا؟'' وہ چڑ کر بولا تھا۔ تصور میں وہ پری رُو چلی آئی تھی۔

''کھانا پکانا، سینا پرونا، ہر کام میں طاق ہے۔'' بھابی بھی شاید حظ اٹھا رہی تھیں اس کی کیفیت سے۔

''بھابی پلیز!'' اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''میرا ابھی ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ جب ہو گا سب سے پہلے آپ کو بتاؤں گا اور لڑکی بھی بتا دوں گا۔''

''تمہاری مرضی ہے میں تو تمہارا ہی بھلا چاہ رہی تھی۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اور عزیز نے موضوع ٹل جانے پر خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

☆======☆======☆

''بھاگی ہم باغ میں جا رہے ہیں اماں کو بتا دینا۔'' اس نے اپنا نیا چھوٹا ریڈیو بغل میں چھپایا اور باغ کی طرف چل پڑی۔ پرسوں ہی رحمٰن ملک اس کے پُر زور اصرار پر شہر سے اس کے لیے یہ چھوٹا ریڈیو لایا تھا۔ جسے وہ باسانی چھپا سکتی تھی۔ رحمٰن ملک نے تنبیہ کر دی تھی کہ ابا جان کو پتہ نہ چلنے پائے اور وہ ہواؤں میں اُڑتی بھائی سے وعدہ کرنے لگی تھی۔

''یہ ریڈیو پاکستان ہے۔'' آن کرتے ہی اس کے کانوں میں گمبھیر آواز پڑی۔

''آپ کا میزبان احمد جمیل آداب پیش کرتا ہے۔'' جلترنگ بجاتی آواز۔ اس نے ریڈیو اپنے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ لیا اور ریڈیو کو یوں دیکھنے لگی جیسے سامنے احمد جمیل کی تصویر بھی آ رہی ہو۔

''سامعین کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کی نظر اچانک کسی ایسی چیز پر پڑ جاتی ہے کہ بے اختیار قدرت کی صناعی پر دل عش عش کر اٹھتا ہے۔ یہ خوبصورت چیز اپنے تخلیق کار کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہوتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آپ کا دل، آپ کا دماغ سب کچھ اس سحر کے زیر اثر ہو گیا ہو۔ آپ چاہتے بھی ہوں تو اس طلسم سے باہر نہیں نکل سکتے اور طلسم خواہ کسی چیز کا کسی آواز کا یا کسی چہرے کا ہو، ایک بار جکڑ لے تو پھر رہائی ممکن نہیں، چلئے آپ کے مسمریزم ہونے سے پہلے آج فرمائشی پروگرام کا پہلا گیت ایک زندہ سی آواز میں، زندہ سی اس لیے کہا کہ آپ کو اس آواز میں واقعی زندگی بولتی محسوس ہوگی، تو سنتے ہیں۔''

احمد جمیل کی آواز تھمی تو میوزک بجنا شروع ہو گیا، اور مہرو تو مسمریزم ہو چکی تھی۔ وہ پوری طرح اس طلسم میں جکڑی جا چکی تھی۔ ''کاش احمد جمیل تم ہمیں ملنے آ جاؤ۔ ہم تمہارے دیوانے

ہو چکے ہیں۔ ہم تمہارے سحر کے زیر اثر آ گئے ہیں احمد جمیل، ہمیں تو خواب سا لگتا ہے کہ تم ہم سے مل چکے ہو۔ کتنا اچانک آئے ناں تم کہ ہمیں یقین ہی نہیں آ سکا کہ یہ جوجیتی جاگتی آواز تمہاری ہے، کہ تم جو ہمارے سامنے کھڑے ہو وہی احمد جمیل ہو، جس کی آواز کی ہم پجارن ہیں۔ کاش احمد جمیل تم ایک بار رستہ بھٹک کر ہی آ جاؤ آؤ! ہم سے ملو ہم بڑے بے چین ہیں۔''

وہ ریڈیو سینے سے لگائے بے قراری سے دعا گو تھی۔

''چھوٹی بی بی کھیر (خیر) تو ہے؟'' بھاگی جانے کب آ کھڑی ہوئی تھی۔ پریشانی سے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں؟'' وہ ایک دم چونکی۔ جیسے چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہو۔

''وہ جی ملکانی صیب بولتی ہیں وہ اپنا چھوٹے ملک صیب کے سسرال جا رہی ہیں۔ اگر آپ جانا چاہتی ہو تو آ جاؤ۔'' اس نے پیغام پہنچا کر منتظر نظروں سے دیکھا۔

''نہیں بھاگی! ہمارا دل نہیں چاہ رہا تم بی بی جان سے بول دو ہم پھر ہو آئیں گے۔'' اس نے انکار کیا بھاگی چلی گئی۔

اس سمے اس کا دل بالکل بھی کہیں جانے کو، کسی سے ملنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ صرف اور صرف ایک تمنا تڑپ رہی تھی۔

بھاگی پھر چلی آئی۔ ''بی بی صیب ناراض ہو رہی ہیں وہ آپ کو فوراً بلاتی ہیں جی۔''

وہ بادلِ نخواستہ اٹھ آئی۔ بی بی جان ہال کمرے میں ہی بیٹھی تھیں اس نے نظر ڈالی پاس ہی مٹھائیوں کے ٹوکرے پڑے تھے۔

''یہ کیا بات ہوئی مہرو؟ رحمٰن کی شادی کی تاریخ مقرر ہونی ہے آج۔ بھلا بہن بھی نہیں جائے گی تو وہ لوگ کیا سوچیں گے؟'' انہوں نے اسے دیکھتے ہی خفگی کا اظہار کیا۔

''ابھی آتی ہوں بی بی جان!'' وہ فوراً وہاں سے ہٹ گئی اور چند ہی لمحوں بعد کپڑے بدل کر آ گئی۔ رابعہ بی بی نے نظروں ہی نظروں میں اسے جانچا ہلکے جامنی رنگ کے پھولدار سوٹ میں اس کا روپ دمک رہا تھا۔

''بھاگی اس کو چادر لا کر دے۔'' انہوں نے بھاگی کو اشارہ کیا وہ جھٹ پٹ چادر لے آئی، ملازم مٹھائیوں کے ٹوکرے گاڑی میں رکھ رہے تھے۔ سلطان ملک باہر مردان خانے میں تھے اور ان کے تیار ہونے کے منتظر۔ رابعہ بی بی نے پیغام بھجوایا تو وہ چلے آئے۔

''بھاگوان اتنی دیر، وقت دیکھو۔ چار تو یہیں بج گئے دو ڈھائی گھنٹے کا راستہ ہے۔''

انہوں نے کہا تو رابعہ بی بی معذرت کرنے لگیں۔

رحمٰن ملک کی نسبت ماموں زاد سارہ سے طے تھی۔ شادی رحمٰن ملک کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد ہونی تھی لیکن ماموں جان کی اچانک علالت کے باعث انہوں نے درخواست کی تھی اور ان سب کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

''آپ بڑی بی بی کو بھی بول دیتے ملک صاحب۔ چلی چلتیں، سلیمان اور تہمینہ بھی آ جاتے بھائی کا شگن رکھنے جا رہے ہیں۔'' رابعہ بی بی نے آہستگی سے کہا تو سلطان ملک نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ کچھ کہنے لگے تھے مگر جانے کیا سوچ کر چپ کر گئے۔ شاید ڈرائیور کی موجودگی آڑے آئی تھی۔

''بی بی جان وہ لوگ تو شاید ہم کو پسند ہی نہیں کرتے۔ دیکھا نہیں پچھلے سال سلیمان لالہ کی شادی پر ان کا انداز کیسا لیا دیا تھا۔ حتیٰ کہ باگ پکڑائی کے وقت بھی لالہ کا موڈ خراب ہی تھا اور بڑی اماں تو ہمیں یوں دیکھتی ہیں جیسے بس کھا ہی جائیں گی۔'' مہرو اپنی ترنگ میں بولی۔

''تمیز سے بات کرو مہرو، وہ تمہاری بڑی ماں ہیں۔''

رابعہ نے بری طرح جھڑک دیا۔

''آپ تو بس ہر وقت ان ہی کی سائیڈ لیتی رہتی ہیں۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔

یہ حقیقت تھی وہ جتنی بار بھی بابا جان کے ساتھ وہاں گئی تھی سب بے حد روکھے انداز سے ملے تھے۔

تہمینہ آپا تو اسے دیکھتے ہی کمرے میں بند ہو جایا کرتیں۔ سلیمان لالہ شادی سے پہلے پھر بھی اس کا حال احوال گویا سرسری ہی، دریافت کر لیا کرتے تھے، لیکن شادی پر ان کا رویہ بھی باقی سب جیسا ہو گیا تھا اور بعد میں تو بالکل بھی لفٹ نہیں کرواتے تھے۔ بڑی اماں کے تو خیر کیا کہنے وہ گھر آ کر بی بی جان کو ساری صورتِ حال بتا کر آئندہ کبھی نہ جانے کا اعلان کر دیا کرتی تھی، لیکن پھر بابا کا مان سے اسے ساتھ چلنے کو کہنا اسے مجبور کر دیتا۔

''تمہارے دو بھائی ہیں، بڑے سلیمان اور چھوٹے رحمٰن، ان دونوں میں کبھی فرق مت سمجھنا اور تہمینہ تمہاری بڑی بہن ہے۔'' وہ اسے ہمیشہ سمجھایا کرتے اور وہ ایسا سوچتی بھی لیکن پھر ان کے سرد رویے اسے توڑ کر رکھ دیتے۔

''اترو مہرو، کن خیالوں میں گم ہو۔'' بی بی جان نے اسے ٹہوکا دیا تو وہ چونکی۔ سب کو باہر کھڑا دیکھ کر وہ جلدی سے باہر نکل آئی۔

''شکر ہے مہرو کی شکل بھی دیکھنے کو ملی!'' ممانی نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے پیار کیا وہ مسکرا دی۔ نانا جان، نانی، بڑی خالہ، چھوٹی ممانی سب ہی موجود تھے۔ وہ اپنی کزنز کی طرف

چلی گئی۔ جبکہ سب بڑے باہر ہی لان میں براجمان ہو گئے تھے۔

''نگہت، میں نے تم سے کہا تھا کہ میری ریڈ شرٹ استری کر دینا، لیکن تم بلا کی ڈھیٹ ہو۔'' کوئی تن فن کرتا عین اس کے سر پر آن کھڑا ہوا تھا۔ اس کی اس طرف پشت تھی۔ اسی لیے فوراً ہی پلٹ کر نہ دیکھ سکی تھی۔

''بلو میں نے کی تو تھی، لیکن وہی شرٹ ابھی ابھی عثمان پہن کر نکلا ہے۔ تم ایسا کرو نصیبن سے کوئی اور استری کروا لو۔'' نگہت نے صفائی پیش کرنے کے ساتھ مشورہ بھی دیا۔

''میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے!'' وہ بڑبڑاتا ہوا واپس مڑا اور تبھی مہرو نے پلٹ کر دیکھا۔ بلو کو شاید کچھ اور یاد آ گیا، اس لیے وہ بھی پلٹ کر کچھ کہنے کو تھا لیکن جیسے اس کی زبان کو بریک لگ گئے۔ وہ ایک ٹک مہرو کو دیکھ رہا تھا۔

''یہ مہرو ہے رابعہ پھوپھی کی بیٹی۔'' نگہت نے ہنستے ہوئے تعارف کروایا تھا۔

''تو اب تک نظر کیوں نہیں آئی؟'' اس کا انداز ایک دم ہی بدل گیا۔ مہرو نے رخ موڑ لیا۔

''اے کزن، میں تمہارا ماموں زاد ہوں بلال رضا۔'' وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''ہمارے ہاں ماموں زاد کے لیے 'بھائی' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔'' نگہت ہنسی تھی۔

''اچھا ہوتی ہو گی فضول میں۔'' اس نے قطعاً اہمیت نہ دیتے ہوئے مہرو کو والہانگی سے دیکھا۔ مہرو گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہم بی بی جان کے پاس جا رہے ہیں۔''

''ہم!'' بلال نے ہم کو کھینچ کر ادا کیا۔ ''تمہارے ساتھ اور کون کون ہے؟'' حیرت کی ایکٹنگ کی۔ مہرو ان سنی کرتی باہر نکل گئی۔

''یار میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اپنی پھوپھی زاد اتنی خوبصورت ہو سکتی ہے؟'' وہ پُرسوچ انداز میں کہتا وہیں ٹک گیا۔

''اس کا مطلب ہے تمہارے سر سے میموں کا بھوت اُتر چکا ہے۔'' نگہت نے آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔ تو وہ اسے گھور کر رہ گیا۔ تاہم ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔

پندرہ دن بعد کی تاریخ مقرر کر دی گئی تھی۔ حویلی میں زور و شور سے تیاریاں شروع ہو گئی تھیں بی بی جان نے ماہر درزن بٹھا دی تھی جو بری کے جوڑے سی رہی تھی۔ رحمٰن ملک کی اپنی مصروفیت تھی۔ اس کا ایک پاؤں شہر، تو دوسرا گاؤں میں تھا اور ایسے میں عزیز اور احمد یار نے اس

بھرپور ساتھ دیا تھا، بڑے گھر سے تہمینہ بھی آ گئی تھی۔ آئی کیا، بی بی جان خود جا کر زبردستی لائی تھیں۔ حویلی میں ہر طرف خوشی اُمڈ آئی تھی۔ شور ہنگامہ، مہرو تو بوکھلائی پھر رہی تھی، بی بی جان نے تہمینہ اور مہرو کے لیے ایک سے کپڑے سلوائے تھے اور ان کی محبتیں ہی تھیں کہ تہمینہ کے دل پر چھائی کدورت رفتہ رفتہ ختم ہو رہی تھی۔ اس نے چھوٹی ماں، رحمٰن اور مہرو کو اپنی زندگی میں غاصب کا درجہ دے رکھا تھا۔ انہوں نے ان کی ماں کا شوہر اور ان کا باپ چھینا تھا۔ وہ سب کے سب ملک پور کے مکینوں سے نفرت کرتے تھے۔

اماں نے انہیں یہی سکھایا تھا۔ ملک پور والے غاصب تھے۔ تبھی تو انہوں نے کبھی ادھر سے کسی کی پذیرائی نہیں کی تھی۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ کیسے انہوں نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ سلیمان کی شادی پر ملک پور سے کوئی نہیں آئے گا۔ حالانکہ بابا جان نے کہا تھا کہ رابعہ اپنے بیٹے کی شادی کی...... تیاری کر رہی ہے۔ اس کا دل دُکھے گا، لیکن اماں نے ہمیشہ کی طرح کٹھور پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''دل تو میرا بھی بہت بری طرح دکھایا ہے دونوں نے مل کر۔'' اور بابا جان نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

اور اب یہاں آ کر اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کتنا غلط سوچتی آئی تھی۔

اور اماں نے انہیں کس قدر منفی سوچوں میں الجھا کر رکھ دیا تھا۔

اسے اپنی اب تک کی سوچ پر افسوس و ندامت ہو رہی تھی۔

''تہمینہ بیٹی! تم کیوں اِدھر بیٹھی ہو اُدھر لڑکیوں میں جاؤ۔'' بی بی جان کا گزر ادھر سے ہوا تو انہوں نے اسے یوں تنہا بیٹھے دیکھ کر ٹوکا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یونہی چھوٹی اماں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے پہلی بار چھوٹی اماں کا لفظ استعمال کیا۔ تو بی بی جان نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

ایک سرشاری سی اس کے رگ و پے میں چھائی تھی۔ وہ مسرور مسرور سی ہال کمرے میں آ گئی۔

جہاں گاؤں کی لڑکیاں ڈھولک رکھے بیٹھی تھیں۔ وہیں ایک کونے میں مہرو بھی بیٹھی تھی۔ وہ اس کے پاس چلی آئی۔

''آؤ آپا؟'' اس نے فوراً کھسک کر جگہ بنائی۔ وہ بیٹھ کر لڑکیوں کا ساتھ دینے لگی۔ تبھی ملازمہ نے آ کر مہرو کے کان میں سرگوشی کی۔

''بی بی آپ کا فون ہے؟'' اس کے رازدارانہ انداز پر وہ چونک اٹھی دل بڑے زور سے

دھڑکا اس نے چور نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا پھر اٹھ کر فون کی طرف آ گئی۔

''ہیلو!'' دل کو سنبھالتے ہوئے وہ بولی تھی۔

آواز وہ جادو سا جگاتی ہوئی آواز
مدہوش دل و جان کو بناتی ہوئی آواز

کوئی گنگنایا تھا۔ مہرو کا دل گویا پسلیاں توڑ کر باہر آنے لگا اس نے ریسیور کو سختی سے تھام لیا۔

''کیا حال ہے؟ امید ہے بخیریت ہوں گی، دیگر احوال یوں ہے کہ ادھر کی خیریت مشکوک ہے، کیونکہ ایک پری رُو ہمارے حواسوں پر چھا کر ہمیں اردگرد سے بے خود کر گئی ہے، ہم تو سمجھ ہی نہیں پا رہے واردات ہوئی کیا؟''

ادھر سے حال دل بیان کیا گیا، مہرو کی قوت گویائی ہی سلب ہو کر رہ گئی۔

''بولیں نہ کچھ۔ محض آپ کی آواز سننے کو فون کیا ہے ہم نے؟'' اُدھر سے اصرار ہوا۔

''ن...... نمبر کہاں سے ملا آپ کو؟'' کافی دیر بعد وہ ہکلائی تھی۔

جواباً دیر تک اس کا قہقہہ گونجتا رہا، اس نے گھبرا کر فون بند کر دیا اور پیچھے ہٹ آئی۔ اس کا چہرہ تپ رہا تھا فون کی بیل دوبارہ بج رہی تھی۔ وہ فوراً سیڑھیاں چڑھ گئی۔ گھبراہٹ میں اسے کچھ سوجھ نہیں رہا تھا۔ فون اب کے بی بی جان نے اٹھا لیا تھا، اس کا اوپر کا سانس اوپر رہ گیا۔ وہ دم سادھے بی بی جان کو تک رہی تھی جو مسکرا رہی تھیں پھر وہ اسے آواز دینے لگیں۔

''مہرو، مہرو ادھر آ رانی۔''

اس نے وہیں سے سر ہلا دیا نفی میں۔ بی بی جان نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا۔ پھر وہ سیڑھیاں چڑھ آئیں۔

''کیا ہوا اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہے؟'' وہ مسکرا رہی تھیں۔

''نن نہیں بی بی جان!'' اس نے تھوک نگلا۔

''ارجمند بھابی کا فون تھا۔'' وہ بتانے لگیں۔

''پہلے تمہیں بلو تنگ کر رہا تھا۔ بھابی کہہ رہی تھیں کہ اسے تنگ کرنے کی عادت ہے پریشان نہ ہو مہرو۔''

''بلو......!'' اس کی ساری کیفیات جیسے سرد پڑ گئیں۔ وہ کیا سمجھ بیٹھی؟ ایسا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ بی بی خوشی کی کیفیت میں ہی اوپر چلی گئیں۔ وہ مرے مرے قدموں سے چلتی ہوئی نیچے آ گئی۔

ڈھولک کا ہنگامہ سرد پڑ چکا تھا۔ بھاگی بی بی جان کے کہنے پر بڑی کے سوٹوں کا ٹرنک نکالا گئی تھی اور اب جوڑے ٹانکے جا رہے تھے۔ ساتھ ساتھ مٹھائی اور شربت چل رہا تھا۔ بڑی زبردست تھی۔ سب کی آنکھیں جوڑوں کی چمک دمک سے خیرہ ہوئی جا رہی تھیں۔ اس کا دل یہاں نہ لگا تو وہ اٹھ کر باہر چلی آئی۔ شادی کی مصروفیت کی وجہ سے وہ احمد جمیل کا پروگرام بھی کئی دنوں سے نہ سن پائی تھی۔ سو آواز کا رشتہ بھی تعطل کا شکار تھا اور دل تھا کہ چاہتا تھا بس کہیں سے احمد جمیل آ جائے اور وہ اسے جی بھر کے دیکھ لے، جی بھر کے سن لے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے قدم اس طرف اٹھ گئے تھے۔ جدھر کا ہر راستہ گہری کھائی کی طرف جاتا تھا، لیکن وہ بے بس ہوئی تھی۔ دل پر کس کا زور چلا ہے۔

☆======☆======☆

مہندی، شادی اور پھر ولیمے کا دن آ پہنچا۔ ساری رسمیں بخوبی انجام پا گئی تھیں۔ وہ سارہ کے ساتھ بیٹھی تھی جب تہمینہ اسے اشارے سے بلا کر ایک طرف لے گئی۔

''تم میری بہن ہو ناں مہرو؟'' اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا۔ مہرو نے حیرانی سے دیکھا۔ اس بدیہی تعلق کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی۔

''اس میں کیا شک ہے؟'' وہ رسانیت سے گویا ہوئی۔

''تو مہرو......'' وہ جھجکی پھر ایک طرف اشارہ کر کے کہنے لگی۔

''اس بندے سے میری شادی کرا دو میں اس سے محبت کرنے لگی ہوں۔''

مہرو نے پلٹ کر دیکھا اور جھٹکا کھا کر رہ گئی۔

بلیو جینز اور بے بی پنک شرٹ میں بلال رضا کھڑا تھا۔

''میں کیسے کرا سکتی ہوں؟'' کافی دیر بعد وہ گویا ہوئی تھی۔

''تمہارا ماموں زاد ہے۔ تم بابا جان سے بلکہ چھوٹی اماں تک یہ بات پہنچا دو وہ خود ہی بابا جان سے بات کر لیں گی اور بابا جان کو بھی خود ہی منا لیں گی۔ پلیز مہرو۔'' اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ مہرو الجھ کر رہ گئی وہ یہ بات، اتنی بڑی بات کیسے کسی سے کہہ سکتی تھی۔

''ارے۔'' پھر جیسے اس کے ذہن میں خیال کوندا۔

''تم ایسا کرو بڑی اماں سے بات کرو وہ خود ہی بابا جان سے بات کر لیں گی اپنے طور پر بابا جان کو کسی قسم کا شک بھی نہیں ہوگا اور معاملہ بھی سیٹ ہو جائے گا۔'' اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا، لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ معاملہ تو سیٹ ہو چکا ہے۔ تہمینہ نے واپسی پر ماں کو حال دل سنایا وہ تو اس کی اس بے حیائی پر کتنی دیر اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"تمہارے دیدوں کا پانی کدھر گیا لڑکی؟" قدرے توقف کے بعد وہ غضبناک لہجے میں گویا ہوئیں۔

"اس میں ایسی کون سی بات ہے اماں، آپ نے میری شادی کہیں نہ کہیں تو کرنی ہی ہے تو پھر چھوٹی اماں کے بھانجے سے کیوں نہیں؟" وہ ہٹ دھرمی سے بولی تو انہوں نے اس کے دو ہتڑ رسید کر ڈالے۔

"ساری عمر جس عورت نے میری چھاتی پر مونگ دلے، میں اس کے خاندان میں تجھے بیاہ دوں یہ کبھی نہ ہوگا لڑکی، اچھی طرح کان کھول کر سن لے۔" وہ دوٹوک فیصلہ سنا کر وہاں سے ہٹ گئیں۔

لیکن تہمینہ پر عشق کا جادو بری طرح چڑھا ہوا تھا۔ وہ ہار ماننے کو تیار نہ تھی، لیکن فی الوقت وہ اس مسئلے کا کوئی مناسب حل بھی نہ پا رہی تھی۔

"میں راشدہ بھابی سے کہوں گی وہ اماں کو سمجھائیں۔" یکایک وہ فیصلہ کرتے ہوئے سلیمان لالہ کے کمرے کی طرف آئی وہ باہر ہی سجاول کو لیے بیٹھے تھے۔ جبکہ راشدہ بھابی سجاول کے لیے پاس ہی بیٹھی سوئیٹر بُن رہی تھیں۔

"آؤ تہمینہ کیسی رہی بھائی کی شادی؟" راشدہ نے خوش دلی سے پوچھا۔ ساتھ ہی اس کے بیٹھنے کو کرسی آگے کھسکائی، وہ تھکی تھکی سی بیٹھ گئی۔

"ہاں بہت اچھی، بڑا مزہ آیا اور سلیمان لالہ سب نے ہی آپ کے بارے میں پوچھا۔ آپ کیوں نہیں آئے؟" اس نے سلیمان ملک کی طرف دیکھا تو اس کے ابرو تن گئے۔

"جہاں میری عزت نہ ہو میں وہاں کا خیال بھی دل میں لانا لعنت سمجھتا ہوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں لالہ، وہاں تو چھوٹی اماں سمیت سب ہی اتنے پیار سے ملتے ہیں ہمارے اپنے دلوں میں غلط فہمیاں ہیں۔" اس نے ان لوگوں کی سائیڈ لی وہ سیخ پا ہو گیا۔

"کھلا دیا تمہیں گڑ اور جن کی تم بات کر رہی ہو ناں، انہوں نے ہی پانچ سال قبل مجھے ملک پور سے بے عزت کر کے نکالا تھا اور آئندہ داخلے پر پابندی لگا دی تھی۔"

"لیکن کیوں؟" راشدہ بھی متوجہ ہوئی تھی۔

"بس میرے سامنے ملک پور کا نام مت لیا کرو اور تم بھی سن لو اب تو چلی گئیں آئندہ نہ لیا تو زبان کاٹ کر رکھ دوں گا۔ آئی سمجھ میں بات۔" وہ دھمکی دیتا وہاں سے اٹھ گیا لیکن تہمینہ پر اس دھمکی کا کوئی اثر نہ ہوا تھا وہ راشدہ کے پاس آ بیٹھی۔

"بھابی میں نے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" وہ رازداری سے گویا ہوئی۔

"کیا؟" وہ ذرا کی ذرا اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

وہ دھیرے دھیرے اپنا مدعا بیان کرنے لگی۔ راشدہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"تمہیں پتہ ہے تم کیا کہہ رہی ہو؟" کافی دیر بعد وہ سنبھل کر گویا ہوئی۔

"ظاہر ہے، اچھی طرح سوچ سمجھ کر کہہ رہی ہوں۔" وہ چیخ گئی۔

"نہیں تہمینہ بنو، تم نے یہ خیال دل میں لاتے وقت ذرا بھی نہیں سوچا۔ اماں تو کبھی نہیں مانیں گی اور سلیمان، تم نے ان کے تیور نہیں دیکھے ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ میرا مشورہ ہے اس بات کو یہیں ختم کر دو، بھول جاؤ ورنہ بہت کچھ تباہ ہونے کا امکان ہے۔" راشدہ نے سنجیدگی سے مشورہ دیا تو وہ جھٹکے سے اکھڑ گئی۔

"ٹھیک ہے، میں خود بابا جان سے بات کرلوں گی۔"

وہ خودسری سے بولی تو راشدہ نے کندھے اچکا دیئے اب اگر اسے خود ہی مرنے کا شوق ہو رہا تھا تو وہ کیا کرسکتی تھی لیکن ایسا کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

شام کو بابا جان آئے تو مٹھائی کے ساتھ ساتھ ان کے پاس ایک خبر بھی تھی مہرو اور بلال رضا کی منگنی کی خبر۔

وہ بابا جان کے آنے کی خبر سن کر بھاگتی آئی تھی لیکن اسے دروازے کے بیچ ہی میں رہ جانا پڑا تھا وہ اماں جان کو بتا رہے تھے اور اس کے قدموں تلے سے زمین سرکتی جا رہی تھی۔

"بلال ابھی حال میں ہی باہر سے تعلیم مکمل کر کے آیا ہے۔ سارہ کا بھائی ہے رابعہ کی بھی مرضی ہے لڑکا ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ لہٰذا ہم نے ہاں کر دی اس جمعے کو منگنی کی رسم ہے تم نے تہمینہ کے لیے کیا سوچا ہے۔ کب تک اسے بٹھائے رکھنا ہے۔ کتنے اچھے اچھے رشتے تم نے لوٹا دیئے آخر کیا بنے گا۔" بات کرتے کرتے اس کا ذکر بھی بیچ میں آ گیا تھا۔

مہرو اور بلال کی منگنی کا سن کر بڑی اماں کو کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی یک لخت ہی ان کے دل میں تہمینہ کا خیال آیا تھا اور ان کے حلق میں تلخی گھل گئی تھی لیکن انہوں نے مسکراتے ہوئے نہایت تحمل سے کہا تھا۔

"میں تو سوچ رہی تھی کہ تہمینہ اور بلال کے لیے آپ سے بات کروں اصل میں تہمینہ کی مرضی بھی ہے۔" سلطان ملک بے طرح چونکے اور تہمینہ نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

"تہمینہ اتنی خود مختار کب سے ہوگئی؟" وہ قدرے بگڑ کر بولے تھے۔

"اس میں خود مختاری کی کون سی بات ہوگئی۔" وہ اب بھی پُرسکون تھیں۔

"کسی کو پسند کر لینا گناہ ہے کیا؟ آپ نے بھی تو بیوی بچوں کے ہوتے ہوئے رابعہ کو

پسند کیا تھا نہ صرف پسند کیا بلکہ بڑی دھوم دھام سے شادی بھی کی۔ ''ملک پور'' کی آبادی آپ کی پسند کی زندہ یادگار ہے ملک صاحب۔'' وہ بڑی مہارت سے کھیل رہی تھیں۔

سلطان ملک کی پیشانی عرق آلود ہوگئی انہوں نے رومال سے پسینہ خشک کیا۔

''وہ سب ٹھیک ہے، لیکن اب تو مہرو کا رشتہ ہوگیا اب کچھ نہیں ہوسکتا تم نے پہلے یہ بات کہی ہوتی تو شاید غور کیا جاسکتا تھا۔''

''اب بھی کون سا نکاح ہوگیا ملک صاحب! آپ نے میری حق تلفی کی، میں نے خاموشی سے برداشت کی، اس حق تلفی کا صلہ چاہتی ہوں میں اس جمعہ کو تہمینہ اور بلال کی منگنی ہونی چاہیے۔ میں سب کو پیغام بھجوا رہی ہوں۔''

وہ اپنے ازلی ہٹ دھرم لہجے میں کہتی اٹھیں۔ تہمینہ کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ اتنی آسانی سے فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے گا وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

''یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ بلال رضا نے مہرو کے لیے پسندیدگی کا اظہار کیا ہے کوئی زبردستی نہیں چل سکتی۔ تم تہمینہ کو سمجھا لینا اس عمر میں اکثر بہت کچھ پسند آجایا کرتا ہے۔''

وہ بھی سلطان ملک تھے نہ جھکنے والے حتمی لہجے میں کہتے اٹھ گئے۔

''منگنی تو تہمینہ اور بلال کی ہی ہوگی ملک صاحب۔'' ان کے چہرے پر بڑی شیطانی مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔

☆======☆======☆

''ہماری منگنی ہو رہی ہے۔'' رو رو کر اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ وہ کہیں سے آ بھی تو نہیں رہا تھا ریڈیو پر بھی خاموشی تھی۔ جانے وہ کدھر چلا گیا تھا۔ وہ تو کسی سے اپنا حال دل کہہ بھی نہیں سکتی تھی اور کہتی بھی تو کس برتے پر؟ اس کے دامن میں کون سے کسی وعدے کے پھول تھے۔

''خیر تو ہے ناں بی بی!'' نوری چلی آئی تھی۔ اس نے دیکھا وہ بڑی نکھری نکھری لگ رہی تھی شاید اسے محبت کی خوراک مل رہی تھی اس کا جیرو اس کے پاس تھا۔

''نوری تُو ہماری سہیلی ہے ناں؟'' اس کا دل ایک دم ہی نوری سے سب کہنے کو مچلا تھا۔

''مم...... میں؟'' وہ ایک نظر اس پر پھر خود پر ڈال کر جھجکی۔ وہ مالک، نوکر تو ہو سکتی تھیں مگر دوستی......

''دوستانے کا رشتہ تو برابر والوں میں جڑتا ہے اور اچھا لگتا ہے، ابا کہتا ہے۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے کہا تو وہ مچل اٹھی۔

''نہیں نوری تُو ہماری سہیلی بن جا بھول جا کہ ہم کون ہیں اور تُو کون۔ دیکھ، ہم تجھ سے دل کی بات کہنا چاہتے ہیں دیکھ نوری۔'' اس نے اس کے ہاتھ تھامے تو نوری کو آنکھیں بند کرنی پڑیں۔

''بول بی بی، میں تیری سہیلی ہوئی آج سے تُو جو بھی کہے گی اس سینے میں دفن ہو جائے گا۔ نوری تیرے لیے جان بھی دے دے گی بی بی۔'' وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ تو مہرو اسے سنانے لگی۔ دھیرے دھیرے سب کچھ۔

''پر بی بی اس نے تو تجھ سے ایک لفظ نہیں کہا۔'' اس کی باتیں اس کو حیران کر گئیں۔

''نہیں نوری کہا ہے اس نے، وہ کہتا ہے۔'' کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کی نظر اچانک کسی ایسی چیز پر پڑ جاتی ہے کہ بے اختیار دل قدرت کی صناعی پر عش عش کر اٹھتا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے آپ کا دل، آپ کا دماغ سب کچھ اس سحر کے زیر اثر ہوگیا ہو۔ آپ چاہتے بھی ہوں تو اس طلسم سے باہر نہ نکل سکتے ہوں اور طلسم خواہ کسی بھی چیز کا ہو ایک بار جکڑ لے تو پھر رہائی ممکن نہیں۔''

''میں جانتی ہوں نوری یہ سب اس نے ہمارے لیے کہا ہے۔ وہ ہم سے مل کر گیا تھا تو اس نے یہ سوچا۔ ہم جانتے ہیں وہ ہمارے سحر میں گرفتار ہے تم اس تک ہمارا پیغام پہنچا دو کسی بھی طرح اسے کہو ہم صرف اس سے محبت کرتے ہیں ہم صرف اس کے ہونا چاہتے ہیں کسی بھی طرح!'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''بی بی تمہارے پاس اس کا کوئی پتہ ہے تو دو میں جیرے کو بولوں گی وہ اس تک پیغام پہنچائے گا۔ تم نے میرے کو سہیلی بولا ہے ناں، دیکھ میں مرتے دم تک نبھاؤں گی۔'' نوری اس کی مدد پر کمربستہ ہوگئی تھی۔

''ہمارے پاس تو ریڈیو پروگرام کا پتہ ہے جیرو ریڈیو اسٹیشن پہنچ جائے گا کیا؟''

اس کے دل میں امید کی کرن جاگی تو آنکھیں چمکنے لگیں۔

''ارے بی بی میں بولوں گی تو کیوں نہیں پہنچے گا؟'' نوری نے فخر سے سینے پر ہاتھ مارا۔

''تُو یہاں ٹھہر ہم کمرے سے اس کا پتہ لے کر آتے ہیں۔'' وہ اس کو باغ میں ہی چھوڑ کر اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک مڑا تڑا کاغذ تھا۔ جس پر ریڈیو پروگرام کا پتہ درج تھا دوسری مٹھی میں سو سو کے کئی نوٹ تھے۔ اس نے نوری کے ہاتھ میں نوٹ تھمائے اور تاکید کرنے لگی۔

''دیکھ نوری، ہم بڑی امید سے تم پر بھروسہ کر رہے ہیں جیرو سے کہنا پیسوں کی فکر نہ

کرے ہم اسے ڈھیر سارے پیسے دیں گے بس وہ کسی طرح ہمارا پیغام اس تک پہنچا دے۔"

"پر پیغام تو لکھ دو جی جیرو جا کر کیا کہے گا بھلا؟" نوری ہنسی۔

"تمہارا مطلب ہے ہم خط لکھیں؟" وہ متذبذب ہوئی۔

"تے ہور کیہہ" نوری کھلکھلائی۔

"پر ہم نے تو کبھی خط نہیں لکھا کسی کو؟" وہ پریشان ہو گئی۔

"تو اب لکھو ناں جی۔ محبت کی ہے تو ایسے کام تو کرنے ہوں گے جی۔" نوری کے اکسانے پر وہ پھر کمرے میں آ گئی نوری بھی پیچھے تھی۔

اس نے کاغذ قلم تھاما، لیکن سمجھ نہ آیا کہ کیا لکھے۔

پھر دو چار سطریں گھسیٹیں اور تہہ کر کے نوری کو تھما دیا۔ اس کا چہرہ لال انگارہ ہو رہا تھا نوری اس کی شکل دیکھ کر ہنسنے لگی۔

"توبہ ہے بی بی آپ تو یوں شرما رہی ہو جیسے خود ان سے ملنے جا رہی ہو۔" اس نے چھیڑا تھا وہ جھینپ کر پھر تاکید کرنے لگی۔

"اسے کہنا آج ہی چلا جائے تاکہ وہ جمعے سے پہلے پہلے ہم سے ملے یا کوئی امید ہی بھیجے۔"

"فکر نہ کرو جی۔" نوری نے پیسے اور دونوں کاغذ دوپٹے کے پلو میں باندھے اور چلی گئی وہ ابھی سے دن گننے لگی تھی۔

☆======☆======☆

"دیکھو مجھے ایک دفعہ جمیل صاحب سے ملنے دو۔ میں بہت دور سے ان کے لیے بہت اہم پیغام لایا ہوں۔" نذیر علی عرف جیرو پچھلے دو دن سے اس بڑی سی عمارت کے اس درخت تلے بیٹھا ایک ایک کی منت کر رہا تھا لیکن کوئی شنوائی نہ ہو رہی تھی۔

اس کا دھلا دھلایا بوسکی کا سوٹ بھی اب میلا نظر آنے لگا تھا اور اس کے چہرے پر غربت کی گرد جمنے لگی تھی۔ اب بھی اس نے ایک سوٹڈ بوٹڈ شخص کو پکڑ کر اپنا مدعا بیان کیا تھا۔ جواباً اس شخص کے چہرے پر بیزاری کی کیفیت چھائی تھی۔

"کون جمیل صاحب؟" اس نے جیرو کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"وہ جی احمد جمیل صاحب یہ پروگرام والے۔" اس نے جٹ آگے کی اس شخص کے چہرے پر تنی کیفیت میں قدرے تبدیلی رونما ہوئی۔ اس نے ایڈریس پڑھا اور پوچھنے لگا۔

"کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو؟"

"جیرو ہوں جی ملک پور سے آیا ہوں۔ خدا کے لیے مجھے احمد جمیل صاحب سے ملوا دیجئے۔ مجھے ایک بہت ضروری پیغام ان تک پہنچانا ہے۔" اس کے لہجے میں نرمی نے جیرو کو تھوڑا سا حوصلہ دیا تھا۔ ملک پور کا سنتے ہی اس کے تاثرات بدل گئے تھے۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑے ایک طرف لے گیا۔

"کس نے بھیجا ہے تمہیں؟" قدرے سرگوشی میں پوچھا۔ جیرو نے بتانے کو تامل کیا۔

"آپ مجھے احمد جمیل سے ملوا دیں بس۔"

"میں ہوں ناں احمد جمیل جلدی بولو۔" اس نے بے تابی سے کہا۔ جیرو نے چند لمحے یقین کرنے میں لگائے۔ پھر جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر اسے تھما دیا۔ احمد جمیل نے فوراً کاغذ کھولا، موتیوں جیسے حروف بکھرے تھے۔

"ہم مہرو ہیں۔ شاید آپ بھول گئے ہوں، لیکن ہم نہیں بھولے روز آپ کا انتظار کرتے ہیں آم کے پیڑ کے نیچے۔"

پیغام تھا یا نویدِ حیات اس نے بے ساختہ اس کاغذ کو لبوں سے لگا لیا۔ پھر جیرو کو دیکھ کر بولا۔

"تم نے کھانا وغیرہ کھایا آؤ میرے ساتھ۔" وہ اسے لے کر کینٹین آ گیا۔ کھانے کا کہہ کر وہ اس کے متعلق پوچھنے لگا اور یہ کہ مہرو نے یہ خط اس تک کیسے پہنچایا اور تبھی جھینپتے ہوئے اس نے اپنے اور نوری کے متعلق بتایا۔

"پہلے کبھی کراچی آئے ہو؟"

"نہیں جی پہلی دفعہ آیا ہوں ادھر اسٹیشن پر اتر کر میں نے ٹیکسی والے کو بولا ریڈیو اسٹیشن جانا ہے تو وہ ہم کو پتہ نہیں کہاں گھما پھرا کر یہاں لایا۔ میں تو جی دو دن سے ادھر خوار ہو رہا ہوں کوئی بات ہی نہیں سن رہا تھا۔"

"میرا پروگرام سوموار کو آن ایئر جاتا ہے۔ اس لیے میں صرف سوموار کو یہاں آتا ہوں بہرحال تمہیں تکلیف ہوئی مجھے اس کا افسوس ہے۔ چلو تمہیں اسٹیشن تک چھوڑ آؤں۔" کھانے کے بعد احمد جمیل نے اسے اپنے موٹر سائیکل پر بٹھایا اور اسٹیشن تک چھوڑ دیا۔ پہلے تو وہ منتظر ہی رہا پھر جو [illegible] دیا۔

"وہ جی کوئی پیغام شغام؟"

"[illegible] نہیں بس ٹھیک ہے۔" اس نے ہاتھ ملا کر اسے خدا حافظ کہا۔ گاڑی چل پڑی اور جیرو حیرانی سے دور ہٹتے احمد جمیل کو دیکھتا رہا۔

احمد جمیل نے جانے کتنی مرتبہ اس تحریر کو پڑھا۔ اسے لگا جیسے وہ اس کے آس پاس ہو اور کہہ رہی ہو۔

''ہم مہرو ہیں۔ شاید آپ ہمیں بھول گئے ہوں لیکن ہم آپ کو نہیں بھولے، ہم اب بھی روز آپ کا انتظار کرتے ہیں آم کے پیڑ کے نیچے۔''

احمد جمیل کی آنکھوں میں مہرو کا سراپا رقص کرنے لگا۔ مندر میں بجتی گھنٹیوں کی سی آواز اسے بے خود کرنے لگی۔ محبت کی منزل اسے یوں آسانی سے مل جائے گی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ تو خود کو رانجھا اور فرہاد تصور کیے بیٹھا تھا، لیکن یہاں تو سب کچھ الٹ ہو رہا تھا۔ ایک مسرت کی لہر تھی جو اس کے رگ و پے میں اتری تھی۔

''مہرو میں بھی تمہیں نہیں بھولا ایک پل بھی۔''

اس نے آنکھیں میچ کر اقرار کیا تھا۔

☆======☆======☆

سارہ اور رحمٰن ہنی مون پر چلے گئے تھے۔ جمعرات کو ان کی واپسی تھی اور جمعہ کی شام کو مہرو کی منگنی کی رسم تھی۔ ایک دن باقی تھا۔ مہرو بے چینی سے احمد جمیل کا انتظار کر رہی تھی۔

اس نے نوری سے بار بار پوچھا تھا کہ جیرو نے پیغام احمد جمیل کو ہی دیا تھا ناں اور وہ یقین دہانی کروا چکی تھی لیکن اسے کسی طور قرار ہی نہ تھا اگر ایسا ہوتا تو وہ کوئی پیغام تو بھیجتا۔

وہ روز ریڈیو کے کان مروڑتی شاید اس کی آواز سنائی دے جائے۔ شاید کوئی پیغام سننے کو مل جائے لیکن اس نے اپنے پروگرام میں بھی ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا تھا وہ مایوس ہونے لگی۔

تو وہ یکطرفہ محبت کی آگ میں جل رہی ہے۔

''یہ مشہور لوگ تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اس کے لیے تو یہ محض اتفاق ہوگا۔ وہ یونہی ادھر آنکلا اور وہ اسے دل دے بیٹھی اس کے پاس تو اور بھی ہزاروں لڑکیوں کے فون آتے ہوں گے خط ملتے ہوں گے اس کے لیے تو یہ روٹین کی بات ہوگی۔'' دل میں بدگمانی نے گھر کیا تو اسے سب کچھ گرد آلود نظر آنے لگا۔ اس نے خود کو بہلانے کے لیے کئی تاویلیں دے ڈالیں مگر دل تو کہ ضدی بالک بن بیٹھا تھا۔ ایک ہی نام کی گردان کیے جا رہا تھا۔ وہ کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی تو اٹھ بیٹھی۔ آج گرمی بھی زوروں کی پڑ رہی تھی۔ پیاس سے حلق میں کانٹے چبھتے محسوس ہوئے اس نے بھاگی کو آواز دی، لیکن شاید وہ بھی کہیں ستانے بیٹھ گئی تھی۔

وہ خود ہی پانی پینے اٹھ گئی۔ اماں اور بابا جان اپنے کمروں میں قیلولہ کر رہے تھے اس نے فریج سے پانی نکالا اور گلاس میں انڈیلنے لگی۔ سہ پہر کے تین بج رہے تھے پانی پیتے پیتے اس

نے یونہی باغ کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھول دی۔ گرم لُو نے اسے جھلسا کر رکھ دیا، لیکن وہ بے نیازی سے وہیں بازو ٹکائے کھڑی ہو گئی۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ آخری گھونٹ لے کر وہ گلاس رکھنے کو پلٹی ہی تھی کہ اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا اس نے دوبارہ ادھر دیکھا تو جھاڑیوں کے پیچھے سرسراتے کپڑے نظر آ گئے۔

''احمد جمیل!'' اس کے دل نے گواہی دی۔ اس نے کھڑکی بند کی اور احتیاط سے چلتی دروازہ کھول کر باغ میں آ گئی۔

''اُف!'' تیز جھلستی دھوپ نے اس کا استقبال کیا تھا، لیکن احمد جمیل سے ملنے کی خوشی کے آگے سب کچھ ہیچ تھا وہ تیزی سے چلتی ہوئی اس کے کونے میں پہنچ گئی۔ جہاں اسے جھاڑیوں کے پیچھے سرسراہٹ محسوس ہوئی تھی وہاں اب کچھ نہ تھا محض فریبِ نظر تھا وہ۔

وہ خود کو لعنت ملامت کرتی جھولے پر بیٹھ گئی۔ تبھی ایک ہاتھ اس کے شانے پر آ رکا۔ اس کے لبوں سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ کیونکہ وہ اس کے سامنے آ گیا تھا۔

اور مہرو گنگ کیفیت میں اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اس نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا اور اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔

تم نے بلایا اور ہم چلے آئے
جان ہتھیلی پر لے آئے رے

ہولے سے گنگناتا احمد جمیل اس کو پوری طرح توڑ گیا۔ اگلے ہی پل وہ اس کے سینے سے لگی رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

''ہم تمہارے بنا نہیں رہ سکتے، ہم سچ مچ تم سے بہت محبت کرتے ہیں سچ مچ۔'' احمد جمیل اسے بازوؤں کے گھیرے میں لیے چھاؤں میں آ گیا اس کا سر تھپکا۔

''بس چپ کر جاؤ۔ میں آ تو گیا ہوں۔''

پھر وہ کتنی دیر وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے بہت کچھ طے ہوا۔ ملاقات کا دن وقت اور عصر کے وقت جب دونوں جدا ہوئے تو دوبارہ ملنے کی آس نے آنکھوں میں جوت جگا رکھی تھی۔

اگلی شام اس نے چپ چاپ منگنی کروالی۔ کیونکہ احمد جمیل کا کہنا تھا فی الحال اسے گھر والوں کے کسی فیصلے سے اختلاف نہیں کرنا چاہیے۔ منگنی کی حیثیت ہی کیا تھی اور اس بار جب نوری آئی تو اس کے پاس کرنے کے بے شمار باتیں تھیں۔ وہ اپنی دھن میں مگن تھی۔ کافی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ نوری کچھ چپ چپ ہے۔

"کیا بات ہے نوری تمہیں کیا ہماری باتوں سے خوشی نہیں ہو رہی۔" اس نے پوچھا تو نوری نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہ بی بی ایسی کوئی گل نئیں مجھے تو اپنی پھکر ہے۔ وہ ابا جو ہے ناں وہ کہتا ہے ذات برادری سے باہر میرا ویاہ نئیں کرے گا۔ جیرو بڑا پھکر مند ہے اور میں تو خود نہیں سوئی جی چار راتوں سے سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ ابا بہت ظالم ہے اس کو اگر پتہ چل گیا کہ میرا جیرو کے ساتھ چکر ہے تو وہ تو مجھے وڈ (کاٹ) کر نہر میں پھینک دے گا جی۔" نوری انگلیاں چٹخاتی ہوئی بولی۔ تو مہرو بھی پریشان ہوگئی۔

"ہر طرف یہی کیوں ہوتا ہے نوری۔ ہمیں پتہ ہے بابا جان ہماری شادی بھی خاندان سے باہر نہیں کریں گے، لیکن اس کے باوجود ہم احمد کا خیال دل سے نہیں نکال سکتے ایسا کیوں ہوتا ہے نوری۔"

"پتہ نہیں جی۔" نوری نے سر جھکا لیا تھا۔

☆======☆======☆

"ارے خبیث تُو غائب کہاں رہتا ہے آج کل، رحمٰن کی شادی کو مہینہ ہو چلا اور تُو اب نظر آیا ہے مجھے۔ چکر کیا ہے اوئے۔" عزیز احمد نے اسے جا لیا۔

"اوئے چھوڑ۔" احمد یار نے اپنا آپ چھڑایا۔

"چکر کیا بس میں آج کل اپنی اسٹڈی کی طرف دھیان دے رہا ہوں۔"

"کیوں ٹاپ کرنا ہے؟" عزیز احمد نے طنز کیا۔

"ٹاپ کرلیں گے، بلکہ زبردست قسم کا ٹاپ کریں گے تم دیکھنا۔" وہ معنی خیزی سے مسکرایا۔

"اوہو میں مشکوک ہو رہا ہوں۔" عزیز کی چھٹی حس کلبلائی۔

"تم تو ہمیشہ ہی مشکوک رہتے ہو۔ یہ بتا بھابی کیسی ہیں اور بھائی اور گبلو ببلو۔" اس نے موضوع ہی بدل دیا۔

"سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ بس، یار ایک بات بتاؤں مجھے عشق ہو گیا ہے۔"

عزیز احمد کا انداز کھویا کھویا ہو گیا۔ تو احمد یار قہقہہ مار کر ہنس دیا۔

"تم نے تو ہائی جمپ لگائی ہے۔ خیر سے یہ انکشاف کب ہوا کہ آپ کو عشق ہو گیا۔" وہ ذرا بھی سنجیدہ نہ تھا۔

"پچھلے کئی دنوں سے مجھے ٹھیک طرح سے نیند نہیں آ رہی، بھوک نہیں لگتی، کوئی کام کرنے

کو دل نہیں چاہتا، کچھ بھی اچھا نہیں لگتا، تو اس کا مطلب تو یہی ہوا ناں۔" اب کے اس نے بھی بات مذاق میں اُڑائی تھی۔

"نہیں ضروری نہیں، تُو اپنا میڈیکل چیک اپ کرا مجھے تو لگتا ہے تجھے گیس ٹربل ہو گیا ہے۔"

"بکو نہیں۔" عزیز احمد نے اسے تکیہ دے مارا۔ "میں سیریس ہوں۔ یار تُو نے رحمٰن کی شادی میں وہ نیلے کپڑوں والی لڑکی دیکھی تھی؟"

"میں نے رحمٰن کی شادی میں ایک بھی لڑکی نہیں دیکھی، بڑی بڑی مونچھوں والے بھاری بھرکم مرد ہی دیکھے، جن سے بات کرنے سے پہلے تولنا ضروری لگ رہا تھا۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"نہیں وہ ایک لڑکی ہم نے دیکھی تھی۔ جب ہم دونوں مردان خانے میں کھڑے تھے۔ باہر کچھ گرنے کی آواز پر جب ہم باہر بھاگے تھے۔ تو وہ نیلے کپڑوں والی لڑکی اور ساتھ میں ایک ملازمہ تھی ناں وہی لڑکی جس کے ہاتھ میں کانچ چبھ گیا تھا اور وہ شور مچا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ بہت خوبصورت تھے پتہ نہیں وہ رحمٰن ملک کی کیا لگتی ہے، لیکن یار وہ کتنی مکمل ہے۔" وہ آنکھیں بند کیے تصور میں اس نیلم پری کو دیکھنے لگے۔

"نہیں میں پیچھے ہی رک گیا تھا ورنہ اسی وقت تیری اس سے بات کرا دیتا۔" احمد یار نے اس کے کندھے پہ دھپ رسید کی۔

"درحقیقت میں بھی اپنی بلبل کی تلاش میں تھا لیکن یار بڑی سخت روایات ہیں رحمٰن ملک کی۔ مجال ہے جو کسی نازک پیکر پر نظر پڑ جائے۔"

"یار احمد، اگر ایسا ہو گیا کہ ہم دونوں ایک ہی لڑکی کے اسیر ہوئے تو؟" عزیز نے اپنا خدشہ بیان کیا۔ خدشہ تو احمد یار کو بھی تھا لیکن وہ فی الحال اس کو اپنے ذہن میں جگہ دینے کو تیار نہیں تھا۔

"ارے نہیں نہیں ایسا کیونکر ہو سکتا ہے اور پھر ہو بھی جائے تو کیا۔ اگر وہ لڑکی سچ مچ رحمٰن کی بہن نکلی تو ہم دونوں کا انجام ایک سا ہونا ہے۔ یعنی وہ کسی کو نہیں ملنے والی، So leave it بے کار خدشوں سے ذہن کو مت الجھاؤ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

احمد یار کے انداز میں اطمینان تھا۔ وقتی طور پر عزیز بھی مطمئن سا ہو گیا تھا۔

"چھٹیاں ختم ہونے میں تھوڑے دن ہیں۔ پتہ کرو رحمٰن ملک کے کیا ارادے ہیں؟" احمد یار نے کہا تو وہ سر ہلانے لگا۔

''شام ہو لے، ذرا نکلتے ہیں، باہر سے ہی فون بھی کر لیں گے۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' احمد یار نے تائید کی پھر دونوں ہی کسی گہری سوچ میں گم ہو گئے تھے۔ شاید وہ اپنے اپنے خدشات کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

اگر واقعی ایسا ہو گیا تو کیا وہ اپنی اپنی محبت سے دستبردار ہو سکیں گے۔

کیا یہ اتنا آسان ہو گا۔

''نہیں اللہ جی۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ تُو ہم کو ایسے کسی امتحان میں مت ڈالنا کہ ہماری دوستی داؤ پر لگ جائے۔''

دونوں نے دعا کی تھی۔

''چلیں!'' عزیز احمد نے چونک کر کہا تو احمد یار بھی چونکا تھا۔

دونوں کی آنکھوں میں تفکر کی پرچھائیاں تھیں۔

''رحمٰن ملک کا تو اب دل ہی نہیں چاہے گا۔ نئی نئی شادی ہے، بیوی کو چھوڑ کر آنا بہت مشکل ہو گا اس کے لیے۔'' احمد یار نے ماحول کا تناؤ کم کرنے میں پہل کی۔

''مجھے بھی لگتا ہے۔'' عزیز احمد ہنس دیا۔ پھر دونوں رات گئے تک باہر رہے۔ کھانا بھی باہر کھایا۔ رحمٰن ملک اپنی بیوی کے ساتھ سسرال گیا ہوا تھا۔ اس لیے بات نہیں ہو سکی۔

دونوں جب گھروں کو لوٹے تو فیصلہ کر چکے تھے آئندہ اس لڑکی کے بارے میں بات نہیں کریں گے۔

☆======☆======☆

''بڑے دنوں بعد آئی نوری خیر تو ہے؟'' وہ ابھی ہال کمرے میں آئی ہی تھی کہ ملکانی بی بی نے اسے روک لیا۔

''بس بی بی طبیعت کچھ اچھی نہیں تھی۔ چھوٹی بی بی کدھر ہے جی؟'' اس نے جواب دے کر پوچھا۔

''ہو گی جھولے پر ہزار مرتبہ سمجھایا ہے، آج کل گرمی ہے مت جایا کر، لیکن سنتی کب ہے نوری واپسی پر خیرو سے آم لیتی جانا۔ تمہارا حصہ رکھا تھا۔'' انہوں نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

''اچھا بی بی جی۔'' وہ تیز تیز چلتی باغ کی طرف آ گئی۔ اس نے دور سے ہی دیکھ لیا۔ جھولا خالی پڑا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھتی آگے بڑھ آئی۔ آج وہ اپنی پریشانی میں تھی۔ ابے نے اس کا گھر سے نکلنا بند کر دیا تھا۔ اسے جیرو سے اس کے تعلق کی سن گن مل گئی تھی اور انہوں نے فی الفور اس کو گھر میں قید کر دیا تھا۔ آج بھی وہ بڑی مشکل سے مہرو بی بی کا نام لے کر آئی تھی، لیکن وہ بھی

یوں کہ ابا اسے خود حویلی سے باہر چھوڑ گیا تھا۔ مترنم ہنسی کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ سامنے کی جھاڑیوں کے پیچھے اسے کوئی بیٹھا نظر آ گیا۔ وہ تیزی سے اس طرف بڑھی۔ اس کے قدموں کی آہٹ تھی کہ اچانک ہی جھاڑیوں کے پیچھے ہلچل سی مچ گئی۔ پھر مہرو نے ذرا سا سر اٹھا کر جھانکا۔ نوری کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔

''یہ تُو ہے نوری، ہم تو ڈر ہی گئے تھے۔'' وہ ہاتھوں سے کپڑے درست کرتی جھاڑیوں کے پیچھے سے نکل آئی اور آ کر نوری سے لپٹ گئی۔

''وہ آیا ہوا ہے کیا؟'' اس نے سرگوشی کی۔

''ہوں۔'' وہ ایک شرمیلی سی ہنسی ہنس دی۔

''احتیاط کیا کریں بی بی۔ اب جیسے میں آ گئی ہوں۔ کوئی ہور آ جاتا تو فیر کیا ہوتا؟''

''تو کیا ہوتا، سب کو پتہ چل جاتا پھر۔'' وہ ذرا بھی خوفزدہ نہ تھی۔

''آپ کو ڈر نہیں لگتا جی۔'' وہ حیران ہوئی۔

''تمہیں لگتا ہے؟'' وہ ہنسی پھر پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی۔

''میں چلتا ہوں مہرو۔'' جھاڑیوں کے پیچھے سے بے حد آہستہ سی آواز آئی۔ ساتھ ہی وہ سرسراتا ہوا دیوار کی جانب بڑھ گیا۔ نوری کی جان میں جان آئی۔

''مجھے ابے سے بوت ڈر لگتا ہے۔ ابا تو قصائی ہے، ذرا بھی لحاظ نہیں کرے گا۔'' وہ پسینہ خشک کرتی وہیں درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ مہرو جھولے پر آ بیٹھی۔ آج وہ بات بات پہ ہنس رہی تھی، کچھ دھوپ کی تمازت کچھ محبت کے رنگ، مہرو کا روپ الگ سا ہی ہو رہا تھا۔ نوری کتنی دیر اسے دیکھتی رہی۔

''آپ بہت خوبصورت ہو جی۔'' اس نے تعریف کی۔

''اچھا۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ ''تجھے آج پتہ چلا ہے۔'' وہ جھولے پر بیٹھ گئی۔

''نہیں بی بی پر محبت کا رنگ آج دیکھا ہے آپ کے چہرے پر ایک بات پوچھوں بی بی؟''

''ہوں!'' اس نے اجازت دی۔

''وڈے ملک صیب نے تو آپ کی منگنی کر دی ہے آپ پھر بھی میرا مطبل ہے کہ آپ نے خموشی سے منگنی کرا لی جی۔ کیا شادی وی۔'' بات ادھوری چھوڑ کر وہ مہرو کا چہرہ تکنے لگی جہاں ایک پل کو سایہ سا لہرایا تھا۔

''پتہ نہیں نوری، احمد جمیل کا کہنا تھا فی الوقت ہم چپ چاپ منگنی کروا لیں۔ ابھی

مناسب وقت نہیں آیا۔شور ڈالنے سے معاملہ بگڑ سکتا تھا۔وہ کہتا ہے سال ڈیڑھ سال میں وہ بابا جان سے ہمیں مانگ لے گا۔''

''اور وڈے ملک صیب من جائیں گے؟ مجھے تو نہیں لگتا جی وڈے ملک صیب تو اصولوں میں بہت سخت ہیں جی وہ تو ابے سے بھی زیادہ ظالم ہیں۔'' نوری گویا اسے خبردار کر رہی تھی۔

''چل چھوڑ یہ دیکھ احمد جمیل شہر سے ہمارے لیے کیا لایا ہے۔'' مہرو سر جھٹک کر ہاتھ میں پکڑا لفافہ کھولنے لگی۔

''کیا ہے جی؟'' وہ اشتیاق سے آگے بڑھ آئی۔

''چھوٹی بی بی چھوٹی بی بی۔'' بھاگی گھبرائی ہوئی بھاگتی چلی آ رہی تھی۔مہرو نے لفافہ مٹھی میں دبا لیا اور جھولے سے اتر آئی۔

''وہ جی......'' بھاگی ہانپتی ہوئی اس کے پاس آن کھڑی ہوئی۔

''آپ کو ملکانی بی بی بلا رہی ہیں، جلدی آجائیں جی۔وہ بڑے غصے میں ہیں۔''

''کیا؟'' مہرو نے ایک دم دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے پہلے نوری اور پھر دیوار کی سمت دیکھا تھا اور پھر مرے مرے قدموں سے بھاگی کے پیچھے چل پڑی تھی۔

بی بی جان ہال کمرے میں ٹہل رہی تھیں، بابا جان صوفے پر حقے کی نے تھامے ادھر ہی نظریں جمائے ہوئے تھے۔اندر داخل ہوتے ہی مہرو کا خون خشک ہو گیا تھا۔

''یہ میں کیا سن رہا ہوں مہرو؟'' وہ دھاڑے تھے۔

مہرو سے نظریں اٹھانی مشکل ہو گئی تھیں۔

کچھ دیر پہلے کی ساری بہادری ہوا ہو گئی تھی۔

اس نے اپنے قدموں تلے سے زمین سرکتی محسوس کی تھی۔

''تم اتنی خود مختار کب سے ہو گئیں کہ ہمارے کیے فیصلوں کو ٹھکراؤ۔تمہیں کس نے کہا کہ تم تہمینہ کو مشورہ دیتی پھرو...... بولو؟'' وہ چلائے تھے۔

''جج، جی؟'' اس نے پٹ پٹا کر آنکھیں کھولیں۔بی بی جان اس کے پاس آ کھڑی ہوئیں جو دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے صوفے تک لائیں۔

''بیٹھو یہاں؟'' وہ سرعت سے بیٹھ گئی۔یہ تو معاملہ ہی اور تھا۔''اوہ میرے ربا!'' اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کرتے ہوئے ہمت مجتمع کی۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا بی بی جان!'' اس نے بی بی جان کی طرف دیکھا۔

''ولیمے والے دن تہمینہ آپا نے مجھ سے کہا تھا کہ میں آپ سے بات کروں کہ وہ بلال

بھائی سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔میں نے انہیں منع کر دیا تھا۔ہاں یہ ضرور کہا تھا کہ وہ بڑی اماں سے بات کریں میں کچھ نہیں کر سکتی۔'' اس نے آہستگی سے ساری بات دہرا دی۔

''میں نے ٹھیک کہا تھا ملک صاحب کہ مہرو اس طرح کی بات نہیں کر سکتی اور یہ تو اس نے بھی کہا تھا جب ایسی کوئی بات ہوئی ہی نہیں تھی۔'' بی بی جان نے اس کا ماتھا چوما۔

''ٹھیک ہے اب میں خود نمٹ لوں گا۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے پھر مہرو کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔

''اور مہرو بٹیا اتنی شدید گرمی میں باغ جانے کی کیا ضرورت ہے۔شام ڈھلے جایا کرو۔''

''لیکن شام ڈھلے جانے سے بی بی جان منع کرتی ہیں، درخت سو جاتے ہیں، تنگ ہوتے ہیں، بھوت پریت اُتر آتے ہیں۔'' اس نے لاڈ سے ماں کو دیکھتے ہوئے کہا۔تو وہ ہنس پڑیں۔

''ہاں تو سچ ہے ناں۔'' انہوں نے پیار سے اسے ساتھ لگا لیا۔

''چلو تم ماں بیٹی لاڈ کرو۔میں بڑے گھر سے ہو آؤں۔رحمٰن اور بہو آجائیں تو مجھے فون کر دینا۔جلدی آجاؤں گا۔'' انہوں نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

''ہاں جی، لیکن دیکھیے گا خواہ مخواہ غصہ مت دکھائیے گا یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ہر ماں اپنی بیٹی کے لیے سوچتی ہی ہے۔''

بی بی جان نے پیچھے تک جاتے ہوئے تاکید کی تو انہوں نے بس اسے دیکھنے پر اکتفا کیا تھا۔

☆======☆======☆

''اوہو بڑے نکھرے نکھرے لگ رہے ہو۔بھئی شادی نے تو بڑا رنگ جمایا ہے۔'' احمد یار نے رحمٰن ملک کو دیکھتے ہی ہانک لگائی تھی۔وہ اس سے لپٹ گیا۔

''عزیز احمد کہاں ہے؟'' اس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا تو احمد یار نے کندھے اچکا دیے۔

''خبر نہیں بڑی مشکوک سرگرمیاں ہیں آج کل اس کی۔کلاسز آف ہوتے ہی غائب ہو جاتا ہے۔کھویا کھویا بھی رہنے لگا ہے۔مجھے تو کوئی اور ماجرا لگ رہا ہے۔'' احمد یار نے تفصیلات پہنچائیں۔

''بائی داوے تمہارا دل کیسے چاہا آنے کو؟ سنا ہے نئی نئی شادی ہو تو دولہا مہینوں گھر سے نہیں نکلتا!''

''ہاں دولہا نہیں نکلتا ہوگا۔ میں رحمٰن ملک ہوں، ہر کام اصول کے تحت کرتا ہوں۔ میں نے اپنے وقت کی تقسیم کر رکھی ہے اس لیے کوئی کام بھی کسی دوسرے کام کی وجہ سے ڈسٹرب نہیں ہوتا Understand۔'' رحمٰن ملک نے اس کی ناک کو چھوا۔

''اب یہ بیوی والی دلداریاں ہم سے تو نہ کر۔'' احمد یار نے بے ساختہ کہا تو وہ جھینپ کر پھر ہنس کر بولا۔

''تم بڑے خبیث ہو۔ چلو چل کر عزیز احمد کو ڈھونڈیں۔''

''ہاں چلو۔'' اس نے قدم آگے بڑھائے۔

''اور گاؤں کی کوئی نئی تازہ خبر کسی ہیر کو مارا، کسی رانجھے کو سولی چڑھایا؟''

''یہ تو روز کا معمول ہے ہمارے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہاں مہرو ہے ناں چھوٹی بہن اس کی بھی منگنی کر دی ہے۔ ماموں زاد بلال کے ساتھ۔ ان شاء اللہ چھ ماہ بعد شادی بھی کر دیں گے۔''

''اتنی جلدی؟'' احمد یار کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''بس یار بی بی جان کو اپنے مرجانے کی فکر ہونے لگی ہے۔ پھر بابا جان بھی چاہتے ہیں کہ ہمارے فرائض سے فراغت کے بعد وہ سکون سے حج کرنے چلے جائیں۔''

''اور تمہاری دوسری آپا؟''

''ان کا بھی سوچ رہے ہیں آج کل میں۔ دیکھیں کیا ہو۔ وہ رہا عزیز۔'' بولتے بولتے اس نے ایک سمت اشارہ کیا۔ وہ سامنے سے آ رہا تھا۔

''اخاہ!'' انہیں دیکھتے ہی وہ تیزی سے چلتا ادھر آ گیا۔ ''تو نوشہ میاں آ گئے۔'' وہ بغلگیر ہوتے ہوئے بولا۔

''اب تم بھی یہ مت پوچھنے بیٹھ جانا کہ میں کیسے آ گیا، میرا دل کیسے چاہا نئی نویلی دلہن کو تنہا چھوڑ کر آنے کو، وغیرہ وغیرہ۔'' رحمٰن ملک ہنسا تھا۔

''نہیں میں جانتا ہوں تم دوسری کیٹگری کے بندے ہو۔'' عزیز احمد نے ہنسنے میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ پھر خاموش کھڑے احمد یار پر نگاہ ڈالی۔

''اسے تمہیں کیا ہوا ہے؟'' اس کا کندھا ہلایا۔ تو وہ چونک گیا۔ پھر ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے لگا۔ ''میں سوچ رہا تھا کاش ہم ملک پور نہ گئے ہوتے۔''

''کیوں؟'' دونوں نے ایک ساتھ پوچھا تھا۔

''کیونکہ اب پھر میرا دل ملک پور جانے کو چاہ رہا ہے۔'' اس نے مسمی صورت بنا کر کہا

وہ ہنس پڑے۔

''تو یار کس نے منع کیا ہے؟'' رحمٰن ملک نے کھلے دل سے کہا۔ ''جب چاہے چلے آؤ تمہارا اپنا گاؤں ہے۔''

''میں جانتا ہوں اس کا دل کیوں چاہ رہا ہے؟'' عزیز احمد نے گھورا تھا۔ وہ تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔

☆======☆======☆

''میرے بابا اپنے زمانے کے مشہور استاد رہ چکے ہیں۔ فنِ موسیقی مجھے ورثے میں ملا لیکن مہرو، ہمارے پیشے کی کوئی قدر نہیں۔ لوگ ہمیں تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ میری چار جوان بہنیں محض اس لیے بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہیں کہ ان کا باپ پیشہ ور گویا تھا۔ اگرچہ وہ اب یہ کام چھوڑ چکے ہیں، لیکن ہمارے ماتھے پر ثبت نشانیوں نے ہمیں گناہگاروں کی صف میں کھڑا کر رکھا ہے۔ میں بھی محض بابا کی خواہش پر یہ مشغلہ جاری رکھے ہوئے ہوں لیکن وہ بھی بڑی مشکل سے۔ اس معاشرے کے لوگ محفلوں میں ہمیں سن کر خوش تو ہوتے ہیں۔ داد بھی دیتے ہیں لیکن اپنے برابر جگہ دینے سے کتراتے ہیں۔ کیونکہ ہم......'' وہ بولتے بولتے چپ ہوا۔ کیونکہ مہرو کے چہرے کے تاثرات عجیب سے ہو رہے تھے۔

''تمہیں یہ جان کر دکھ ہو رہا ہے مہرو؟'' اس کی خاموشی سے وہ یہی اخذ کر پایا۔

''نن...... نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''لیکن احمد ہمارے بابا جان وہ شاید اس وجہ سے انکار کر دیں۔'' دل کا خوف لبوں پر آ گیا۔

''وہ تو ویسے بھی نہیں مانیں گے مہرو۔ میں جانتا ہوں۔ کیا وہ بلال رضا کو چھوڑ کر تمہاری شادی کسی سے بھی کر دیں گے؟ ہرگز نہیں۔ خواہ میری جگہ کوئی نواب زادہ ہی کیوں نہ ہو۔'' اس نے جیسے تھک کر دیوار سے ٹیک لگا لی اور دور خلاؤں میں گھورنے لگا۔

''تو پھر تم نے ہمیں بلال سے منگنی کرنے کو کیوں کہا؟'' وہ ایک دم طیش میں آ گئی۔

''اس وقت یہی مناسب تھا۔ تم کیا کہہ کر انکار کرتیں؟ بالفرض اگر تم سچ کہہ دیتیں تو اس وقت تم میرے سامنے نہ بیٹھی ہوتیں۔ بلکہ اپنے باپ کی غیرت کی خوراک بن چکی ہوتیں اور پھر تم پریشان کیوں ہو رہی ہو؟ ہمارے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ ہم شادی کر لیں گے۔ بعد میں کوئی کیا بگاڑ لے گا۔ بلال رضا خود ہی یہ جان کر پیچھے ہٹ جائے گا۔ اللہ اللہ خیر صلا۔'' وہ قدرے ریلیکس ہوتے ہوئے بولا تھا لیکن مہرو اب بھی پریشان ہی تھی۔

''شادی کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ ہم تو آج تک کبھی اکیلے اس حویلی سے نہیں نکلے۔''

''وہ سب ہو جائے گا۔ بہر حال تم اچھی طرح سوچ لینا۔ اگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور میرے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہو۔ تو پھر ہمارے پاس یہی ایک راستہ ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ اتنا میں بتا دوں میرے پاس تمہیں دینے کے لیے یہ سب کچھ نہیں ہوگا۔ تمہیں میرے ساتھ میرے جیسی زندگی گزارنا ہوگی۔ تمام نفع نقصان سوچ کر فیصلہ کرنا۔''

وہ اسے سوچ کی راہ پر گامزن کر گیا۔

اس نے ہر طرح دل کو ٹٹولا۔ احمد جمیل کی محبت ہر جگہ براجمان نظر آئی، لیکن ساتھ ہی گھر والوں کی محبت بھی تھی۔ وہ سب جنہوں نے آج تک اسے پھولوں کی طرح رکھا تھا۔ کیا وہ انہیں اتنا بڑا دکھ دے سکتی تھی؟ اتنا بڑا داغ جو ساری عمر نہ مٹ پاتا؟ کیا بابا جان اور رحمن بھیا ساری عمر سر اٹھانے کے قابل رہ جاتے؟

ساری حقیقتیں اپنی جگہ اٹل تھیں۔

وہ احمد جمیل سے بھی محبت کرتی تھی۔

اور گھر والوں سے بھی محبت کرتی تھی۔

وہ احمد جمیل کے بغیر بھی نہ رہ سکتی تھی۔

اور گھر والوں کو ندامت کے بوجھ تلے دبا ہوا بھی نہ دیکھ سکتی تھی۔

عجیب طرح کشمکش میں گھر گئی تھی وہ۔

فیصلہ کرنا اتنا آسان نہ تھا جتنا کہ احمد جمیل نے سمجھا تھا۔

اس کے لیے دونوں فریق ضروری تھے۔ وہ کسی ایک کے حق میں فیصلہ نہ دے سکتی تھی۔

اس روز نئی بات ہوئی یا پھر شاید اسے نئی معلوم ہوئی نوری آئی تو بڑی بدلی بدلی سی تھی۔

اس نے پوچھا تو تھوڑی رد و کد کے بعد اس نے بتایا۔

''میں نے اور جیرو نے ویاہ کر لیا ہے۔ اب ابا خود ہی مان جائے گا۔''

''کیا......؟'' وہ سناٹے میں رہ گئی۔ نوری نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا جبکہ وہ جانتی تھی کہ اس کا ابا اسے ''وڈ'' دے گا۔

''تمہیں ڈر نہیں لگا نوری؟'' اس نے بے حد خوفزدہ لہجے میں پوچھا تو نوری ہنس دی۔

''لو آپ تو ایسے ڈر رہی ہو بی بی جیسے یہ کام آپ نے کیا ہو۔ جیرو کہتا ہے جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔ مرنا تو ایک دن ہے ہی تو فیر کیوں نہ اپنے ارمان تو پورے کر لیے جائیں۔ وڈ تو ابے نے مجھے ویسے ہی دینا تھا۔ جب میں نے دینو کمہار سے شادی پر انکار کرنا تھا۔ تو اب یہ تو ہوگا کہ میں ایک بار جیرو کی ہو تو گئی ہوں' وہ بے فکر تھی۔

''لیکن نوری اس سے تمہارے ابے کی کتنی تھو تھو ہوگی؟'' وہ خود اس نہج پر بہ پہلو سے سوچ چکی تھی۔

''کتنی......؟ اور فیر ابا خود کھپ دار ہے۔ جب ایک کام سیدھے طریقے ہو سکتا ہے تو پیر وڈے کیوں جات برادری کی کھپ ڈالتے ہیں۔ جب ہمارے سوہنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی بات نہیں کی تو یہ کون ہوتے ہیں؟ توبہ توبہ یہ ان سے زیادہ شان والے ہیں کیا؟ مذہب ہمیں مرضی کی شادی کا حق دیتا ہے تو یہ کون ہوتے ہیں یہ حق چھیننے والے۔''

''نوری!'' مہرو حیرت سے اسے تکتی رہ گئی۔ ''یہ باتیں تمہیں کس نے سکھائی ہیں؟''

''وہ جی استانی جی جن سے میں سیپارہ پڑھتی تھی۔ اللہ بخشے وہ بڑی اچھی باتیں کیا کرتی تھیں۔''

''لیکن نوری ہوا تو یہ غلط طریقے سے ناں!'' وہ جانے خود کو سمجھا رہی تھی۔ یا اسے۔

''پتہ نہیں لیکن میں خوش ہوں اور بی بی آپ بھی اس بات کو اپنے تک رکھنا۔'' نوری نے اسے ہدایت کی اس نے کس سے کہنی تھی۔ اسے تو خود سوچ سوچ کر ہول اٹھ رہے تھے وہ نوری کو رحم بھری نظروں سے تک رہی تھی۔ جانے اب وہ کتنے دن کی مہمان تھی۔

سارے قانون تو اسی حویلی سے بن کر نکلتے تھے۔

سزا و جزا کے فیصلے تو یہیں ہوتے تھے۔

''کس کو زندہ رکھنا ہے، کس کو گولی مارنی ہے، کس کا کھیت اجاڑنا ہے، کس کا گاؤں برباد کرنا ہے۔ سب کچھ تو یہیں ہوتا تھا اور وہ گاؤں والے ان سارے فیصلوں کو چپ چاپ مانتے تھے۔ سر جھکاتے تھے اگر کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی بھی تھی تو وہ ملک صاحب کی ڈھیر ساری نوازشات کے سامنے ہیچ تھی۔

ملک صاحب ان کا خیال بھی تو رکھتے تھے۔

گاؤں کی کوئی بیٹی خالی ہاتھ بیاہی نہیں گئی تھی۔

جوڑے، زیور، برتن سب حویلی سے جاتا تھا۔

باراتیوں کے کھانے تک کے پیسے ملک صاحب دیتے تھے۔

تو پھر ان کے اصول اگر سخت تھے بیٹیوں کے ہی معاملے میں تو کیا مضائقہ تھا۔

سال بھر کا اناج اور موسمی پھل ہر ایک کے گھر پہنچتا تھا تو کس کو پڑی تھی کہ ملک صاحب کے اصولوں سے لڑ کر ان سب سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔

سو لوگ خوش تھے۔ ان چھوٹی موٹی قربانیوں، دکھوں کی ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں

تھی اور اب اگر نوری اور جیرو کے بارے میں قتل کا فیصلہ ہو جاتا تو گاؤں والوں کے لیے یہ معمولی واقعہ ہوتا اور وہ انہیں اس سزا کا حقدار سمجھتے کہ وہ روایات توڑنے کے مرتکب ہوئے تھے۔

خبر نہیں یہ بات کب تک چھپتی۔ بہر حال زیادہ دن تو نہیں چھپی رہ سکتی تھی اور نوری کے بارے میں سوچتی سوچتی وہ احمد جمیل کے بارے میں سوچ ہی نہ سکی۔ وہ تو اس دن جب رات کے کھانے کے بعد وہ سب چہل قدمی کے لیے باغ میں آئے تو بی بی جان نے کہنا شروع کیا۔

''آج بھرجائی صغراں کا فون آیا تھا۔''

''پھر؟ خیریت سے تو ہے ناں۔ بلال کا کیا حال ہے اور سائرہ کے آنے کا کچھ نہیں بتایا؟''

بابا جان ایک ہی سانس میں سوالات کرنے کے عادی تھے۔

''ہاں خیریت سے ہے۔ بلال بھی ٹھیک ہے اور سائرہ ابھی مزید چند دن رکنے کا کہہ رہی تھی۔'' بی بی جان نے بھی اسی ترتیب سے جوابات دیئے۔

''آجاتی تو اچھا تھا۔ اب اپنا گھر بسائے، سولہ سترہ سال گزارے تو ہیں اس نے اس گھر میں۔'' بابا جان کا انداز سرسری تھا۔ جب کہ مہرو چپ چاپ ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

''ہاں تو آسان نہیں ہوتا میکے کو بھلا دینا۔'' بی بی جان مسکرائیں۔ ''آہستہ آہستہ دل لگے گا ناں اس کا پھر جب بچے ہو جائیں گے تو خود ہی کہیں جانے کا نام نہیں لے گی۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' انہوں نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

''آپ نے اصل بات تو بھلا ہی دی۔'' بی بی جان نے ٹوکا۔ ''بھرجائی صغراں یہ کہہ رہی تھیں کہ بلال واپس جانا چاہتا ہے اور جانے سے پہلے چاہتا ہے کہ شادی کر لے۔'' انہوں نے بات مکمل کی اور مہرو کو جیسے کرنٹ نے چھو لیا۔

''ہاں تو ہماری طرف سے کوئی دیر نہیں۔ جب جی چاہے بارات لے کر آجائیں۔ جب امانت ہی ان کی ہے تو دیر سویر کا کیا مطلب ہے؟'' بابا جان نے رضا مندی دی تو بی بی جان خوش ہو گئیں۔

''میں ابھی بھرجائی کو فون کرتی ہوں۔'' انہوں نے قدم اندر کی طرف بڑھا دیئے۔ بابا جان نے پیچھے کھڑی ساکت مہرو کو دیکھا۔ تو پکارنے لگے۔

''تم وہاں کیوں کھڑی ہو گئیں۔ چلو اندر چلتے ہیں، رات کافی ہو گئی ہے۔''

وہ مرے مرے قدموں سے چلتی اندر چلی گئی۔ بابا جان نے غور نہیں کیا تھا ورنہ جاتے

جاتے مہرو کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

کمرے میں آتے ہی وہ بے دم سی ہو کر گر گئی۔ بی بی جان فون پر ممانی سے بات کر رہی تھیں۔ آواز اندر تک آ رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔

منگنی کے بعد شادی تو ہونا ہی تھی۔ یہ اس نے پہلے کیوں نہ سوچا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی منگنی ہو جانے کے بعد توڑنا کوئی مشکل بات نہیں اور شادی ہونے سے پہلے ہی وہ اور احمد جمیل ایک ہو جائیں گے لیکن یہاں تو ساری بساط ہی الٹ گئی تھی اور یہ بلال رضا اس کو کیا پڑی تھی صرف ہم سے شادی کرنے کی اور لڑکیوں کا کال پڑ گیا تھا اور یہ احمد جمیل، اسی نے جان بوجھ کر ہمیں منگنی کرنے کا کہا۔ شاید وہ جان چھڑانا چاہتا ہو۔ شاید وہ ہم سے شادی ہی نہیں کرنا چاہتا۔ محض دل لگی کر رہا ہے۔ تبھی تو اسے کوئی فکر نہیں۔ وہ بابا جان سے کیوں بات نہیں کرتا۔'' وہ احمد جمیل کی طرف سے بدگمانی میں گھر گئی۔ کچھ شادی کی Tension کچھ احمد جمیل سے بدگمانی وہ ساری رات بے چین رہی تھی۔

صبح موقع پاتے ہی اس نے احمد جمیل کے دیئے نمبر پر فون کر دیا۔ وہ ایک بار اس کی مرضی معلوم کرنا چاہتی تھی۔

''دیکھو احمد ہماری شادی طے ہو رہی ہے۔ تم کہو کیا چاہتے ہو۔ ہم سے دل لگی کر رہے ہو یا سچ مچ کی محبت کرتے ہو؟'' احمد جمیل کے فون پر آتے ہی اس نے کہا۔ ایک لمحے کو تو احمد جمیل چپ کر گیا۔ بات غیر متوقع تھی۔ اس کی چپ کو مہرو نے اس کی عدم دلچسپی پر محمول کیا۔ تبھی کہنے لگی۔

''ٹھیک ہے پھر ہم بلال رضا سے شادی کر رہے ہیں۔ سمجھیں گے تم سے محبت کرنا ہماری بہت بڑی بھول تھی۔ خدا......''

''نہیں مہرو۔'' احمد جمیل نے اس کی بات کاٹی۔ ''تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو بخدا میں تمہیں کوئی چکر نہیں دے رہا۔ تم میرا آج کی رات انتظار کرنا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس تم خود کو ذہنی طور پر تیار رکھو۔ کسی بھی قسم کی صورتِ حال کے لیے۔ سمجھ رہی ہو ناں بائے۔''

اس نے فون رکھا۔ تو مہرو جیسے کچھ سمجھ نہ پائی۔

☆======☆======☆

''موسم بے حد خراب ہے میری مانو تو رحمٰن ملک رک جاؤ آخر ایسی بھی کیا ایمر جنسی ہے؟'' عزیز احمد نے اسے تیاری کرتے دیکھ کر ٹوکا۔ باہر زبردست قسم کی آندھی چل رہی تھی، بلکہ ایک طرح کا طوفان ہی تھا۔

''جلدی نہیں یار۔ اماں جان کا فون آیا تھا۔ مہرو کی شادی طے ہو رہی ہے، Date fix کرنا ہے اور اس کے لیے میرا وہاں ہونا ضروری ہے۔ کل وہ لوگ آ رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں شام تک پہنچ جاؤں تاکہ کام دیکھ سکوں۔'' رحمٰن ملک نے بیگ کی زِپ بند کرتے ہوئے وضاحت کی۔

''وہ تو ٹھیک ہے، لیکن بی بی جان بھی تمہیں اس خراب موسم میں آتا دیکھ کر خوش نہیں ہوں گی بلکہ خفا ہوں گی۔ تم انہیں فون کر دو۔ علی الصبح بھی چلے تو نو دس بجے تو پہنچ ہی جاؤ گے اور رہے کام تو ملازم کم ہیں کیا؟'' عزیز احمد اسے مسلسل سفر کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''وہ تو ٹھیک ہے، لیکن...'' اب وہ بھی تذبذب میں پڑ گیا۔

''رحمٰن صاحب آپ کا فون ہے۔'' باہر دروازے پر دستک ہوئی۔

''شاید بی بی جان نے خود ہی کر لیا ہے۔ میں سن کر آتا ہوں۔'' رحمٰن ملک اٹھ کر چلا گیا۔

عزیز احمد اس لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا۔ ''اگر وہ مہرو ہی ہوئی تو...؟'' اس کے دل پر گھونسہ سا پڑا۔ وہ اپنے آپ کو یکا یک بہت بے بس محسوس کرنے لگا۔ کاش رحمٰن ملک اور اس کے درمیان کلاس کا مسئلہ نہ ہوتا۔ وہ ہم پلہ ہوتے تو وہ کتنی آسانی سے مہرو کا ہاتھ مانگ سکتا تھا۔ ملنا نہ ملنا تو بعد کی بات تھی۔ اب تو خیر وہ منہ سے بھی ایسی بات نہ نکال سکتا تھا، لیکن یہ خدا، مہرو نہ ہو۔ اگلے ہی پل اس نے دل کو تسلی دی اور اس میں وہ قدرے کامیاب ہو گیا، اسی وقت رحمٰن ملک اندر داخل ہوا۔

''بی بی جان ہی تھیں۔ اس وقت آنے سے منع کر رہی تھیں۔ کہہ رہی تھیں اگر شام تک موسم ٹھیک ہو جائے تو چلے آنا ورنہ صبح آ جانا۔ میں نے بتایا عزیز بھی یہی کہہ رہا تھا۔ دعائیں دے رہی تھیں تمہیں۔'' کہتے ہوئے اس نے بیگ اٹھا کر بیڈ کے نیچے کر دیا۔ پھر جیسے خیال آنے پر پوچھا۔

''یہ احمد یار دکھائی نہیں دے رہا کدھر غائب ہے؟''

''صبح ملا تھا، گھر سے فون آیا تھا اس لیے گھر گیا ہے، شاید گھر میں کوئی مسئلہ تھا کافی پریشان لگ رہا تھا۔ میں نے پوچھا تو ٹال گیا۔''

''چلو فون کر کے پوچھ لیں گے، ویسے موسم واقعی بے حد خراب ہے۔ بالکل اندھیرا چھا گیا ہے لگتا ہے بڑے زور کا مینہ برسے گا۔'' رحمٰن ملک نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔ عین اسی لمحے زور سے بادل گرجا۔ بجلی کڑکی اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

''لو بھئی عزیز تمہاری پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔ ادھر آؤ۔ دیکھو کیسا حسین ہو رہا ہے۔''

رحمٰن نے اسے اشارے سے بلایا۔ وہ چلا آیا اور رحمٰن کے ساتھ ہی کھڑکی میں جھک گیا۔ تیز ہوا بدستور چل رہی تھی۔ بارش کے چھینٹے اُڑ کر ان کے چہروں پر پڑنے لگے۔

''گرمی میں ٹھنڈک کا احساس۔'' رحمٰن نے ہتھیلیاں چہرے پر رگڑیں۔ بادل ایک بار پھر زور سے گرجا تھا۔

''یہ بارش تو آج نہیں تھمنے کی۔'' عزیز نے کہا تو رحمٰن نے گھور کر دیکھا۔

''اپنی پیشین گوئیاں بند کرو۔ مجھے ہر حال میں ملک پور پہنچنا ہے۔''

عزیز ہنسنے لگا۔ رحمٰن نے بھی ساتھ دیا تھا۔

☆======☆======☆

مہرو کا دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔ جوں جوں رات ہو رہی تھی۔ اس کا دم جیسے اٹکا جا رہا تھا۔ گھبرا کر اس نے نوری کو بلا لیا تھا۔ موسم بھی تو بہت خراب ہو گیا تھا۔

''آج تم ادھر ہی ٹھہر جانا نوری۔ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔'' اس نے نوری سے کہا پھر نوری کے گھر پیغام بھجوا دیا تھا۔

''میں نے تو رحمن کو بھی منع کر دیا آنے سے۔ اب صبح آئے گا۔'' بی بی جان نے کہا۔ تو اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ وہ سارے کھڑکیاں دروازے چیک کروانے لگیں کہ بابا جان بھی صبح بڑے گھر چلے گئے تھے۔ طوفان آج تھمتا دکھائی نہ دے رہا تھا۔

''بھاگی تم چھوٹی بی بی کے کمرے میں نوری کا بستر لگوا دینا اور مہرو! میری رانی تم بھی نماز پڑھ کر سو جاؤ موسم بے حد خراب ہے۔'' بی بی جان نے اس کے ماتھے پر پیار کرتے ہوئے کہا۔ اس کا دل پانی ہونے لگا۔

''نہیں وہ احمد جمیل کو منع کر دے گی۔ وہ ان سب کو اتنا بڑا دکھ نہیں دے سکتی۔''

اس نے اپنے آپ کو مضبوط کیا لیکن یہ مضبوطی چند لمحوں کی تھی۔ بی بی جان اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ حویلی کی بتیاں گل ہونے لگیں تو نوری مہرو کا ہاتھ تھامے اس کے کمرے میں آ گئی اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے کہنے لگی۔

''بی بی دیکھو بات جو بھی ہے یقیناً بہت بڑی ہے، لیکن جب محبت کرتے ہیں تو پھر حوصلہ بھی کرتے ہیں۔''

مہرو کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

''ہم فیصلہ نہیں کر پا رہے نوری۔ پتہ نہیں احمد ہم سے کیا کروانا چاہتا ہے۔''

''بی بی آپ نے اس سے مدد مانگی ہے تو فیر بھروسہ بھی کرو اس کا۔ اعتبار تو رکھو خود پہ۔

آگے جو قسمت۔'' اس سے نوری اسے بہت بہادر لگی۔

''باہر جو طوفان ہے کیا وہ آئے گا؟'' نوری نے کھڑکی کھولی اور باہر دیکھنے لگی۔

بجلی کڑکی تو اسے دیوار کے پاس ایک سایہ دکھائی دیا جو دھیرے دھیرے رینگ رہا تھا۔ اسے وہم سا ہوا وہ ادھر نظریں جمائے کھڑی رہی۔ بجلی دوبارہ چمکی تو وہی سایہ دوبارہ نظر آیا۔

''بی بی وہ آ گیا۔'' وہ پیچھے منہ کر کے بولی تھی۔ مہرو کا دل یکبارگی دھڑکا۔ اس قدر ٹھنڈے موسم میں بھی اس کی ہتھیلیاں بھیگ گئیں۔

کھڑکی پر بہت ہولے سے دستک ہوئی تھی۔

''مہرو!'' بہت آہستہ سے پکارا تھی۔ وہ بھاگ کر کھڑکی کی طرف آ گئی۔ ایک سایہ موجود تھا۔ مارے خوف کے اس نے کمرے کی لائٹ بھی بند کر رکھی تھی۔ نوری نے آگے بڑھ کر لائٹ جلائی۔

''میں ہوں احمد جمیل۔'' اس نے کہا تھا۔ مہرو نے پلٹ کر دیکھا نوری اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''آؤ صاحب جی!'' وہ آگے بڑھ آئی اور احمد جمیل کو اندر آنے کی دعوت دینے لگی۔

''نہیں مہرو! وقت کم ہے، ہمیں واپس بھی آنا ہے۔ آ جاؤ، جلدی کرو۔'' اس نے بعجلت کہا تو مہرو خوفزدہ سی اسے دیکھنے لگی۔

''لگتا ہے تم نے فیصلہ نہیں کیا۔'' اسے وہیں جما کھڑا دیکھ کر وہ بولا۔ تب نوری نے اسے ٹہوکا دیا۔

''بی بی جائیں۔ رب سائیں نے آپ کو موقع دیا ہے۔ جاؤ ناں۔'' اس نے اسے تقریباً دھکیلا۔

''نوری کوئی آ گیا تو!'' وہ لرز رہی تھی۔

''وہ میں سنبھال لوں گی۔'' اس نے ادھر ادھر دیکھا پھر ایک چادر اٹھا لائی اور اس کے اوپر اوڑھا دی۔ مہرو نے ایک نظر اپنے کمرے پر ڈالی اور کھڑکی سے باہر کود گئی۔

☆======☆======☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب نوری کی آنکھ کھلی۔ کھڑکی پر ہولے ہولے دستک ہو رہی تھی۔ اس نے لائٹ جلا کر وال کلاک کی سمت دیکھا۔ چار بج رہے تھے۔ دور کہیں سے کسی مؤذن کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر کھڑکی کھولی۔ مہرو کا لپٹا لپٹا وجود کھڑا تھا۔ نوری نے ہاتھ بڑھا کر اسے اندر کھینچ لیا۔ وہ تپ رہی تھی۔ احمد جمیل پلٹ گیا تھا۔ اس نے جلدی سے

کھڑکی بند کی اور کانپتی لرزتی مہرو کو بیڈ تک لائی۔ اس کے کپڑوں سے پانی نچڑ رہا تھا۔ کھڑکی سے لے کر بیڈ تک کیچڑ کے نشان فرش پر پڑ گئے تھے۔۔

''بی بی کپڑے بدل کر بستر میں گھس جاؤ۔'' اس نے ایک سوٹ نکال کر مہرو کو تھمایا اور خود پرانے کپڑے کو گیلا کر کے فرش اور کھڑکی پر لگے کیچڑ کے داغ صاف کرنے لگی۔ مہرو اک خواب کی سی کیفیت میں تھی، اسی کیفیت میں کپڑے بدل کر وہ لیٹ گئی تھی، نظریں چھت پر تھیں۔

''طوفان تو تھم گیا؟'' نوری نے جانے کس طوفان کی بات کی تھی۔ وہ تو ابھی تک طوفانوں کی زد میں تھی۔ سب کچھ جیسے خواب سا لگ رہا تھا۔

''بی بی خیر تو ہے...... ہوا کیا؟'' نوری قریب چلی آئی اور تب وہ نوری کے ہاتھ تھام کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''بی بی ہوش کریں۔ کسی نے آواز سن لی اور ادھر چلا آیا تو کیا جواب دو گی؟'' نوری اسے سنبھالنے لگی۔

''نوری ہم ایسا، ایسا نہیں چاہتے تھے۔ نہیں چاہتے تھے۔ پر ہمیں کرنا پڑا۔'' ہچکیوں کے درمیان اس نے بتایا۔

''کیا بی بی؟'' نوری کا دل لرزا۔ اس نے گھبرا کر مہرو کے چہرے پر ہاتھ رکھا جیسے ٹٹول رہی ہو۔

''باہر بہت طوفان ہے نوری، لیکن اندر اس سے بھی زیادہ۔''

''آپ اس وقت سو جاؤ صبح بات کریں گے۔'' نوری نے گھبرا کر اسے کمبل اوڑھایا اور خود نیچے بچھے بستر پر چلی گئی۔ نیند اڑ چکی تھی۔

وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر مہرو کو بھی دیکھ رہی تھی۔ جو کھلی آنکھیں چھت پر گاڑے سوچ میں مگن تھی۔ نوری سمجھ گئی تھی۔ بی بی کے ساتھ دھوکہ ہو گیا۔ وہ بابو سب کچھ چھین کے لے گیا اور بی بی...... اس نے تاسف سے ایک بار پھر مہرو کو دیکھا پھر اٹھ کر لائٹ بند کر دی۔

صبح قیامت خیز تھی۔ مہرو تیز بخار میں دہک رہی تھی۔ بی بی جان کی جان تو گویا لبوں پر آ گئی تھی۔ انہوں نے فوراً بڑے گھر فون کر دیا تھا۔ رحمٰن پہنچ چکا تھا۔

''اس کو ٹھنڈ لگ گئی ہے۔'' گاؤں کے حکیم نے معائنہ کرنے کے بعد کہا تھا۔

''ٹھنڈ؟'' بی بی جان نے سوالیہ نظروں سے نوری کو دیکھا وہی تو ہمراہ تھی رات۔

''وہ......'' نوری گڑبڑا گئی، لیکن جلدی ہی ذہن میں آ گیا۔

''بی بی کا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ رات اس لیے باہر بارش میں چلی گئیں۔ میں نے تو جی بہت روکا تھا پر نہیں مانیں جی۔ کافی دیر بھیگتی رہی تھیں۔ پھر میں زبردستی اندر لے کر آئی تھی۔ پر تب تو ٹھیک تھیں۔'' بی بی جان نے اسے صرف گھورنے پر اکتفا کیا۔

رحمٰن نے گاڑی نکالی اور مہرو کو اٹھا کر گاڑی میں ڈال دیا۔ بی بی جان بھاگم بھاگ چادر لے کر چلی آئیں۔

''ہم بی بی کو ہسپتال لے کر جا رہے ہیں۔ ملک صاحب آئیں تو انہیں کہنا۔ یہیں رک کر ہمارا انتظار کریں۔'' رحمٰن ملک نے کرم داد کو ہدایات دیں اور گاڑی تیز رفتاری سے سڑک پر ڈال دی۔

مہرو بے سدھ پڑی تھی۔ بی بی جان آیتیں پڑھ پڑھ کر اس پر دم کرتی جا رہی تھیں۔

''رحمٰن میری مہرو کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ بار بار رحمٰن سے کہہ رہی تھیں اور رحمٰن انہیں تسلی دے رہا تھا۔

شام کو جا کر مہرو کا بخار ٹوٹا تھا اور اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔

بی بی جان اسی وقت سجدہ شکر بجا لائی تھیں۔ رحمٰن بابا جان کو فون کرنے باہر چلا گیا تھا۔

''پپ، پانی۔'' مہرو کی کمزور آواز پر سلام پھیرتی بی بی جان فوراً اٹھیں۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

''مہرو میری جان۔'' وہ اس پر جھک گئیں۔ پانی ڈال کر گلاس لبوں سے لگایا۔ وہ ایک ہی سانس میں غٹاغٹ چڑھا گئی۔

''اور پانی دیں۔'' اس نے کہا۔ بی بی جان نے اور پانی ڈال دیا۔ یکے بعد دیگرے وہ تین گلاس پانی کے پی گئی، لیکن اس کے اندر لگی آگ بجھ نہ سکی۔

اس نے بڑی عجیب نظروں سے بی بی جان کو دیکھا۔ وہ سراپا محبت بنی بیٹھی تھیں۔ اس وقت شاید ان کا بس چلتا تو وہ اس کی بیماری خود لے لیتیں۔

اسے مزید ندامت نے آ گھیرا، لیکن جو قدم اٹھ چکے تھے وہ اب واپس نہیں پلٹ سکتے تھے۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔ بی بی جان سمجھیں شاید آرام کرنا چاہتی ہے اس لیے اٹھ کر دوبارہ جائے نماز پر جا بیٹھیں۔

دو دن بعد وہ گھر آ گئی۔ بخار تو اتر گیا تھا لیکن کمزوری باقی تھی۔ کچھ وہ خود ہی ہمت نہ کر رہی تھی۔ عجیب چپ سی اس کے لبوں پر ٹھہر گئی تھی۔ مامی، ماموں اور سائرہ فوراً چلے آئے تھے بلال رضا بھی کھڑے کھڑے اس کا احوال پوچھ گیا تھا اور وہ تب بھی ایک ٹک اس کو دیکھتی

رہی تھی بولی کچھ نہیں تھی۔

اس کی بیماری کے پیشِ نظر شادی فی الحال ٹل گئی تھی اور اس سارے میں ایک یہی بات اس کے لیے قابلِ اطمینان تھی۔

بلال رضا کو جلدی تھی۔ اس کا ویزہ ختم ہو رہا تھا۔ اس لیے وہ واپس لوٹ گیا۔

سال چھ ماہ بعد جب چکر لگتا تبھی شادی ہو سکتی تھی۔ حالانکہ بلال نے کہا تھا۔ نکاح کر دیں۔ وہ وہاں جا کر مہرو کو بلوا لے گا، لیکن تب دبے لفظوں میں مہرو نے بی بی جان سے کہا تھا۔

''ہم اتنی جلدی آپ سے دور نہیں ہونا چاہتے بی بی جان۔ وہ واپس آئے گا۔ تب شادی کیجیے گا۔''

اور بی بی جان نے آج تک اس کی کوئی بات ٹالی تھی جو اب ٹالتیں۔ انہوں نے مناسب طریقے سے بات بلال کے لوٹ آنے پر ڈال دی اور وہ مطمئن ہو گئی۔ اب تو سال چھ مہینے تک ایسا کچھ نہ ہو سکتا تھا اور پتہ نہیں اتنے عرصہ میں کیا سے کیا حالات ہو جاتے۔ کیا خبر بلال رضا وہیں شادی کر لیتا اور اس کی جان خود بخود چھوٹ جاتی۔

وہ بڑے دنوں بعد کمرے سے نکلی تھی۔ نوری ملنے آئی تھی۔ وہ اس کے ساتھ باغ میں آ گئی۔ گرمی کا زور پہلے کی نسبت کافی ٹوٹ چکا تھا۔ اب تو برسات کی آمد تھی لیکن گزشتہ دنوں ہونے والی بارشوں سے بھی کافی اثر پڑا تھا۔

وہ آ کر چپ چاپ جھولے پر بیٹھ گئی نوری سامنے بینچ پر بیٹھ گئی۔ وہ بڑی گہری نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ ہولے ہولے جھولتی گہری سوچ میں تھی۔

''بی بی کب تک سوگ مناؤ گی؟'' وہ اٹھ کر پاس آ گئی مہرو نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''کون سا سوگ؟''

''لوگ بڑے ظالم ہوتے ہیں جی اور ناقابلِ اعتبار بھی۔ اس نے آپ کو دھوکہ دیا یہ اس کی فطرت، لیکن آپ خود کو سنبھالو۔ کب تک اس کی بے وفائی پر اپنی جان جلاؤ گی۔''

''تمہیں کس نے کہا کہ اس نے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔'' وہ ہنس دی۔

''اس نے نکاح کیا ہے ہمارے ساتھ۔''

''کیا؟'' نوری اچھل ہی تو پڑی۔

''ہاں بہت تیز بارش تھی اس روز نوری۔ وہ تانگے پر آیا تھا۔ ہم کتنی دیر چلتے رہے پھر ایک کچے مکان کے آگے تانگہ رک گیا۔ وہ ہمیں لے کر اندر چلا گیا۔ وہاں پر دو مرد اور ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ وہیں ہمارا نکاح ہوا۔ پھر......'' وہ بولتے بولتے چپ کر گئی۔

''پھر کیا بی بی؟'' نوری متجسس ہوئی۔

''وہ نوری ہم نے کہا تھا ابھی نہیں، لیکن وہ کہتا تھا ہماری شادی ہو گئی ہے تو......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر کچی زمین پر جوتے کی نوک مارنے لگی۔

''اوہ۔'' نوری سمجھ گئی۔

''تو اس میں کیا بات تھی بیمار ہونے والی؟'' وہ ہنس پڑی۔ ''بی بی وہ تمہارا شوہر تم اس کی بیوی چلو مبارک ہو۔ میں دعا کروں گی۔ حالانکہ غریبوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔''

☆======☆======☆

''گھر میں سب خیریت تو تھی ناں؟'' عزیز احمد نے پوچھا تو احمد یار نے سر ہلا دیا۔

''رحمٰن کہاں ہے؟''

''وہ بھی گھر چلا گیا ہے۔ اس کی بہن کی شادی طے ہو رہی ہے۔ شاید آج کل اسی سلسلے میں گیا ہے۔'' عزیز احمد نے بتایا تو وہ چونک گیا۔ پھر عزیز احمد کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔

''عزیز میں جو کہنے والا ہوں اسے غور سے سننا۔'' بینچ پر بیٹھتے ہوئے احمد یار نے کہنا شروع کیا۔

''اصل میں عزیز تم اور میں ایک ہی لڑکی سے محبت کر رہے ہیں اور اس لڑکی کا نام مہرو ہے اور وہ رحمٰن ملک کی بہن ہے۔''

''کیا......؟'' عزیز احمد کو جھٹکا سا لگا۔

''تم کتنی محبت کرتے ہوئے عزیز اس لڑکی سے؟'' اس نے بڑے عجیب سے لہجے میں پوچھا تھا۔

''کس لڑکی سے؟'' وہ انجان بنا کہ اب اسی میں عافیت تھی۔

''وہی جس کے ہاتھ بے حد خوبصورت ہیں؟'' احمد یار ہنسا پھیکی سی ہنسی۔

''نہیں احمد یار تمہیں دھوکہ ہوا ہو گا۔'' عزیز اسے جھٹلا رہا تھا۔

''مجھے کوئی دھوکہ نہیں ہوا۔ اس حویلی میں صرف ایک ہی لڑکی ہے۔ جس سے محبت ہو سکتی ہے اور وہ مہرو ہے اور کوئی نہیں۔ ہم دونوں بیک وقت ایک ہی تیر سے گھائل ہوئے ہیں۔ انجانے میں ایک ہی منزل کی راہ کو جا رہے ہیں۔ تم بتاؤ ناں کتنی محبت کرتے ہو اس سے؟''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' عزیز احمد سے کچھ بھی اگلوانا آسان کب تھا۔

''پڑتا ہے۔ دیکھو اگر تمہاری محبت مجھ سے شدید تر ہے تو میں......''

''نہیں احمد یار محبت شدید یا کم ہونے سے کیا مطلب ہے۔ تمہیں اس سے محبت ہے اور

جہاں تک میں سمجھ رہا ہوں، وہ بھی تم سے محبت کرتی ہو گی، میرا اندازہ درست ہے ناں؟'' اس نے بات کرتے ہوئے اس سے تائید چاہی۔ احمد یار چپ رہا۔ عزیز احمد نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

''تو میرے یار۔ فیصلہ تو خود بخود ہو گیا۔ محبت کا کیا ہے کبھی بھی کسی سے ہو جاتی ہے۔ یہ اپنے ساتھ تھوک کے حساب سے لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ بس پہلے مسئلہ یہ تھا کہ کبھی کسی کو اس نظر سے دیکھا ہی نہیں۔'' وہ ہنسا۔

''تم بے فکر رہو۔ بلکہ میں رحمٰن ملک سے بات کرتا ہوں۔ وہ یار ہے ہمارا۔ کچھ تو لحاظ کرے گا ناں۔'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''اور ہاں دل سے یہ بات نکال دینا کہ میں بھی اس لڑکی سے محبت کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ کوئی تھی ہی نہیں محض ایک وہم تھا۔ Ok best you۔''

وہ اس کے بال بگاڑتا مسکراتے لبوں سے وہاں سے ہٹ گیا۔ احمد یار اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس کے قدموں میں شکستگی تھی۔ کچھ کھو دینے کی لڑکھڑاہٹ۔ اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔

''یار یہ محبت بھی کیا شے ہے؟'' اس نے خود کلامی کی تھی۔

وہ بہت ٹوٹا بکھرا بستر پر پڑا تھا۔ جب رحمٰن ملک نے اندر قدم رکھا۔

''یار یہ تم دونوں کو کیا ہوا ہے۔ اُدھر احمد یار منہ لٹکائے بیٹھا ہے اِدھر تم اٹوائی کھٹوائی لیے پڑے ہو۔ مسئلہ ہے کیا آخر؟'' اس نے آتے ہی حملہ کیا تھا۔

''آ گئے۔ کب آئے؟'' وہ اٹھ بیٹھا چہرے پر حتی الامکان بشاشت لانے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہو بھی گیا۔

''ابھی ابھی آ رہا ہوں۔ گیٹ پر ہی احمد یار ملا تھا۔ بڑا اداس بلکہ ''گواچی گاں'' لگ رہا تھا۔ ادھر تم بھی کچھ ایسی ہی کیفیت کا شکار لگ رہے ہو۔ کیا سچ مچ کوئی مج (بھینس) کھول کے لے گیا ہے؟'' وہ پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ تم سناؤ۔ کون سی تاریخ رکھی؟''

''کوئی نہیں۔ مہرو بیمار ہو گئی تھی۔ بلال کا ویزہ ختم ہو گیا۔ وہ واپس چلا گیا۔ اب جب دوبارہ آئے گا تب ہی شادی ہو گی اور ادھر سب خیریت رہی۔'' گفتگو کا موضوع آپ ہی آپ بدل گیا۔ عزیز احمد نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

اور پھر جیسے بہت سے دن پر لگا کر گزر گئے۔ عزیز احمد نے خود کو مگن کر لیا تھا۔ وہ احمد یار سے مہرو کی باتیں کرتا مگر اس کے ہی حوالے سے۔ وہ اپنی محبت دل میں چھپا گیا تھا۔ بہت

سہولت سے، لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی۔ اس کا چہرہ چیخ چیخ کر بتاتا تھا اس نے کچھ کھویا ہے، اور بھابی سے بھی یہ کیفیت چھپی نہ رہی تھی۔ انہوں نے اسے جا لیا۔

''آخر تم کہہ کیوں نہیں دیتے؟''

''کیا؟'' اس نے جوتے کے تسمے کھولتے ہوئے سر اٹھایا۔

''دیکھو عزیز، میں تمہاری بھابی ہی نہیں، تمہاری ماں اور بہن بھی ہوں۔ جو بات بھی دل میں ہے کہہ دو۔ بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔'' وہ اس کے قریب آ بیٹھیں۔

''کچھ نہیں بھابی۔ بس امتحانوں کی وجہ سے تھکن ہے۔ اتر جائے گی دو چار روز میں نقشم کدھر ہے اور وہ عذیر؟'' اس نے موضوع بدلا۔

ابھی پچھلے ماہ ہی وہ ایک اور پیارے سے بیٹے کی ماما بنی تھیں۔

''نقشم تو اپنے پاپا کے ساتھ مارکیٹ گیا ہے۔ عذیر سو رہا ہے۔ تم چائے پیو گے، میں اپنے لیے بنانے جا رہی تھی۔'' اسے کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہ پا کر وہ بھی اٹھ گئیں۔

''ہاں ایک کپ پلیز۔'' اس نے کہا تو وہ باہر کی جانب بڑھیں۔ پھر جیسے کچھ یاد آنے پر پلٹ آئیں۔

''تمہیں کہیں جانا تو نہیں ہے؟''

''نہیں، کوئی کام ہے؟ اس نے شوز اتار کر ریک میں رکھے۔

''ہاں مجھے ذرا ڈاکٹر کے ہاں جانا تھا۔ تم نقشم اور عذیر کو رکھ لینا۔ بائیک پر جانا ہے۔ عذیر تو شام سات بجے سے پہلے نہیں اٹھے گا۔ نقشم کو فیڈر دے دینا وہ بھی کھیل میں لگا رہے گا۔ تنگ نہیں کرے گا۔''

انہوں نے ہدایات دیں۔

''او کے آپ بے فکر رہیں۔'' اس نے انہیں مطمئن کیا۔

تھوڑی دیر بعد آئیں تو چائے کے ساتھ۔ ''تم عذیر کے پاس چلے جاؤ۔ نقشم واکر میں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ چائے کا کپ لے کر بھابی کے کمرے میں آ گیا۔ عذیر جھولے میں سو رہا تھا اس نے ہولے سے اس کا گال چھوا۔ وہ کسمسایا۔ وہ جھولا جھلا کر پیچھے ہٹ آیا۔ نقشم رونے لگا تو اس نے اسے فیڈر بنا دیا اور بھابی کے حسب ہدایت اسے بھی سلا دیا۔ خود ٹی وی لاؤنج میں آ بیٹھا۔

کان کمرے کی طرف بھی تھے۔ اسی وقت فون کی بیل بج اٹھی۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔

دوسری طرف رحمٰن ملک تھا۔ گھبرایا ہوا تھا۔

''خیر تو ہے؟'' اس نے پوچھا۔ تو وہ روہانسا ہو گیا۔

''عزیز، بی بی جان اس دنیا میں نہیں رہیں۔''

''کیا.....؟'' خبر اتنی غیر متوقع تھی کہ وہ سناٹے میں رہ گیا۔

''ہاں تم آجاؤ؟'' اس نے فون بند کیا۔ ریسیور رکھ کر اس نے دو چار جوڑے بیگ میں رکھے اور بھیا بھابی کا انتظار کرنے لگا۔ احمد یار کے گھر فون کیا تو پتہ چلا وہ کہیں گیا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں لوٹے تو وہ انہیں بتا کر بھاگم بھاگ بس اسٹاپ کی طرف بھاگا تھا۔

☆======☆======☆

''بس اچانک ہی۔ حالانکہ انہیں تو کبھی یہ تکلیف ہوئی ہی نہیں۔ پھر پتہ نہیں کیسے ہو گیا۔ ہارٹ اٹیک اس قدر سخت تھا کہ بی بی جان ہمت ہار گئیں۔'' وہ اس کے گلے لگ کر سسک رہا تھا۔

''حوصلہ رکھتے ہیں یار۔'' وہ جانتا تھا اس وقت یہ لفظ کس قدر کھوکھلے اور بے جان ہیں، لیکن وہ اس کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا۔

گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا اور ایسے میں وہ سائے کی طرح رحمٰن کے ساتھ رہا تھا۔ ساتویں تک وہ پڑا رہا تھا اور ایسے میں صرف ایک بار اس کے دل نے شدت سے خواہش کی تھی کہ کہیں سے وہ آجائے اور وہ ایک نظر بس ایک نظر دیکھ لے۔ لیکن اس کی خواہش پہلے کی طرح ناکام حسرت میں بدل گئی تھی۔ اس روز وہ واپسی کے ارادے سے رحمٰن کے پاس بیٹھا تھا کہ احمد یار آتا دکھائی دیا۔ اندر ہی اندر رحمٰن اس سے خفا تھا، لیکن چونکہ وہ چل کر گھر آیا تھا اس پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ تعزیتی کلمات کے بعد وہ بیٹھ گیا۔

''اچھا پھر رحمٰن میں چلتا ہوں۔'' عزیز احمد نے اجازت چاہی۔

''ہاں شکریہ یار تم نے میری مدد کی۔'' وہ گلے لگ کر شکریہ ادا کرنے لگا۔

''تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ وہ میری بھی ماں تھیں، شکریہ کہہ کر میرے جذبات کی توہین مت کرو۔''

''یہ تو اپنے اپنے سمجھنے کی بات ہے۔'' اس نے صاف احمد یار پر طنز کیا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے رحمٰن۔'' وہ تڑپ کر اٹھا۔ ''میں کل رات ہی گھر پہنچا ہوں اور جیسے ہی مجھے پتہ چلا میں بھاگا آیا۔ رات کو میں بارہ بجے تک اسٹاپ پر کھڑا رہا لیکن کوئی بس یا ویگن

نہیں آئی۔ صبح پہلی بس سے چلا آیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے رحمٰن کہ میں اپنی ماں کے مرنے کی خبر سن کر بیٹھا رہوں۔'' اس نے وضاحت کی تھی۔

''بس یار مجھے بہت دکھ تھا کہ تم نہیں پہنچے۔''

رحمٰن اس کے گلے لگ کر سسک اٹھا۔

عزیز تو اسی شام واپس لوٹ گیا۔ جبکہ احمد یار ٹھہر گیا تھا۔

مہرو کا جی گھبرا رہا تھا۔ طبیعت ویسے ہی خراب تھی۔ پھر بی بی جان کی موت نے اسے بالکل تنہا کر دیا تھا۔ یہ محبت پتہ نہیں اس سے کیا کیا چھینے گی۔ بی بی جان کی میت پر بین کرتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔ اس نے سارہ کے کمرے میں جھانکا وہ سو رہی تھی۔ وہ تنہا ہی باہر نکل آئی اور تبھی اس کی نظر مردان خانے سے نکلتے رحمٰن ملک پر پڑی تھی اور اس کے ساتھ شاید...... اس نے آنکھیں ملیں، شاید فریبِ نظر ہو لیکن نہیں وہ اس شخص کو اتنے قریب سے دیکھ چکی تھی کہ اب لاکھوں کے ہجوم میں بھی با آسانی پہچان سکتی تھی۔ وہ بلاشبہ احمد جمیل تھا۔ وہ بے اختیار ادھر بڑھی لیکن تب تک وہ باہر نکل چکے تھے۔ وہ حیران پریشان سی لوٹ آئی۔

احمد جمیل اور بھیا کے درمیان کس نوعیت کے تعلقات تھے؟ کیا خبر وہ محض تعزیت کے لیے آیا ہو۔ یا پھر، بھیا سے بات کرنے۔ ہاں بات کرنا اب ضروری ہو گیا تھا۔ وہ مزید کسی کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ سیڑھیوں پر بیٹھتے ہوئے اس نے گزشتہ دنوں کو ذہن میں دہرایا۔ نکاح والی رات کے بعد وہ دونوں نہیں ملے تھے ہاں سب سے نظریں بچا کر اس نے ایک دو مرتبہ فون پر احمد سے بات ضرور کی تھی۔ ہفتہ قبل جب اس کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجی۔ ایک عجیب سی بے چینی نے اس کا احاطہ کر لیا۔ وہ موقع کی تلاش میں تھی کہ کسی طرح احمد جمیل سے رابطہ کر کے اسے ساری صورتِ حال بتائے اور دوپہر کو اسے موقع مل گیا۔ جب سب ہی سونے کے لیے چلے گئے تب اس نے دبے قدموں ہال میں آ کر ڈرتے ڈرتے احمد کا نمبر ملایا تھا۔ کچھ دیر ہولڈ کرنے کے بعد جب وہ آیا تو اس نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

''احمد بہت گڑبڑ ہو گئی ہے ہماری طبیعت بے حد خراب ہے، ہمیں لگتا ہے جیسے......''

بولتے بولتے وہ جھجکی تھی۔ احمد جمیل نادان نہیں تھا سمجھ گیا۔

''اوہ، یہ تو واقعی ابھی نہیں ہونا چاہئے تھا۔'' وہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔

''اب کیا ہو گا۔ ہم کب تک چھپائیں گے۔ کل کو سب کو پتہ چل گیا تو......''

''میں کچھ کرتا ہوں۔ بلکہ رحمٰن ملک سے بات کرتا ہوں۔ دیکھو تم میرے بات کرنے تک کسی کو میرے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گی، ورنہ یہ لوگ بات کرنے سے قبل مجھے مار ڈالیں

گے، تم پریشان مت ہونا۔ میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا، ہر حال میں تمہارا ساتھ دوں گا۔"
اس نے تسلی دیتے ہوئے فون بند کیا تو وہ بھی ریسیور رکھ کر مڑی اور اسی لمحے پیروں تلے سے زمین کھسکتی محسوس ہوئی۔ بی بی جان عین اس کے پیچھے کھڑی تھیں۔ خالی خالی نظروں سے اسے تکتے ہوئے۔

"یہ تُو نے کیا کیا مہرو کیا کر ڈالا؟" انہوں نے بس یہی کہا تھا اور اس کے بعد کمرے میں چلی گئی تھیں۔ وہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔ اسے لگا جیسے اس کا آخری وقت آ گیا ہے۔ اسے طوفان کی بو محسوس ہونے لگی تھی۔

بی بی جان بابا جان کو بتا رہی تھیں۔

بابا جان غیض و غضب کی تصویر بنے اس کو دیکھ رہے تھے۔

پھر کہیں سے رحمٰن ملک آیا۔ ریوالور لیے۔

اور اس کے سینے میں گولیاں اتار دیں۔

تڑ تڑاتڑ آواز گونجی تھی۔

اس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ کوئی چیخا۔

"ہائے غضب ہو گیا۔ ملکانی جی...... ملکانی جی۔"

ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں۔ اس نے خالی خالی نظروں سے دیکھا۔

بھاگی، انوری، رضیہ بی بی جان کے کمرے سے بھاگتی چلی آ رہی تھیں۔

وہ جیسے ہوش میں آئی وہ زندہ تھی پھر یہ بَین کیسے؟ اس نے بھاگی کو روکا۔

"بی بی جان اس دنیا میں نہیں رہیں جی؟" اس نے بھاگتے بھاگتے بتایا۔

وہ سچ مچ بے جان سی ہو کر وہیں گر گئی۔ بی بی جان سہار نہیں سکیں اور دنیا ہی چھوڑ گئیں۔

یا شاید وہ اپنی جان سی پیاری بیٹی کا انجام نہیں دیکھ سکتی تھیں یا وہ بابا جان کی نظروں سے بچنا چاہتی تھیں۔ انہیں شرمندگی نے مار ڈالا تھا۔

وہ تو انہیں بتا بھی نہ سکی کہ جو کچھ وہ سمجھ رہی تھیں، وہ غلط تھا۔ اس کے کسی سے غلط مراسم نہ تھے۔ وہ جائز بچے کی ماں بننے والی تھی۔ بس یہ کہ ہوا سب غلط طریقے سے تھا، لیکن بی بی جان نے تو اسے موقع ہی نہیں دیا تھا۔

پھر اگلے کئی دن وہ باقی سب سے چھپتی پھری تھی۔ احمد جمیل سے رابطہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ وہ اس سانحے کے بارے میں اسے بتا سکتی۔

اور آج وہ اسے بھیا کے ساتھ نظر آ گیا تھا۔ وہ اتنا بہادر ہو سکتا تھا۔ اس نے سوچا نہیں

تھا۔ بعض اوقات تو وہ اس کے بارے مشکوک ہو جایا کرتی تھی۔ جب وہ ٹال مٹول کی باتیں کیا کرتا۔ اسے خود کو چھپانے کی ہدایت کیا کرتا اور تب وہ خواہ مخواہ شبہات میں گھر جاتی۔

شاید وہ اسے یونہی منجدھار میں چھوڑ جائے گا اور حالیہ خبر سنانے کے بعد بھی اسے کچھ ایسا اعتماد نہیں تھا اس پر، لیکن آج اسے بھیا کے ساتھ دیکھ کر اس کے شکوک آپوں آپ ہی ڈھل گئے تھے۔

اب وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھی کہ احمد جمیل رحمٰن کے پاس اسی مقصد کے لیے آیا تھا یا کسی اور مقصد کے لیے، لیکن یہ جاننا نہایت مشکل تھا۔ کم از کم رحمٰن ملک تو کبھی نہ بتاتا۔ صرف احمد جمیل ہی بتا سکتا تھا اور احمد جمیل سے وہ رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ اسے مل نہ رہا تھا۔

تبھی اس دن وہ چلا آیا، لیکن اب کی بار طریقہ مختلف تھا۔ نوری اس کا پیغام لے کر آئی تھی۔

وہ جیرو کے پاس آیا تھا اور جیرو نے ہی نوری کو پیغام دیا تھا۔ اس نے اسے باہر بلایا تھا۔

"نوری!" وہ سن کر پریشان ہو گئی۔ "ہم کیسے جا سکتے ہیں۔ تمہیں اندازہ ہے ہمیں حویلی سے نکلنے کون دے گا۔"

"میرا کام تو پیغام پہنچانا تھا جی۔ آگے آپ کی مرضی۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"ویسے جب بندہ اس طرح کے کام کرے تو خطرہ تو اٹھانا پڑتا ہے نا جی۔" اس نے بڑی معنی خیزی سے کہا۔ تو وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم بتاؤ ہمیں ہم کیا کریں۔ کوئی مشورہ دو۔"

"میں تو جی اتنا کر سکتی ہوں کہ آپ کے بستر پر لیٹ جاؤں۔" نوری نے ذرا سوچنے کے بعد کہا۔

"اس سے کیا ہو گا؟" وہ کچھ نہ سمجھی۔

"اے ہائے، بی بی آپ سے بولا کس نے تھا محبت کا پنگا کرنے کو۔" وہ جھنجھلائی۔

"دیکھو۔" پھر جیسے اس پر رحم آ گیا۔

"ابھی دوپہر کا وخت ہے۔ اس ویلے تو سب ہی سو جاتے ہیں۔ آپ بھاگی سے کہو کہ آپ سونے لگی ہیں کوئی آپ کو اٹھائے ناں...... ٹھیک ہے؟" نوری نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر میں آپ کے کپڑے پہن کر بستر پر لیٹ جاؤں گی۔ آپ میرے کپڑے پہن کر

حویلی سے نکل جاؤ۔ چادر میں منہ چھپا کر اسی طرح واپس آجانا ٹھیک ہے؟''

''مگر نوری ہمیں تو راستوں کا پتہ ہی نہیں ہے۔'' وہ متذبذب تھی۔

''اس کا بندوبست میں کر دیتی ہوں۔'' نوری نے چٹکی بجائی۔ ''میں ابھی تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔'' وہ باہر نکل گئی۔ مہرو کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ جو وہ باہر جاتے ہوئے پہچان لی گئی۔ یا کسی نے کمرے میں جھانک کر دیکھ لیا تو اور یہ احمد کو کیا سوجھی باہر چلنے کی۔ اچھا خاصا باغ موجود جو ہے۔ نہ کوئی وہاں آئے، نہ کسی کو خبر ہو'' اسے اب احمد پر غصہ آنے لگا۔ نوری تقریباً آدھے گھنٹے بعد آئی۔

''آپ ایسا کرو بی بی۔ باغ کے رستے چلی جاؤ۔ چھپتی مڑنے کی کرنا۔ میں تب تک ادھر ہوں یہ میرا دوپٹہ لے لو۔'' اس نے اپنی چادر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ جسے کچھ ہچکچاہٹ کے بعد اس نے تھام لیا۔

''تم بہت اچھی ہو نوری۔'' وہ صرف اتنا کہہ سکی۔ باہر نکل کر اس نے بھاگی کو ہدایت کی۔ پھر دروازہ بند کر لیا۔ نوری نے اسے چند باتیں سمجھائیں اور وہ نوری کی چادر اوڑھ کر کھڑکی سے باغ میں کود گئی۔ دیوار میں نیچے بنا تھوڑا سا راستہ ان کی آمد و رفت کا ذریعہ تھا۔ وہ اس رستے سے باہر نکلی تو احمد جمیل اسے کھڑا مل گیا۔ وہ اس سے لڑنا چاہتی تھی لیکن اس نے موقع ہی نہیں دیا اور اس کا ہاتھ تھام کر ایک طرف کو تیز قدموں سے چل پڑا۔

نسبتاً ایک ویران جگہ پہنچ کر وہ ایک جھنڈ کے پیچھے بیٹھ گئے۔ دونوں ہانپ رہے تھے۔ ذرا سنبھلے تو مہرو نے شکایتی نظروں سے دیکھا۔

''یہ خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر کوئی دیکھ لے تو کیا ہو؟ اچھا خاصا باغ جو موجود ہے۔ پھر یہ سب کیوں؟''

''مہرو۔ اگر میں تمہیں یہیں سے بھگا لے جاؤں۔ واپس نہ جانے دوں تو......'' احمد نے اس کی بات کا جواب دیئے بغیر اپنی کہی تو مہرو کا دل دھڑک اٹھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم ایسے نہیں جا سکتے۔ تمہیں پتا ہے احمد بی بی جان کو ہماری حالت کا پتہ چل گیا تھا اور وہ اسی صدمے سے......وہ ہمیں غلط سمجھ رہی تھیں، ہمیں تو صفائی پیش کرنے کا موقع بھی نہیں ملا۔''

''مجھے بی بی جان کی موت کا افسوس ہے، میں رحمٰن ملک سے تعزیت کر چکا ہوں۔''

''ہاں ہم نے تمہیں دیکھا تھا۔ آپ بھیا کو کیسے جانتے ہیں؟''

''رحمٰن ملک کو کون نہیں جانتا اور پھر اب تو تمہارے حوالے سے وہ میرا رشتہ دار بھی ہے۔''

چاہے زبردستی ہی سہی، لیکن ایک بات اور بھی ہے مہرو۔'' وہ بولتے بولتے رکا۔ مہرو سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''تم جانتی ہو مہرو مجھے تم سے محبت کیسے ہوئی؟'' قدرے توقف کے بعد اس نے پوچھا۔ وہ پہلی ملاقات کو دہرانے لگی تھی کہ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''نہیں، تب نہیں اس سے بہت پہلے اس روز تو میں تم کو دیکھنے آیا تھا۔ میں نے پہلے تمہاری آواز سنی تھی، کوئل سی آواز، جادو بکھیرتی آواز تم بہت اچھا گاتی ہو مہرو۔ مجھے یاد ہے تمہاری آواز نے مجھے سوتے سے جگا دیا تھا۔

تم بن کون سنے ماہ راج
راکھو بانہہ گہے کی لاج
برج موہن جب سے من بسے
ہم بھولن سب کام کاج

اور پھر میں کتنے دن اس آواز کو ڈھونڈتا پھرا، لیکن جیسے شاعر کو کوئل نظر نہیں آئی ویسے ہی مجھے تم نظر نہ آئیں اور میں چلا گیا۔ اس آواز کو من میں بسائے لیکن مجھے کسی پل چین نہیں آیا اور جب یہ بے چینی حد سے بڑھی تو میں چلا آیا۔ تمہیں ڈھونڈتا ہوا۔''

وہ رکا۔

''آپ نے ہماری آواز کب سنی اور کیسے؟'' وہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی احمد کی باتیں اس کے لیے کسی انکشاف سے کم نہ تھیں احمد مسکرایا اور پھر اشارہ کر کے کہنے لگا۔

''میں وہاں اس کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میں اور عزیز احمد رحمٰن ملک ہمارا گہرا دوست ہے اور میرا نام احمد جمیل نہیں احمد یار ہے۔''

''تو تم نے ہم سے جھوٹ بولا؟'' مہرو ایک دم ہی کھڑی ہو گئی۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ تو وہ دھوکہ دے رہا تھا اسے۔

''بیٹھ جاؤ مہرو اور پوری بات سنو۔'' اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر سے بٹھا دیا۔ مہرو بیٹھ تو گئی لیکن اس کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔ احمد نے دوبارہ سلسلہ کلام جوڑا۔

''اس قصے میں ہوا یہ کہ مجھے اور عزیز احمد کو بیک وقت محبت ہوئی تم سے۔ عزیز احمد نے تمہیں دیکھ لیا تھا اور شدتیں اس کی بھی عروج پر تھیں لیکن یہاں میں نے خود غرضی سے کام لیا۔ میں اس سے پہلے تم تک پہنچ گیا۔ یقین مانو میں احمد یار کی حیثیت سے ہی یہاں آیا تھا لیکن تمہیں ریڈیو پر احمد جمیل کا پروگرام ذوق و شوق سے سنتے دیکھ کر میں وہ راز فاش کر بیٹھا جو صرف

میں جانتا ہوں یا میرے گھر والے۔ میرا ایک نام احمد جمیل بھی ہے۔ میرا تعلق ایک فنکار گھرانے سے ہے۔ یہ میں تمہیں بتا چکا ہوں اور یہ بھی کہ مجھے اپنے باپ کا فن آگے چلانا پڑ رہا ہے۔ ابا جی کا خواب تھا کہ میں ایک بہت بڑا گلوکار بنوں۔ وہ میری آواز کے مداح تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں بہت بڑا گلوکار بنوں گا۔ بہت چھوٹی عمر سے انہوں نے مجھے ریاض کروانا شروع کر دیا تھا۔ ابا جی کی باقی اولاد بے سُری تھی کچھ اس وجہ سے بھی ان کی ساری توجہ مجھ پر تھی۔

جیسے جیسے میں بڑا ہوتا گیا۔ مجھے محسوس ہونا شروع ہوا جیسے لوگ میری عزت نہیں کرتے اسکول میں مجھے سب سے پیچھے جگہ ملتی۔ میں کسی کو دوست بنانا چاہتا تو وہ میرا انداق اُڑانے لگتا۔

''ہم تم جیسے میراثی کو اپنا دوست بنائیں۔ ہاہا۔'' اور یہ قہقہے مجھے اندر تک زخمی کرتے چلے گئے۔

پھر میں نے گھر میں دیکھا۔ مجھ سے بڑی تین بہنیں شادی کے انتظار میں بوڑھی ہو رہی تھیں اور اماں کی دبی دبی سرگوشیوں سے پتا چلا کہ ان کی شادی نہ ہونا بھی ہمارا میراثی ہونے کا سبب ہے۔ ہمارا وہ تنگ سا کوارٹر دو کمروں کا، حبس زدہ۔ مجھے وہاں گھٹن محسوس ہونے لگی لیکن ابا ان ساری باتوں کے باوجود مجھے گلوکار بنانے پر بضد تھے۔

ایک دن میں نے تنگ آ کر گانے سے انکار کر دیا۔ چیخا چلایا اپنی نفرت کا اظہار کیا اور ابا جی کو شدید صدمے سے فالج ہو گیا۔ انہوں نے روتے ہوئے اپنا خواب دہرایا اور میں نے ان کی محبت میں عہد کر لیا لیکن اپنے طریقے سے۔ میں نے پڑھائی چھوڑ کر ایک جگہ ملازمت کر لی۔ ابا ریڈیو پاکستان میں ملازم تھے، بیمار ہوئے تو چھٹی ہو گئی۔ کچھ رقم ملی، کچھ اماں نے بہنوں کے لیے پس انداز کر رکھی تھی۔ میں نے وہ کوارٹر بیچا اور شہر کی مضافاتی بستی میں ایک چھوٹا سا گھر لے لیا۔ گھر کے باہر میں نے چوہدری رب نواز کی نیم پلیٹ لگا دی۔ اماں، بہنوں اور بھائیوں کو ہدایت کر دی کہ کسی کو اپنے پیشے اپنی ذات کے بارے میں نہیں بتانا۔ یہی کہنا ہے کہ ابا سرکاری ملازم تھے۔ فالج کی وجہ سے نوکری جاتی رہی۔ اماں نے یہی کہانی وردِ زباں کر لی۔ میں وہ شہر چھوڑ کر کراچی چلا آیا۔ پہلے چھوٹی موٹی نوکریاں کیں۔

پھر ایک فنکشن میں گانا گایا تو ایک پروڈیوسر کو میری آواز پسند آ گئی۔ میں نے پلاننگ کے مطابق بہانے بنائے لیکن پروڈیوسر کا اصرار بڑھتا گیا یوں میں ریڈیو پاکستان پر گانے لگا۔''

وہ بولتے بولتے رکا۔ جیسے سانس لے رہا ہو، مہرو دم بخود تھی۔ اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

''میں نے بڑی طویل جدوجہد کی ہے ابا جی کا خواب پورا کرنے کے لیے۔ احمد یار سے احمد جمیل بن گیا ریڈیو پر مجھے پروگرام ملنے لگے۔ آواز اچھی تھی۔ بولتا بھی اچھا تھا، اس لیے میوزک کے علاوہ کمپیئرنگ میں بھی منتخب ہو گیا۔ آج میرا ایک نام ہے، میں Play back singer ہوں آج تک کسی اخبار میں میری تصویر نہیں چھپی اس لیے شکل کے حوالے سے مجھے باہر کی دنیا میں کوئی نہیں جانتا۔ حتیٰ کہ رحمٰن ملک اور عزیز احمد بھی۔ میں نے کبھی کسی کو اس حد تک اپنے اندر جھانکنے ہی نہیں دیا۔ تمہیں یہ سب باتیں بتانے کا مقصد یہ ہے کہ تم میری حقیقت جان لو۔ تاکہ جب تمہیں اس گھر میں رہنا پڑے تو کسی قسم کا احساسِ برتری میرے گھر والوں کی زندگی اجیرن کرے نہ تمہاری۔ رہی بات رحمٰن ملک سے رشتے کے بارے میں بات کرنے کی، تو اگر بحیثیت دوست وہ مجھے قبول کر بھی لیتا ہے تو میری حقیقت جان لینے کے بعد وہ کبھی بھی راضی نہ ہو گا۔ سو مہرو۔ یہ شادی اسی طرح غیر روایتی ہو گی جیسے کہ ہمارا نکاح، تم بولو کیا ساتھ دے سکتی ہو میرا؟''

بات ختم کر کے اس نے مہرو کو دیکھا جو اب سر جھکائے بیٹھی کسی سوچ میں غلطاں تھی۔ کافی دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور بولی۔

''ہم نہیں جانتے ہمیں کیا کرنا ہے۔ ہم تمہیں بھی نہیں چھوڑ سکتے اور گھر والوں کو بھی۔ ہم الجھ گئے ہیں۔ ہمیں کچھ وقت دو۔''

''چلو تمہیں چھوڑ آؤں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کافی دیر ہو گئی تھی وہ تیز تیز چلتی باغ میں پہنچی تو نوری وہیں ٹہل رہی تھی۔

''نوری تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اسے وہاں دیکھ کر مہرو کا رنگ فق ہو گیا۔

''بس گڑبڑ ہوتے ہوتے رہ گئی بی بی۔ آپ نے دیر بھی تو اتنی لگا دی۔ چھوٹے ملک صیب آ گئے تھے۔ انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں ڈھیٹ بنی پڑی رہی۔ پھر وہ آوازیں دینے لگے تب میں نے کھڑکی سے کہا کہ بی بی کی طبیعت خراب ہے وہ آرام کر رہی ہیں۔ آپ کام بتا دیں، لیکن وہ واپس پلٹ گئے اور میں تب سے یہاں کھڑی آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔'' نوری نے مفصل بتایا تو وہ بھاگم بھاگ کمرے میں پہنچی۔ نوری کا دوپٹہ واپس کیا۔ باتھ روم میں جا کر پانی کے چھینٹے مارے اور اپنے سراپے پر نظر دوڑاتی رحمٰن ملک کے کمرے میں چلی آئی۔

وہ اور سارہ دونوں بیٹھے تھے۔

''آؤ مہرو اب کیسی طبیعت ہے تمہاری۔ نوری بتا رہی تھی کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔'' رحمٰن ملک نے اپنے قریب جگہ بناتے ہوئے کہا۔ وہ تھکے تھکے انداز سے بیٹھ گئی۔

"جی بھیا۔ سر میں شدید درد ہے۔ دوا بھی لی ہے۔ سوئی بھی ہوں لیکن آرام نہیں آیا۔" اس نے آواز میں بوجھل پن پیدا کرتے ہوئے بتایا۔ سارہ نے بغور اس کی شکل دیکھی تھی۔ مہرو کو دیکھ کر اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا تھا، لیکن وہ اسے کوئی نام نہ دے سکی تھی۔

"اکیلی رہتی ہو ناں سارا دن اپنی بھابی کے ساتھ بیٹھ کر دکھ سکھ بانٹا کرو۔ کہنے سے بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی سارا دن اکیلی پڑی رہتی ہے تم بھی۔ زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے اس طرح۔" رحمٰن ملک نے کہا تو وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔ بابا جان نیچے انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھیے میں نے شربت منگوایا ہے۔" سارہ نے کہا۔

"نہیں۔ وکیل نے آنا ہے، پھر فارغ ہو کر مجھے جہانگیر شاہ کی طرف بھی جانا ہے۔ کچھ کام ہے اسے۔ پھر بیٹے کی مبارکباد بھی تو دینی ہے اس کو۔ غم اور خوشی تو ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔" وہ باہر نکل گیا۔ رضیہ شربت لے کر آئی تو سارہ نے مہرو کی طرف اشارہ کیا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا بھابی!" اس نے انکار کیا۔

"پی لو۔ شربت ہی تو ہے۔ پی لو! پھر باغ میں چلتے ہیں۔ کھلی ہوا میں سانس لیتے ہیں۔" سارہ نے اصرار کیا تو اس نے گلاس پکڑ لیا۔ پہلا گھونٹ بھرتے ہی اسے شدید قسم کی ابکائی آئی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے باتھ روم کی طرف بھاگی۔ سارہ حیرت سے دیکھنے لگی۔ وہ اٹھ کر پیچھے گئی لیکن اس نے باتھ روم کا دروازہ بند کر لیا تھا۔ وہ الجھی الجھی سی واپس آ گئی۔

اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ مہرو منہ پونچھتی باہر آئی اور اسی طرح نظر بچا کر کمرے سے نکلنے کو تھی کہ سارہ نے آواز دے لی۔

"بات سنو مہرو۔" وہ رک گئی پلٹی نہیں تو سارہ خود اٹھ کر اس کے قریب آ گئی۔

"تم......Pregnent ہو؟" وہ جھجک کر بولی تھی، وہ خاموش رہی۔ سارہ کے اوپر جیسے چھت آن گری۔ مہرو سے اس کا صرف بھاوج نند والا رشتہ نہیں تھا۔ وہ اس کی پھوپھی زاد بہن بھی تھی اور ہونے والی بھابی بھی۔

"مہرو!" وہ صرف اتنا کہہ سکی۔ مہرو زمین میں گڑی کھڑی تھی۔ پھر اس میں حرکت ہوئی اور وہ سارہ کے قدموں میں گر گئی۔

"مجھے غلط مت سمجھنا بھابی۔ میری کوکھ میں کوئی گناہ نہیں پل رہا۔ میرا اعتبار کرو۔"

"تو پھر یہ سب؟" سارہ نے پیر پیچھے ہٹا لیے۔ "اتنا کچھ کر لینے کے بعد تم کہہ رہی ہو میں تمہیں غلط نہ سمجھوں؟ تم نے خاندان کی عزت رول دی۔ میرے بھائی کی عزت تھیں تم......

سمجھ گئی۔ شادی سے انکار بھی اسی لیے ہوا تھا۔ بتاؤ کون ہے وہ جس کی خاطر تم نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ بتاؤ......" اس نے جھک کر دو چار تھپڑ رسید کر دیئے۔ وہ بے حس بنی بیٹھی رہی پھر چپ چاپ اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ سارہ بے دم سی ہو کر بیڈ پر گر گئی۔

یہ مہرو نے کیا کر ڈالا تھا۔ اتنا بڑا قدم اٹھا لیا تھا کہ سب کے ماتھے پر سیاہی تھوپ دی تھی اور بلال رضا۔ اس کا معصوم بھائی کیسے اس کی معصومیت سے گھائل ہو گیا۔ اس بے چارے پر قیامت نہ ٹوٹ پڑے گی۔ جب وہ یہ سب سنے گا اور بابا سائیں اور رحمٰن، کیا وہ اسے جان سے نہ مار ڈالیں گے۔ کیا ہو گیا مہرو تیری عقل کو۔ تُو نے یہ قدم اٹھاتے ہوئے یہ ساری باتیں فراموش کیوں کر دیں اور پھوپھی جان، اچھا ہوا آپ یہ ذلت برداشت کرنے سے پہلے ہی چلی گئیں۔ مگر کیا خبر آپ کو یہی ذلت لے بیٹھی ہو۔" سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہونے لگا۔

اسے رحمٰن ملک کو ساری صورتِ حال سے آگاہ کر دینا چاہیے۔ یہ نہ ہو کل کو اس پر بھی الزام آ جائے۔ اس نے فیصلہ کر لیا اور بے چینی سے رحمٰن ملک کا انتظار کرنے لگی۔

☆======☆======☆

مہرو اس دن کے بعد کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ وہ ہر پل موت کا انتظار کر رہی تھی۔ سارہ نے یقیناً بھیا کو بتا دیا ہو گا اور بھیا نے بابا جان کو۔ پھر اب تک کوئی اس کے پاس آیا کیوں نہ تھا۔ یہ خاموشی اسے اذیت دے رہی تھی۔ آر یا پار، کوئی فیصلہ تو ہو مگر ادھر خاموشی ہی خاموشی تھی اور پھر نوری بھی نہیں آ رہی تھی۔ احمد جمیل نے بھی کوئی رابطہ نہ کیا تھا۔ خود وہ رابطہ کرتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ تنہائی سے تنگ آ کر اس نے نوری کو بلا بھیجا۔ بھاگی واپس آئی تو نوری کی بجائے ایک خبر لے آئی۔

"نوری تاں جی بھج گئی جیرو دے نال۔ سارے پنڈ وچ تھوتھو پئی ہوندی اے۔ وچارا چاچا تے کسی نوں منہ دکھان دے قابل نہیں رہیا۔"

(نوری تو جیرو کے ساتھ بھاگ گئی۔ سارے گاؤں میں تھو تھو ہو رہی ہے، بے چارا چاچا تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔)

بھاگی کی خبر اسے توڑ پھوڑ گئی۔ نوری نے ایسا کیوں کر لیا۔ وہ تو کہتی تھی ابا خود ہی مان جائے گا پھر اس نے اپنے باپ کے من جانے کا انتظار کیوں نہیں کیا۔

اب اسے نوری کا غم بھی کھانے لگا۔ اس دن سارہ اس کے کمرے میں چلی آئی۔

اس میں تو ہمت نہیں تھی اس سے نظریں ملانے کی۔ وہ اس کی گناہ گار بھی تو تھی۔

"دیکھ مہرو۔" وہ کھڑے کھڑے بولی۔ "میں نے ابھی کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ تُو مجھے اس کا

نام بتا دے، ہوسکتا ہے میں اسے تجھ سے شادی پہ راضی کرلوں۔''

''میں نے پہلے بھی کہا تھا بھابی، یہ ناجائز نہیں ہے، ہم نے شادی کی ہے۔'' اس نے سر جھکائے وضاحت کی۔ یہ انکشاف سارہ کو چونکا گیا۔

''کب، کیسے، کہاں، کہاں ہوئی یہ شادی ان اونچی دیواروں کے پار، کس کی ہمت پڑی یہاں سیندھ لگانے کی۔ بتا تو سہی مجھے اس سورما کا نام۔ میں بھی تو دیکھوں کون ہے وہ.....'' وہ تیکھے پن سے بولی۔ مہرو نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''وقت آنے پر بتا دوں گی۔ ابھی نہیں۔''

''وقت، کون سا وقت؟ جب تمہاری حالت چیخ چیخ کر ہماری رسوائی کا اعلان کرے گی تب بتاؤ گی تم۔ میں رحمٰن ملک کو بھیجتی ہوں وہ خود اگلوائے گا سب۔'' وہ چیختی چلاتی پاؤں پٹختی باہر نکل گئی۔ مہرو ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ جو ہونا تھا وہ تو ہونا ہی تھا آج یا کل۔ پتا نہیں کیوں اسے یقین تھا، رحمٰن ملک اور بابا جان جتنا مرضی غصہ کرلیں اسے جان سے کبھی نہیں مارتے اور یہی یقین اسے حوصلہ دے رہا تھا۔

☆======☆======☆

''یہ لیں جی ملک صیب، میں مجرم کو آپ کے سامنے آیا ہوں۔ اسے وہی سزا دیں جو آج تک ایسی بغاوت کرنے والوں کا نصیب بنتی رہی ہے۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا اس کا رشتہ اسی دن ختم ہوگیا تھا جب اس نے جیرو سے شادی کی۔ مجھ سے چوری۔ سب سے چوری۔ جو بیٹیاں باپ کی پگ رول لیں انہیں کوئی حق نہیں زندہ رہنے کا۔''

نوری کا باپ نوری کا ہاتھ تھامے ملک صاحب کے روبرو تھا۔ ملک صاحب کے آدمی راتوں رات نوری اور جیرو کو شہر جانے والی سڑک سے پکڑ لائے تھے۔ خود دونوں کو ان کے گھروں میں پہنچا دیا تھا اور حسبِ روایت دونوں پنچایت میں حاضر تھے۔

''اور فضل دین تمہارا کیا فیصلہ ہے؟'' سلطان ملک جیرو کے باپ سے مخاطب تھے۔

''مجرم حاضر ہے سائیں!'' اس نے ہاتھ جوڑے۔ ملک صاحب نے چند بزرگوں سے بات چیت کی پھر فیصلہ سنا دیا۔ روایتوں کی پاسداری کرنے والا فیصلہ۔

''ان دونوں کو بغاوت کے جرم اور ماں باپ کی عزت مٹی میں ملانے کے جرم میں موت کی سزا سنائی جا رہی ہے۔ کل شام ان دونوں کو ختم کر دیا جائے۔'' انہوں نے فیصلہ سنایا۔ تب ہی نوری آگے بڑھی۔ اس نے پنچایت پر ایک نظر ڈالی اور اونچی آواز میں بولی۔

''ایک منٹ ملک صیب۔ مانا آپ بہت انصاف پسند ہیں، یہ بھی سارا پنڈ جانتا ہے آج

تک آپ نے کبھی غلط فیصلہ نہیں کیا ملک صیب، تو فیر ایک اور فیصلے پر مہر لگاؤ۔ یہی سزا کسی اور کے نام بھی لکھو۔ کل شام ہم دونوں کے ساتھ ان دونوں کو بھی موت کی سزا دی جائے کیونکہ جرم ان کا بھی یہی ہے۔ فیر میں مانوں آپ کا اور گاؤں والوں کا انصاف۔'' اس کی آواز میں تمسخر ہی تمسخر تھا۔ سب لوگ اس کی طرف عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''کون ہیں وہ؟'' سلطان ملک اس کی جرأت پر دنگ تو تھے مگر خود پر قابو پا کر پوچھا۔

''بھری پنچایت میں بولوں گی ملک صیب تو بہت سے عزت داروں کی پگڑی اچھلے گی۔ اچھا ہوگا آپ اکیلے میں میری بات سن لیں۔'' نوری بہت ہوشیاری سے کھیل رہی تھی۔

ملک صاحب نے ایک نظر پنچایت پر ڈالی پھر نوری سے مخاطب ہوئے۔

''تم بولو، جب فیصلہ پنچایت نے کرنا ہے تو پنچایت سے کیا پردہ۔'' نوری نے گہری نظروں سے ملک صاحب کو دیکھا پھر بولی۔

''احمد جمیل اور مہرینہ ملک۔''

ملک صاحب سمیت پنچایت پر سناٹا چھا گیا تھا۔

''کیا بک رہی ہو تم؟'' وہ سنبھل کر چلائے تھے۔

☆======☆======☆

کوئی قیامت سی قیامت تھی جو حویلی کے مکینوں پر ٹوٹی تھی۔ سارہ نے مہرو کو کمرے میں بند کر دیا تھا۔ سلطان ملک مہرو کو گولی مارنے کے درپے تھے۔ انہوں نے رحمٰن ملک کو بھی بلوا لیا تھا۔ سارہ ان دونوں کو سنبھالے ہوئے تھی لیکن وہ کسی طرح سنبھلنے میں نہیں آرہے تھے۔

''انصاف۔ سارہ، انصاف۔ انصاف کا تقاضا ہے یہ۔ میں اگر گاؤں والوں کی بیٹیوں کو سزائیں سنا تا رہا ہوں تو آج میری بیٹی مجرم ہے تو پہلو تہی کیوں؟ اس سے پوچھو کون ذلیل ہے وہ۔ بلائے اس کو۔ میں دونوں کو ایک ساتھ گولی ماروں گا۔ میں بات کو یہیں ختم کردوں گا۔ نکالو اسے باہر سارہ۔ فوراً مجھے مہرو چاہیے۔'' وہ گرج رہے تھے۔

سارہ خاموشی سے گئی اور کمرے کا تالا کھول دیا۔ مہرو دیوار کے ساتھ لگی آنے والی موت کی منتظر تھی۔

''باہر آؤ مہرو۔ بابا جان تم سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔'' سارہ نے کہا تو وہ اٹھ کر اس کے پیچھے آگئی۔ اسے دیکھتے ہی ان کی رگوں میں مزید تناؤ آگیا تھا۔ گن پر ان کی گرفت مضبوط ہوئی۔

''میں تم سے تفصیل نہیں پوچھوں گا۔ کیونکہ عزت دار اپنے ماتھے پر لگی سیاہی دھونے کی

کوشش کرتے ہیں، سیاہی کہاں سے آئی یہ جاننے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ تم صرف اس شخص کو بلاؤ تاکہ میں انصاف کے تقاضے پورے کر سکوں۔'' انہوں نے سرد لہجے میں کہا تھا۔

''نہیں۔ وہ یہاں نہیں آئے گا۔'' مہرو نے انکار کیا، تو وہ عالم غیض میں کھڑے ہو گئے۔

''وہ یہاں آئے گا اور ضرور آئے گا۔'' انہوں نے گن کا بٹ زمین پر مارا اور باہر کی جانب بڑھے۔

''اس کو پھر سے کمرے میں بند کر دو۔ جب تک یہ اسے نہیں بلواتی۔'' انہوں نے رک کر سارہ سے کہا اور باہر نکل گئے۔ وہ ابھی وہیں کھڑی تھیں کہ سلیمان ملک اور تہمینہ اندر داخل ہوئے۔

''یہ ہم نے کیا سنا بھرجائی؟'' انہوں نے اندر آتے ہی قہر آلود نگاہ مہرو پر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ بیٹھیں ادا۔ چلو مہرو۔'' اس نے مہرو کو وہاں سے ہٹانے میں ہی عافیت جانی تھی۔

''مہرو کہاں جائے گی۔'' وہ ان کے بیچ آ گیا۔ ''ہمارے ہاں والدین کی ناک کٹوانے والی کو کڑی سزا دی جاتی ہے۔ بھاگی۔ او بھاگی۔'' وہ ملازمہ کو پکارنے لگا۔ وہ بھاگتی آئی۔

''جی چھوٹے سرکار......''

''قینچی لاؤ فٹافٹ۔'' انہوں نے بھاگی کو واپس دوڑایا۔

''مہرو تم اندر چلو۔'' سارہ ان کے عزائم جان گئی تھی۔ اس لیے مہرو کو کمرے کی طرف دھکیلنے لگی لیکن تہمینہ نے آگے بڑھ کر مہرو کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''بھرجائی ناک تو اس نے تمہاری بھی کٹوائی ہے تم کیوں اس کی سائیڈ لے رہی ہو؟ غیرت والی ہوتیں تو اب تک اس کی چٹیا کاٹ چکی ہوتیں۔'' وہ زہر خند ہوئی۔

''دیکھو تہمینہ جو کچھ بھی کرنا ہے بابا جان نے کرنا ہے۔ وہ بڑے ہیں ہم تم کسی کو سزا دینے والے کون؟'' سارہ نے سمجھانا چاہا۔

''تم کچھ ہو نہ ہو، ہم اس کے بہن بھائی ہیں اور ہمیں پتا ہے ہم نے کیا کرنا ہے۔'' تہمینہ نے مہرو کو جھٹکا دیا، بھاگی قینچی لے آئی تھی۔ سارہ کے پکڑنے کے باوجود تہمینہ اور سلیمان نے اس کے بال آگے سے پکڑ کر کاٹ ڈالے، مہرو چیختی رہ گئی تھی۔

''باقی سزائیں تو بعد میں شروع ہونی ہیں۔'' اپنے کام سے فراغت کے بعد سلیمان ملک نے قہقہہ لگایا۔ سارہ مہرو کو پکڑ کر کمرے میں لے گئی۔

''ہونہہ بلال رضا کو کیسے پھانس لیا تھا، اب کر کے دکھائے شادی اس سے۔'' تہمینہ نے

اپنا زہر اگلا تھا۔ رحمٰن ملک واپس آیا تو سلیمان ملک نے غیرت و حمیت کی وہ باتیں کیں کہ وہ ایک بار پھر جوش میں آ گیا۔

''دونوں کو اکٹھے گولی مارنا رحمٰن تاکہ آئندہ اس حویلی میں کسی کو جرأت نہ ہو۔'' سلیمان ملک نے کہا تھا۔

''میں نے اس بے غیرت کا بھی پتا چلا لیا ہے۔ جیرو گیا ہے اسے بلانے۔''

''اکیلا بھیج دیا اسے اور اگر وہ بھاگ گیا تو؟'' سلطان ملک نے اندر آتے ہوئے سن لیا تھا۔

''ساتھ میں اپنے آدمی گئے ہیں۔ میں کوئی بیوقوف نہیں ہوں۔''

سلیمان ملک اور تہمینہ کے ہونٹوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اب ہی تو وقت آیا تھا اپنے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا بدلہ لینے کا۔

سلیمان ملک کے تو ویسے بھی بڑے پرانے قرض نکلتے تھے رحمٰن ملک پر اور ان سب کا حساب چکانے کا وقت اس کے علاوہ اور کون سا ہو سکتا تھا۔

اور تہمینہ تو بلال رضا کے چھن جانے کا غم نہیں بھلا سکی تھی۔ وہ تو چاہتی تھی مہرو کو فوراً گولی مار دی جائے اور اس کے بس میں ہوتا تو اب تک یہ سب کر گزرتی لیکن وہ انتظار کی اذیت میں مبتلا تھی۔

☆======☆======☆

''تو یہ ہے ساری حقیقت، میں نے جان بوجھ کر تم سے یہ سب کچھ چھپایا۔ میری مجبوری تھی۔ پھر مجھے تمہارا خیال بھی تھا، تم بھی تو مہرو سے......''

''نہ......نہیں۔ میں نے پہلے بھی تم سے کہا کہ اس کہانی میں کوئی حقیقت نہیں۔'' عزیز احمد نے احمد یار کی بات کاٹی۔ ''نکاح کیسے ہوا؟''

''تمہیں اللہ بھرایا یاد ہے؟ وہی جس کے گھر ہم نے ''ملک پور'' جاتے ہوئے پناہ لی تھی؟''

''ہاں، وہ جس کا ابا مولوی تھا؟'' عزیز احمد کو یاد آ گیا۔

''بالکل۔ میں مہرو کو وہیں لے گیا تھا۔ اللہ بھرایا سے میں نے بات کر لی تھی پہلے ہی، یوں ہمارا نکاح ہو گیا۔ نکاح آسانی سے اس لیے بھی ہو گیا کہ اللہ بھرایا ملک پور والوں سے انتقام لینا چاہتا تھا۔''

''انتقام؟'' وہ سوالیہ ہوا۔

"ہاں۔ رحمٰن ملک کے بھائی سلیمان ملک نے اللہ بھرایا کی بہن کو اغوا کر لیا تھا اور حویلی لے گیا تھا۔ بعد میں اس لڑکی نے خودکشی کر لی۔ سلطان ملک اور رحمٰن کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے سلیمان کو بے عزت کر کے حویلی سے نکال دیا اور ہرجانے کے طور پر کچھ روپے اللہ بھرایا کے والد کو دیئے لیکن انہوں نے لوٹا دیئے تھے کہ اس سے ان کی کھوئی ہوئی عزت تو واپس نہیں آ سکتی تھی۔ بس اسی چکر میں انہوں نے ہمارا نکاح پڑھوانے میں کچھ تامل نہ کیا۔" احمد یار نے تفصیلاً بتایا۔

"تو اب کیا تم مہرو کو بھگاؤ گے، کیونکہ رحمٰن ملک کبھی بھی اس شادی پر راضی نہ ہوگا۔ خصوصاً یہ پتا چلنے کے بعد کہ یہ کام تم نے کیا ہے۔"

"اسے اگر کچھ معلوم ہوگا تو احمد جمیل کے بارے میں ہوگا۔ میں احمد یار کے روپ میں اس کے ساتھ رہوں گا اور ٹوہ لینے کی کوشش کروں گا کہ اس کے خیالات کس انتہا پر ہیں۔"

"اس سے کیا ہوگا اور موجودہ حالات میں، جلد یا بدیر اس کو پتا چل جائے گا اور احمد جمیل کو منظرِ عام پر لانا مہرو کے لیے ناگزیر ہو جائے گا۔ پھر کیا کرو گے؟" عزیز احمد بڑی دور کی کوڑی لایا تھا احمد یار سوچ میں پڑ گیا۔ پھر جیسے اس کی حس نے چونکایا۔

"سنو عزیز کہیں ایسا ہو تو نہیں گیا۔ رحمٰن ملک بڑی ایمرجنسی میں گیا تھا حالانکہ اسے آئے دوسرا دن تھا اور پھر ابھی تک لوٹا بھی نہیں۔ اگر یار ایسا ہو گیا ہے تو مہرو تو بڑی مشکل میں ہوگی اور کیا خبر انہوں نے مہرو کو۔ اوہ نو۔" وہ تیزی سے اٹھ کر باہر کی جانب بھاگا تھا۔

عزیز احمد اس کے پیچھے ہی اٹھا۔

"رکو احمد یار۔ کیا کرنے لگے ہو؟" اس نے سُرعت سے اس کا بازو پکڑ کر روکا۔

"جلدی میں کوئی گڑبڑ نہ مچا دینا۔ پہلے صورتِ حال تو معلوم کرو۔ کیا خبر وہ کیوں گیا ہے۔ اسے فون کر کے معلوم کیوں نہ کر لیں۔ اس کے بعد سوچتے ہیں۔"

"جیسے وہ ہمیں بتا ہی دے گا کہ اس نے مہرو کو......" وہ تلخی سے گویا ہوا تھا۔

"نہیں بتائے گا لیکن کچھ تو کہے گا۔"

"ہاں۔" وہ متفق ہوا۔ "لیکن فون تم کرو گے۔"

"میں ہی کروں گا لیکن شام کو۔ اس وقت اسے خواہ مخواہ شک نہ پڑ جائے۔"

"یار عزیز۔ ایک وعدہ کرو۔" اچانک ہی وہ بہت سنجیدہ ہو گیا۔

"کیسا وعدہ؟" اس نے سر اٹھایا۔

"تم میرا ساتھ دو گے؟ کبھی بھی جس وقت میں تمہیں پکاروں۔ میری مدد کے لیے آؤ

گے؟"

"کیسی باتیں کرتے ہو، تمہارا ساتھ نہیں دوں گا تو پھر کس کا ساتھ دینا ہے۔" وہ خفا ہوا۔

"لیکن میرا مطلب ہے، جو صورتِ حال بنے، دیکھو رحمٰن ملک کو جب بھی پتا چلے گا، وہ ہم دونوں کو جان سے مار دے گا لیکن میں مہرو کو بچانے کی پوری کوشش کروں گا۔ میرا مطلب ہے جب تمہیں میرا فون آئے تو تم فوراً پہنچ جانا۔ جہاں کہیں کا بھی میں کہوں۔"

"یہ ساری باتیں قبل از وقت ہیں۔ تم پہلے سے ہی فرض کر کے بیٹھ گئے ہو کہ تم دونوں نے قتل ہو جانا ہے۔ حالات اس کے برعکس بھی ہو سکتے ہیں۔ صرف مثبت پہلو کو ذہن میں رکھو۔ وہ جس نے تمہاری خاطر اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے اسے حوصلہ دو۔ نہ کہ ذہن میں یہ بات رکھو کہ بس آج یا کل تمہاری زندگی کا آخری دن ہے۔ سمجھ میں آیا کچھ......؟" اس نے لہجے کو قدرے خوشگوار بنایا۔

لیکن احمد یار کے چہرے پر مایوسی ہی مایوسی تھی۔ اس کا دل کسی طور اچھا سوچنے پر آمادہ ہی نہ ہو پا رہا تھا۔

☆======☆======☆

"ایک بات کہوں رحمٰن؟" رات جب رحمٰن کمرے میں آیا تو سارہ نے بہت ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔

"ہوں۔" وہ بے حد تھکا تھکا لگ رہا تھا۔ بیڈ پر گر سا گیا۔

"آپ مہرو کی شادی اسی سے کر دیں۔" اس نے بہت آہستگی سے بات مکمل کی تھی۔

رحمٰن جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ "تمہیں اندازہ ہے تم کیا کہہ رہی ہو۔" وہ قہر بار ہوا تھا۔

"ہاں۔ دیکھیں جو رسوائی ہونا تھی ہو چکی۔ کیا اس کو مار دینے سے کھوئی ہوئی عزت واپس آ جائے گی؟ ابھی یہ بات "ملک پور" تک محدود ہے، کل جب دونوں کے قتل کے چرچے ہوں گے تو کہاں تک نہ پہنچیں گے۔ تب پھر کیا ہم سر اٹھانے کے قابل رہ جائیں گے۔ مہرو ابھی نادان ہے، ہو سکتا ہے اس نے احمد جمیل کے اکسانے پر یہ قدم اٹھا لیا ہو، لیکن ہم اسے اچھا برا تو اب بھی سمجھا سکتے ہیں۔ یقیناً وہ کوئی خاندانی شخص نہیں ہو گا ورنہ یوں چور راستے سے آنے کی بجائے سیدھے راستے سے آتا، آپ سے بات کرتا، تب فیصلہ ہوتا لیکن یوں چوری چھپے ہر کام کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مخلص نہیں۔ یہی بات ہم مہرو کو سمجھا سکتے ہیں۔ احمد جمیل کو بلاتے ہیں۔ اگر وہ مخلص ہے تو مہرو کو ہمیشہ کے لیے رخصت کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے کیے گئے فیصلے کا نقصان بھگتے دوسری صورت میں، مہرو کا ابارشن کروا دیتے ہیں۔ سال دو سال میں بات دب

جائے گی، پھر کہیں مناسب رشتہ دیکھ کر شادی کر دیں گے لیکن یوں اس طرح قتل کرنا مناسب نہیں ہے۔ غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے۔ معافی کی جگہ بہر حال ہمیشہ رکھنی چاہیے کہ غلطی کرنے والی اکیلی ہی قصوروار نہیں، کوتاہی ہم سے بھی ہوئی ہے۔''

''ہاں ہم سے کوتاہی ہوئی ہے کیونکہ ہم نے اسے پھولوں کی طرح رکھا۔ اس کی ہر خواہش پوری کی۔ ورنہ جس طرح بیٹیوں کو دبا کر رکھا جاتا ہے، ویسے ہی وہ بھی رہتی تو کبھی یہ قدم نہ اٹھاتی۔ وہ ہمیں ہماری محبت کی سزا دے رہی ہے کسی غیر کی محبت اتنی اہم ہے اس کے لیے کہ ہم سب جنہوں نے سترہ اٹھارہ سال اس کو محبت کی پناہوں میں رکھا، کچھ نہیں رہے اس کے لیے۔'' وہ بھڑک اٹھا تھا۔

''یہی تو اس نے غلطی کی۔'' سارہ متفق تھی۔ ''آپ ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچئے اور کوئی مناسب راہ نکالیے۔ مزید تباہی و بربادی کو راہ مت دیجیے۔''

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بھری پنچایت میں نوری نے جو کیچڑ اچھالی ہے، بابا جان بار ندامت سے جھک گئے ہیں وہ تو اس دن سے کمرے سے باہر نہیں نکلے، لوگوں کی اٹھتی انگلیاں انہیں سر جھکانے پر مجبور کیے ہوئے ہیں۔ وہ ایک لمحے کے لیے مہرو کو معاف کرنے کے روادار نہیں۔ اوپر سے سلیمان لالہ نے مستقل یہیں ڈیرہ جما لیا ہے اور سنو! آج انہوں نے نئی کہی۔ کہتے ہیں وہ سجاول کو ہمیں دینے کو تیار ہیں۔ ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔''

''ان سے کس نے کہا کہ میں...... ماں نہیں بن سکتی۔'' سارہ کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا تھا۔

''خبر نہیں، لیکن یہ خبر ان تک پہنچ چکی ہے۔ ابا جان بھی راضی ہیں۔''

''اور آپ؟'' اس نے سر جھکا لیا۔

''اعتراض کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ آخر وہ اپنے جگر کا ٹکڑا ہمیں دے رہے ہیں۔ ہم سے انہیں کیا مفاد ہو سکتا ہے اور بقول ان کے، ان کے اور بچے ہو جائیں گے۔''

''ہاں بانجھ تو میں ہی ہوں۔'' سارہ نے تھکے تھکے لہجے میں کہہ کر کروٹ بدل لی تھی۔

''تم تو یونہی ہر بات کو دل پہ لے لیتی ہو۔ اگر تم اس بات کے حق میں نہیں ہو تو نہ سہی۔ میں تو تمہاری تنہائی کے خیال سے کہہ رہا تھا۔ پھر جو تم راتوں کو روتی ہو تو کیا سمجھتی ہو میں بے خبر ہوتا ہوں۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں تمہیں کہیں سے بھی اولاد دلا دیتا۔'' رحمٰن ملک کے لہجے میں اداسی اُتر آئی تھی۔ سارہ چپ چاپ لیٹی رہی تو اس نے بھی لائٹ آف کر دی۔

☆=====☆=====☆

''میرے خیال میں سارہ ٹھیک کہتی ہے بابا جان!'' اس نے اپنی سی سعی کر لی تھی لیکن سلطان ملک کچھ بھی سننے کے روادار نہیں تھے۔

''کیا ٹھیک کہتی ہے۔ یہی کہ میں جو رہی سہی عزت ہے اس کو بیچ پنچایت رُلنے کے لیے رکھ آؤں۔ کیا کہیں گے سب؟ بلکہ کہہ رہے ہیں کہ دوسروں کی بیٹیوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے سلطان ملک کی بیٹی کی بات آئی ہے تو وہ گھر میں چھپ کر بیٹھ گیا ہے۔ تمہارے دل میں اگر بہن کی محبت جوش مار رہی ہے تو تم اس کام میں مت آؤ۔ لیکن میرے دل میں اس بیٹی کے لیے ذرا گنجائش نہیں رہی جس نے میری عزت کا خیال نہیں کیا۔ میرے پاس دو دن ہیں۔ احمد جمیل کہیں سے ملتا ہے تو لے آؤ۔ ورنہ پرسوں مہرو مجھے اس حویلی تو کیا اس دنیا میں نظر نہ آئے۔ یہی میرا فیصلہ ہے اور جو کوئی اس فیصلے پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرے گا۔ میں اس کو بھی برداشت نہیں کروں گا سمجھا دینا اس کو۔'' ان کا اشارہ سارہ کی طرف تھا۔ رحمٰن ملک مایوس سا اٹھ گیا۔

رِیت و رواجوں سے انحراف ممکن ہی نہ تھا۔ وہ جانتا تھا بابا جان اس وقت کس آزمائش سے گزر رہے ہیں۔ اپنے ہی ہاتھوں بنائے رسم و رواج تلے ان کا وجود دب رہا تھا اور وہ کسی کو آواز بھی نہ دے سکتے تھے۔ یہ فیصلے تو سالوں سے ہو رہے تھے اور ان پر عملدرآمد کرنے میں ایک لمحہ کی تاخیر برداشت نہ ہوتی تھی اور اب تو پورا ہفتہ ہو چلا تھا۔

گاؤں میں چہ میگوئیاں بڑھ گئی تھیں اور اب یہ چہ میگوئیاں بڑھتے بڑھتے کھلم کھلا گفتگو بن گئی تھیں۔ ہر چوک ہر گھر میں تذکرہ ہونے لگا تھا۔ سلطان ملک کی اونچی پگڑی میں جو داغ لگ چکا تھا وہ کسی طور پر نہیں مٹ سکتا تھا اور اب تو بات انصاف پر آ کر رک گئی تھی۔ دوسروں کے فیصلے بے دریغ کرنے والا، اپنے بارے میں کیوں خاموش تھا؟

''سارہ دروازہ کھلواؤ۔ مجھے آخری بار مہرو سے بات کر لینے دو۔'' رحمٰن ملک نے سارہ سے کہا تو وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ سمجھ گیا۔

''شک کیوں کرتی ہو؟ مہرو کی زندگی میں دو دن کا اضافہ تادمِ تحریر ہے۔'' وہ زہر خند ہوا۔

''میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ رحمٰن ملک کو کوئی اعتراض نہ تھا۔

سارہ نے دروازہ کھولا۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ رحمٰن نے ٹٹول کر لائٹ جلائی۔ وہ ایک کونے میں بیٹھی نظر آ گئی۔ روشنی ہونے پر اس نے سر اٹھایا تھا لیکن اندھیرے سے روشنی تک کے سفر نے اس کی آنکھیں چندھیا دیں۔ سو اس نے دوبارہ گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔

رحمٰن نے پلٹ کر دروازے کی چٹخنی چڑھائی۔ سارہ مہرو کے قریب پہنچ گئی تھی۔

''یہاں کیوں بیٹھی ہو؟'' اس نے بے ملائمت سے پوچھا تھا۔ واحد سارہ تھی جو اس سے نرمی سے بات کرتی تھی اگرچہ پہلے پہل وہ ترش ہوئی تھی لیکن جس دن سلیمان لالہ نے اس کے بال کاٹے تھے، اس دن سے اس کا رویہ از خود نرم پڑ گیا تھا۔ اس نے دھیرے سے سر اٹھایا۔ سارہ کو سامنے پا کر اسے کچھ حوصلہ ہوا۔ ورنہ تو اب ہر آہٹ اسے موت کی آہٹ لگا کرتی تھی۔

''دیکھو مہرو تمہارے بھائی تم سے بات کرنے آئے ہیں۔'' اس نے رحمٰن ملک کی طرف اشارہ کیا۔

وہ اب تک رحمٰن ملک کی موجودگی سے بے خبر تھی، سنتے ہی اس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں لہرا گئیں اس نے قریب بیٹھی سارہ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا، رحمٰن ملک اس کے قریب آ بیٹھا۔

''مہرو مجھے لمبی چوڑی بات نہیں کرنی۔ تم مجھے صرف اس شخص کا نام پتا بتا دو۔ میں اس کو بلا کر تمہیں چوری چھپے یہاں سے رخصت کر دیتا ہوں۔ کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ جان بچانے کا یہی ایک طریقہ ہے، تمہارے پاس صرف آج کا دن ہے، بابا جان نے ہر حال میں تمہیں پرسوں مار دینا ہے، وہ فیصلہ کر چکے ہیں۔ تم سوچ لو۔ رات تک مجھے بتا دینا، اگر تم زندہ رہنا چاہتی ہو تو۔ ورنہ تمہاری مرضی۔ میں تمہارے لیے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں کر سکتا۔'' بات مکمل کر کے وہ اٹھا۔ سارہ بھی اس کے پیچھے تھی۔

مہرو کی نظروں میں بے یقینی تھی۔ یہ سب چال ہے، احمد جمیل کو بلوانے کی۔ اس کے دل نے کہا۔ نہیں وہ یہ Risk کبھی نہیں لے گی۔ دیوار سے سر ٹیکتے ہوئے اس نے فیصلہ کیا۔

''سارہ آئے گی رات کو۔'' رحمٰن ملک نے باہر نکلتے ہوئے کہا تھا۔

لیکن اسے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ بلکہ اب اسے کسی بھی کچھ غرض نہ رہی تھی۔ نوری نے جس طرح اس کے اعتبار کو دھوکہ دیا تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ تو دوستی کے بڑے بڑے دعوے کرتی تھی۔ اسے حوصلہ دینے والی وہی تو تھی ورنہ اس میں ہمت کہاں تھی کہ وہ اس حویلی کی دیواریں پار کرنے کے بارے میں سوچ بھی سکتی اور اب اسے خود پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس نے کیسے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا تھا۔ حویلی سے باہر جا کر وہ نکاح کر آئی تھی۔ ایک بچے کو جنم دینے چلی تھی۔ جو شاید...... اس کے لبوں سے سرد آہ نکلی۔ کیسا ہو گا وہ بچہ جو اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی موت کو گلے لگائے گا۔ اسے ایک دم ہی اس بچے سے بے پناہ محبت محسوس ہوئی۔

اسے لگا اس کے ننھے منے ہاتھ اس کے چہرے کو چھو رہے ہیں۔ وہ اس کی گود میں قلقاریاں مار رہا ہے اس نے ہاتھ سے اس نادیدہ لمس کو چھونا چاہا لیکن ناکام رہی۔ خیال تو خیال ہوتا ہے، کہیں بھی لے جا سکتا ہے۔

لیکن ابھی ابھی جس لمس کی حدت سے وہ آشنا ہوئی تھی وہ اس کی سوچ تبدیل کرنے لگا تھا۔ اس کا دل زندہ رہنے کو چاہنے لگا تھا۔ وہ اپنے بچے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کا لمس محسوس کرنا چاہتی تھی۔

''نہیں مجھے نہیں مرنا۔ میں اپنے بچے کے لیے زندہ رہوں گی، میرا بچہ بھی زندہ رہے گا۔'' اس نے بیٹھے بیٹھے فیصلہ کر لیا اور اب اس فیصلے کو کوئی نہیں بدل سکتا تھا۔

☆======☆======☆

''کیسے ہو احمد یار؟ خیریت تو ہے؟'' یوں اچانک احمد یار کو سامنے پا کر رحمٰن ملک چونک سا گیا تھا۔

''آں...... ہاں...... ہاں۔ سب خیریت ہے۔'' احمد یار نے زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر لا کر کہا۔

''گھر میں سب ٹھیک ہے؟'' اس کی کھوئی کھوئی کیفیت رحمٰن کو تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔

''ہاں۔ سب ٹھیک ہے میں تو تمہارا پتا کرنے آیا تھا یونیورسٹی کیوں نہیں آ رہے۔ اس دن بھی بغیر بتائے چلے آئے۔ عزیز کو بھی پریشانی تھی۔ میں ادھر کام سے آیا تھا۔ سوچا پتا کرتا چلوں۔ خیریت تو ہے؟'' اس نے کسی حد تک خود پر قابو پا کر کہا تھا۔

''ہاں بس کچھ گھریلو پریشانیاں۔ بابا جان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ تم آج رک جانا۔ کل شام کو اکٹھے ہی واپس چلیں گے۔'' رحمٰن نے پروگرام ترتیب دے لیا۔ مہرو نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ رات سارہ پھر گئی تھی لیکن اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا اور کہہ دیا تھا وہ کوئی بات نہیں کرنا چاہتی اور رحمٰن ملک کو اس کا انجام یقینی نظر آ رہا تھا لیکن اس میں ہمت نہیں تھی کہ اپنی آنکھوں کے سامنے مہرو کو مرتا دیکھے۔ اس لیے اس نے سوچا تھا کہ وہ بابا جان سے معذرت کر لے اور واپس چلا جائے۔ ملازم شربت لے کر آیا تو رحمٰن نے اسے رات کے کھانے کی تیاری کا بھی کہہ دیا۔

''عزیز کا کیا حال ہے؟ اسے بھی لیتے آتے۔'' رحمٰن نے کہا اور شربت کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

"میں نے تو کہا تھا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اصل میں رحمٰن مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے۔" جی کڑا کر کے اس نے تمہید باندھی تھی۔

"ہاں ہاں کہو۔" وہ منتظر ہوا۔ اسی دم ملازم اندر داخل ہوا۔

"سائیں آپ کو ملک صیب فوراً بلاتے ہیں۔"

"طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا پھر احمد یار سے معذرت کرتا باہر نکل گیا۔ احمد یار نے بڑی مشکل سے ہمت مجتمع کی تھی اس کے جاتے ہی پھر ختم ہو گئی۔

وہ کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔ اس کی چھٹی حس بار بار اسے خطرے کی نشاندہی کر رہی تھی اور وہ اس کی تصدیق کرنے ہی یہاں تک چلا آیا تھا۔ حالانکہ عزیز احمد نے اسے بہتیرا منع کیا تھا، لیکن وہ مہرو کی خاطر یہاں چلا آیا تھا۔ آتے ہی وہ جیرو کے گھر گیا تھا اور جیرو اسے دیکھ کر جس طرح گھبرایا تھا اس کے شک کو مزید تقویت ملی تھی۔

"سب خیریت ہے جیرو؟" اس نے پوچھا تھا اور جیرو نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

پھر وہ اسے اندر بیٹھک میں لے گیا تھا۔

"بہت گڑبڑ ہو گئی ہے صاحب۔" اس نے سرگوشی میں بتایا تھا۔ "وہ نوری اُلو کی پٹھی خود تو پھنس گئی تھی، لیکن اس نے آپ لوگوں کا نام بھی لے دیا ہے۔ مجھے بہت شرمندگی ہے۔ ملک صیب آپ کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ ہم سب کو سزا سنائی گئی ہے۔ جس دن آپ انہیں مل گئے، ہم سب کو گولی ماردی جائے گی۔ یہاں کے رسم و رواج کے مطابق۔"

"بی بی صاحبہ نے ابھی تک آپ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ ملک صاحب نے مجھے شہر بھیجا تھا آپ کی تلاش کے لیے، لیکن میں نے آ کر کہہ دیا کہ آپ وہ جگہ چھوڑ گئے ہو۔ حالات بہت خطرناک ہیں آپ جس طرح آئے ہو اسی طرح چپ چاپ نکل جاؤ۔ اسی میں بہتری ہے۔" اس نے تفصیلاً بتا کر مشورہ دیا تھا۔

"اور مہرو۔ اس کا کیا بنے گا؟"

"میں نئیں جانتا صیب لیکن آپ یہاں سے چلے ہی جاؤ تو بہتر ہے۔"

اور وہ اٹھ آیا لیکن باہر نکلتے ہی اس کے قدم آپوں آپ حویلی کی طرف اٹھنے لگے تھے اور چلتے چلتے اس نے سوچا وہ رحمٰن ملک کو ساری حقیقت بتا دے گا۔ وہ کہہ دے گا مہرو بے قصور ہے۔ سارا گناہ اسی کا ہے۔ شاید رحمٰن ملک اسے معاف کر ہی دے۔ مہرو کی جان بھی بچ جائے اور اس ننھے وجود کی، لیکن سوچنے میں یہ بات جتنی آسان تھی کہہ دینے میں اتنی ہی مشکل۔ وہ کتنی دیر لفظوں کے انتخاب میں الجھا رہا جس سے بات کی سنگینی کا احساس کم ہو لیکن ہر لفظ اتنا ہی

جلتا ہوا تھا جتنی کہ حقیقت لیکن یہ کہ اور کوئی راہ بھی نہ تھی۔

اس کے خیالات کا تسلسل رحمٰن ملک کی آمد سے ٹوٹا۔ پیچھے سلطان ملک بھی تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ "وعلیکم السلام" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے آگے بڑھنے سے روکا۔ دونوں کے چہروں پر عجیب سے تاثرات تھے۔ وہ ایک ٹک احمد یار کی شکل دیکھ رہے تھے۔ احمد یار کا دل بڑی زور سے دھڑکا۔ اس نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔ دونوں کی چپ اسے ہولانے لگی۔

"تم اکیلے ہی آئے ہو احمد یار؟" سلطان ملک نے خاموشی کا قفل توڑا۔

"جی۔ بابا سائیں!" اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"ہونہہ!" انہوں نے سر کو جھٹکا پھر دھیرے دھیرے چلتے صوفے پر جا کر بیٹھ گئے۔ رحمٰن البتہ وہیں کھڑا تھا۔

"میرا مطلب ہے، گاؤں میں داخلے کے وقت تمہارے ساتھ کوئی اور تو نہیں تھا" ان کا اگلا سوال یہ تھا۔

"نہیں بابا سائیں۔ میں اکیلا ہی آیا ہوں۔" سلطان ملک نے شاید اس کی کہی بات کو جانچا پھر رحمٰن کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔

"رحمٰن۔ پھر اسے بتاؤ کہ یہ کون ہے؟"

"جی!" احمد یار نے چونک کر باری باری دونوں کو دیکھا۔

"کیا تم ہی احمد جمیل ہو؟" رحمٰن ملک کا لہجہ اتنا سرد تھا کہ احمد یار کی روح تک کانپ گئی۔ سارے حوصلے ہوا ہو گئے۔ کئی لمحہ اس بولا ہی نہیں گیا۔

"خاموش کیوں ہو بتاؤ۔ تم احمد جمیل ہو؟" رحمٰن ملک دھاڑا تھا۔

"نہیں!" اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

"جھوٹ بکتے ہو تم کیا تم ابھی جیرو سے مل کر نہیں آئے؟" سلطان ملک کا جاہ و جلال بھی جاگا۔

"نہیں میں سیدھا یہیں پر آ رہا ہوں۔ مجھے رحمٰن ملک سے کچھ کام تھا۔ میں احمد یار ہوں رحمٰن ملک تم جانتے ہو اور یہ احمد جمیل کون ہے خیریت تو ہے ناں؟" اس نے بہت جلدی خود کو سنبھالا تھا۔

"بابا سائیں خیر دین کو غلط اطلاع ملی ہوگی۔ آپ چلیں آرام کریں۔" رحمٰن ملک ایک دم ملائم پڑ گیا۔

"نہیں رحمٰن یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے، یہ وہی ہے، یہی ہے تمہارے اعتماد کا قاتل، اسی نے ڈسا ہے اس گھر کو۔ تم نے دوست کو بھائی سمجھ کر گھر میں داخل کیا تھا اور اسی نے تمہارے گھر میں نقب لگالی۔ اسے ایک منٹ کی رعایت مت دو۔ اس کو ابھی گولی مارو۔ بلاؤ اس بدبخت کو وہ اسے پہچان لے گی اور یہ بھی جان لے گی کہ اس نے کتنا گھاٹے کا سودا کیا ہے۔ بلاؤ اس کو۔" وہ چیخے۔ رحمٰن آگے بڑھ آیا۔

"دھیرج بابا جان۔ میں پتا لگانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر وہ اس حویلی میں آیا ہے تو بچ کر نہیں جاسکتا۔ آپ چلیں۔ میں ابھی دیکھ لیتا ہوں۔" رحمٰن نے انہیں بازو سے پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ وہاں سے ہلنے کو ہرگز تیار نہ تھے۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔ تم اس سے اگلواؤ بلکہ مہرو کو بلاؤ۔ بھاگی...... بھاگی۔"

بھاگی گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"جج۔ جی ملک صیب؟"

"مہرو کو لے آؤ!" انہوں نے حکم صادر کیا۔ وہ گھبرا کر ان کی شکل دیکھنے لگی۔ مہرو اور مردان خانے میں وہ بھی ایک غیر مرد کی موجودگی میں۔

"سنا نہیں تم نے، مہرو کو لے آؤ......؟" اسے وہیں جما دیکھ کر وہ دھاڑے۔ بھاگی اُلٹے قدموں لوٹ گئی۔ احمد یار بے دم سا کھڑا تھا اور رحمٰن ملک کی آنکھوں میں ڈھیروں اداسیاں اُتر آئی تھیں کوئی پندرہ منٹ بعد بھاگی اندر داخل ہوئی۔ اس نے دروازے کی سمت دیکھا۔ مہرو نہیں تھی۔ بھاگی ہراساں تھی۔

"آئی نہیں مہرو؟" سلطان ملک گرجے۔

"وہ جی ملک صیب...... چھوٹی بی بی...... آپ خود ہی دیکھ لو۔" اس کی زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ سلطان ملک غصے سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ بھاگی بھی پیچھے آئی۔ مہرو کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور سارہ کمرے کے بیچ و بیچ ہراساں و پریشان کھڑی تھی۔

"کدھر ہے مہرو؟" سلطان ملک نے دروازے میں کھڑے ہو کر پوچھا تھا اور سارہ نے ہاتھ سے کھلی کھڑکی کی طرف اشارہ کر دیا۔

"مہرو بھاگ گئی بابا سائیں۔" سارہ نے مرے مرے لہجے میں کہا تھا اور سلطان ملک کا جاہ و جلال دروازے کے بیچ آرہا تھا۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے گرتے چلے گئے تھے۔

☆======☆======☆

اس نے حویلی سے دوسری بار قدم نکالے تھے۔ ایک بار جب وہ احمد جمیل کے کہنے میں آ

کر گئی تھی اور زندگی کا سب سے بڑا قدم اٹھا آئی تھی اور دوسری بار اب۔ قدم اب بھی احمد جمیل کے لیے ہی اٹھے تھے لیکن اب وہ جان بچانا چاہتی تھی۔ وہ ایک بار کسی نہ کسی طرح احمد جمیل تک پہنچنا چاہتی تھی لیکن اس کا اکیلے پہنچنا ناممکن تھا۔ وہ تو صرف اس سڑک سے واقف ہوئی تھی اور وہ بھی اندھیرے اور برستی بارش میں۔ ذہن میں گونجتے احمد جمیل کے الفاظ تھے۔

"اگر کبھی تمہیں لگے کہ تم حویلی میں محفوظ نہیں ہو۔ تو تم یہاں چلی آنا۔ یہ گھر تمہیں پناہ دے گا۔"

"مگر ہم تو راستوں سے ناواقف ہیں۔" اس نے بوجھل پلکیں اٹھائی تھیں۔

"باغ کے پچھواڑے والی سڑک سیدھی اس کھوہ پر آکر ختم ہوتی ہے۔ کھوہ کے دائیں جانب جو بڑا درخت ہے اس کے نیچے ایک چھوٹا سا نالہ ہے۔ اس نالے کو عبور کر کے تم جس پگڈنڈی پر پہنچو گی وہ سیدھی اس گھر کو آئے گی۔ تمہارے گھر والے کبھی اس جگہ کے بارے میں سوچ نہیں سکتے۔"

احمد جمیل نے اسے تفصیلاً سمجھایا تھا اور اب وہ اسی سڑک پر چلی جارہی تھی۔

اس نے حتی الامکان اپنا حلیہ بدل لیا تھا۔ سب سے پرانا سوٹ پہن کر اوپر اس نے بستر سے ہی چادر اتار کر اوڑھ لی تھی۔ کپڑوں اور دوسری ضروری اشیاء کی گٹھڑی بنا کر بغل میں داب لی تھی۔ چہرہ چادر سے ڈھانپ رکھا تھا۔ چال بھی حتی الامکان بدل لی تھی۔ سڑک پر اس وقت کوئی بھی نہ تھا یہ بھی غنیمت تھا لیکن یہ کہ اس کی ٹانگیں چل چل کر تھکنے لگی تھیں اور کھوہ ابھی تک نظر نہ آیا تھا۔ اس نے ذرا رک کر اِرد گرد نظر دوڑائی۔ دور تک ویرانی تھی۔

پیاس سے اس کے حلق میں کانٹے پڑنے لگے تھے۔ اس کا جی چاہا وہ کچھ دیر بیٹھ کر ستالے لیکن اگلے ہی پل پکڑے جانے کا خوف دامن گیر ہو گیا۔ اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا خالی سڑک تھی۔ وہ اس وقت گھر سے نکلی تھی جب اسے یقین تھا کہ سب سو رہے تھے اس کا خیال تھا کہ وہاں سب کے جاگنے سے پہلے ٹھکانے پر پہنچ جائے گی۔ ویسے بھی رات سے پہلے کسی نے کمرے میں نہیں جھانکنا تھا، لیکن اسے مسافت کا اندازہ نہیں تھا۔ اس نے غور بھی نہیں کیا تھا لیکن اب اسے شدید تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود اس نے قدموں میں تیزی لانے کی کوشش کی، لیکن قدم اٹھنے سے انکاری ہو رہے تھے۔ ایک تو ادھر کوئی تانگہ وغیرہ بھی نہیں آتا تھا۔ ورنہ وہ اسی پر بیٹھ جاتی، دن ڈھلنے لگا تھا۔ پتا نہیں ابھی اور کتنی دیر چلنا پڑتا تب ہی کھوہ نظر آگیا۔ سڑک سے ذرا ہٹ کر دائیں طرف درختوں کے جھنڈ کے بیچ میں وہ کھوہ تھا۔ اسے بے پناہ مسرت نے آگھیرا اس کے قدموں میں خود بخود تیزی آگئی تھی۔ لوہے کے دروازے پر

دستک دیتے ہوئے وہ واہموں میں گھری ہوئی تھی پتا نہیں یہ کون لوگ تھے اور اس کے یوں چلے آنے پر اس کو رکھنے پر تیار بھی ہوتے ہیں یا نہیں اور کیا خبر وہ انکار ہی کر دیں۔ تب وہ کدھر جاتی۔ دروازہ زوردار آواز سے کھل گیا تھا۔ وہ کھلے دروازے کے درمیان کھڑی اندر دیکھے جا رہی تھی۔ سامنے بنے چبوترے پر کچھ بچیاں قرآن شریف پڑھ رہی تھیں۔ ان کے ساتھ ہی ایک نہایت ضعیف عورت بیٹھی برتن میں کچھ کاٹ رہی تھی۔ اچانک ہی اس کی نظر مہرو پر پڑی تو وہ چھری ہاتھ میں پکڑے پکڑے دروازے پر چل آئی۔ اس کے سراپے پر نظر ڈالی کر پوچھنے لگی۔

''تُو کون اے دھی رانی؟'' (بیٹی تم کون ہو)

''میرا نام مہرو ہے مجھے احمد جمیل...... میں احمد جمیل کی بیوی ہوں۔ ہماری شادی یہیں ہوئی تھی۔'' اس نے اٹک اٹک کر بتایا اسے سمجھ آئی یا نہیں لیکن اس نے راستہ ضرور دے دیا۔

''لنگھ آ دھی رانی تیرا اپنا گھر اے۔'' (آجاؤ بیٹی تمہارا اپنا گھر ہے)

اسے ایک کمرے میں بٹھا کر وہ ستو کا شربت بنا لائی۔

''لگدا اے بڑی دور توں آئی اے۔ تیرا گھر والا کتھے اے؟'' (لگتا ہے بڑی دور سے آئی ہو۔ تیرا گھر والا کہاں ہے؟)

اسے شربت پیتے اچھو ہو گیا۔

''دیکھ کے دھی رانی۔'' (دھیان سے بیٹی) اس نے مہرو کی کمر پر تھپکی دی۔

شربت پی کر وہ وہیں چارپائی پر لیٹ گئی کہ اس کی کمر میں شدید درد ہونے لگا تھا۔

اماں اس کو دستی پنکھا دے کر دروازہ تھوڑا سا بند کر کے چلی گئی۔

وہیں لیٹے لیٹے اسے جانے کب نیند آ گئی۔ دوبارہ آنکھ شور کی وجہ سے کھلی۔ کمرے میں ہلکا ہلکا اندھیرا تھا باہر کوئی زور زور سے بول رہا تھا۔ وہ اٹھ کر دروازے کی سمت آئی۔ ادھ کھلے دروازے سے اس نے باہر جھانکا۔ صحن کے عین بیچ میں لگے شہتوت کے درخت کے نیچے بچھی چارپائی پر کوئی دوسری جانب منہ کیے بیٹھا تھا۔ سامنے چولہے کے قریب وہی قریب عورت بیٹھی تھی۔

''بس پتر۔ سجن ہووے یا دشمن۔ رب سائیں سب دیاں عزتاں رکھے۔'' (بیٹا کوئی دوست ہو یا دشمن رب سب کی عزت رکھے۔) وہ بولی تھی۔

''آہو بے بے۔ ایہہ وڈے لوگ تاں رب توں بھل ای جاندے نیں۔'' (ہاں اماں۔ یہ بڑے لوگ تو رب کو بھول جاتے ہیں)

مہرو کو لگا جیسے موضوعِ سخن وہی ہو۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ اسے شدید پیاس محسوس ہوئی تھی۔ دروازہ کھلنے کی چرچراہٹ پر دونوں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

آدمی کے چہرے پر حیرانی کا تاثر واضح تھا۔ عورت کے چہرے پر البتہ ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

''لے دھی رانی۔ یہ اللہ بھرایا ہے۔ اس نوں دس کہ تو کون ایں؟'' (لو بیٹی یہ اللہ بھرایا ہے۔ اس کو اپنے بارے میں بتاؤ)

وہ بتانے لگی۔ ''اوہو۔'' وہ چونکا۔

''بی بی صیب ہوتسی۔ اماں کوئی خدمت کیتی؟'' وہ چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا اور اندر سے بستر لا کر بچھانے لگا۔

''بیٹھو بی بی صیب۔'' بستر بچھا کر وہ ایک طرف مؤدب کھڑا ہو گیا۔

اس نے آہستگی سے سب کچھ بتا ڈالا کہ ان کو اعتماد میں لیے بغیر چارہ نہ تھا۔

''بے فکر رہو بی بی! یہ تمہارے بھائی کا گھر اے۔ احمد بھرا کے آنے تک تم یہاں رہو۔ سکون سے۔'' اس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کا دماغ ایک دم ہلکا پھلکا سا ہو گیا تھا۔ رات وہ بڑے سکون سے سوئی تھی۔

☆======☆======☆

''میں نے سوچا تھا احمد جمیل کہ مہرو کو خاموشی سے تمہارے ساتھ رخصت کر دوں گا۔ اسی لیے میں بابا کے سامنے ٹال رہا تھا۔ ورنہ میں جانتا تھا خیر دین کی لائی خبر جھوٹ نہیں تھی کیونکہ اسے ہم نے اسی لیے جیرو کے پیچھے لگا رکھا تھا کہ تم اس سے ملنے ضرور آتے...... لیکن بتاؤ مہرو کو کون لے کر گیا ہے، عزیز احمد۔ ہاں وہ ہی تمہارے ہر کام کا رازدار ہو گا بلکہ اس نکاح کا ایک گواہ بھی تو ہو گا۔ بہت بڑی چوٹ کھائی میں نے اعتماد کر کے۔ میں نے تم کو دوست نہیں بھائی سمجھا تھا۔

اپنے گھر میں داخل کیا تھا اور تم نے میرے ہی گھر کو لوٹ لیا۔ تم نے تھوڑی سی ہی شرم کی ہوتی۔ تباہ کر دیا تم نے ہم سب کو۔ کیا بگاڑا تھا ہم نے تمہارا؟'' رحمٰن ملک کی نظریں سر جھکائے کھڑے احمد یار پر تھیں۔ وہ ابھی ابھی ہاسپٹل سے آیا تھا۔ جہاں بابا جان ایڈمٹ تھے۔ انہیں شدید قسم کا اٹیک ہوا تھا۔

''رحمٰن۔ میرا یقین کرو۔ میں آج تم سے یہی بات کرنے آیا تھا۔ مانا مجھ سے غلطی ہوئی لیکن میں بے بس ہو گیا تھا۔ تم شاید میری کیفیت کو نہ سمجھ سکو، لیکن میرے پاس اس کے

کوئی چارہ نہ تھا۔ میں تم سے بھیک مانگتا ہوں مہرو اور اپنے بچے کی زندگی کی۔ ہمیں بخش دو۔“ اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

”تم اچھی طرح جانتے ہو احمد یار۔ ہمارے رواج کے مطابق اس گناہ کی سزا کیا ہوتی ہے۔ مہرو کو کہاں بھیجا ہے۔ سیدھی طرح بتا دو۔“ رحمٰن کے لہجے میں ذرا بھی لچک نہ تھی۔

”میں نہیں جانتا مہرو کہاں ہے۔ ہمیں ملے کافی عرصہ ہو گیا ہے۔ نکاح کے بعد میں آج یہاں آیا ہوں۔“

”تم مزید جھوٹ مت بولو۔“ وہ دھاڑا۔ ”مجھے ہر حال میں مہرو چاہیے۔ بتاؤ کدھر ہے وہ ورنہ تمہیں میں ابھی مار ڈالوں گا۔“ وہ بے حد غیض کے عالم میں تھا۔

”میرا یقین کرو رحمٰن ملک۔ میں مہرو کے بارے میں لاعلم ہوں۔“ وہ جھنجلایا تھا۔

”اللہ وسایا۔ اللہ وسایا۔“ رحمٰن ملک باہر منہ کر کے چلایا تھا۔

اللہ وسایا بھاگتا آیا۔

”اسے ڈیرے پر پہنچا دو۔ ابھی اسی وقت۔“

”نہیں رحمٰن۔ میں مہرو کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ تم میرے دوست ہو، میں جھوٹ نہیں بول رہا۔“ اللہ وسایا کے مضبوط بازوؤں میں اس کا کمزور وجود جکڑا گیا تھا۔

”تم نے دوستی کے نام کو گالی دی ہے۔ ایسی گالی جو مدتوں یاد رکھی جائے گی۔ آج سے ہم میں کوئی پہلا رشتہ نہیں رہا اور نہ ہی مجھ سے کسی رعایت کی توقع رکھنا۔“ وہ پھنکارا تھا۔

اللہ وسایا اسے گھسیٹتا ہوا باہر لے گیا تھا۔

☆======☆======☆

”میں ٹیلی فون کیتا اے بی بی۔ پر او کیندے نیں احمد جمیل بڑے دِناں توں گھر نہیں آیا۔“ (میں نے ٹیلی فون کیا ہے لیکن وہ کہتے ہیں احمد جمیل کئی دنوں سے گھر نہیں آیا۔)

اللہ بھرایا اسے بتا رہا تھا۔

”دوسرا...... دوسرے نمبر پر کرنا تھا۔ ریڈیو کے نمبر پر۔“ وہ مضطرب ہوئی تھی۔

”او تاں جی آواز ای نئیں سندے۔ شاں شاں ٹاں ٹاں دیاں آوازاں آوندیاں نیں بس۔“ (وہ تو آواز ہی نہیں سنتے۔ بس شاں شاں ٹاں ٹاں کی آوازیں آتی ہیں۔)

یہاں رہتے اسے کافی دن ہو گئے تھے اور وہ چاہتی تھی کہ جلد از جلد احمد جمیل کے پاس پہنچ جائے۔ کچھ اس کی حالت بھی ایسی تھی۔ اسے احمد جمیل کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی تھی اور پھر ان لوگوں پر بوجھ بننا اسے کچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔ اگرچہ وہ اس کا پورا خیال رکھنے کی کوشش

کرتے تھے۔ اللہ بھرایا اس کے لیے پھل بھی لے کر آتا تھا اس کے لیے الگ سے مرغی کا سالن بھی بنتا تھا لیکن اسے بڑا عجیب سا محسوس ہوتا۔ اگرچہ اللہ بھرایا کے باپ نے بہت شفقت سے کہا تھا۔ ”یہ گھر تمہارے شایانِ شان تو نہیں بیٹی لیکن یہ گھر تمہیں کبھی بے سائبان نہیں کرے گا۔“

وہ ان کی اتنی محبتوں کے آگے شرمندہ بھی ہوتی رہتی۔

اس دن اللہ بھرایا آیا تو بڑا خوش تھا۔ وہ صحن میں پڑی چارپائی پر لیٹی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ بیٹھی۔

”بوجھو تو بی بی بھلا کون آیا ہے؟“ وہ اس کے سامنے والی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”کون احمد جمیل......؟“ اس کی آنکھیں چمکی تھیں۔

”بھرا عزیز احمد......“ وہ مسکرایا۔ ”تمہارا پوچھتا آیا ہے۔ میں اس کو بیٹھک میں بٹھا آیا ہوں۔“

”اچھا!“ وہ ایک دم ہی ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔

”احمد جمیل کے بارے میں پوچھنا تھا۔“

”وہ تیرے کو بلاتا ہے۔ میں اماں کو چائے پانی کا بول دوں۔ تُو آ جا۔“ وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔ مہرو کچھ دیر سوچتی رہی۔ ”احمد جمیل خود کیوں نہیں آیا۔ عزیز احمد کیا کرنے آیا ہے۔“ اس نے چادر سے اپنے نمایاں ہوتے وجود کو لپیٹا اور بیٹھک میں آ گئی۔ اوائل سردیوں کے دن تھے۔ بیٹھک میں بھی ہلکی ہلکی ٹھنڈک تھی۔ اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر اندر جھانکا۔

عزیز احمد کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ کھٹکے پر چونکا۔ اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی اس کے سامنے والی چارپائی پر آ کر بیٹھ گئی۔

عزیز احمد کی نظریں نیچی ہی تھیں جانے کیوں اسے احتمال تھا کہ اگر وہ نظر اٹھائے گا تو سب کچھ بھسم ہو جائے گا۔ مہرو کچھ دیر اس کے بولنے کی منتظر رہی۔ پھر خود ہی پہل کی۔

”احمد جمیل نہیں آیا؟“

”جی؟“ وہ چونکا تھا۔ ”احمد جمیل یہاں نہیں ہے کیا؟“ وہ زیر لب بڑبڑایا تھا۔

”آپ کب سے ادھر ہیں؟“

”ڈیڑھ دو ماہ سے، ہم نے احمد جمیل کو بہت فون کیے، لیکن وہ کہتے ہیں کہ احمد جمیل نہیں ہے۔ ہمیں تو سمجھ نہیں آتی احمد جمیل ہم سے ملنے کیوں نہیں آ رہا۔“ وہ مضطرب انداز میں انگلیاں

چٹخا رہی تھی۔

"احمد جمیل اتنے ہی عرصہ سے غائب ہے، وہ آپ کی خبر لینے گاؤں آیا تھا۔ اس کے بعد واپس نہیں آیا میں تو یونہی اندازے سے یہاں چلا آیا کہ شاید حالات ایسے بن گئے ہوں کہ آپ دونوں کو روپوش ہونا پڑا ہو۔ کیونکہ اس نے مجھے یہاں کا کہہ رکھا تھا۔" عزیز احمد فکرمندی سے گویا ہوا تھا۔

گاؤں جانے کے نام پر اس کی چھٹی حس بیدار ہوئی تھی، کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ گاؤں آیا اور رحمٰن ملک اور بابا جان نے اسے...... اس سے آگے وہ سوچ نہ سکی۔ اس نے زور سے سر جھٹکا۔

"آپ نے گاؤں سے پتا کرنا تھا۔"

"ہاں اب وہیں جاتا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں کچھ نہ کچھ کرتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی وقت اللہ بھرایا چائے لے کر اندر داخل ہوا۔

"بیٹھو بھرا۔ سوکھے منہ بھاگ رہے ہو۔ چائے بننے میں دیر ہو گئی۔ رات مینہ آ گیا تھا۔ ساری لکڑیاں بجھ گئیں۔" اس نے چائے رکھتے ہوئے سادگی سے بتایا۔ تو اس نے سر ہلا دیا۔

پھر چائے پیتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مہرو کو ایک بار پھر تسلی دی لیکن اس کا وہم اس کے چہرے سے ہویدا تھا۔ اللہ بھرایا اسے باہر تک چھوڑنے آیا۔

"ایک بات کہوں بھرا عزیز؟" راستے میں اللہ بھرایا نے کہا۔ "تم ملک پور مت جانا......"

"کیوں؟" اس نے چونک کر اللہ بھرایا کی طرف دیکھا۔

"وہ جی۔ میں نے بی بی صیب کو کچھ نہیں بتایا۔ وہ جی میں ادھر سواریاں چھوڑنے گیا تھا۔ تو میں نے خبر سنی تھی کہ ملک صاحب نے احمد جمیل نوری اور جیرو کو گولی مار دی ہے۔ ادھر ملک صیب بڑے غصے میں ہیں۔ آپ ملک پور نہ ہی جاؤ تو اچھا ہے۔" اللہ بھرایا نے تفصیلاً بتایا۔

احمد جمیل کے بارے میں سن کر اس کے دل کو دھچکا لگا تھا، لیکن پھر اس نے خود کو سنبھال دیا۔

"نہیں اتنی جلدی وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ جب تک انہیں مہرو نہیں مل جاتی وہ احمد جمیل کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

"میرے پاس بڑی پکی خبر ہے جی۔" وہ رازدارانہ انداز میں گویا ہوا۔

"وہ ادھر میرے مامے کا پتر ملک صیب کا خاص بندہ ہے اس نے ہی بتایا کہ ملک صیب احمد جمیل کے دوست عزیز احمد پر شک کر رہے ہیں کہ احمد جمیل کے کہنے پر وہ مہرو بی بی کو لے کر

بھاگا ہے احمد جمیل کو تو جی اس کی آنکھوں کے سامنے مارا ہے چھوٹے ملک صیب نے۔"

"کیا......؟" اس کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔ یہ خبر اس کے لیے غیر متوقع تھی۔ وہ سنبھلنے کے لیے پگڈنڈی کے ایک طرف بنے چھوٹے چبوترے پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے سر اٹھایا۔

"اللہ بھرایا۔ تم فی الحال یہ خبر مہرو بی بی کو مت دینا۔ میں کچھ ضروری کام نمٹا کر ایک دو دن میں واپس آتا ہوں۔ تم تب تک مہرو کی حفاظت کرنا اور اگر کوئی خطرے کی بات ہو تو مجھے اس نمبر پر فون کر دینا۔ یہ میرے گھر کا پتا ہے۔ اگر یونیورسٹی میں نہ ہوں تو پھر گھر سے پتا کر لینا۔" اس نے ایک کاغذ پر جلدی جلدی لکھ کر اللہ بھرایا کی طرف بڑھایا تھا۔

"آپ بے فکر رہو۔ بی بی میری بھی بھین (بہن) ہے۔" اللہ بھرایا نے تسلی دی تھی۔ پھر راستے پھر اس کا ذہن تانے بانے بنتا رہا تھا۔

یہ خبر احمد جمیل کے گھر والوں کے لیے قیامت سے کم نہ ہوتی۔ اس میں حوصلہ نہ تھا کہ وہ جا کر اس کے گھر والوں کو اس کی موت کی اطلاع دیتا۔ ابھی تو وہ اس کے لوٹ آنے کے منتظر تھے۔ وہ کئی بار اس کے گھر گیا تھا اور ہر بار اس کے والد نے روتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ شاید ناراض ہو گیا ہے۔ کہتا تھا گلوکار نہیں بنے گا۔ میری ضد نے ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ اسے کہہ دو۔ بے شک گانا چھوڑ دے لیکن گھر آ جائے۔ ہمارا اس کے سوا اور کوئی سہارا نہیں ہے۔"

اور اب وہ کس طرح اس لاچار باپ کو بتاتا کہ تمہارا سہارا خاندانی رسم و رواج کی بھینٹ چڑھ گیا ہے وہ محبت کی سولی پر مصلوب ہو گیا ہے۔ اس نے ایک محبت پانے کے لیے ساری محبتیں، سارے رشتے داؤ پر لگا دیئے ہیں۔ پتا نہیں یہ سب کچھ کرتے ہوئے اس نے اپنے پچھلوں کے بارے میں کیوں نہیں سوچا۔

سوچوں کا ایک جال تھا جو اس کے دماغ کو آکٹوپس کی طرح جکڑ رہا تھا اور سب کچھ گڈمڈ ہو رہا تھا۔ احمد۔ احمد جمیل۔ مہرو۔ احمد جمیل کے گھر والے اور احمد جمیل کا آنے والا بچہ۔ ان کے حصے میں کیا آیا تھا۔ کیا آنے والا تھا۔ محرومیاں اور بس محرومیاں۔

☆======☆======☆

وہ سردیوں کی بے حد سرد شام تھی جب مہرو نے ایک بیٹی کو جنم دیا۔ احمد جمیل نہیں آیا تھا۔

گویا اس کے ساتھ دھوکا ہوا تھا۔ وہ جس شخص پر بھروسہ کر کے سب کچھ چھوڑ آئی تھی اسی نے ہی پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔ وہ بار ہا عزیز احمد سے پوچھ چکی تھی اور ہر بار اس کا یہی جواب ہوتا۔

''وہ وہاں سے کہیں اور چلا گیا ہے کہاں یہ کوئی نہیں جانتا۔''

اب تو وہ رونا بھی چھوڑ چکی تھی۔ کب تک روتی، عزیز احمد ہر ہفتے اس کی خبر گیری کو آتا تھا۔ وہ اس کی بیٹی کے لیے بہت سے کھلونے لے کر آیا تھا۔ وہ اداس ہوگئی۔

''یہ سب احمد جمیل کو لے کر آنا چاہیے تھا۔''

عزیز احمد نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیا میرا کوئی حق نہیں یا تمہیں میرے خلوص پر شک ہے؟''

''نہیں۔ اگر ہمیں پتا ہوتا احمد جمیل ہمیں دھوکا دے گا تو ہم کبھی اس کی بات نہ مانتے۔ تم بھی تو تھے۔'' اس کے لہجے میں پچھتاوے اترنے لگے تھے۔ عزیز احمد تڑپ گیا۔

''ہرگز نہیں، یہ کس نے کہا...... اور مہرو احمد جمیل نے تمہیں کوئی دھوکا نہیں دیا۔ وہ تو خود حالات کی ستم ظریفی کا شکار ہوگیا۔ پتا ہے اس کا بوڑھا باپ اس کی ماں، جوانی سے بڑھاپے کی طرف جاتی بہنوں کی امیدوں کا چراغ بجھ گیا ہے۔ وہ تمہارے رسم و رواج کی سولی پر چڑھ گیا ہے، جس روز تم حویلی سے نکلیں مہرو، اسی دن وہ گاؤں پہنچا تھا۔ وہ سب کچھ بتانے کے ارادے سے وہاں گیا تھا اور رحمٰن ملک نے...... اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں رکھی اور مہرو میں نے تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ تمہاری حالت ایسی نہ تھی۔ کوئی بھی پریشانی تمہارے اور بچے کے لیے نقصان دہ ہوسکتی تھی۔ وہ بے وفا نہیں۔ اس نے تمہیں کوئی دھوکہ نہیں دیا۔ وہ تو محبت کے لیے قربان ہوگیا مہرو۔''

اس نے آج سب کچھ کہہ ڈالا۔ مہرو دم بخود عزیز احمد کو دیکھ رہی تھی۔ پھر لالہ کو لپٹا کر چیخ چیخ کر رونے لگی۔ عزیز احمد نے اسے رونے دیا اچھا تھا جی کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔

اسے اپنی بے سائبانی کا دکھ اتنا زیادہ نہیں تھا جتنا اس معصوم جان کا دکھ رُلا رہا تھا۔ اب سے پہلے ایک امید تو تھی شاید وہ کبھی لوٹ آئے، کبھی اس کو خیال آجائے اور اب تو ساری امیدیں جیسے دم توڑ گئی تھیں کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ اسے سب کچھ بے کار لگ رہا تھا۔ اس کے ساتھ کچھ عجیب ہوا تھا۔ اس کے بعد جب بھی عزیز احمد گیا۔ وہ اسے خاموش ہی نظر آئی۔ چپ چاپ بیٹھی خلاؤں میں گھورتی رہتی۔ زندگی اس کے لیے ختم ہی ہوگئی تھی۔ بس ایک لالہ تھی جس کی آواز چند لمحوں کے لیے اس میں زندگی بھر دیا کرتی۔ ورنہ اس کے لیے کچھ بھی زندہ نہ تھا۔

☆======☆======☆

میں ان دنوں Final Exams کی تیاری کے سلسلے میں گھر میں ہی تھا جب اللہ بھرایا کا فون آیا اس نے مجھے فوراً گاؤں پہنچنے کا کہا تھا۔ میں رات کو ہی بھاگم بھاگ گاؤں پہنچا۔

ہاں سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ مہرو کو اس کا بھائی لے گیا تھا۔ انہیں جانے کیسے خبر ہوگئی تھی کہ مہرو ہاں ہے۔

اللہ بھرایا نے کمبل میں لپٹی بچی کو میرے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اسے یہاں سے لے جا بھرا عزیز۔ ورنہ وہ اسے بھی مار ڈالیں گے۔''

اتفاق تھا کہ جس وقت مہرو کے بھائی رحمٰن ملک کے بندے آئے، لالہ کمرے میں تھی وہ اس کے بارے میں لاعلم تھے۔ ورنہ وہ یقیناً اسے بھی لے جاتے۔ میں لالہ کو لیے رات کی ریکی میں ہی شہر واپس آگیا۔ مہرو پہ کیا بیتی؟ اللہ بھرایا کا کیا بنا؟ میں نہیں جان سکا، کیونکہ مجھے خوف تھا کہ اگر رحمٰن کے آدمیوں نے مجھے دیکھ لیا تو پھر وہ لالہ کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور میں اس معصوم بچی کو ان کی بربریت کا شکار نہ ہونے دے سکتا تھا۔ وہ بچی میں نے بھاوج کی گود میں ڈال دی۔

''یہ آپ کی بیٹی ہے بھابی۔ اسے کبھی ماں کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیجیے گا۔''

اس کو محفوظ رکھنے کے لیے میں نے اس کا نام بھی بدل دیا اور خود باہر چلا گیا تا کہ رحمٰن ملک کسی طرح بھی مجھ تک نہ پہنچ سکے اور اس کے بعد کیا ہوا تم اچھی طرح جانتی ہو۔ اس سارے میں میرا کتنا قصور ہے۔ یہ بھی تم جان گئی ہوگی۔

بہت سال پہلے میں مہرو کے بارے میں جاننے کے لیے اللہ بھرایا کے پاس گیا تھا اور اسی سے پتا چلا کہ انہوں نے مہرو کو بھی مار ڈالا تھا اور اس کی بیٹی کے بارے میں کوئی اس لیے پوچھنے نہیں آیا کہ کوئی جانتا ہی نہ تھا۔''

باہر ہلکی ہلکی سپیدی پھیلنے لگی تھی۔ پرندوں نے پروردگار کی مدح سرائی کی تھی۔

عزیز احمد تھکے تھکے ایزی چیئر پر جھول رہے تھے اور ناجیہ کو جیسے ہپناٹائز کر دیا گیا تھا۔ وہ ایک ٹک عزیز احمد کو تکے جا رہی تھی۔

''اب تم جاؤ آرام کرو۔'' وہ بولے تھے اور وہ اسی کیفیت میں اٹھ کر دھیرے دھیرے اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

''تو یہ تھی ناجیہ بی بی تمہاری حقیقت۔'' اس نے بیڈ پر گرتے ہوئے سوچا تھا۔ بے اختیار کئی آنسو لڑھک کر تکیہ بھگونے لگے تھے اور اس نے ان آنسوؤں کو بہنے دیا تھا۔

تمام رات جاگنے کے باعث اس کا سر بوجھل ہو رہا تھا۔ ثوبیہ کئی بار اس کے کمرے میں آ چکی تھی اور وہ کسلمندی سے بستر پر پڑی رہی تھی۔

''اب تو لنچ کا ٹائم ہو چلا ہے آپا جان۔'' ثوبیہ اب کی بار جھنجھلائی تھی۔ ''کیا رات

بھر تارے گنتی رہی ہیں؟''

''پاپا چلے گئے!'' اس نے اسی طرح لیٹے ہوئے پوچھا تھا۔

''جی کب کے۔ راضیہ کا فون آچکا ہے کئی بار۔ اسے بھی پتا نہیں کیا ایمرجنسی ہے۔ بہت بے چین ہے آپ سے بات کرنے کے لیے۔ اُٹھ جائیں ناں۔'' اس نے چادر کھینچی تھی۔ ناچار وہ اٹھ گئی۔

''تم ایک کپ چائے بنا دو پلیز میں فریش ہو کر آتی ہوں۔'' باتھ روم میں گھستے ہوئے اس نے ثوبیہ سے کہا تھا اور وہ شکر کرتی پلٹ گئی تھی۔

☆======☆======☆

''اے میں تو کہتی ہوں۔ بچی کو اس کے باپ کے حوالے کر دو۔'' انابی نے ہلکان ہوتی بچی کو ایک کندھے سے دوسرے کندھے پر منتقل کیا۔ ربیعہ سر اٹھا کر انابی کو دیکھنے لگی۔

''اب یہ بات کون کہے؟'' وہ بھی یہی چاہتی تھی۔

''کہنے کی بھلی کہی۔ وہ اپنے سلجوق میاں کو دیکھو۔ جانے کہاں اتنا مصروف رہنے لگا ہے دلہن رانی سارا دن اکیلی اپنے کمرے میں پڑی رہتی ہے۔ رات گئے صاحب لوٹتے ہیں۔ اے اب ایسا بھی کیا کام؟'' انابی سارے معاملات پر نظر رکھے ہوئے تھیں۔ راضیہ کا کملایا چہرہ ان سے پوشیدہ نہیں رہا تھا وہ کئی دنوں سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔

''ہما نے بہت غلط کیا انابی۔'' وہ جیسے اپنی کسی سوچ میں تھیں۔

''پتا ہے انابی۔ میں نے ہما کو بہت سمجھایا لیکن اس نے ایک نہیں مانی اور پھر کیسی غلط فہمی میں ماری گئی۔ بابا جان نے تو اس کو دیکھا بھی نہیں تھا اور وہ سمجھی...... اس دن وہ گھر لوٹ آتی تو شاید سُدھر جاتی اور اماں بھی بچ جاتیں۔''

''اے ہاں۔ بٹوا۔'' انابی نے سرد آہ بھری۔

''بس کرموں جلی تھی وہ، پتھر کو ستارہ سمجھ بیٹھی پر بٹوا مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی۔ آخر اس کے ساتھ کیا بیتی۔ جب اس موئے نے بیاہ کر لیا تو پھر بیٹی ہمیں کیوں دے گئی۔ معافی کا کیا تھا کبھی نہ کبھی ہو ہی جاتی۔''

''اس نے شادی کسی اور سے کی انابی۔ بھابی بتا رہی تھیں کہ ان کی بہن کی دوست ہے اس کے بھائی سے اس نے شادی کی ہوئی ہے وہ نہیں رکھتے ہوں گے اس کی بیٹی کو تب ہی دے گئی۔''

انابی کے لیے یہ انکشاف تھا۔ کئی لمحے وہ حیرت سے ربیعہ کو تکے گئیں، بچی کو تھپکنا بھی

بھول گئی تھیں۔ وہ کسمسائی تو چونکیں۔

''اے مار کیسی کیسی باتیں سننے میں آ رہی ہیں۔ تباہ ہو کر رہ گئی لڑکی۔ ایک غلط قدم بھی کہاں سے کہاں لے جاتا ہے۔ خود تو بے آسرا ہوئی۔ لے کے بچی کو بھی کر دیا۔ میں تو کہتی ہوں سلجوق میاں اس کے شوہر سے بات کریں اور بچی کو ماں کے حوالے کر دیں۔ جو بھی ہو ماں کی گود میں تو پل جائے گی۔''

''کیوں آپ تھک گئی ہیں بچی کو سنبھالتے سنبھالتے؟'' سلجوق شاہ اندر آئے تھے۔

انابی ایک دم چپ کر گئیں۔ پھر جیسے موقع غنیمت جان کر کہنے لگیں۔

''نہیں بٹوا، کیا تھکوں گی میں۔ بس بچی کا خیال آتا ہے، باپ سے محروم تو ہوئی سو ہوئی۔ ماں کی گود بھی نہیں رہی۔ میں تو کہتی ہوں...... آپ اس کو ماں کے حوالے کر دیں۔''

''ماں کہاں سے آئے۔ آج فرحان صاحب آئے تھے میرے پاس۔ ہما کا پوچھ رہے تھے۔ ہما تو یہاں سے چلی گئی تھی، گھر کیوں نہیں گئی؟ وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے ہما کو چھپا لیا ہے۔''

وہ پریشان تھے آخر بہن تھی جیسی بھی تھی۔

''تو میاں وہ گئی کدھر؟ اے کہیں؟ توبہ استغفار۔ میاں تم بھی تو حد کرتے ہو وہ چل کر آئی تھی شرمندہ تھی بات نہ کرتے لیکن معاف تو کر دیتے۔ غلطیاں تو انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔ ورنہ فرشتہ نہ ہوتے پتا نہیں کیا کر بیٹھی۔ اے کہیں سے پتا تو کرو۔''

انابی کو تو ہول اٹھنے لگے تھے۔ ربیعہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''آپ کب آئے؟'' راضیہ ادھر آئی تھی۔ سلجوق نے جواب نہیں دیا۔ وہ دلبرداشتہ سی وہیں کھڑی رہی۔ پھر واپس لوٹ گئی۔

''اے تم دونوں میں لڑائی ہے کیا؟'' اب انابی کو ادھر کی فکر لاحق ہوئی تھی۔

''نہیں انابی۔ ایسا کچھ نہیں۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور راضیہ کے پیچھے کمرے میں چلے گئے۔ وہ بیڈ شیٹ صحیح کر رہی تھی۔ ان کی آمد پر لاتعلقی کا اظہار کیا۔

''چائے ملے گی؟'' صوفے پر گرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل آئی۔ چائے بنا کر جب وہ دوبارہ کمرے میں آئی تو سلجوق چینج کر کے بیڈ پر دراز تھے۔ ان کا چہرہ گہری سوچ کی غمازی کر رہا تھا۔

''چائے۔'' اس نے کپ رکھتے ہوئے دھیمے سے کہا تھا۔ وہ چونک کر اٹھ بیٹھے۔

ایک نظر اس پر ڈال کر کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ وہ ان کا چہرہ تکنے لگی۔

"ایک بات پوچھوں شاہ جی؟" بہت آہستگی سے پوچھا تھا۔

"ہوں!" وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"آپ...... آپ کی زندگی میں کوئی اور لڑکی آ گئی ہے؟" ہمت کر کے اس نے کہا تھا۔

"نہیں۔" وہ مختصراً بولے۔

"پھر۔ پھر...... آپ کا Behaviour ایسا کیوں ہو گیا ہے میرے ساتھ۔ میں آپ کو اچھی نہیں لگتی؟"

اس کی آواز بھیگنے لگی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں راضیہ۔" انہوں نے کپ ساسر میں رکھ دیا۔ "بس یونہی آج کل ذرا ٹینشن سی ہے۔"

"یہی تو پوچھ رہی ہوں کیا ٹینشن ہے کہ آپ گھر تک کو بھول گئے ہیں۔"

"نہیں۔ بس کچھ نہیں۔" انہوں نے کپ پرے کھسکایا اور لیٹ گئے۔

وہ آج بھی کچھ جاننے میں ناکام رہی تھی۔ سو رات بھر اس کا تکیہ پھر آنسوؤں سے بھیگا تھا۔

☆======☆======☆

وہ تو جیسے کمرے میں ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ بس کھانا کھانے باہر آتی یا پھر اس وقت جب زادان گھر سے باہر ہوتے۔ رحمہ کئی بار اسے ٹوک چکی تھی، لیکن وہ مسکرا کر ٹال گئی تھی۔ انکل سے بھی کئی دنوں سے بات نہ ہو سکی تھی کیونکہ وہ شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ سلجوق شاہ کا بھی کوئی فون نہ آیا تھا۔ بس جلد فیصلہ ہو جائے تو وہ یہاں سے نکلے۔ وہ خود کو یہاں Un easy feel کرتی تھی۔ اگرچہ وہ سب اب بھی اس سے پیار کرتے تھے، خیال رکھتے تھے، لیکن پھر بھی وہ زادان کی وجہ سے جلد یہاں سے جانا چاہتی تھی۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ نوما کو اس بات کی خبر ہو کہ اس کا شوہر اس کے علاوہ حفیظہ ملک میں دلچسپی لیتا ہے اور ان کا گھر تباہ ہو۔ زادان سے کیا بعید؟

"میں اندر آ جاؤں حفیظہ جی؟" آواز پر اس نے سر اٹھایا۔ نوما دروازے میں کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ اس میں اجازت لینے والی کون سی بات ہے۔" اس نے خوشدلی سے کہا تو وہ اندر آ گئی۔

"کیا بات ہے آپ سارا دن کمرے میں رہتی ہیں کیا میری وجہ سے؟" بیٹھتے ہی اس

نے پوچھا تھا۔

"ارے نہیں نہیں۔" وہ ہنس دی اور نوما کو احساس ہوا اس کی طرح اس کی ہنسی بھی بے حد خوبصورت ہے۔ اگرچہ اس نے بہت کم اسے ہنستے مسکراتے دیکھا تھا۔

"بس یونہی اصل میں مجھے باتیں واتیں کرنے کا کوئی خاص شوق نہیں۔ رحمہ اپنی پڑھائی میں مگن رہتی ہے۔ اس لیے بھی۔" اس نے وضاحت کی۔

"تو میں تو ہوں نا۔ یقین جانیے میں بڑی اچھی دوست ثابت ہو سکتی ہوں۔" نوما کھلکھلائی تھی۔

جواباً وہ بھی مسکرا دی تھی۔ پھر نوما اسے زبردستی کمرے سے نکال ہی لائی۔

"آنٹی دیکھیے میں آپ کے اس چھپے مہمان کو نکال لائی ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے لاؤنج میں بیٹھی آنٹی سے کہا تھا۔

"اچھا کیا ورنہ تو یہ کمرے ہی کی ہو کر رہ گئی ہے۔ بلکہ میرا خیال ہے حفیظہ تم تیار ہو جاؤ۔ اذغان آتا ہو گا۔ صبیحہ کی طرف جانے کا پروگرام ہے۔" انہوں نے حسبِ عادت جھٹ پٹ پروگرام بھی بنا لیا تھا۔

"تھینک یو آنٹی، لیکن آج مہرو پھپھو نے گھر آنا ہے۔ انکل کہہ کر گئے تھے کہ واپسی پر لیتے آئیں گے۔ میں چاہتی تھی کہ ان کے آنے پر گھر میں موجود رہوں۔" اس نے سلیقے سے معذرت کی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔

پھر نوما کتنی دیر اس سے باتیں کرتی رہی تھی۔ آنٹی اٹھ کر تیار ہونے چلی گئی تھیں۔ وہ ابھی لاؤنج میں ہی بیٹھی تھی کہ اذغان اور زادان اکٹھے اندر داخل ہوئے۔ حفیظہ بے ساختہ ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ نوما زادان کی طرف متوجہ تھی، لیکن اس کے یوں اٹھنے کو اذغان اور زادان دونوں نے ہی نوٹ کیا تھا اور تبھی اذغان نے کہہ ڈالا۔

"آپ کدھر کو بھاگ رہی ہیں۔ یا وحشت آپ کی یہ بھاگنے کی عادت ختم کیوں نہیں ہو جاتی۔"

وہ خفیف سی ہو کر اذغان کو تکنے لگی۔ جب کچھ جواب نہ بن پڑا تو قدم آگے بڑھا دیئے۔ اذغان کندھے اچکاتا ممی کو پکارنے لگا۔ تبھی فون کی بیل بجنے لگی تھی اور سیڑھیاں چڑھتی حفیظہ کے قدم آپوں آپ ہی رک سے گئے۔ دل عجیب سے انداز سے دھڑکا تھا۔

"آپ کا فون ہے حفیظہ جی؟" اذغان کی آواز پر وہ بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتی

واپس پلٹ آئی۔ کبھی کبھی کیسے دل خبر دیتا ہے۔

"ہیلو؟" اس نے اذغان کے ہاتھ سے ریسیور لے کر بے حد آہستگی سے کہا تھا۔

"ہیلو۔ کیسی ہیں حفیظہ آپ؟" دوسری جانب سلجوق شاہ تھے۔

اور اتنے دنوں بعد ان کی آواز سن کر اس کا دل بھر آیا۔ جی میں آیا کہہ دے، اتنے دن آپ کو میرا خیال نہیں آیا۔ مگر فطری جھجک آڑے آ گئی اور کچھ بول نہ سکی۔

"ہیلو حفیظہ بول کیوں نہیں رہیں؟" اس کی خاموشی پر وہ گھبرائے۔ پھر جیسے خود ہی وضاحتیں دینے لگے۔

"تمہیں نہیں پتا میں خود کتنا بے چین ہوں کہ یہ مسئلہ جلد از جلد حل ہو جائے اور ہم مل جائیں۔" یہ کہتے ہوئے انہیں اپنی آواز بے حد کھوکھلی محسوس ہوئی۔ "میں تو اسی مسئلے کو حل کرنے میں لگا ہوں انکل کا انتظار ہے دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں؟"

"ہاں وہ آج کل میں آنے والے تو ہیں۔" حفیظہ نے مختصراً کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ شام میں فارغ ہو تو میں لینے آ جاؤں۔ ڈنر باہر کریں گے۔" انہوں نے پوچھا تو وہ تذبذب میں پڑ گئی۔ پھر قدرے سوچ کر انکار کر دیا۔

"پلیز برا مت مانیے گا، لیکن یہ اچھا نہیں لگتا، جب تک سب کچھ کلیئر نہیں ہو جاتا ہمیں نہیں ملنا چاہیے۔"

"سب کچھ کلیئر تو ہے، بس فیصلہ ہونا باقی ہے۔ ہم میاں بیوی ہیں حفیظہ۔ یہ وقتی دوری ہماری آزمائش تھی کہ ہمیں ایک دوسرے کو پانے میں زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی تھی، ہم اپنے اپنے حصے کی آزمائش جھیل چکے، دکھ اٹھا چکے۔ اب ہمیں ملنے سے کوئی نہیں روک سکتا اور اگر اب بھی ایسا کچھ ہوا میرے تمہارے بیچ کچھ آیا تو میرا یقین کرو حفیظہ میں ہر شے سے ٹکرا جاؤں گا۔ تم مجھے طویل ریاضت کے بعد ملی ہو اور اب میں کسی قیمت پر بھی تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ حفیظہ کسی قیمت پر بھی نہیں۔" سلجوق شاہ کا گلا جذبات سے رندھ گیا تھا۔

حفیظہ خاموش تھی۔ وہ کیا کہتی اور کہنے کو تو راضیہ احمد کے پاس بھی کچھ نہیں بچا تھا۔ اس کے پیروں تلے سے زمین ہی نہیں کھسکی تھی بلکہ سر سے آسمان بھی سرک گیا تھا۔ اسے کبھی اتنی بے سائبانی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ جتنا وہ اس سمے محسوس کر رہی تھی۔ بمشکل خود کو گھسیٹتی وہ باہر برآمدے تک آئی تھی اور کسی بے جان وجود کی طرح کرسی پر گر سی گئی تھی۔

"تو تمہارے رویے کی تبدیلی کی یہ وجہ تھی۔ حفیظہ ملک، تم نے اسے دوبارہ پا لیا ہے سلجوق شاہ۔ تو وہ کیا کرے جو تمہیں پا چکی اور کھونے کا حوصلہ نہیں، لیکن نہیں، تمہیں پایا ہی کب

ہا۔ ارے دلوں پہ لگی مہریں اتنی آسانی سے مٹتی ہیں بھلا؟

وقت کی گرد انہیں دھندلا ضرور دیتی ہے، لیکن تیز ہوا کا ایک جھونکا اس گرد کو اُڑا لے جاتا ہے اور چھپی تصویریں نمایاں ہو کر اور شدت سے اپنا احساس دلاتی ہیں۔

تو پھر کیا حقیقت ہے محبت کی؟

کون کہتا ہے محبت مضبوط ہوتی ہے؟

فاتح ہوتی ہے؟

پتھروں کے دل پگھلا دیتی ہے؟

اس کی محبت تو ایک انسان کے دل میں اپنی محبت نہیں جگا سکی تھی۔

تو طے ہوا راضیہ احمد!

تمہاری محبت میں کھوٹ تھا۔

وہ جو اصل اور سچی محبت تھی، وہ اپنی جگہ قائم و دائم تھی۔

پڑاؤ منزل نہیں ہوا کرتے۔

وہ بھی حفیظہ ملک اور سلجوق شاہ کی محبت کے سمندر کا ایک تنہا سا جزیرہ تھی۔ گمنام جزیرہ۔

اور اس نے اپنا سر جھکا دیا مگر اس کی عبادت اس کی ریاضت بے طلب تھی، بے ثمر تھی مطلوب تو کوئی اور تھا وہ تو ایک ثانیے کو شاید خالی جگہ پُر ہونے کا باعث بنی تھی اور غلط لفظ جملہ مکمل نہیں کرتے، ہاں مفہوم بدل جایا کرتے ہیں اور سلجوق شاہ نے اس تبدیلی کو قبول نہیں کیا تھا۔ وہ لفظ جو کہیں کھو گیا تھا، اپنی خالی جگہ پُر کرنے آ گیا تھا اور ایسے میں راضیہ احمد، ایک مہمل لفظ کی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ جملہ مکمل ہو گیا تھا۔

☆======☆======☆

مہرینہ ملک روئے چلی جا رہی تھی۔ وہ کبھی حفیظہ کے ہاتھ چومتی، کبھی ماتھا۔

"لالہ تم جیسی ہی ہو گی ناں۔ تم نے تو دیکھا ہو گا اسے۔" اس کی آنکھیں کُرلانے لگتیں۔

اذغان کا فون آیا تھا اس نے عزیز احمد کو مہرینہ ملک کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا اور شاید اب میں وہ پہنچ ہی جاتے۔

"رحمٰن بہت پیار کرتا ہو گا تم سے ہے ناں۔"

حفیظہ کا سر اثبات میں ہلا اور آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔ کاش کوئی اس کی بے انتہائی کو سمجھ سکتا۔ اس سے تو ساری محبتیں ایک ساتھ ہی چھن گئی تھیں۔ وقت کچھ ایسے مہرباں ہوا تھا کہ وہ سنبھل ہی نہ پا رہی تھی۔ کاش گزرا وقت لوٹ سکتا تو وہ اس کے آنچل سے

محبت کے سارے سکے چن لیتی اور ان کو کہیں چھپا کر رکھ دیتی۔ کبھی خرچ نہ کرتی۔

''حویلی کیسی ہے؟ کیا اس کی دیواریں اب بھی اتنی ہی اونچی ہیں کہ اندر اٹھنے والے طوفان کی ہلکی سی آواز بھی باہر نہیں جاتی۔''

مہرینہ ملک جیسے سب کچھ ابھی جان لینا چاہتی تھی۔

''آپ آرام کریں پھپھو۔ پھر باتیں کریں گے۔'' حفیظہ نے اس خیال سے کہ وہ مزید ڈسٹرب نہ ہو اسے ٹالا۔

''آرام ہی تو کیا ہے اتنے برس۔'' اس نے نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔ حفیظہ نے دیکھا سفید لباس میں پورا وجود دمک رہا تھا۔ پہلے تو گندے مندے حلیے میں اصل خدوخال کہیں چھپ ہی گئے تھے۔ چہرہ بے شک کمزور تھا، تندرستی کی لالی نے چہرے کو دل آویزیت بخشی تھی اور لگتا تھا کہ جوانی میں مہرینہ ملک زبردست شے رہی ہوگی۔

''بہت سخت اصول ہیں اس حویلی کے۔'' اس نے بے حد آہستگی سے کہا تھا۔ حفیظہ کے جی میں آئی کہ وہ پوچھ لے کہ وہ وہاں قید کیوں تھیں، لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش ہوگئی۔ ابھی یہ پوچھنا نامناسب تھا۔ آنٹی تو ابھی لوٹی نہ تھیں۔ زادان اور نوما آؤٹنگ کے لیے نکل گئے تھے وہ مہرینہ ملک کو Rest کرنے کا کہہ کر Terrace پر آگئی تھی۔ ذہن عجیب طرح کی سوچوں میں الجھ رہا تھا تبھی فون کی بیل نے اسے چونکا دیا۔

وہ سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آئی تب تک ڈھیروں گھنٹیاں بج چکی تھیں۔

''ہیلو۔'' پھولتی سانسوں کے بیچ اس نے کہا تھا۔

''حفیظہ ملک سے بات ہوسکتی ہے؟'' دوسری جانب سے آتی آواز بالکل اجنبی تھی۔

''جی آپ کون؟''

''میں مسز سلجوق شاہ بول رہی ہوں، حفیظہ سے بات کرادیں پلیز......!''

''جی......؟'' حفیظہ کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ کر نیچے جا گرا اور وہ وہیں بے دم سی ہو کر بیٹھ گئی۔ ریسیور سے کتنی دیر ہیلو ہیلو کی آوازیں آتی رہیں پھر سلسلہ منقطع ہوگیا اور حفیظہ ملک کو محسوس ہوا تھا جیسے اس کا رابطہ ہر چیز سے منقطع ہو رہا ہے۔

''مسز سلجوق شاہ، مسز سلجوق شاہ، مسز سلجوق شاہ۔'' لاؤنج میں موجود ہر چیز گویا یہی پکار رہی تھی۔

شور بڑھنے لگا۔ حفیظہ نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

''میں مسز سلجوق شاہ بول رہی ہوں مسز سلجوق شاہ۔'' کوئی اس کے اندر چیخنے لگا۔

''نہیں نہیں۔'' وہ بے بس ہو کر چلائی۔ ''یہ جھوٹ ہے۔ جھوٹ بولا ہے کسی نے۔''

اور دور کھڑی تقدیر بہت زور سے ہنسی تھی۔ شاید اس کی سوچ پہ شاید اس کی بے بسی پر۔

☆======☆======☆

''تم چل رہی ہو ناجیہ؟'' عزیز احمد نے کمرے میں جھانکا تو ناجیہ کو ہنوز اسی حالت میں بیٹھے پایا جس میں وہ اسے کچھ دیر پہلے چھوڑ گئے تھے۔

''میں فیصلہ نہیں کر پا رہی۔ بابا جان شاید میں فیصلہ کر ہی نہیں سکتی۔ کیا اچھا تھا کیا برا؟ کیا صحیح تھا کیا غلط۔ میں کبھی سمجھ ہی نہیں پائی۔ اسی لیے تو اندھا دھند فیصلے کرتی چلی گئی۔ کچھ محرومیاں ہمارا مقدر ہوتی ہیں بابا جانی اور کچھ کو ہم خود اپنا مقدر کر لیتے ہیں۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ دکھ پرچم نہیں ہوتے کہ جسموں کی فصیلوں پر لہرا کر ان کے بلند رہنے کی دعائیں مانگی جائیں اور نہ ہی پلکوں سے ڈھلکے آنسو کہ انگلی کی پور پر چن لیے جائیں، یہ تو شعور کی گہرائی میں اتری وہ انی ہے جو ہر لمحہ ایک نئے انداز سے زخم لگاتی ہے، ہر مرتبہ ایک نیا خون ہوتا ہے، پھر بھی یہ نکلتی نہیں ہے۔

اور بابا جان میں نے ایسا ہی سمجھ لیا۔ آپ کی بے اعتنائی مجھے وہ انی ہی محسوس ہوتی جو کہ میرے اندر کہیں بچپن میں ہی گڑ گئی تھی۔ چچی جان، چچا جان، کوئی بھی تو نہیں جانتا تھا کہ میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں میں نے کئی بار چچا جان کو روتے دیکھا تھا اور آپ کو قصوروار ٹھہرایا تھا وہ کہا کرتے کہ عزیز نے چوری چوری شادی کر کے ان کے خواب مٹی میں ملا دیئے ہیں۔ بابا! تب میں نہیں جانتی تھی کہ خواب مٹی میں کیسے ملتے ہیں؟ چچی جان اور چچا جان کے پیار کے باوجود میرے اندر خلا رہا۔ آپ کی محبت کا خلا۔ ماں کی محبت کا خلا۔ میں نے کئی بار چچی جان سے پوچھا کہ میری ماں کیسی تھی اور انہوں نے ہر بار اپنے آپ سے لپٹا کر یہی کہا۔

''میرے جیسی۔'' وہ میرے لیے ماؤں سے بڑھ کر تھیں، لیکن ماں نہیں آپ مجھے خود غرض لگا کرتے اور میں یہ دکھ پالتی چلی گئی۔ پھر...... نقشم میری زندگی میں آیا لیکن میرے اندر کی محرومی نے مجھے سر نہ اٹھانے دیا۔ مجھے ساری محبتوں سے خوف آنے لگا تھا۔ مجھے یہی محسوس ہوتا جیسے وہ بھی چھن جائے گا اور وہ چھن گیا۔ میرے دکھ اور بڑھ گئے بابا جانی اور...... میں اپنی ماں سے بھی شاکی تھی جس نے مجھے جنم دے کر چھوڑ دیا۔ مجھے راضیہ اور ثوبیہ سے حسد محسوس ہوتا جو دن رات آپ کے ساتھ رہ رہی تھیں۔

اور آپ کو پتہ ہے میں نے جان بوجھ کر راضیہ کی شادی سلجوق شاہ سے ہونے دی۔ وہ شادی شدہ تھا بابا جانی، نقشم سے بڑی گہری دوستی تھی اس کی، سلجوق شاہ کی پہلی شادی زبردست

عشق کا نتیجہ تھی۔ پتہ نہیں اس نے راضیہ سے کیوں شادی کی؟ میں نے آپ کو بھی نہیں بتایا میں بس بابا جانی پتہ نہیں کیا ہو گئی۔ میں نے کتنے لوگوں کے دل دکھائے۔ آپ کا نقشم کا راضیہ کا اور شاید ارمغان کا بھی۔ وہ صحیح کہتا ہے۔ وہ اور لوگ ہوتے ہیں محبت جن کے لیے دعائیں لکھتی ہے، میں نے تو اپنے ہاتھوں اپنی طرف آنے والی دعاؤں کا رخ موڑا ہے۔ اپنے ہاتھوں سے سب کچھ برباد کیا ہے۔ کسی خوشی پر میرا کیا حق بنتا ہے بابا اور ماں جس لفظ، جس لمس سے میں آشنا ہی نہیں، اس سے کیا ملوں۔ میرے کیے کی سزا یہی ہے، مجھے کچھ نہیں ملنا چاہیے۔ آخر اب تک کی ساری عمر ماں کے بغیر ہی گزری ہے ناں کہہ دیجیے ان سے کہ ان کی بیٹی مر گئی تھی ان کے ساتھ ہی۔ دفن ہو گئی اسی حویلی میں کہیں۔'' وہ سسک رہی تھی۔ عزیز احمد کئی ثانیے چپ کھڑے رہے۔ پھر آگے بڑھ آئے۔

''فیصلہ تو اب بھی تم غلط کر رہی ہو۔ وہ دکھ، جسے انگلی کی پور پر چن لینا چاہیے، تم اسے اب بھی انی کی طرح دل میں اتار رہی ہو اور سوچ رہی ہو کہ خون نہیں بہے گا، یا پھر تمہیں واقعی مظلوم بنے رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔ بہر حال تمہاری مرضی تمہیں مجبور تو نہیں کیا جا سکتا ناں۔'' انہوں نے ہولے سے اس کا سر تھپکا اور باہر نکل گئے۔

ناجیہ کچھ دیر اسی طرح بیٹھی رہی پھر اٹھ کر فون کی سمت آ گئی۔ اس کا دل ایک دم ہی ارمغان سے بات کرنے کو چاہا تھا اور وہ اس خواہش پر قابو نہیں پا سکی تھی۔ نمبر ڈائل کرتے ہوئے اس کی انگلیاں لرز رہی تھیں اور ذہن بجملے ترتیب دینے کی کوشش میں تھا۔ کافی دیر بیل جاتی رہی۔ اس نے کئی بار ری ڈائل کیا۔ ہر بار صورتِ حال ایک سی رہی۔ بالآخر وہ مایوس ہو گئی۔ شاید گھر پر کوئی نہ تھا۔ یا یہ بھی ہو سکتا تھا وہ لوگ نوما کی طرف گئے ہوں اور نوما کے گھر فون کرنے کا وہ بالکل ارادہ نہ رکھتی تھی۔

☆======☆======☆

''دیکھ بیٹی میری بات مان لے۔ میرے ساتھ چل یہاں پڑ تو کیسے رہ رہی ہے۔'' راشدہ بیگم رومانہ کی منت سماجت پر اتر آئی تھیں۔ جبکہ رومانہ کے لبوں پر مسلسل انکار تھا۔

''نہیں امی جان۔ مجھے یہیں رہنا ہے۔ اس قید خانے میں، مجھے مر کر ہی یہاں سے نکلنا ہے۔ یہی کہا جاتا ہے ناں بیٹیوں کو رخصت کرتے وقت۔ کیوں اس روایت کو توڑ رہی ہیں۔ میں مشرقی لڑکی ہوں اور سلیمان ملک کی بیٹی، آپ ملکوں کی روایت بھول گئیں؟'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

''آپ، پھوپھو، سب نے ہی تو اس روایت کے آگے گھٹنے ٹیک رکھے ہیں کیا ہوا جو میں

شوہر کی من چاہی نہیں ہوں۔ شوہر تو میرا من چاہا ہے۔ آپ کے شوہر کتنی راتیں آپ کے ساتھ گزارتے تھے۔ آپ نے کون سی رات آگ میں جلتے ہوئے نہیں گزاری۔ تو میرے لیے کیوں نیا راستہ چنا جا رہا ہے۔ کیوں اسد ملک سے رہائی دلوانے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ میں رہائی نہیں چاہتی میں دیکھوں گی انتہا کیا ہے۔'' اس نے پلکیں موند لیں راشدہ بیگم بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئیں سلیمان ملک امریکہ گئے ہوئے تھے اور وہ موقع غنیمت جان کر تنہا ہی چلی آئی تھیں کہ شاید رومانہ منت سماجت سے ہی مان جائے، لیکن وہ تو کچھ ایسی بگڑی تھی کہ کسی طور مان ہی نہ رہی تھی۔

''دیکھ رومانہ تجھے میرے دودھ کا واسطہ۔'' وہ آخری حربے پر اتر آئیں۔

''دودھ؟'' اس نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔ ''جب میں دہائی دے رہی تھی کہ مجھے اس گھر میں نہیں رہنا، مجھے ساتھ لے چلیں، تب اس دودھ کی یاد کیوں نہیں آئی جو میری رگوں میں خون بن کر دوڑ رہا ہے۔ اب کیوں اس دودھ کے واسطے دیئے جا رہے ہیں؟ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں امی جان یہی بہتر ہو گا آپ سب کے لیے۔ وقت کیا فیصلہ کرتا ہے آپ بس یہ دیکھیں۔ بابا جان کی دولت ان کا ساتھ کب تک دیتی ہے، یہ دیکھیں میری طرف دیکھنا چھوڑ دیں۔ اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا سوائے نقصان کے۔''

راشدہ بیگم دل گرفتہ سی لوٹ گئیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں سب کچھ گنوایا تھا یا پھر یہ مکافاتِ عمل تھا۔ رومانہ نے انہیں جاتے دیکھا پھر پلکیں بند کر لیں۔ کئی آنسو گالوں پر آ گئے۔ کچھ سزائیں وقت ہمیں دیتا ہے اور کچھ ہم خود اپنے لیے تجویز کرتے ہیں پیاری ماں۔ مجھے کسی سے کچھ نہیں لینا۔ کوئی غرض نہیں رہی۔ میں تو جانے جی بھی کیوں رہی ہوں۔ کبھی کبھی سب کچھ کتنا بہت مقصد ہو جاتا ہے، جینا، کھانا، پینا، ہنسنا، بولنا، رونا۔

اس نے اٹھ کر ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا اور خود دریچے میں آ کھڑی ہوئی۔ باہر رات اُتر آئی تھی۔ اماوس کی رات یا شاید اب ہر رات ہی اماوس کی رات ہو گئی تھی۔ شور مچاتی ہوئی۔ اپنی تنہائی کا ماتم کرتی ہوئی۔

راتیں شور مچاتی ہیں
راتیں
راتیں شور مچاتی ہیں
جانے کسے بلاتی ہیں
راتیں...... راتیں

اس نے ستون سے سر ٹیک دیا۔ نم ہوا کا ایک جھونکا آیا اور پلکوں میں چھپے آنسوؤں کو چھیڑ گیا۔ وہ سینے پہ دونوں بازو باندھے اندھیرے میں تصویریں بناتی گئی اسد اور وہ ان کا بچہ ہنستے مسکراتے۔ ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے۔ ایک دوسرے کو چھوتے، محسوس کرتے دفعتاً اسے اپنے گالوں پر ننھے منے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا۔ اس نے بے ساختہ اپنے ہاتھ گالوں پر رکھے۔ وہاں پر صرف نمی تھی، آنسوؤں کی نمی اور سب کچھ جیسے مٹی...... ذرا پانی پڑا اور سب بہہ گیا۔

آپ ہی آپ اندھیروں میں
آپ ہی آپ اندھیروں میں
تصویریں بن جاتی ہیں
راتیں......راتیں......راتیں
راتیں شور مچاتی ہیں
مٹی کی سب تحریریں
مٹی میں مل جاتی ہیں
سدا سمندر آنکھوں میں
سدا سمندر آنکھوں میں
یادیں پیاس بڑھاتی ہیں
کیا کوئی راستہ بھول گیا
گلیاں خاک اُڑاتی ہیں
راتیں شور مچاتی ہیں
جانے کسے بلاتی ہیں
راتیں......

ٹیپ ریکارڈر خاموش ہوا تھا لیکن باہر پورچ میں گاڑی رکنے کا شور جاگ اٹھا تھا۔ وہ یونہی ٹیرس پر جھک گئی۔ اندھیرے میں کچھ واضح تو نہیں تھا لیکن وہ جان گئی تھی آنے والا اسد ملک تھا اور اس کے ساتھ کوئی چادر میں لپٹا وجود۔ اسے کوئی غرض نہیں تھی کہ اسد کیا کرتا پھرتا ہے، لیکن اب وہ اپنی محبوباؤں کو گھر تک لے آیا تھا۔ اس کے اندر ایک دم جوار بھاٹا اٹھا تھا۔ وہ نیچے جانے کے ارادے سے پلٹی تھی اور تبھی اسد اس لڑکی کا ہاتھ تھامے اندر داخل ہوا تھا۔
اسے دیکھ کر اس کے چہرے پر بڑی کمینی سی مسکراہٹ آئی تھی۔ پھر اپنے پیچھے چھپتے وجود

کو آگے کرتے ہوئے بولا تھا۔
''رومانہ ملک اس سے ملو یہ ہے میری پہلی بیوی اور میری بچی کی ماں ہما جہانگیر شاہ۔''
رومانہ کا دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھولا تھا اور وہ لڑکی اسی تیزی سے آگے بڑھی تھی۔
''میں اس کی بیوی نہیں ہوں۔'' بے حد ٹھہری آواز میں اس نے کہا تھا۔ پیچھے ہی پھپھو بیگم کا سر بھی نمودار ہوا تھا۔

☆======☆======☆

''مجھے علم ہے آپ کو یہاں میرا آنا پسند نہیں آیا ہوگا، لیکن غلط فہمیاں جب تک دور نہ کی جائیں، دل کدورتوں سے بھرے رہتے ہیں۔'' ارمغان نے سلجوق شاہ کے سامنے بیٹھتے ہوئے دھیرے سے کہا تھا۔
''اس کی ضرورت نہیں تھی فرحان اعجاز سب کچھ کلیئر کر گئے تھے۔'' سلجوق شاہ نے نرمی سے کہا تو ارمغان کچھ ہلکا سا ہوگیا۔ اس نے ڈرائنگ روم کی سجاوٹ پر غائرانہ نظر دوڑائی اور اپنے حوصلے کو ایک بار پھر مجتمع کیا۔
''اصل میں شاہ صاحب میں آج اپنے کسی کام سے آیا ہوں۔ اگرچہ یہ چھوٹا منہ اور بڑی بات ہوگی، لیکن اصل میں شاہ صاحب نے میرا مطلب جہانگیر شاہ صاحب نے مجھ سے یہ بات کہی تھی، تب اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے میں نے انہیں انکار کر دیا تھا۔ آج میں آپ کے در پر سوالی بن کے آیا ہوں۔ اگر آپ میری بات کو قابلِ عزت گردانیں گے تو میں...... میں ربیعہ شاہ کا ہاتھ مانگنے آیا ہوں۔'' بہت سنبھل کر اس نے بات مکمل کی تھی۔
خلافِ توقع سلجوق شاہ نے کسی رسپانس کا اظہار نہ کیا تھا۔ بلکہ بہت غور سے انہوں نے ارمغان کا چہرہ جانچا تھا اور اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی پیشانی پر نمودار لکیریں ان کی گہری سوچ کا پتہ دینے لگی تھیں۔ ڈرائنگ روم کی فضا میں گہری خاموشی تھی اور صرف دیوار پر لگے کلاک کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی ارمغان منتظر نظروں سے سلجوق شاہ کی پشت کو تک رہا تھا۔ کافی دیر بعد وہ مڑے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آ کر اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنی نگاہیں ارمغان کے چہرے پر گاڑیں اور نہایت پرسکون لہجے میں گویا ہوئے۔
''تم ربیعہ کو خوش رکھ سکو گے کیا تمہیں یقین ہے؟''
ارمغان ایک لمحہ کو گڑبڑایا پھر سنبھل کر بولا۔
''خوش رکھنے اور خوش ہونے میں فرق ہے شاہ صاحب اور یہ تو تقدیر کے کھیل ہوتے

ہیں۔ انسان تو بس کوشش کر سکتا ہے۔''

''تقدیر جب انسانی تدبیر سے ٹکرا جائے تو پھر بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ ارمغان صاحب، ہمارے ہاں بیٹیوں کو گائے بکری سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ گھر کی چار دیواری سے باہر کیا ہو رہا ہے وہ مرتے دم تک نہیں جان پاتیں۔ ہاں کبھی کبھار کسی کے دل میں ایسی خواہش پنپ جائے تو پھر وہ زندگی بھر کے لیے مردود قرار دے دی جاتی ہے، لیکن ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا۔ ہماری لڑکیاں ہر حال میں سر جھکانے والی ہوتی ہیں۔ صبر کرنے والیاں۔ کسی تکلیف پر اُف نہ کرنے والیاں، لیکن ارمغان میں تم سے یہ Request کرتا ہوں اگر تم نے ربیعہ کو اپنانے کا فیصلہ کیا ہے تو اس کا صبر مت آزمانا۔ وہ بہت اچھی ہے۔ بہت معصوم اس سے محبت کرو گے تو تم پر جان لٹا دے گی۔ اس کو مان دینا عزت دینا ہما کی بہن سمجھ کر طعنہ مت مارنا دل بڑی نازک شے ہوتی ہے۔'' ان کا لہجہ آپ ہی آپ دھیما پڑ گیا تھا۔ بہن کی محبت دل کو کمزور کرنے لگی تھی۔

''ہما بھابی ہمارے لیے قابلِ عزت ہیں سلجوق صاحب۔ انہوں نے ہمیں ایک گھر دیا، محبت دی۔ ہمارے لیے وہ باعثِ شرمندگی کبھی نہیں رہیں۔ ہم نے تو اب بھی سب سے یہی کہہ رکھا ہے کہ بھائی سے کسی اَن بن کی وجہ سے وہ میکے رہ رہی ہیں۔ اللہ کرے وہ جہاں کہیں ہوں خیریت سے ہوں اور عزت سے اپنے گھر واپس آئیں۔ ہم ان کے لیے اب بھی ویسی ہی محبت رکھتے ہیں۔'' ارمغان کے لہجے میں سچائی تھی۔

''ٹھیک ہے تم اپنے بھائی کو، یا کسی بڑے کو بھیجو میں بھی گھر میں مشورہ کر لیتا ہوں۔''

ارمغان نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اجازت چاہی تھی۔

''اے بٹوا وہ اصلی سیّد تو ہے؟'' اتابی نے ساری بات سننے کے بعد پوچھا تھا۔

''نہیں اتابی وہ سیّد نہیں ہے، مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اچھے خاندان کا ہے۔ ڈاکٹر ہے۔ ہمیں اب اپنی سوچ میں تبدیلی لے آنی چاہیے، ہما والے واقعے سے سبق لینا چاہیے۔ یہ ذات پات کچھ نہیں، کچھ نہیں۔''

''بہت اچھی بات سوچی ہے آپ نے۔'' راضیہ نے بھی حصہ لیا۔ ''مناسب فیصلے بروقت کر لیے جائیں تو انسان بہت بڑے نقصانات سے بچ جاتا ہے۔''

''ہوں۔'' سلجوق شاہ نے سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

''ایک اور رائے دوں۔ اگر اتنی بڑی تبدیلی آپ کی سوچ میں آئی ہے تو ربیعہ سے بھی ضرور پوچھ لیں۔ بیٹیاں بہر حال گائے بکریاں نہیں ہوتیں۔''

''ہاں تم پوچھ لینا۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔'' وہ فوراً اس کی رائے سے متفق ہوئے تھے۔ اتابی نے خوشی کا اظہار سلجوق کا منہ چوم کر کیا۔

''اللہ تمہیں اولاد کی خوشی جلد دکھائے۔ دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔'' انہوں نے دعا دی تھی۔

راضیہ نے سر جھکا لیا تھا۔ سلجوق نے ایک نظر خاموش راضیہ پر ڈالی اور جیسے اس کی اداسی ان کے من کے اندر تک اترتی چلی گئی۔ وہ عجیب طرح سے الجھ گئے تھے۔ بیک وقت دو کشتیوں میں سوار ہونا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ انہیں اب اندازہ ہو رہا تھا۔ شاید وہ جلد بازی کر گئے تھے۔ جہاں اتنی دیر صبر کیا تھا وہاں کچھ عرصہ اور ٹھہر جاتے تو زندگی جس دوراہے پر آ کر نہ ٹھہرتی لیکن انسان تھے۔ یا پھر یہ سب یونہی ہونا لکھا تھا۔ زندگی میں اسی طرح موڑ آنے تھے، جہاں سے ہر پچھلی چیز اوجھل اور ہر موڑ پر نئی، اَن دیکھی چیز سامنے آنی تھی اور جب پیچھے کچھ نظر نہ آ رہا ہو اور سامنے کوئی اَن دیکھا تجربہ تو پھر انسانی عقل وہ تجربہ کرنا ضروری سمجھتی ہے۔

انہوں نے بھی ایک تجربہ ہی کیا تھا اور یہ تجربہ کامیاب جا رہا تھا سب کچھ ٹھیک تھا۔ وہ اوجھل ہونے والے موڑ کو بھلانے میں کامیاب ہونے کو تھے کہ یکا یک اگلے موڑ پر پھر جیسے سب کچھ Reverse ہو گیا تھا۔ زندگی کی گاڑی میں ان کے ہمراہ راضیہ احمد تھی جسے انہوں نے خود زندگی کا ہم سفر چنا تھا اور اس ہم سفر نے خوشیاں ان کا مقدر کر دی تھیں اور سامنے حفیظہ ملک تھی جو ان کی محبت تھی، شریکِ حیات بھی بنی تھی لیکن وقت کے ظالم لمحوں نے اسے الگ کر کے دور کھڑا کر دیا تھا اور اب پھر سامنے لے آئے تھے۔

وہ حفیظہ ملک کو پھر سے نہیں کھونا چاہتے تھے اور راضیہ احمد......؟ اس بارے میں دل ابھی کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔ کبھی وہ سوچتے راضیہ کو ساری حقیقت بتا دیں اور خود اسی سے فیصلہ کروا لیں۔ وہ ہمت بھی کرتے، لیکن راضیہ کے سامنے آتے ہی ساری ہمتیں دم توڑ دیتیں اور وہ کچھ نہ کہہ پاتے اور اب فیصلہ ہونے میں بھی تھوڑے دن ہی تھے۔ پھر کیا ہوتا؟ وہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہے تھے۔

راضیہ بغور ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ شدید اندرونی کشمکش نے ان کے چہرے پر تناؤ کی سی کیفیت پیدا کی دی تھی۔ اس کا دل دکھ سے بھرنے لگا۔ کاش وہ کچھ کر سکتی۔ ابھی تو وہ خود کو سنبھال نہ پا رہی تھی۔ اس روز سلجوق کے بات کرنے کے بعد اس نے یونہی ری ڈائل کر لیا تھا۔ حالانکہ اس کا حفیظہ ملک سے بات کرنے کا کوئی ارادہ بھی نہ تھا اور نہ ہی اس کے ذہن میں ایسی کوئی بات تھی جو اس نے حفیظہ سے کہنا تھی، لیکن ادھر سے ہیلو کی آواز آتے ہی بے اختیار اس

کے منہ سے نکل گیا تھا اور پھر ادھر سے چھائی خاموشی یہ بتا گئی تھی کہ فون ریسیو کرنے والی حفیظہ ہی تھی اور فی الحال اس کی جاں سلب کرنے کو اتنا ہی کافی تھا۔

''راضیہ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ رات کو شید دیر ہو جائے۔'' سلجوق کی آواز اسے خیالات کی دنیا سے باہر کھینچ لائی تھی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ نم ہوتی آنکھوں سے سب کچھ دھندلا دکھائی دیا تھا۔ وہ سر ہلاتی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

☆======☆======☆

اس کے اندر بے شمار سناٹے اُتر آئے تھے، اس کا ذہن جیسے کام کرنا چھوڑ چکا تھا۔ وہ تو سب کچھ ہی گنوا بیٹھی تھی۔ محبت اور ضد کے ہاتھوں۔ محبت کے ہاتھوں اپنا آپ گنوایا اور ضد کے ہاتھوں اپنی کوکھ۔ نقصان ہمیشہ عورت کا ہی ہوتا آیا ہے۔

ضد پر مرد اُترے یا عورت۔

خودسری عورت دکھائے یا مرد۔

دونوں صورتوں میں عورت ہی خالی ہاتھ ہوئی ہے۔

اس کی ضد نے اسے کیا دیا تھا۔

وہ جس کی ضد میں آ کر سب کچھ کیا تھا وہ تو ویسا ہی شاداں و فرحاں تھا۔ آباد تھا۔ برباد تو وہ ہو گئی تھی۔ آگے پیچھے کچھ نہ رہا تھا۔ ہمیشہ کے لیے محرومی اس کا مقدر بن گئی تھی اور وہ عورتوں میں کھیلتا پھر رہا تھا اور شاید بچے بھی۔

اپنے تئیں اس نے انتقام لینا چاہا تھا۔ ساری عمر اس کو بے اولاد رکھ کر۔ اس کے ذہن کے گوشے میں کہیں یہ بات تھی کہ کچھ ہو جائے اس گھر میں اس کے علاوہ کوئی دوسری عورت اسد ملک کی بیوی بن کر نہیں آئے گی اور اولاد کی محرومی اس کو خون کے آنسو پینے پر مجبور کر دے گی، لیکن یہاں تو سب کچھ الٹا ہو گیا تھا۔ وہ بیوی بھی لے آیا تھا اور ایک بچے کا باپ ہونے کا دعویٰ بھی کر رہا تھا اور اس کے دل میں اٹھتے جوار بھاٹے میں جیسے تیل کا چھڑکاؤ ہو گیا تھا۔ وہ پور پور جھلس رہی تھی مسخ ہو رہی تھی اور اس کا جی چاہ رہا تھا۔ اس ساری حویلی کو مکینوں سمیت آگ لگا دے اور پھر خوب زور زور سے قہقہے لگائے اور ساری دنیا کو بتائے ان عزت داروں کی اصل حقیقت۔

اسد نے اس لڑکی کو اس حویلی میں کہاں رکھا تھا وہ بے خبر تھی اور تو اور پھوپھو بیگم بھی اس دن کے بعد سے اس کے کمرے میں نہ آئی تھیں بلکہ صحیح معنوں میں اس سے نظریں چراتی پھر رہی تھیں۔ فی الفور تو اس کا جی یہی چاہا کہ وہ فوراً بابا جان اور اماں جان کو خبر کرے اور ان سے

پوچھے کہ بتائیں کیا خاندان کی روایات کے مطابق ایسا ہوا کہ بیوی پر سوت لا کر بٹھا دی جائے۔ وہ جو سارے اسے صبر کی تلقین کیا کرتے تھے۔ ''اس حویلی میں یہی ہوتا آیا ہے۔'' سمجھایا کرتے تھے، یہ تو کسی نے نہیں بتایا کہ جب سوت آ جائے تو پھر کیا کرنا چاہئے، لیکن وہ کیا بتاتیں؟ انہوں نے صرف مردوں کے کردار پر صبر کیا تھا۔ یہ سوچ کو خود کو تسلیاں دیتی رہی تھیں کہ ہاتھی جدھر مرضی پھرے نام تو ہاتھی والے کا ہی ہوگا اور اب...... پھوپھو بیگم بھی شاید اس لیے کتراتی پھر رہی تھیں، لیکن اس کی یہ غلط فہمی یا خیال بھی دور ہو گیا۔ باہر پھوپھو بیگم کسی سے کہہ رہی تھیں۔

''غلطی رومانہ کی اپنی ہے۔ مرد اتنی خودسری نہیں دیکھتے۔ نہ برداشت کرتے ہیں۔ جب عورت ہے ہی پیر کی جوتی تو پھر سر چڑھنے کی کوشش کیوں کرے۔ مرد تو رہتے ہی موقع کی تاک میں ہیں اور رومانہ نے اسے جوتی بدلنے کا موقع خود دیا ہے۔ اب کاہے کو شور مچاتی ہے۔ کتنا سمجھایا تھا اس کو صبر سے کام لے۔ مگر اس پر تو خون سوار تھا۔ جان لے کے ٹلی بچے کی نقصان کس کا کیا خود محروم ہوئی۔ اسد کا کیا ہے۔ مرد ہے دس بچے پیدا کر سکتا ہے۔''

ہاں وہ مرد ہے دس بچے تو کیا بیس بھی پیدا کر سکتا ہے۔ بیس چالیس عورتوں سے تعلقات بھی رکھ سکتا ہے۔ بے وقوف تو عورت ہوتی ہے۔ جو محبت کرتی ہے تو کرتی چلی جاتی ہے۔ سب کچھ بیچ دیتی ہے اور حصے میں ہمیشہ خسارہ ہی آتا ہے اور وہ بھی عورت تھی۔ محبت زدہ عورت سب کچھ ہاری ہوئی عورت اسے پہلی بار احساس ہوا کہ وہ کتنی بڑی غلطی کر چکی تھی۔ اپنے ہی ہاتھوں خود کو برباد کر چکی تھی۔ احساسِ زیاں اس قدر بڑھا کہ وہ اکڑوں بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

☆======☆======☆

''ایک محبت صرف ایک محبت ساری محبتیں چھوڑنے پر مجبور کر دیتی ہے اور ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا ہم کیا کر رہے ہیں۔ بس محبوب کی چاہ ہی ساری حقیقت بن جاتی ہے۔ باقی سب کچھ فریب، باقی سب کچھ سراب، باقی ہر شے ہیچ، میں وہ تھی لالہ! جسے ماں باپ نے کبھی پھولوں کی چھڑی سے بھی نہ چھوا تھا۔ بھائی جس پر جان دیتا تھا۔ جس کی کوئی خواہش رد نہ ہوئی تھی جس کے لیے ہر شے وافر تھی۔ محبت، آسائشیں، لیکن اس نے ان سب پر ایک شخص کو ترجیح دی۔ ساری محبتیں کہیں پیچھے رہ گئیں بس ہر طرف وہ ہی وہ رہ گیا۔ اس کی ہر بات میرے لیے حرفِ آخر بن گئی۔ غلط اور صحیح کی تمیز نہ رہی۔ اس نے کہا چلو نکاح کر لیں اور پھر میں رات کی تاریکی میں اس سے نکاح کرنے چلی گئی۔ اس نے اپنا حق جتایا اور میں دوسرے سارے حق

بھلائے اس کی خواہش پر سر جھکا گئی۔ ایک لمحے کو بھی میرے دل میں آئندہ کا خیال نہیں آیا یا پھر میں حد سے زیادہ خوش فہم تھی سمجھتی تھی میری محبت کے آگے بھیا اور بابا مجبور ہو جائیں گے۔ میں بھول ہی گئی کہ اس طرح بغاوت کرنے والوں کا انجام کچھ اچھا نہیں ہوتا، لیکن میں مطمئن تھی۔ احمد یار کا حق مجسم صورت میں ظاہر ہوا تو اماں جان کو پتہ چل گیا اور اس صدمے نے ان کی جان لے لی انہوں نے مجھے صفائی کا موقع ہی نہ دیا۔ وہ اس بے عزتی کو سہار نہ سکی تھیں۔

نوری نے جب بھری پنچایت میں میرے اور احمد یار کے تعلق کا ذکر کیا تو بھی میں مطمئن تھی کہ بابا جان کم از کم مجھے مار دینے کا حوصلہ نہیں کر سکیں گے، لیکن یہاں میں پھر غلطی کر گئی تھی۔ وہ احمد یار کی تلاش میں تھے اور میرے لیے وہ وقت مہلت۔ اور پتہ ہے مجھے وہاں سے فرار کس نے کروایا تھا سارہ بھابی نے حالانکہ میں نے ان کے اعتماد کو بھی دھوکا دیا تھا۔ ان کے بھائی کو Reject کیا تھا۔ اس کے باوجود وہ مجھے مرتا نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ زندگی بچانے کے لیے میں جہاں تک بھاگ سکتی ہوں بھاگ جاؤں۔ اس سے زیادہ وہ میرے لیے کچھ نہ کر سکتی تھیں میں راستوں سے ناواقف تھی۔ بس احمد یار کا سمجھایا پتہ میرے ذہن میں تھا اور میں اٹکل پچو سے اللہ بھرایا کے گھر پہنچ گئی تھی۔ ہمارا نکاح وہیں ہوا تھا۔

اللہ بھرایا نے بھائی ہونے کا حق ادا کر دیا۔ مجھے یاد ہے کس طرح وہ پیسے بچا بچا کر میرے لیے شہر سے پھل لاتا تھا وہ جانتا تھا احمد یار قتل ہو چکا ہے، لیکن اس نے آخری لمحہ تک مجھے نہیں بتایا تھا کہ وہ مارا گیا۔ میرے لیے سب کچھ ختم ہو گیا۔ پھر لالہ، میں نے تمہاری طرف دیکھا تو میرے دل میں زندہ رہنے کی اُمنگ جاگی، لیکن کسی نے حویلی خبر کر دی کہ میں اللہ بھرایا کے پاس ہوں اور سلیمان لالہ نے اسی رات حملہ کر کے مجھے وہاں سے اٹھا لیا۔ وہ تمہارے بارے میں لاعلم تھے، لیکن میں یہ سمجھتی رہی کہ انہوں نے تمہیں بھی مار ڈالا۔ سلیمان لالہ مجھے حویلی لے آئے۔ ملک پور کی حویلی میں انہوں نے رحمٰن لالہ کے آگے مجھے پھینکتے ہوئے بڑی نخوت سے کہا تھا جہاں بابا جان بھی موجود تھے۔

''لو تمہاری بہن نے بھی اسی کے ساتھ منہ کالا کر لیا۔ جس کی بہن ایک رات میرے ساتھ رہی تو تم نے میرے لیے ملک پور کے دروازے بند کر ڈالے تھے۔ اب دو اسے پھانسی کس چوک میں سنگسار کرو گے اس کو اور کدھر ہیں وہ اونچے شملے والے دیکھیں ذرا میری بہن پر تو بڑا نام دھرا تھا۔ بڑے طمطراق سے کہا تھا کہ تہمینہ کو لگام ڈال کر رکھو، اِدھر اُدھر منہ مار کر ہماری عزت کو نیلام مت کرے۔ جب کوئی مناسب رشتہ لگا شادی کر دیں گے۔ اس کی شادی تو ہم نے عزت دار طریقے سے عزت دار گھرانے میں کر دی، یہ جو اِدھر اُدھر منہ نہیں مارتی تھی۔ دیکھو

کہاں سے پکڑی گئی۔ کہاں گئی وہ عزت جس کے ڈنکے بجاتے پھرتے تھے وڈے ملک صاحب۔'' وہ شاید آپے میں نہیں تھا۔

''ہوش سے بات کرو لالہ یہ تمہاری بھی بہن ہے۔ ہم سب کی عزت پر حرف آیا ہے۔'' رحمٰن لالہ نے لہجہ دھیما رکھا تھا۔ بابا جان کی طبیعت کی خرابی پیشِ نظر تھی۔

''خبردار، خبردار یہ میری بہن نہیں ہے۔ میری بہن ہوتی تو اب تک قبر میں پڑی ہوتی یوں صحیح سالم اپنی ٹانگوں پر نہ کھڑی ہوتی یہ صرف تمہاری بہن ہے۔ اس عورت کی بیٹی ہے جس نے میری ماں کے حق پر ڈاکہ ڈالا۔ جس نے میری ماں سے اس کا شوہر چھینا۔ بہت تڑپایا ہے اس عورت نے میری ماں کو اور اس شخص نے ہم کو۔'' ان کے اندر چھپی ساری نفرتیں عود کر آئی تھیں۔ بابا جان صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے خاموشی سے سلیمان لالہ کو دیکھ رہے تھے۔

''دیکھیں لالہ ٹھیک ہے لیکن آپ بابا جان کے سامنے تو اس طرح...... وہ بیمار ہیں۔''

رحمٰن ملک نے پھر سمجھانے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ ہتھے سے اکھڑ چکے تھے۔ بابا جان کی طبیعت بگڑ گئی۔ وہ مجھے بھلا کے بابا جان کی طرف متوجہ ہو گئے سلیمان لالہ چلے گئے۔ میں وہاں کھڑی رہی۔ میرا ذہن بالکل خالی تھا۔ رحمٰن لالہ نے سارہ بھابی کو بلا کر مجھے ان کے حوالے کیا اور خود بابا جان کو لے کر ڈاکٹر کے پاس چلے گئے۔

سارہ بھابی مجھے لے کر اسی کوٹھری میں چلی آئیں۔

''تمہاری ایک غلطی نے بہت کچھ تباہ کر دیا مہرو۔ بلال لوٹ کر نہیں آیا۔ اسے تمہاری بے وفائی نے وطن کی راہ بھلا دی۔ بابا جان آج کل کے مہمان ہیں۔ کیا تھا مہرو جو تم اپنی محبت کی قربانی دے دیتیں۔ بہت کچھ بچ جاتا تم بھی۔'' وہ بہت آزردگی سے گویا ہوئی تھیں۔

اور میرے پاس کسی سوال کا جواب نہ تھا۔

بابا جان ہاسپٹل میں ہی تھے۔ سلیمان لالہ کی باتوں نے انہیں مزید توڑ پھوڑ دیا تھا۔ رحمٰن لالہ نے اپنے خاص آدمی کو حکم دے دیا تھا کہ مجھے مار دیا جائے۔ کیونکہ وہ واپسی پر مجھے اس حویلی میں نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ اگلی صبح مجھے گاڑی میں ڈال کر زمینوں کی طرف لے جایا گیا میں حیران تھی کہ اگر گولی مارنی ہی ہے تو یہیں حویلی میں مار دیں۔ اتنی دور لے جانے کی کیا ضرورت ہے اور میری حیرانی اس وقت دور ہو گئی۔ جب کمدار نے رحمٰن لالہ کے اس خاص بندے کو ایک بہت بڑی تھیلی تھمائی اور ساتھ ہی کپڑوں سے بنا ایک پتلا بھی۔ وہی پتلا جو کھیتوں میں پرندوں کو اُڑانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ انہوں نے اس پتلے پر لال رنگ انڈیلا اس کو بھی طرح چادروں میں لپیٹا اور وہ آدمی اس پتلے کو چارپائی پر ڈال کر ٹرالی میں رکھ کر چلا

گیا۔ کمدار مجھے اپنے ساتھ جھگی میں لے گیا۔

میں چار دن اس جھگی میں چھپی رہی پانچویں دن کمدار نے بوسیدہ حال کپڑے مجھے دیئے اور کہا کہ یہ پہن لوں۔ میں حیران پریشان اس کے حکم پر عمل پیرا رہی۔ جب رات کے سائے گہرے ہونے لگے تو وہ مجھے اپنے ساتھ سائیکل پر بٹھا کر چلا۔ کافی دیر بعد ہم جہاں پہنچے وہ وہی جگہ تھی جہاں سے میں فرار ہوئی تھی۔ جہاں اس ساری کہانی کی شروعات ہوئی تھیں۔ وہاں سارہ بھابی موجود تھیں۔ انہوں نے کمدار کو ایک اور تھیلی پکڑائی اور مجھے لے کر باہر باہر سے ہی چھت پر آ گئیں۔ مینار کے نیچے اس چھوٹے سے کمرے کو شاید قید خانے کے طور پر ہی استعال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کی حالت بالکل کسی جیل کی مانند تھی۔ سلاخیں لگی ہوئیں۔ نیچے گھاس پھوس۔ سارہ بھابی نے مجھے اس کوٹھڑی میں بھیج کر باہر سے تالا لگا دیا پھر جانے کے مڑی تھیں کہ میں نے پکار لیا۔

''آپ مجھے مر جانے دیتیں بھابی کیا مل جائے گا آپ کو مجھے زندہ رکھ کر۔'' وہ پلٹیں ان کا چہرہ اس وقت واضح نہیں تھا۔ بہت آہستگی سے گویا ہوئیں۔

''تمہیں زندہ رکھنا میری مجبوری ہے مہر تمہارے مرنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم سکھ پا گئیں اور وہ جنہوں نے تمہاری خاطر اتنا کچھ جھیلا وہ تا عمر اس آگ میں جلیں۔ نہیں مہر میرا ایک ہی بھائی ہے۔ تمہارے لیے جوگ لے بیٹھا۔ میری ماں اور میرا باپ اسے دیکھنے کو ترس رہے ہیں لیکن تمہاری بے وفائی نے اسے اس وطن سے متنفر کر دیا ہے۔ وہ یہاں نہیں آئے گا۔ تمہیں زندہ اس لیے رکھا ہے میں نے کہ تنہائی کی آگ میں جلو اور اپنے کیے کا انجام بھگتو میری روح کو سکون تب ہی آئے گا۔'' وہ اتنا کہہ کر چلی گئیں اور میں اس قید خانے میں تنہا رہ گئی۔

جانے کتنے برس بیت گئے۔ اکیلا بندہ تو یوں پاگل ہو جاتا ہے اور میرے پاس تو سوچنے کو بہت ساری باتیں تھیں۔ ایک ملازمہ تھی جو دن میں تین بار مجھے کھانا پہنچانا نہ بھولتی۔ وہ میرے بارے میں لاعلم تھی۔ کیونکہ سارہ بھابی کے بقول میرا باقاعدہ جنازہ اٹھا تھا اور بہت سارے لوگوں نے شرکت کی تھی۔ وہ ملازمہ گونگی بہری تھی۔ کیونکہ میرے پوچھنے پر بھی وہ کچھ نہیں بولتی تھی۔ ہاں سالوں بعد ایک بچی نے ادھر آنا شروع کیا تھا اور پھر جیسے اس بچی نے وہاں آنا معمول بنا لیا تھا۔ وہ چوری چھپے وہاں آتی اور میرے ساتھ چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی اور تب لالہ مجھے تم شدت سے یاد آتیں۔ مجھے اس میں لالہ کی شبیہ نظر آنے لگی۔ وہ بچی میرے سامنے جوان ہوئی۔ یہی بچی رحمٰن لالہ کی بیٹی۔ سارہ بھابی کو کسی ڈاکٹر نے غلط کہہ دیا تھا کہ وہ ماں نہیں بن سکتیں مگر خدا کے ہاں کوئی بات ناممکن نہیں۔ تنہائیوں میں میرا جس نے ساتھ دیا وہ یہی تھی،

لیکن مجھے دکھ یہ ہوا کہ اس کو سزا ملی۔ جب ہم گناہ کر رہے ہوتے ہیں تو سمجھتے ہیں یہ سلسلہ بس یہیں ختم ہوا جب کہ ایسا نہیں ہوتا۔ یہ سلسلہ تو دور تک چلتا ہے۔ میرے گناہوں کی سزا، سارہ بھابی کے کیے کی سزا اس بچی کو ملی۔ در بدر ہوئی تو یہ۔ آج کیا ہے اس کے پاس۔ کچھ بھی تو نہیں کچھ بھی تو نہیں۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

ناجیہ اور حفیظہ ایک دوسرے سے نظریں چرائے بیٹھی رہی۔

پتہ نہیں کس سے کہاں، کیا کیا گناہ سرزد ہوئے تھے اور کون کون مکافاتِ عمل سے گزر رہا تھا، انسانی عقل اگر اس کا احاطہ کر لے تو آدھی دنیا برائیوں سے پاک ضرور ہو جائے۔

☆======☆======☆

''تمہیں شاید اندازہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو؟'' فرحان نے ارمغان کو خشمگیں نظروں سے دیکھا۔

''میں اچھی طرح جانتا ہوں بھائی جان میرے لیے یہی فیصلہ بہتر ہے۔'' ارمغان نے نظریں چرائی تھیں۔

''اور وہ ناجیہ، ناجیہ عزیز احمد والا فیصلہ غلط تھا شاید؟''

''آپ سمجھ نہیں رہے بھائی جان۔ وہ میرے ساتھ شادی کرنے پر رضامند نہیں ہے۔''

''کیوں اب ایسا کیا ہو گیا۔ پہلے تو سب ٹھیک تھا۔'' وہ اسی کو قصوروار گردان رہے تھے۔

''ٹھیک نہیں تھا بھائی جان۔ میں سمجھ رہا تھا کہ میں ٹھیک کر لوں گا، لیکن وہ میری غلط فہمی تھی۔ کسی کو زبردستی اپنے ساتھ رہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ کیا ضروری ہے ہر بار یہی کہانی اس گھر میں دہرائی جائے۔ میں فرحان اعجاز بننے پر تیار نہیں ہوں۔ آپ بس اس خیال کو دل سے نکال دیں۔ میں سلجوق سے بات کر چکا ہوں وہ راضی ہیں۔ ربیعہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ آپ ایک بار ان سے اس سلسلے میں مل لیں۔ میں چاہتا ہوں۔ جلد از جلد یہ کام ہو جائے۔ کیونکہ میں باہر جا رہا ہوں۔'' اس نے کہا تو فرحان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''باہر کیوں؟''

''بہت عرصہ سے میں نے اپلائی کیا ہوا تھا۔ اب کال آ گئی ہے۔ نکاح ہو جائے تو میں ربیعہ کو بھی ساتھ ہی لے جاؤں گا۔ یہی ایک مہینہ میرے پاس ہے۔''

''اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں۔'' انہوں نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا۔ جو خود بے حد افسردہ تھا۔

''میں نے سوچا تھا سب کچھ مکمل ہو جائے پھر آپ کو بتا دوں گا۔ بلکہ میں نے تو آپ

کے لیے بھی سوچ رکھا تھا۔ وہاں جاتے ہی میں کوئی مناسب بندوبست کر کے آپ کو بلوالوں گا۔'' اس نے لہجے میں ذرا بشاشت پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔

''ٹھیک ہے جب تم سارے فیصلے کر ہی چکے ہو تو میں منع کرنے والا کون ہوں۔ میں آج شام ہی سلجوق شاہ سے بات کر لیتا ہوں۔'' فرحان نے دھیمے سے کہا تھا۔

اسی وقت فون کی بیل بجی تھی ارمغان نے آگے بڑھ کر فون اٹھا لیا۔ فرحان اٹھ کر باہر چلے گئے تھے۔

''ہیلو!'' اس نے کہا۔ دوسری جانب خاموشی تھی۔

''ہیلو! ہیلو۔'' وہ دوبارہ بولا۔ تب ادھر سے بہت آہستہ آواز ابھری تھی۔

''ہیلو! ارمغان میں ناجیہ بول رہی ہوں۔''

''جی فرمائیے؟'' ارمغان کے لہجے میں خود بخود بیگانگی در آئی تھی۔

''کیسے ہیں آپ؟'' پوچھا گیا تھا۔

''الحمدللہ بخیر و عافیت ہوں۔ آپ سنائیے کیسے زحمت کی؟''

اور ناجیہ کے سارے حوصلے پست ہو گئے۔ اسے تو معذرت کے لیے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے اوپر سے ارمغان کے رویے نے اسے بالکل ہی توڑ دیا۔ بھرم رکھنے کو کچھ تو کہنا لازم تھا۔

''میں نے نوما کا پتا کرنا تھا۔ ادھر ہے یا سسرال میں؟''

''اپنے گھر میں ہے اور کچھ؟''

''نہیں اللہ حافظ۔'' فون بند ہو گیا۔

ارمغان کچھ دیر ریسیور کو گھورتا رہا۔ پھر رکھ کر باہر نکل آیا۔ ذہن ایک بار پھر الجھنے لگا تھا۔

کیا تھا جو یہ لڑکی...... لیکن ہر کوئی محبت میں خوش نصیب نہیں ہوتا۔ اس بے وقوف لڑکی کی قسمت میں ہے ہی نہیں محبت، جو ٹھوکریں مارتے ہیں، خود ٹھوکروں کی زد پر آجاتے ہیں۔ اس کا دل کلس گیا تھا۔

☆======☆======☆

سلجوق شاہ کا فون کئی بار آ چکا تھا، لیکن اس نے ہر بار بات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ الجھ رہے تھے اور کم الجھی ہوئی تو وہ بھی نہ تھی۔

کیا سمجھ رکھا تھا ان سب نے اسے؟

جھوٹ، دھوکا، فریب یہ سب کچھ اس کے ساتھ جائز ہو گیا تھا۔

ہر چہرہ ہی ماسک لگائے ہوئے تھا۔ حتیٰ کہ وہ شخص بھی جس کے متعلق اس کا دل کبھی ہلکا سا شک بھی نہ کر سکتا تھا۔

اگر سلجوق شاہ شادی کر چکے تھے تو پھر دوبارہ اس کی طرف لوٹنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ تو صبر کر چکی تھی۔ تقدیر کے لکھے کو قبول کر چکی تھی۔ پھر یہ سارے مل کر اس کے ساتھ کیا کھیل رچا رہے تھے۔ کیوں بند کتاب کو کھولنے پر مُصر تھے؟

''کیا سوچ رہی ہو حفیظہ۔'' زادان کی آواز پر وہ چونکی۔ پھر ایک دم سیدھی ہو بیٹھی۔

''لگتا ہے نوما گھر پر نہیں، تبھی یہ صاحب پھر چلے آئے ہیں۔'' اس نے بے زاری سے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھ سے کچھ کہا زادان بھائی؟'' اس نے لہجے میں بھی حتی الامکان بیزاری سموئی تھی اس کے بھائی کہنے پر وہ بے ساختہ ہنسا۔

''صرف کہہ دینے سے رشتے نہیں بن جایا کرتے حفیظہ جی۔ بات تو ساری سمجھنے کی ہوتی ہے۔''

''بالکل ٹھیک کہا آپ نے، بات ساری سمجھنے کی ہوتی ہے۔'' وہ زہر خند ہوئی۔ ''کچھ لوگ تمام عمر رشتوں کا احترام کرنا نہیں سیکھتے۔ ساری زندگی دھوکے میں گزار دیتے ہیں۔ دوسروں کو تو دھوکا دیتے ہی ہیں، خود بھی دھوکے میں رہتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو خالی ہاتھ ہوتے ہیں۔ کچھ نہیں ہوتا ان کے پاس تلخ یادوں کے سوا۔''

''آپ کے ہاتھ میں کیا ہے حفیظہ؟'' وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ ''کوئی وعدہ، کوئی آس، کوئی سپنا۔ کچھ بھی تو نہیں ہے آپ کے ہاتھ میں، آپ نے کس کو دھوکا دیا؟ آپ نے کس کے ساتھ زیادتی کی؟ جو آپ یہ سزا کاٹ رہی ہیں۔ سزا دینے والے سنانے والے تو اپنی گھریلو زندگی میں مطمئن ہیں اور اب اگر آپ کو کوئی سہانا سپنا پھر سے اپنی طرف کھینچ رہا ہے تو یہ بھی آپ کی بھول ہے۔ وہ سلجوق شاہ، ہونہہ بڑا ناز ہے آپ کو اس پر۔ مگر آپ جانتی ہیں کیا کہ وہ شادی کر چکا ہے۔ فیصلہ ہونے کے کچھ عرصے بعد اس نے ایک امریکہ پلٹ لڑکی سے شادی کر لی تھی اور شادی بھی محبت کی، کیا نام ہے اس لڑکی کا...... ناجیہ، نوما کی دوست، اس کی بہن ہے اور اُدھر امریکہ میں سلجوق کے آفس میں کام کرتی تھی اور یہ شادی سراسر سلجوق کے ایماء پر ہوئی ہے۔ ہونہہ محبت اور وفاداری مرد میں یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں حفیظہ ملک۔ اسے جو چیز جب بھی پسند آجائے وہ اس لمحے میں اس کی محبت ہوتی ہے اور یہ محبت کبھی ختم نہیں ہوتی، ہر پل، ہر لمحہ بدلتی رہتی ہے۔ تمہیں جو زعم ہے ناں اس سے باہر نکل آؤ، سلجوق شاہ دو کشتیوں کا

سوار ہے۔ وہ اپنی پہلی بیوی کو چھوڑ نہیں سکے گا۔ یہ مجھ سے لکھوا لو۔ اسے بیک وقت دونوں بیویوں سے محبت ہے۔ زبردست۔'' وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر گویا اس کی بے بسی کا مذاق اُڑاتا پلٹ گیا۔

حفیظہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بلک اٹھی۔ تقدیر سارے مذاق اسی سے کرنے پر ہی کیوں تلی ہوئی تھی۔ اس نے تو آج تک کسی کا دل تک نہ دکھایا تھا۔ پھر یہ سب، یہ سب کیا ہو رہا تھا اس کے ساتھ، ساری محبتیں اس کے لیے ہی کیوں فریب بن گئی تھیں۔ اس نے ایک دم سے فیصلہ کر لیا۔

نہیں وہ مزید محبتوں کی آزمائش میں نہیں پڑے گی۔ وہ ملک پور واپس لوٹ جائے گی۔ تایا اس کے ساتھ جو بھی سلوک کریں؟ وہ اٹھ کر مہرینہ کے پاس چلی آئی۔

''آؤ حفیظہ۔'' وہ کھڑکی کے قریب چیئر رکھے باہر دیکھ رہی تھیں۔

''پھپھو ہم واپس ملک پور چلیں؟'' بیڈ کے کنارے ٹکتے ہی اس نے کہا تھا۔

''کیوں؟'' مہرینہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ پھر اس کے چہرے پر کچھ کھوجنے لگی تھیں۔

''کچھ بھی ہو پھپھو ہمارا گھر تو وہی ہے۔'' اس نے نظریں چرائیں۔ ''اور پھر اب......؟ آپ ٹھیک ہو گئی ہیں ہم دو ہو گئی ہیں۔ تایا جان ہمیں کتنا دبا لیں گے؟ ناجیہ کو بھی لے چلتے ہیں۔ بہر حال ہم سب کا حصہ ہے ملک پور میں۔''

مہرینہ ہنس دیں۔ ''اگر سلیمان ملک نے حصہ دینا ہوتا یہ سارا کھیل کھیلتا ہی کیوں؟ اور حفیظہ ہمارے لیے ملک پور میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ ہم وہاں دفن تو ہو سکتی ہیں رہ نہیں سکتیں۔ سلیمان ملک تو ایک حقدار کو برداشت نہیں کر سکا۔ تین تین کو کہاں برداشت کرے گا۔ وہ پہلی فرصت میں ہمیں زہر تو دے سکتا ہے۔ حویلی میں رہنے کی اجازت نہیں۔ میں جانتی ہوں وہ کس قدر زہریلا ہے۔''

''لیکن پھوپھو ہم یہاں کب تک پڑے رہیں گے۔ انکل آنٹی مانا بہت اچھے ہیں، لیکن یوں اچھا بھی تو نہیں لگتا۔ کاش ہمارے پاس کچھ رقم ہوتی تو ہم کہیں چھوٹا سا مکان ہی کرائے پر لے لیتے...... لیکن ایک منٹ۔'' اسے ایک دم اپنے زیورات یاد آ گئے۔ اس کے زیورات اتنے بھاری تھے کہ انہیں بیچ کر کافی رقم حاصل ہو سکتی تھی۔ یہ سوچ اسے تقویت دے گئی زیورات آتے ہی اس نے بیگم احسن کے پاس رکھوا دیئے تھے۔ ''میں انہی سے کہوں گی۔'' یہ سوچ کر وہ مطمئن ہو گئی۔

''میں چاہتی ہوں احمد یار کے گھر والوں سے ملوں۔ دیکھوں وہ کس حال میں ہیں؟'' مہرینہ نے باہر دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ حفیظہ کچھ نہیں بولی۔ تو وہ پھر گویا ہوئیں۔

''عزیز احمد آئے گا تو اس سے کہوں گی مجھے لے چلے۔ میں ایک بار اس ماں کو تو دیکھوں جس نے احمد یار کو جنم دیا تھا۔'' ان کا انداز کھویا کھویا تھا۔ حفیظہ کو ان کی آنکھوں میں گزرے وقت کی پرچھائیاں پھر دکھائی دینے لگیں۔ وہ اٹھ کر ان کے قریب آ گئی اور بے حد آہستگی سے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''بہت ٹوٹ کر محبت کرنا کیسا ہوتا ہے پھپھو؟'' اس کے لہجے میں نمی اتر آئی تھی۔

مہرینہ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور دھیرے سے بولیں۔

ہن او منے یا نہ منے
میں تے رانجھن ہوئی وے

''بس اتنی حقیقت، باقی کچھ نہیں کچھ بھی تو نہیں۔'' اور حفیظہ نے سوچا۔ وہ ٹھیک خالی ہاتھ رہی وہ تو اس مقام تک پہنچی ہی نہ تھی کہ دوئی ختم ہو کر ا یکتائی میں ڈھل جاتی۔ محبت اور عشق میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ یہ عشق ہے جو بڑے بڑے فیصلے کروا لیتا ہے محبت تو کمزور کرتی ہے کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے اور عشق تو سود و زیاں سے ماورا ہوتا ہے۔ کیا کھونا اور کیا پانا۔

☆======☆======☆

''اسد اس لڑکی کو جہاں سے لے کر آئے ہو وہیں چھوڑ کر آؤ۔ اس حویلی میں اس لڑکی کی کوئی گنجائش نہیں۔'' شہباز ملک بڑے دنوں سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے بالآخر تنگ آ کر انہوں نے کہا تھا۔

''کون لڑکی؟'' اس نے سر اٹھایا۔ ''وہ میری بیوی ہے بابا جان اور ایک بچے کی ماں بھی۔'' بڑے اطمینان سے کہا تھا۔

''کون سی بیوی؟'' وہ غضبناک ہوئے۔ ''وہ تمہاری بیوی نہیں ہے، تم اسے زبردستی اٹھا کر لائے ہو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''چلیں مان لیا وہ بیوی نہیں ہے لیکن میرے بچے کی ماں تو ہے۔'' وہ کمینگی کی انتہا پر تھا۔

''شرم کرو اسد!'' اس کی ڈھٹائی پر وہ سلگ کر بولے۔

''کس بات کی شرم بابا جان؟'' وہ ہنسا۔ ''یہ سارا تماشا تو میں نے ہوش سنبھالتے دیکھا ہے اس حویلی کی دیواروں میں کتنی معصوم اور بے گناہ لڑکیوں کی چیخیں قید ہیں، میں جانتا ہوں۔

بلکتی فریادوں پر آپ کے قہقہے بھی میری سماعتوں میں محفوظ ہیں۔ میں سوچتا تھا کہ جب کوئی لڑکی آپ کے سامنے چیخ چیخ کر رحم کی بھیک مانگتی تھی تو آپ قہقہے کیوں لگاتے تھے کیوں اس کا دکھ، اس کی تکلیف نہیں سمجھتے تھے؟ پھر مجھے سمجھ آ گئی۔ واقعی جب ایک لڑکی بے بس ہو کر آپ سے بھیک مانگے اور آپ صاحبِ اختیار ہوں تو اس کی بے بسی پر قہقہہ لگانا آپ کا حق بنتا ہے۔ دسترس میں جو ہوئی۔ یہ سب بابا جان...... یہ سب تو میں نے ہوش سنبھالتے دیکھا ہے۔ میرے ساتھ ساتھ یہ پلا بڑھا ہے۔ میں بھی انہی دیواروں کے بیچ رہا ہوں۔ اذیت بھری وہ چیخیں اب مجھے بھی سکون دیتی ہیں۔ نشہ بڑھاتی ہیں میرا۔ آپ نے چھوڑا یہ سب؟ پھر مجھے، مجھے بھی اس طرح کی نصیحتیں کرنے کا کوئی حق نہیں آپ کو میں جو صحیح سمجھوں گا وہی کروں گا۔'' وہ دوٹوک کہتا باہر نکل آیا۔ رخ رومانہ کے کمرے کی طرف تھا۔ کمرہ لاک تھا۔ اس نے دستک دی۔ پھر دوبارہ دستک دینے پر بھی دروازہ نہ کھلا تو اس نے زور سے دھکا مارا۔

''غصے میں اندھے ہونے کی بجائے بہتر ہے دیکھ لو۔ دروازہ باہر سے بند ہے۔'' رومانہ کی آواز اس کے عقب سے آئی تھی۔ اس نے پہلے دروازے کو پھر پیچھے مڑ کر رومانہ کو دیکھا اور ایک زوردار ٹھوکر رسید کرتا وہاں سے ہٹ گیا۔ رومانہ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ پھر رک کر بولی۔

''مسٹر اسد ملک ادھر کہاں جا رہے ہو۔ آپ کی بیوی میرے کمرے میں ہے۔'' کہہ کر اس نے فوراً دروازہ لاک کر لیا۔ اسد تلملا کر آگے بڑھا تھا اور وحشت کے عالم میں دروازہ پیٹنے لگا تھا۔ جبکہ رومانہ اندر انتہائی سکون سے ٹیپ ریکارڈ آن کیے دریچے میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

ہما ایک طرف کرسی پر بیٹھی وحشت زدہ نظروں سے کبھی دروازہ کو اور کبھی پُرسکون رومانہ کو دیکھ رہی تھی۔ لگ رہا تھا جیسے ابھی وہ دروازہ توڑ کر اندر آ جائے گا اور پھر وہ اس کی وحشت و درندگی کا نشانہ بن جائے گی۔ وہ خوفزدہ ہو کر رومانہ کے پاس آ گئی۔ رومانہ نے اس کے چہرے پر چھایا ہراس دیکھا اور ہنس پڑی۔

''تم تو یوں خوفزدہ ہو رہی ہو جیسے اسد ملک نے تمہیں پہلی بار چھوتا ہو۔ بقول اسد ملک کے تم اس کے بچے کی ماں ہو۔'' ہما کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ اس نے ریلنگ سے ٹیک لگاتے ہوئے زخمی نظروں سے رومانہ کو دیکھا۔ پھر دھیرے سے بولی۔

''میں اس کے بچے کی ماں خوشی سے نہیں بنی۔ اس نے میرے ساتھ زبردستی کی ہے۔''

''کیا گھر میں گھس کر زبردستی کی اس نے؟'' وہ تلخی سے گویا ہوئی۔ ''تم جب اس کے ساتھ گھر سے نکلیں کیا، تب تمہیں احساس نہیں تھا کہ ایک غیر مرد ایک ویران جگہ پر تمہیں کیوں

لے جا رہا ہے؟ یا تم دودھ پیتی بچی تھیں جسے وہ ٹافی کا لالچ دے کر ساتھ لے گیا۔ ہونہہ، اپنی غلطی مرد کے سر تھوپ دینے سے گناہ کی شدت کم نہیں ہو جاتی۔ دنیا صرف عورت سے پوچھتی ہے۔ بتاؤ اب تک کتنے لوگوں نے اسد ملک سے اس ''زیادتی'' کے بارے میں پوچھا۔ جواب دہ تو تم ہی ہو ناں اور پھر اب......

اب کس لیے وہ تمہیں ساتھ لیے پھر رہا ہے۔ یا تم اس کے ساتھ آئی ہو۔ بتاؤ اگر تمہیں اسد ملک کی قربت سے خوف آتا ہے تو پھر اس کے ساتھ کیوں ہو؟''

''نہیں۔'' ہما نے تڑپ کر اس کی بات کاٹی تھی۔ ''میں اب کی دفعہ اس کے ساتھ نہیں آئی۔ اس نے مجھے راہ چلتے اغوا کیا ہے۔ پہلے مجھے اپنے فارم پر رکھا ہے اور اب جانے کس لیے مجھے یہاں لے آیا ہے۔ میں تو خوش تھی اپنی موجودہ زندگی پر اطمینان سے رہ رہی تھی اپنے شوہر اور بچی کے ساتھ۔ اس نے مجھے گزشتہ حوالہ دے کر بلیک میل کرنا شروع کر دیا تھا۔ میرے شوہر کو فون پر جانے کیا الٹی سیدھی دھمکیاں دی تھیں۔ میں تو یہی سمجھ نہیں پا رہی اس کو مجھ سے کیا دشمنی ہے آخر ایک بھول کی اتنی بڑی سزا میرے مالک اب تو بس کر میری توبہ قبول فرما، مجھے اپنی پناہ میں رکھ میں مزید گناہ کی زندگی نہیں گزار سکتی تُو میرے لیے کوئی بہتر فیصلہ فرما دے۔''

وہ وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر بلکنے لگی تھی۔ باہر ہونے والی دستک اب تھم گئی تھی۔ شاید وہ تھک ہار کر پلٹ گیا تھا۔ رومانہ اسے اٹھا کر بیڈ تک لائی۔ پھر روم ریفریجریٹر سے پانی نکال کر اسے پلایا۔ ہما نے دو گھونٹ لے کر گلاس سائیڈ پر رکھا۔ پھر ہچکیوں پر قابو پاتے ہوئے کہنے لگی۔

''کیا میں ایک فون کر لوں؟''

''ہاں ضرور مگر اس وقت نہیں۔ ابھی وہ گھر پر ہی موجود ہوگا۔ تھوڑی دیر بعد کر لینا لیکن فون کرو گی کس کو؟'' اس نے یونہی پوچھا۔

''اپنے شوہر فرحان کو۔''

''ہاں...... سنو اگر تم یہاں سے نکل جاؤ تو کیا تمہارا شوہر تمہیں قبول کر لے گا؟''

''پتا نہیں انہوں نے پہلے بھی مجھ سے کوئی سوال کیے بنا شادی کی تھی۔ یہ تو اب جب اسد نے دوبارہ فون کرنا شروع کیے تو انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا۔ ورنہ کبھی کچھ بھی نہیں کہا لیکن اب شاید اب نہیں، آخر کسی کا ظرف کتنا بڑا ہو سکتا ہے۔ مجھے تو صرف ان سے معافی مانگنا ہے۔ ان کا شکریہ ادا کرنا ہے اور کچھ نہیں کہنا۔''

وہ ٹیک لگاتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔ اس کی نظروں میں بیتے دنوں کی تصویر گھوم رہی تھی۔ اب وہ کبھی اریج کو نہ دیکھ پائے گی۔ اس کا دماغ تیزی سے گردش کرتا ہوا کسی فیصلے پر پہنچ

کرڈانواں ڈول ہو رہا تھا۔ پھر اس نے رومانہ کو دیکھا۔ وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔

''سنو اگر میں تمہیں اپنی بیٹی دے دوں تو کیا تم اسے قبول کر لو گی؟'' اچانک ہی اسے خیال آیا تھا۔ رومانہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر جیسے اس کے من میں گدگدی ہونے لگی۔ اسے اپنے گالوں پر ننھے ننھے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا۔ آنکھوں میں جیسے زندگی بھرنے لگی۔

''ہاں...... وہ، وہ مجھے ماما کہے گی؟'' وہ اشتیاق سے اس کے قریب آ بیٹھی۔

''جب وہ تمہاری بیٹی ہو گی تو تمہیں ماما کیوں نہیں کہے گی۔'' ہما کے اندر اطمینان کی لہر ابھری تھی۔

''ہاں، کہاں...... کہاں ہے وہ میں اسے ابھی گود لینا چاہتی ہوں۔'' وہ اک دم بے صبری ہوئی تھی۔

''میرے بھائی سلجوق شاہ کے پاس۔''

''کک کیا؟'' وہ دنگ رہ گئی۔ ''تم سلجوق شاہ کی بہن ہو؟'' اسے جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

''ہاں رومانہ ملک، میں سلجوق شاہ کی بہن ہونے کا تاوان ادا کر رہی ہوں مجھے باقاعدہ پلاننگ کے تحت ٹریپ کیا گیا، ورنہ میں اتنی کمزور نہ تھی۔''

''اوہ مائی گاڈ۔'' رومانہ اس کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆======☆======☆

''یہ میں کیا سن رہی ہوں مانی؟ ناجیہ کا کیا قصور ہے جو تم نے یکا یک منگنی توڑنے کا فیصلہ کر لیا'' نوما کو جیسے ہی خبر ملی وہ بھاگی چلی آئی تھی۔

''کچھ نہیں بس مجھے احساس ہوا کہ ہم دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ اس لیے۔'' اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا تھا۔

''اوہو!'' وہ طنزیہ ہوئی۔ ''مثلاً اس لیے کہ آپ ایک ایسی لڑکی کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے، جو کسی اور سے محبت کرتی ہو، ہونہہ آپ تو بڑے بڑے دعوے کر رہے تھے پھر فیصلہ یکا یک لیکن مرد کی فطرت ہی یہی ہے وہ یہ برداشت کر ہی نہیں سکتا۔''

''Just shut up نوما!'' وہ اس کی بات کاٹ کر چلایا تھا۔ ''صرف ایک شخص کے دعوے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یکطرفہ ٹریفک کب تک چل سکتی ہے؟ میں اب بھی اپنی محبت میں سچا ہوں لیکن اگر وہ میری محبت کی سچائی ماننے کو تیار ہی نہیں تو میں کیوں محبت کو اس کے قدموں میں رولوں؟ کچھ لوگوں کے مقدر میں محبت نہیں ہوتی۔ وہ بھی ان بدنصیب لوگوں میں سے ہے جو محبت کو قدموں کی ٹھوکر پر رکھ لیتے ہیں۔ میری محبت کسی کی جان سے زیادہ قیمتی تو نہیں۔ میں

کیوں اپنی محبت کے عوض کسی کی جان لوں؟ محبت کا بدلہ تو محبت ہوتی ہے اور کچھ نہیں...... اپنی دے تم اس سلسلے میں مزید کوئی بات نہیں کرو گی، مجھ سے نہ ناجیہ سے۔ ربیعہ اچھی لڑکی ہے۔ اس سے کچھ مت کہنا اس سلسلے میں۔''

ارمغان نے بات مکمل کی اور اٹھ کر چلا گیا۔ نوما کچھ دیر وہیں بیٹھی افسوس و تاسف سے ناجیہ کے متعلق سوچتی رہی۔ پھر اٹھ کر باہر لان میں آگئی۔ آج اسے اور فرحان کو ربیعہ کی طرف جانا تھا۔ وہ جلدی چاہ رہے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ اگلے جمعہ کو نکاح کی رسم کر لی جائے تاکہ ارمغان کے ساتھ ہی ربیعہ کا پاسپورٹ بن سکے۔ سلجوق شاہ کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ ریڈی میڈ تیاری تو وہ کر ہی چکے تھے۔ نکاح کا جوڑا، زیورات، جوتے پرس سب کچھ ارمغان اور فرحان ایک دن پہلے لے آئے تھے۔ نوما نے اس کے بعد کوئی بات نہ کی تھی۔ ہاں راضیہ نوما اور ارمغان سے مل کر حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ اس نے فوراً ناجیہ کا نمبر ملایا تھا۔

دوسری طرف ناجیہ ہی تھی۔

''سنو ناجیہ! ارمغان کدھر ہے آج کل؟'' اس نے تمہید باندھی تھی۔ شاید اس کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ سیدھی بات کرنے کا۔

''ہیں؟'' وہ لحظہ بھر کو ٹھٹکی پھر خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ ''ظاہر ہے اپنے گھر میں۔''

''میرا مطلب ہے۔ بھئی شادی کب ہو رہی ہے؟'' ناجیہ چپ ہو گئی۔ وہ کیا جواب دیتی۔

''تمہیں یکا یک میری شادی کی کیا فکر پڑ گئی؟'' ہنس کر بولی۔

''ناجیہ آئی ایم سیریس۔'' راضیہ بگڑی تھی۔ ''مجھے فکر اس لیے پڑ گئی کہ ارمغان کی بہن اور بھائی ربیعہ کے رشتے کے سلسلے میں آئے تھے۔''

''کیا؟'' اس کے دل نے ایک Beat miss کر دی۔ بے ساختہ اس کا ہاتھ اپنے دل پہ جا پڑا تھا۔

''اور سلجوق نے ہاں کر دی ہے۔ نہ صرف ہاں بلکہ اگلے جمعے کو نکاح کی تاریخ بھی دے دی ہے۔ کیونکہ ارمغان باہر جا رہا ہے۔'' راضیہ نے تفصیلاً بتایا تھا اور اس نے بغیر کچھ کہے ریسیور رکھ دیا تھا۔

بہت کچھ ہمارے اختیار میں ہوتا ہے اور ہم اس پر سے اختیار کھو دیتے ہیں۔

بہت کچھ ہماری دسترس میں ہوتا ہے اور ہم مٹھی کھول کر سب اُڑ جانے دیتے ہیں۔

اور پھر خالی ہاتھوں پہ اشکوں کی تحریر لیے تقدیر کو مورد الزام ٹھہراتے پھرتے ہیں۔

زندگی میں سب کچھ ہم نہیں پاسکتے لیکن جو پاتے ہیں وہ بھی کھو دیں تو قصور کس کا؟

اس نے اپنی ہتھیلیاں پھیلا کر انہیں غور سے دیکھا۔ ٹوٹی پھوٹی، مدھم سی لکیروں کا جال، کچھ بھی تو واضح نہیں تھا۔

وہ ٹیرس پر جھک آئی ثوبیہ لان میں اپنی کتابیں بکھرائے بیٹھی تھی اور بری طرح اپنے کام میں منہمک تھی۔ کتنی پُرسکون تھی وہ اس نے کبھی اسے پریشان نہیں دیکھا تھا۔ ہر بات چٹکیوں میں اُڑا دینے والی۔ اس کا کہنا تھا زندگی میں چھوٹے بڑے واقعات رُونما ہوتے رہتے ہیں لیکن ان کو حرزِ جان بنانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کھاؤ پیو عیش کرو اس کی زندگی کا فارمولا تھا اور اسے ثوبیہ پر رشک آیا کرتا۔ وہ کبھی بھی تو پریشان نہیں ہوئی تھی اور وہ ناجیہ عزیز احمد اسے نہیں یاد پڑتا تھا کہ کبھی کسی ایک رات وہ بے فکری کی نیند سوئی ہو؟ یا کبھی اس کا ذہن سوچوں سے خالی رہا ہو۔ اس کی زندگی اور ذہن دونوں الجھی ڈور تھے، اور اس سب میں اس کا اپنا ہاتھ تھا۔ خوشیاں بار بار دروازے پر دستک نہیں دیا کرتیں۔ وہ کچھ دیر رک کر انتظار کرتی ہیں اور اگر ان کا سواگت نہ کیا جائے تو لوٹ جاتی ہیں۔ اس نے بھی خوشیوں کی بار بار دستک کے جواب میں خاموشی اختیار کیے رکھی تھی اور جب اٹھ کر باہر دیکھا تو وہاں بھی مکمل خاموشی و ویرانی تھی اس کے دل کی طرح اس نے دل پر ہاتھ رکھا اور خالی صدا پر اس کی آنکھیں بھر آئیں اس نے لب ہونٹوں تلے دبائے ان اشکوں کو بہہ جانے دیا تھا۔

☆======☆======☆

بوسیدہ ٹاٹ کے پردے کو ہٹا کر جب وہ اندر داخل ہوئیں تو ان کا دل عجیب ویرانی سے بھر گیا تھا۔ یہیں کہیں احمد یار چلتا پھرتا ہوگا۔ کیا خبر وہ کہیں سے اچانک نکل آئے اور انہیں ڈرا دے۔ ان کے قدم وہیں ڈیوڑھی میں تھم سے گئے تھے۔ عزیز احمد باہر گاڑی میں ہی تھے۔ وہ وہیں کھڑی مکان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پلستر سے بے نیاز دیواریں۔ اکھڑا ہوا اینٹوں کا فرش اک طرف بنے دو چھوٹے چھوٹے کمرے، بائیں طرف برآمدہ نما کچن اور اس کے ساتھ ٹوٹے دروازے والا شاید باتھ روم۔ چھوٹے صحن کے بیچ میں ایک جھلنگا چارپائی دھری تھی جس پر پڑے نزار وجود پر ان کی اب نظر پڑی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی چارپائی کے قریب آ کھڑی ہوئیں اتنی خاموشی اور سناٹا تھا کہ ان کا دل گھبرانے لگا تھا۔

''کون ہے؟'' آہٹ پر اس وجود میں خفیف سی حرکت ہوئی تھی اور بے حد نحیف آواز میں پوچھا تھا۔

''احمد...... میں ہوں مہرینہ ملک۔'' وہ اپنا تعارف کرواتے کرواتے جھجک گئی تھیں بوڑھا وجود آہستہ آہستہ اٹھ بیٹھا۔ ہاتھوں سے ٹٹول کر عینک تلاش کی اور ناک پر دھرتے ہوئے انہیں بغور دیکھا۔

''اچھا تو تم شہناز سے ملنے آئی ہو؟'' قیافہ لگایا۔ ''پر شہناز تو یہاں نہیں ہوتی۔ وہ تو کب کی چلی گئی۔ اسے بھوک اور فاقوں سے خوف آتا تھا ناں۔ بس چلی گئی۔'' ان کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ مہرینہ کا دل ایک دم عجیب سے انداز سے دھڑکا۔ وہ ادھ کھلی ادوائن پر ٹک گئیں اور رسان سے ان بوڑھے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ہاتھ شاید اپنائیت بھرے لمس کے عادی نہیں تھے، فوراً کھینچ لیے گئے۔

''اماں میں آپ بہو ہوں۔ احمد یار کی بیوی۔'' بہت ٹھہر ٹھہر کر انہوں نے کہا تھا، لیکن ان

کے الفاظ نے گویا بجلی کا کام کیا تھا۔

''احمد یار کی بیوی؟'' ان کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔

''احمد یار، احمد یار خود کہاں ہے؟ سب کہتے تھے اس نے کسی امیر لڑکی سے بیاہ کر لیا۔ پر میرا دل نہیں مانتا تھا۔ وہ ہمیں نہیں چھوڑ سکتا تھا، لیکن چھوڑ گیا۔ اس امیر لڑکی نے بلکہ تم نے، تم نے احمد یار ہم سے چھین لیا ہمارا سہارا ہم سے چھن لیا دیکھو، دیکھو اس گھر کی ویرانی کو دیکھو۔ یہاں اب میرے اور جمن کے سوا کوئی نہیں رہتا۔ اس کا باپ احمد یار سے بڑا پیار کرتا تھا۔ مر گیا اس کی جدائی میں، وہ بہنوں کی شادی کے لیے بڑا فکر مند تھا۔ جب اپنا بیاہ کر لیا تو بہنوں کو بھول گیا۔ ایک گھر سے بھاگ گئی۔ دوسری نے ریڈیو پر ملازمت کر لی اور وہیں سے کہیں چلی گئی۔ پلٹ کر نہیں آئی۔ چھوٹی دونوں نے جہاز پر ملازمت کر لی۔ ہوا میں اُڑنے والیوں کو یہ گھر برا لگنے لگا اور انہوں نے اپنی مرضی کے گھر بنا لیے میرے پاس سوائے جمن کے کچھ نہیں بچا۔ وہ صبح کا گیا رات کو لوٹتا ہے۔ مجھے دو وقت کی روٹی اور کپڑا دے رہا ہے۔ پر مجھے پتہ ہے وہ بھی ایک دن چھوڑ جائے گا۔ پرائے دھن کا کیا مان، میرا تو اپنا کوئی نہیں بنا۔ وہ بھی نہیں۔ جس پر بڑا بھروسہ تھا۔ کوئی کیا بنے گا۔ ہاں۔''

اندر کو دھنسی آنکھوں سے آنسو پھسل کر جھریوں زدہ چہرے کو بھگونے لگے تھے۔ مہرینہ ملک کو لگا جیسے وہ صرف احمد یار کی قاتل ہی نہیں بلکہ اس پورے کنبے کی قاتل تھیں۔ انہیں احمد یار کو سمجھا دینا چاہیے تھا۔ اسے اس راہ پر نہیں چلنا چاہیے تھا سالوں بعد تاسف نے ان کے پورے وجود کو گھیرے میں لے لیا تھا۔

وہ باہر نکلیں تو عزیز احمد گاڑی سے ٹیک لگائے ان کے منتظر تھے۔ ان کے چہرے پر چھائی دکھ کی لہر وہ دیکھ چکے تھے۔ تاہم انہوں نے اس بارے میں کوئی سوال نہ کیا تھا۔ قدرے توقف کے بعد وہ خود ہی گویا ہوئی تھیں۔

''میں نے سوچا تھا، شاید، شاید کہیں کچھ اچھا ہو گیا ہو، لیکن عزیز احمد یہ تو سب کچھ ہی بگڑ گیا۔ اگر یہ شادی نہ ہوئی ہوتی تو احمد یار اپنے گھر والوں کے ساتھ ہوتا۔ اس کا بوڑھا باپ اس کی راہ تکتے تکتے نہ مر جاتا۔ ماں یوں بے آسرا نہ پڑی ہوتی اور بہنیں بھی عزت سے اپنے گھروں کی ہو جاتیں اور شاید میری زندگی بھی باہر کے کسی ملک میں گزر جاتی۔ سب سر اٹھا کر جی رہے ہوتے...... محبت، محبت بھی کیسے کیسے ذلیل کر جاتی ہے، خالی ہاتھ کر دیتی ہے بالکل۔''

''ہاں خالی ہاتھ تو کر دیتی ہے بالکل۔'' عزیز احمد نے گہری نظروں سے انہیں دیکھا تھا اور وہ نظریں بچا کر باہر دیکھنے لگی تھیں۔

☆======☆======☆

''بڑے ہوئے مرد سے شادی کرنا اور پھر اسے نباہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ میری ماما نینی کہا کرتی تھیں۔ ہمیشہ اس سے شادی کرو جو تمہیں چاہتا ہو۔ اگر تم اس سے شادی کرو گی جسے تم چاہتی ہو تو تمہیں بہت جگہوں پر اپنا آپ مارنا پڑے گا بہت سارے آنسو پینے پڑیں گے اپنے جذبات کی بے قدری تمہیں قدم قدم پر Heart کرے گی اور کوئی تمہیں تسلی دینے والا نہ ہو گا۔ جبکہ محبوبہ بن کر تم سب کچھ پالو گی۔ تمہارے ایک ایک قدم پر تمہارا چاہنے والا اپنا دل بچھائے گا۔ تمہیں سراہے گا، تمہارے جذبات کا خیال رکھے گا۔ تمہاری چھوٹی چھوٹی خوشیاں پوری کرے گا اور میں نے اب جانا ماما مغربی ہونے کے باوجود صحیح کہتی تھیں۔ اصل میں سلجوق شاہ جب مجھے آپ سے محبت ہوئی تب میں نے نفع کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ محبت میں نفع نقصان کے بارے میں سوچنے بیٹھ جائیں تو وہ کاروبار بن جایا کرتی ہے۔ ناجیہ نے دبے لفظوں میں مجھے سمجھایا تھا، لیکن میں نے سوچا محبت میں بڑی طاقت ہوتی ہے، میں آپ کو جیت لوں گی اور میں نے بساط بھر کوشش کی۔ محبت سے بڑھ کر محبت کی اور جانا میں نے آپ کو جیت لیا ہے، لیکن تب میں غلط فہمی پر نہیں تھی میں نے آپ کی آنکھوں میں چمک اترتی دیکھی تھی۔ آپ کو اپنے ساتھ دنیا و مافیہا سے بے خبر بھی پایا۔ مرد کی سپردگی یہی ہوتی ہے یا پھر ہر مرد خلوت میں مکمل سپردگی لیے ہوتا ہے۔''

میں سمجھی محبت اور خدمت نے آپ کے دل میں میری جگہ بنا دی ہے اور حفیظہ ملک کی تصویر اُتر گئی ہے۔ اصل میں دھوکہ وہیں ہوتا ہے جب ہم مکمل جیت کے نشے میں سرشار ہو کر آنکھیں موند لیں اور کھولنے پر پتہ چلے کہ وہ سب وقتی تھا۔ محض ایک لمحے کا سراب اس ایک لمحے کے سراب میں، میں نے کیا کچھ کھو دیا ہے۔ اپنی انا، اپنی خودی میں بھول گئی۔ جب شوہر بیوی کا لمس قبول نہ کرے، ہاتھ جھٹک دے تو در پردہ وہ کسی اور لمس کی تمنا کر رہا ہوتا ہے۔ مجھے یقین رہا کہ جب ایک بستر پر لیٹے ہوئے میاں بیوی کے درمیان فاصلوں کی دیوار کھڑی ہو جائے تو سمجھو کوئی تیسرا درمیان آ گیا۔ مجھے خبر نہ ہوئی کہ جب شوہر پر بیوی کے آنسو اثر انداز نہ ہوں تو جان لو کہ اسے کوئی مسکراہٹ اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔

مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں، صرف دکھ ہے کہ آپ نے مجھے دھوکے میں رکھا۔ اگر حفیظہ ملک سے آپ کا تعلق جڑ سکتا ہے تو میں اعتراض کرنے والی بھلا کون ہوتی ہوں۔ میں حفیظہ ملک کی جگہ مر کر بھی نہیں لے سکتی اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ محبت تو حوصلہ دیتی ہے سلجوق اور آپ میں اتنی ہمت نہیں رہی کہ آپ مجھے کہہ سکیں، راضیہ احمد بس یہاں اس سین میں

تمہارا کردار ختم ہوا کہانی کا Main کردار لوٹ آیا ہے۔ محبت کی اس کہانی میں، میرا کردار اتنا ہی تھا اور آپ جانتے ہیں میں نے اپنا کردار بخوبی نبھایا، لیکن تیسرا کردار پوری کہانی تو نہیں چلا سکتا ناں سو میں اس کہانی سے الگ ہوتی ہوں۔ جو فیصلہ آپ کے لیے مشکل ہو رہا تھا، یہ بھی میرا ذاتی خیال ہے، وہ میں نے کر دیا ہے۔

زندگی ختم نہیں ہوتی کہانی ختم ہو جاتی ہے۔ ایک کے بعد ایک کردار آتا چلا جاتا ہے اور پچھلا یاد بھی نہیں رہتا۔ میں بھی کوشش کروں گی اپنے ناکام کردار پر لگے دھبے کو دھونے کی، لیکن یہ کہ میرا دل اب بھی آپ کے بارے میں اتنا ہی مجبور ہے، میں چاہوں بھی تو اسے آپ سے محبت کرنے سے باز نہیں رکھ سکوں گی اور آپ ہو سکے تو کبھی کبھی مجھے یاد کر لیا کیجئے گا۔ مجھے زندہ رہنے کا جواز ملتا رہے گا۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ کمرے کی فضا میں گمبھیر سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ اتنا کچھ سن لینے کے باوجود سلجوق شاہ نے کچھ بھی کہنا گوارا نہیں کیا تھا۔ راضیہ منتظر رہی کہ شاید دو سالہ رفاقت کا کوئی کمزور لمحہ ان پر بھی بیتا ہو۔ کسی ایک لمحے میں انہیں اس سے محبت ہوئی ہو اور وہ...... وہ ایک لمحہ ہی اس کی مٹھی میں تھما دیں۔ گھور تاریکی میں ایک جگنو ہی کافی ہوتا ہے، لیکن سلجوق شاہ شاید دینے کے قائل ہی نہ تھے۔ کوئی ایک ننھی سی کرن، کوئی چھوٹا سا جملہ دل رکھنے کو ہی کہتے اسے کوئی تسلی کوئی آسرا تو ہوتا۔ اپنے یوں رائیگاں جانے کا احساس تو نہ ہوتا۔ سب سے بڑی رائیگانی محبت کی رائیگانی ہے۔ پھر کچھ نہیں بچتا روح تک خالی ہو جاتی ہے۔ اس نے مایوس ہو کر کروٹ بدل لی۔

چلو اتنا تو ہوا سلجوق شاہ آپ منافق نہیں ہیں۔ اس نے جیسے خود کو تسلی دی تھی اور کتنے گرم گرم آنسو تکیہ بھگونے لگے تھے۔

صبح بہت خاموش تھی وہ سلجوق شاہ سے پہلے ہی بستر سے نکل آئی تھی۔ پیکنگ تو اس نے رات ہی کر رکھی تھی۔ کچن میں جا کر دیکھا انا بی ہما کی بیٹی کے لیے دودھ گرم کر رہی تھیں اس نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام جیتی رہو بیٹی۔ تم ہی تو اس گھر کی رونق ہو۔" انہوں نے اس کا ماتھا چوم کر دعا دی تھی۔ وہ خاموشی سے ناشتہ بنانے لگی۔ ربیعہ بھی اٹھ کر آ گئی تھی۔ اس نے انا بی کا ناشتہ بھی ربیعہ کو تھمایا۔

"یہ انا بی کو دے دینا اور ہاں دیکھو تمہارے بھائی اٹھے ہیں یا نہیں؟" ربیعہ ٹرے اٹھائے باہر نکل گئی۔ اسی وقت سلجوق تولیے سے بال رگڑتے باہر نکلے۔ کچھ کہنے لگے تھے پھر خاموش ہو

گئے۔ دونوں ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ راضیہ نے ناشتہ ٹرے میں لگایا اور سلجوق کے پیچھے ہی کمرے میں آ گئی۔

"ربیعہ اٹھ گئی ہے کیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی ناشتہ کر رہی ہے۔" اس نے لہجے کو حتی الامکان ٹھیک رکھا تھا۔

"آپ مجھے جاتے ہوئے ڈیڈی کے ہاں چھوڑتے جائیے گا۔" نظریں جھکائے اس نے کہا تھا۔ سلجوق شاہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا لیکن بولے اب بھی کچھ نہیں ناشتہ کرنے کے بعد انہوں نے اپنا سامان اٹھایا وہ بھی بیگ اٹھائے پیچھے آ گئی۔ ربیعہ کو اپنے جانے کا بتایا اور گاڑی میں آ بیٹھی۔ سلجوق نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا اور خاموشی سے اسے گھر کے سامنے ڈراپ کر کے گاڑی آگے بڑھا لے گئے تھے۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بیل پر انگلی رکھ دی تھی۔

☆======☆======☆

وہ ابھی ابھی مہرینہ پھپھو کو سلا کر نیچے آئی تھی۔ پچھلے کئی دنوں سے انہیں مسلسل بخار ہو رہا تھا۔ جب سے وہ احمد یار کے گھر سے ہو کر آئی تھیں بری طرح کے خلجان میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ ارمغان نے انہیں مکمل ریسٹ کا مشورہ دے دیا تھا۔ رات ہی احسن انکل کی بھی واپسی ہوئی تھی لیکن اس کے جاگنے سے قبل ہی وہ صبح اذغان کے ساتھ نکل گئے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ بیگم احسن سے بات کرے اور وہ انکل سے کہہ کر ان کے لیے کسی گھر کا انتظام کرا دیں۔ اسے حقیقی معنوں میں یہاں گھٹن ہونے لگی تھی۔ عزیز انکل نے تو کئی بار کہا تھا کہ وہ دونوں ان کے ہاں چل کر رہیں لیکن پھپھو نے انکار کر دیا تھا۔

اسے تو ناجیہ بھی بڑی عجیب سی لگی تھی۔ اتنے عرصے بعد ماں سے ملی تھی لیکن اس کے انداز میں وہ وارفتگی نہیں ہوتی تھی۔ جو ہونی چاہئے تھی ایک دو دن چھوڑ کر ملنے ضرور آ جاتی تھی۔ چار پانچ گھنٹے گزار کر لوٹ جاتی تھی۔ خود مہرینہ پھپھو نے اسے کبھی رکنے کے لیے نہیں کہا تھا وہ تو شاید اس وجہ سے خاموش ہو جاتی تھیں کہ وہ خود کسی کے گھر میں رہ رہی تھیں اور ناجیہ بھی ہو سکتا تھا اسی لیے ان سے ساتھ چلنے پر اصرار نہ کرتی ہو۔

"گھر کا مسئلہ حل ہو جائے تو پھپھو بھی اپنی بیٹی کے ساتھ رہ سکیں۔" اس نے چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے سوچا تھا۔ موسم کافی بدل گیا تھا۔ شامیں خوشگوار ہونے لگی تھیں۔ اسی دم رحمہ اپنے کمرے سے نکلی اسے بیٹھا دیکھ کر وہیں آ گئی۔

"کیا سوچا جا رہا ہے چپکے چپکے؟" اس نے ریموٹ سے ٹی وی آن کرتے ہوئے

پوچھا۔

حفیظہ ہنس دی۔ ''سوچنا کیا ہے۔ فارغ بندہ ادھر اُدھر کی ہی سوچ سکتا ہے۔''

''یہ ادھر اُدھر بھی خاصی دلچسپ ہوا کرتی ہے۔'' اس نے یکے بعد دیگرے چینل بدلے پھر بور ہو کر ریموٹ رکھ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ حفیظہ کو سنجیدہ دیکھ کر بولی۔

''کوئی مسئلہ ہے...... I mean کوئی نیا مسئلہ؟''

''نہیں تو۔'' اس نے نظریں چرائیں۔

''شاہ صاحب سے کوئی اَن بن ہو گئی ہے۔ پچھلے دنوں آپ انہیں Avoid بھی کرتی رہی ہیں۔'' گویا سب نے نوٹ کیا تھا۔

''نہیں میں اور مہرینہ پھپھو ایک گھر لینے کے بارے میں سوچ رہی ہیں۔ اسی سلسلے میں آنٹی سے بات کرنا چاہ رہی تھی تاکہ وہ انکل سے کہہ کر ہمارے لیے کوئی چھوٹا موٹا مناسب سا مکان ڈھونڈ دیں۔'' اس نے بات بدلی تھی۔

''آپ کو یہاں کوئی Problem ہے؟ یا ہم لوگوں میں سے کسی کی بات بری لگی ہو؟'' وہ Conscious ہوئی تھی۔

''ارے نہیں رحمہ تم سب لوگ تو بہت اچھے ہو۔ آپ سب نے تو اپنوں سے بڑھ کر ہمیں محبت دی ہے۔ ہمیں اس وقت سہارا دیا جب ہم بے اماں تھیں۔ ہمارے اپنے ہمارے دشمن ہو گئے تھے۔ آپ لوگوں کا احسان تو ہم کبھی بھی نہیں بھلا سکتے۔''

''تو پھر کیوں؟ آپ کو یہاں رہ جانے میں کیا قباحت ہے۔ پپا آپ سے بالکل میری طرح پیار کرتے ہیں ماما بھی بیٹیوں سے کم نہیں سمجھتیں اور زادان بھائی اور ازغان سب ہی تو پیار کرتے ہیں، کہیں آپ نوما کی وجہ سے تو ایسا نہیں سوچ رہیں۔'' رحمہ کو یک دم خیال سا آیا تھا۔

''تم خواہ مخواہ Conscious ہو رہی ہو نوما تو اتنی اچھی ہے۔ وہ مجھے بھلا کیوں کہے گی۔ بات صرف اتنی ہے کہ ناجیہ بھی ہمارے ساتھ رہے گی۔ تو اچھا نہیں لگتا کہ ہم سب یہاں پر ڈیرا جمالیں، اپنا گھر ہو گا تو کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔'' حفیظہ نے رسان سے سمجھایا تبھی فون کی بیل ہوئی۔ رحمہ نے ایک نگاہ فون پر ڈالی دوسری حفیظہ پر۔

''میرا خیال ہے آپ کا فون ہے۔ میں چائے بنانے جا رہی ہوں۔ فون سن کر لان میں آ جائیے گا۔ ماما لوگ تو جانے کب لوٹیں۔'' وہ اٹھ کر چلی گئی۔ تب تک کتنی ہی Rings ہو چکی تھیں۔ اس نے بے حد آہستگی سے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تھا۔ رحمہ کا خیال درست تھا۔ دوسری

طرف سلجوق شاہ تھے۔ ایک لمحہ کو اس کا دل زور سے دھڑکا۔

''فون بند مت کرنا۔'' انہوں نے فوراً سے پیشتر کہا تھا۔ وہ ساکت کھڑی رہ گئی۔

''تم آج شام مجھے کہیں مل سکتی ہو۔ یا کہو تو میں گھر چلا آؤں۔ مجھے تم سے ضروری باتیں کرنا ہیں۔''

''لیکن مجھے کچھ نہیں سننا۔'' اس نے ریوڈ (Rude) ہونے کی محض کوشش کی تھی۔

''پلیز حفیظہ تمہیں سننا ہو گا میں جانتا ہوں تمہارے دل میں کیا بات آ گئی ہے۔ مجھے اسی بارے میں وضاحت کرنا ہے۔''

حفیظہ ہنس پڑی۔ ''مرد کے پاس ہر بات، ہر عمل کا جواز موجود ہوتا ہے خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز اور آپ کو وضاحت دینے کی کیا ضرورت ہے، کوئی غلط کام تو نہیں کیا آپ نے، آپ ایسا سمجھتے ہیں؟''

''حفیظہ میں تمہیں ساری بات سمجھانا چاہتا ہوں۔ Try to understand me'' وہ جھنجھلائے تھے۔ ''بس میں آ رہا ہوں تمہیں لینے۔'' انہوں نے اس کی سنے بغیر فون بند کر دیا تھا۔ وہ چند لمحے ریسیور کو تکتی رہی پھر ٹھنڈی آہ بھر کر رکھ دیا۔

''آ بھی چکو یار چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' رحمہ نے کھڑکی سے جھکا نکا تھا۔ وہ باہر آ گئی۔

پھر چائے کے دوران رحمہ کی ہلکی پھلکی باتوں نے اس کا ذہن کافی حد تک ہلکا کر دیا تھا۔ تبھی شام کو وہ سلجوق کے ساتھ آنے پر رضامند بھی ہو گئی تھی۔

''طباق۔'' حسبِ معمول فل تھا۔ وہ ایک بار پہلے سلجوق کے ساتھ آ چکی تھی، لیکن تب اور اب کی کیفیت میں کچھ فرق آ گیا تھا۔ Order place کرنے کے بعد انہوں نے حفیظہ کے ناراض چہرے پر نظر ڈالی۔

''اچھی لگ رہی ہو۔'' بلا ارادہ ان کے منہ سے نکلا تھا۔ حفیظہ پلکیں جھکا کر رہ گئی لیکن اگلے ہی لمحے سنبھل گئی۔

''آپ نے جو ضروری بات کرنا تھی جلدی کریں۔ آنٹی گھر پر نہیں ہیں اور میں انہیں بتا کر نہیں آئی۔''

''تم اپنے شوہر کے ساتھ ہو اس لیے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' وہ دھیمے سے مسکرائے۔

''ہاں ایسے شوہر کے ساتھ جو یہ حق کسی اور کے لیے بھی تفویض کر چکا ہے۔'' وہ زہر خند

ہوئی۔ اس کا دل خواہ مخواہ لڑنے کو چاہ رہا تھا۔

''تو کیا ہوا۔ مذہب میں تو چار کی گنجائش نکلتی ہے۔'' وہ اس کی غصے بھری کیفیت سے حظ اٹھا رہے تھے۔ حفیظہ سرتاپا سلگ اٹھی۔

''تو پھر میرے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ یہ شوق بھی پورا کر لیجیے۔'' وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''دھیرج حفیظہ!'' انہوں نے اس کے ہاتھ پر آہستگی سے دباؤ ڈالا اور جانے ان کے لمس میں کیا تھا وہ بھربھری مٹی کی طرح ڈھے گئی۔ غصے کی جگہ جھنجلاہٹ آ گئی اور پھر اس کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

''پتہ نہیں آپ سب میرے ساتھ کیا کرنا چاہ رہے ہیں۔'' وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھامے کرسی پر دوبارہ بیٹھ گئی۔ سلجوق شاہ چند لمحے چپ رہے جیسے الفاظ تلاش کر رہے ہوں۔ پھر دھیرے سے گویا ہوئے۔

''دیکھو حفیظہ بعض اوقات تقدیر ہم کو یوں اپنے گھیرے میں لیتی ہے کہ راہِ مفر نہیں ملتی۔ راضیہ کی خبر تم تک کیسے اور کن الفاظ میں پہنچی، میں نہیں جانتا، لیکن میرا یقین رکھنا۔ میں تم سے جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا ایک لفظ کا ہیر پھیر نہیں ہوگا۔ پھر تم جو چاہے فیصلہ سنانا۔'' انہوں نے قدرے توقف کیا۔ حفیظہ آنکھوں میں بے یقینی سموئے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''حفیظہ تم یہاں؟'' اچانک ایک آواز بم کی طرح ان کے سر پر پھٹی تھی دونوں نے بیک وقت سر اٹھایا تھا اور پھر حفیظہ کی آنکھوں میں بے پناہ خوف سمٹ آیا تھا۔ وہ سرعت سے سلجوق شاہ کے پیچھے جا چھپی تھی۔

☆======☆======☆

''ہیلو فرحان میں ہوں ہما۔'' ادھر سے فون ریسیو کرتے ہی اس نے بے چینی سے کہا تھا۔ ایک پل کو ادھر خاموشی چھا گئی۔

''فرحان بات کیجیے پلیز میں بہت مشکل میں ہوں۔'' وہ ملتجی ہوئی تھی۔

''کہاں ہو ہما اتنے دنوں سے میں نے تمہیں کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا۔'' فرحان کی تھکی تھکی آواز آئی تھی۔ ہما کے دل میں خوشی ننھی جنم لینے لگی۔ شاید کہیں کوئی راستہ اس کے لوٹ آنے کے لیے ہو۔ شاید فرحان کے دل میں ابھی اس کے لیے جگہ ہو۔ شاید اس گھر کو ابھی اس کی ضرورت ہو۔ دل خوش فہم نے ایک پل میں جانے کیا کیا سوچ لیا۔

''فرحان میں یہاں اسد ملک کی قید میں ہوں۔ اس دن سلجوق بھائی کے گھر سے واپسی

ں نے مجھے اغوا کر لیا تھا۔ میں اس کی حویلی میں ہوں۔ اس کی بیوی میرے ساتھ ہے۔ کیا تم ے یہاں سے نکال سکتے ہو؟'' بہت آہستگی سے اس نے بات مکمل کی تھی۔ فرحان نے کچھ دیر چا تھا پھر بولے۔

''اس کی بیوی تمہیں وہاں سے بھگا نہیں سکتی؟ دیکھو میں پولیس کی مدد لے سکتا ہوں لیکن ں کے نتائج سنگین ہوں گے۔ اخباروں میں خبریں لگیں گی اور وہ بات زبان زدِ عام ہو جائے ۔ کیا اس طرح جینا مشکل نہیں ہو جائے گا۔ میرے گھر کے دروازے تمہارے لیے کھلے ہیں م بلا خوف وخطر واپس آ سکتی ہو۔'' ہما کا دل اس عظیم شخص کو سجدے کرنے لگا۔ کیا کوئی اتنا ظرف ہو سکتا ہے۔

''فرحان تم انسان نہیں فرشتہ ہو۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔ جواباً وہ ہنس دیئے۔

''تم مجھے ساری صورتِ حال فون پر بتا دینا۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکا میں کروں گا۔''

''ہاں کیوں نہیں مجھے بڑا حوصلہ ہو گیا ہے فرحان۔ ورنہ تو میں جان ختم کرنے کا سوچ ہی تھی۔'' دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے رابطہ منقطع کر دیا، اٹھ کر دروازہ کھولا رومانہ تھی۔

''ہو گئی بات؟'' اس نے اندر آتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ہوں رومانہ، فرحان بہت عظیم ہے۔ وہ اب بھی مجھے اپنے ساتھ رکھنے کو تیار ہے۔'' وہ زیبا رو پڑی تھی۔

''دنیا میں اچھے لوگوں کی کمی نہیں ہوئی ابھی۔ تمہارے نامہ اعمال میں کچھ نیکیاں ضرور ں گی جو تمہیں اتنا اچھا شوہر ملا۔ ہمارے نامہ اعمال میں ہمارے گناہ کم اور ہمارے بڑوں کردہ زیادہ ہیں۔ اس لیے سزا میں کمی کا امکان نہیں اپنے گناہ تو توبہ کر کے بخشوائے جا سکتے لیکن......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر ہما کو دیکھا۔ جو سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ پھر نے لگی۔

''اس حویلی سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ یہاں آنے کے بے شمار راستے ہیں لیکن جانے کا ئی بھی نہیں۔ تمہی بتاؤں ہما۔ میں نے ہوش سنبھالتے ہی اس شخص سے محبت کی اس قدر کہ تم تصور بھی نہ کر سکو۔ میں نے اٹھتے بیٹھتے اس شخص کو چاہا پوجا۔ تمام برائیوں کے باوجود، اس تمام کج ادائیوں، بے نیازیوں کے باوجود، میں محبت کو بہت پاورفل سمجھتی تھی ہما۔ مجھے یہ غلط تھی کہ میں اپنی محبت سے اس کو راہِ راست پر لے آؤں گی۔ اسے خود سے محبت کرنے پر مجبور ردوں گی، لیکن ہما جب وہ میرے حصے کی رات بھی کسی اور کے ساتھ گزار آیا تو میرے رے حوصلے ٹوٹ گئے۔ میں یہ برداشت نہ کر سکی۔ حالانکہ اس کے لیے یہ نئی بات نہ تھی۔ اس

کے لیے عورت اور بستر کی چادر میں کوئی فرق نہیں اور میں جانتی تھی لیکن اس نے میری ار رات کے سپنے توڑے تھے۔ جس کا انتظار میں نے برسوں کیا تھا۔ آنکھوں میں دیپ جلائے، جھوٹ موٹ ہی سہی مجھ سے محبت کا اظہار تو کرتا، لیکن اس کے لیے میری حیثیت بستر کی چادر کی بھی نہیں تھی۔

میری ماں، میری پھوپھی، میری نانی، میری دادی، سب ہی نے تو یہ سہا تھا۔ پھر میں کون سا الگ تھی لیکن ہما میں نے یہ سب برداشت کرنے سے انکار کر دیا۔ اسد ملک نے زبردستی اپنے حقوق تو وصول کر لیے، لیکن میرے دل میں اس کے لیے جو گرہ پڑ گئی تھی وہ نہ کھل سکی۔ وہ چاہتا تھا۔ بلکہ یہ سارے یہی چاہتے ہیں۔ میں بھی خاندان کی دوسری عورتوں کی طرح اسد کے کرتوتوں پر پردہ ڈال کر اس کی پرستش کروں۔ اس کے بچے پیدا کروں تاکہ اس کی نسل چلتی رہے۔ خاندانی لڑکی کے بطن سے ہا...... لیکن میں نے بغاوت کر دی۔ میں اس شخص کو وارث کیوں دوں۔ ان در و دیوار کو ایک اور رومانہ یا ایک اور اسد ملک کیوں دوں۔ یہ کہانی کہیں تو ختم ہونی چاہیے اور اس سارے میں، میں نے اپنا دامن خالی کر لیا ہے، لیکن اسد ملک کو شکست فاش ہوگئی ہے۔ کم از کم خاندانی لڑکی کے بطن سے اس کا کوئی وارث پیدا نہیں ہوگا۔'' وہ چپ ہوئی تو ہما نے بغور اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں کا خالی پن اس کے وجود کی تہی دامنی کی گواہی دے رہا تھا۔

''تم اب بھی اسد سے محبت تو کرتی ہو؟'' ہما جیسے اس کو اندر تک پڑھ آئی تھی۔

''محبت پر اختیار نہیں۔ اگر ہوتا تو میں کب کی پلٹ چکی ہوتی۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں اب بھی اسد ملک سے محبت کرتی ہوں لیکن مجھے اپنے شوہر سے اتنی ہی گھن آتی ہے۔ اس کے لمس سے کراہیت محسوس ہوتی ہے۔ میں اس کو ایک پل برداشت نہیں کر سکتی۔''

''تو تم علیحدہ کیوں نہیں ہو جاتیں۔ مذہب نے یہ راستہ یہ اختیار تو دیا ہے ہم کو۔'' ہما نے مشورہ دیا۔ تو وہ ہنس پڑی۔

''پہلے پہل، شروع میں مَیں نے بھی یہی سوچا تھا کوشش بھی کی تھی، لیکن اس حویلی، اس خاندان کی روایت کے مطابق میرا جینا مرنا اسی حویلی میں اس شخص کے ساتھ ہے اور اب تو میں نے یہ سزا بخوشی قبول کر لی ہے۔''

''فرحان کہہ رہے تھے کہ اگر میں کسی طرح اس حویلی سے باہر نکل جاؤں تو وہ میری Help کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ پولیس کی مدد سے مجھے یہاں سے برآمد کرواتے ہیں تو بہت زیادہ رسوائی ہوگی۔''

''رسوائی تو یوں بھی ہے اور یوں بھی۔'' وہ پھر ہنسی۔ ''بہر حال اگرچہ یہ کام بہت مشکل ہے پھر بھی میں کوشش کروں گی شاید یہی نیکی میری سزا میں کمی کا باعث بن جائے۔''

ہما قدرے پُرامید ہوگئی۔ رومانہ ملک یقیناً اسے یہاں سے نکال سکتی ہے، لیکن یہ کام اتنا آسان نہ تھا۔ اگلے کئی دن وہ منتظر رہی کہ شاید رہائی کا پروانہ مل جائے، لیکن رومانہ ملک خاموش تھی۔ شاید وہ بھول بھال گئی تھی۔ کیونکہ مزید ایک مہینہ گزر جانے کے باوجود اس نے دوبارہ اس سلسلے میں کوئی بات نہ کی تھی۔ ہما کی رہائش رومانہ کے کمرے میں ہی تھی۔ وہ احتیاطاً اس کو اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھی۔ اس کا کھانا پینا سب کمرے میں آتا تھا۔ کبھی کبھار تہمینہ بیگم کمرے میں آجاتیں تو رومانہ ایک پل کو وہاں سے نہ ہٹتی، لیکن ان کی یہ خواہش کسی طور پوری نہ ہو رہی تھی۔

اس دن صبح ہی صبح سلیمان ملک کا فون آ گیا۔ سجاول صحت یاب ہو کر وطن واپس آ گیا تھا۔ تہمینہ بیگم اور شہباز ملک ''ملک پور'' روانہ ہوگئے تھے۔ رومانہ نے جانے سے انکار کر دیا تھا۔

''میں تو اب مر کر ہی اس حویلی سے نکلوں گی پھپھو بیگم۔'' اس کا لہجہ زہر آلود تھا۔ تہمینہ بیگم اس کی شقی القلبی پر کڑھتی...... چلی گئی تھیں۔

''چلی جاتیں، تمہارا بھائی صحت مند ہو کر لوٹا ہے۔ کیا تمہارے دل میں کسی کے لیے بھی جگہ نہیں بچی۔'' ہما نے تاسف کیا تھا۔ رومانہ نے بڑی عجیب نظروں سے اسے دیکھا اور کہنے لگی۔

''جو عورت اپنے ہاتھوں اپنی کوکھ اجاڑ دے، اس کے لیے باقی کسی رشتے کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔ میں مر چکی ہوں۔ مجھے زندہ لوگوں سے کیا سروکار؟'' وہ خود کلامی کرتی باتھ روم میں گھس گئی۔ شاید دل کھول کر رونے کے لیے کیونکہ اس کی آنکھوں میں چمکتی نمی ہما سے چھپی نہ رہی تھی۔ وہ بوجھل دل لیے ٹیرس پر آگئی۔ اس کا دماغ بری طرح الجھ رہا تھا اور اسی الجھن میں اسے خبر ہوئی کہ کوئی آ کر اس کے بے حد قریب کھڑا ہو گیا ہے وہ ریلنگ پر جھکی نیچے دیکھ رہی تھی۔ پھر اچانک ہی اسے اپنے شانے پر لمس محسوس ہوا۔ وہ بدک کر پیچھے ہوئی، لیکن وہ بازوؤں کے حصار میں تھی۔ اس نے گھبرا کر سر اٹھایا۔ تو اسد ملک کو خود پر جھکے پایا۔

''چھوڑو مجھے!'' اگلے ہی پل وہ گرفت سے نکلنے کے لیے کسمسائی تھی۔

''کیسے چھوڑ دوں۔ اتنے عرصے بعد تو ہاتھ لگی ہو۔ ورنہ تو وہ میری بیوی تم پر پہرے دار بن کر بیٹھ گئی تھی۔'' اس نے کمینگی سے ہنستے ہوئے گھیرا تنگ کیا۔

وہ اُپنے آپ کو آزاد کرانے کی پوری کوشش کرنے لگی، لیکن وہ جتنا ہاتھ پاؤں چلاتی گرفت اتنی ہی مضبوط ہوتی چلی جاتی۔ وہ ہانپنے لگی۔

"خدا کے لیے اسد چھوڑ دو مجھے۔ خدا کے خوف سے ڈرو۔" کوئی اور راہ نہ پا کر وہ ملتجی ہوئی۔

"ہاہا...... مجھے رحم کی بھیک مانگتی لڑکیاں بہت Inspire کرتی ہیں۔ تم ذرا اور گڑگڑاؤ۔ میری منت کرو تاکہ مجھے سکون ملے۔ کرو میری منت، مانگو مجھ سے رحم کی بھیک۔" اس نے گرفت اور سخت کی۔ ہما کی چیخیں نکل گئیں۔

اور انہی چیخوں میں کہیں ایک فائر کی آواز گونجی تھی۔ اسد ملک نے گھوم کر پیچھے دیکھا تھا اور اس آنکھوں میں بے یقینی کے علاوہ اور بہت کچھ لہرا گیا تھا۔ گرفت ڈھیلی ہوتے ہی ہما بھاگ کر پیچھے ہوئی تھی اور پیچھے کھڑی رومانہ اور اس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسد لہرا کر اس کی طرف بڑھا تھا، لیکن رومانہ نے یکے بعد دیگرے کئی فائر کر ڈالے تھے۔ اسد ملک خون میں ڈوبتا سہارا تلاش کرتا وہیں ڈھیر ہو گیا تھا۔

☆======☆======☆

اس نے پورے خلوص سے ربیعہ شاہ کو زندگی کا ساتھی چنا تھا۔ جس رات ربیعہ اس کے کمرے میں آئی تھی اس رات کمرے میں داخل ہونے سے پہلے وہ گزشتہ زندگی کی ساری تلخ یادیں دل سے نکال آیا تھا، لاحاصل کا ماتم کرنے سے کیا فائدہ اور آپ کے جذبوں کی کوئی قدر بھی نہ ہو۔

اسے یقین تھا وہ اور ربیعہ بہت خوش رہیں گے اور ربیعہ یقیناً ایک اچھی بیوی ثابت ہو گی اس نے ربیعہ سے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ کوئی خواب نہیں دکھائے تھے، لیکن اس کے نازک و کول ہاتھ ہاتھوں میں لے کر اپنی مکمل محبت کا یقین ضرور دلایا تھا اور یہ اس کی محبت ہی تھی جس نے ربیعہ شاہ کی چپ توڑی تھی۔ اس کی سنجیدگی کو شوخی میں بدل دیا تھا۔ وہ جیسے ہواؤں میں اُڑتی پھر رہی تھی۔

فرحان بھائی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ڈھیروں دعائیں دی تھیں اور کہا تھا۔

"اس گھر کو عورت راس نہیں آتی جانے کیا ہے اس گھر میں اس لیے میں نے ارمغان کے فیصلے کی مخالفت نہیں کی۔ اس کا گھر بسا رہنا چاہیے وہ بہت ایماندار ہے۔ اس کے ساتھ ایمانداری سے زندگی بتانا، بہت سکھی رکھے گا تمہیں، باقی یہ گھر جتنا تمہارا ہے اتنا ہی تمہاری بہن کا بھی۔ اگر وہ لوٹ آئے تو سمجھوں گا تمہارے قدم اس گھر کے لیے بھاگوان ثابت ہوئے۔ پھر تم مل کر رہنا۔ میں ارمغان کو منا لوں گا۔ وہ دور دیس نہیں جائے گا۔ تم میری آنکھوں کے سامنے رہنا اور اگر ہو سکے تو اریج کو بھی لے آنا۔"

وہ عجیب بے ربط سا بول رہے تھے۔ ربیعہ نے سر جھکا کر سب سنا تھا۔ ہما کی یاد بھی شدت سے آئی تھی۔ کاش وہ اس وقت یہاں ہوتی تو اس کے کتنے ارمان کرتی۔ اگرچہ نوما اور عافیہ بجو نے اپنی سی کوشش کی تھی۔ ساری رسمیں بھی پوری کی تھیں، لیکن اعتراض بھی کیا تھا کہ اس قدر سادگی سے شادی کیوں کی گئی۔ نوما نے بہت زیادہ پلاننگ کر رکھی تھی، لیکن ارمغان کی جلدی سے سب کچھ دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔

نوما نے ارمغان کے بارے میں ربیعہ کو کافی ڈرا دیا تھا۔

"قوی امید ہے وہ تمہیں کوئی نفسیاتی کیس سمجھ کر ڈیل کریں۔" نوما نے کان میں سرگوشی کی تھی۔ "اور عین ممکن ہے کہ وہ تمہاری تعریف کرنے بیٹھ جائیں، لیکن تم گھبرانا مت۔ بلکہ جواباً منہ میں انگوٹھا ڈال کر دو چار لوٹنیاں لگا لینا موصوف کا دماغ ٹھکانے آجائے گا۔" زادان نے کہا تھا اور محفل کشتِ زار بن گئی تھی، لیکن ارمغان اس کی توقع کے برعکس بہت نرم خو نکلا تھا۔

دھیرے دھیرے بولتا وہ اس کی روح تک اترتا چلا گیا تھا اور وہ ایک رات میں صدیوں کا سفر طے کر گئی تھی اسے محسوس ہوا تھا جیسے وہ ایک مدت سے ارمغان سے محبت کرتی چلی آرہی ہے۔ اس کے حنائی ہاتھوں میں سے ارمغان کی محبت شدت سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں میں ارمغان کی شبیہہ دیکھی تھی۔ اس کا موہنا روپ چیخ چیخ کر ارمغان کی محبت کا اعلان کر رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے دونوں ہتھیلیاں دعا کی صورت پھیلائیں اور ان پر لب رکھ دیے۔ وہ کسی اور جہاں میں پہنچ چکی تھی۔

شانوں پر پڑنے والے دباؤ پر اس نے آنکھیں کھولیں۔ اس کی آنکھوں میں گزری رات کا خمار چھلک رہا تھا۔ ارمغان نے بے ساختہ اپنے حق کا استعمال کر ڈالا۔ وہ کسمسا کر پیچھے ہٹی وہ ہنس دیا۔

"اتنی سی محبت سے ڈر گئیں؟" وہ بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے بولا۔

"محبت سے ڈرنا چاہیے۔" وہ کلائیوں میں پڑی چوڑیوں سے کھیلتے ہوئے دھیرے سے گویا ہوئی۔

"مگر کیوں؟" اس نے دلچسپی سے اس کا سرخ چہرہ دیکھا۔

"محبت ایسی ہی تو ہے۔ پل میں دامن بھر دے، تو پل میں سب کچھ چھین لے۔ پل میں آسمان پر لا بٹھائے تو پل میں قدموں کی دھول کر دے۔ محبت کا کیا اعتبار؟" وہ بے ساختہ بول اٹھی۔ ارمغان بڑی محویت سے اسے تک رہا تھا۔ ربیعہ نے نظر اٹھائی تو اسے یوں اپنی طرف تکتا پا کر جھینپ کر رخ موڑ لیا۔ اس کی اس حرکت پر وہ دل کھول کر ہنسا تھا۔ تبھی دروازے پر

دستک دے کر نوما اندر چلی آئی۔

''وہ ارمغان ہما بھابی آگئی ہیں؟''

''کیا؟'' وہ دونوں اپنی جگہ اچھل پڑے تھے اور اسی تیزی سے باہر لپکے تھے۔

باہر عجیب سماں تھا۔ ہما فرحان کے پیروں میں سر رکھ کر روئے چلے جا رہی تھی۔

عافیہ حیران پریشان کبھی ہما کو تک رہی تھیں کبھی فرحان کو فرحان جھکے اور اٹھا کر اسے برابر کھڑا کر لیا۔

''بس اس سے آگے کچھ نہیں جا کر فریش ہو جاؤ۔ آج تمہاری بہن کا ولیمہ ہے۔''

انہوں نے لہجے کو حتی الامکان خوشگوار بناتے ہوئے کہا تھا۔ نوما آگے بڑھ آئی تھی اور عافیہ کو اشارہ کرتے ہوئے ہما کو لے کر اوپر چلی گئی تھی۔ ربیعہ ساکت کھڑی تھی۔ ارمغان نے اسے کندھوں سے تھاما اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

ہما پر خوشی وحیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ جب نوما نے اسے ربیعہ کے بارے میں بتایا تھا وہ فوراً ربیعہ کے کمرے کی طرف بھاگی تھی اور پھر جو دونوں گلے لگی تھیں تو جل تھل کا سماں ہو گیا۔

بڑی مشکلوں سے دونوں کو الگ کیا گیا تھا۔ فرحان اعجاز نے سلجوق شاہ کو فون کر دیا تھا کہ وہ آتے ہوئے اریج کو ساتھ لے کر آئیں۔ نوما ہما کو دوبارہ اس کے کمرے میں چھوڑ گئی تھی۔

تقریب شام کی تھی اس لیے سب Relax پھر رہے تھے۔ ہما نے بیڈ پر لیٹ کر کمرے کا جائزہ لیا سب کچھ ویسا ہی تھا۔ جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ سامنے لگی فرحان کی تصویر...... وہ اٹھی اور تصویر کے قریب آ گئی کیا تھا یہ شخص۔ اس کی اعلیٰ ظرفی کی حد نہیں تھی۔

''اے میرے رب تُو مجھے سجدہ کرنے کی اجازت دے تو میں اس کو ہر ہر سانس سجدہ کروں۔'' اس نے تصویر پر انگلیاں پھیرتے ہوئے خودکلامی کی تھی۔

☆======☆======☆

اور یہ آنسو
یہ سارے کے سارے آنسو
ایک ہی بار ایک ساتھ بہہ کیوں نہیں جاتے
میں نے جب سے اپنی کشتیاں جلا کے
راکھ سمندر میں بہا دی ہے
کوئی لہر، کوئی موج
مجھے تسلی دینے کے لیے تیار نہیں

اور نہ ہی کوئی موسم یہ نوید سناتا دکھائی دیتا ہے
کہ میں طے کیا جا چکا ہوں
میں جو بہت تھک گیا ہوں
اور سفر جو کبھی تھکتا نہیں
مجھے طے کرتا چلا جا رہا ہے
ایک صحرا سے دوسرے صحرا تک
اور ایک خواب سے دوسرے خواب تک

اس نے ٹیرس سے نیچے جھانکا۔ راضیہ مضطرب سی ٹہل رہی تھی۔ جب سے آئی تھی متعدد بار رو چکی تھی لیکن اصل بات نہ بتا رہی تھی۔ ڈیڈی نے کئی بار کہا تھا وہ سلجوق شاہ سے بات کرتے ہیں لیکن اس نے اپنی قسم دے کر منع کر دیا تھا۔ خود وہ پوچھ پوچھ کر تھک گئے تھے، لیکن وہ کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہ تھی۔

''مجھے اپنے فیصلے کی صلیب پر خود ہی مصلوب ہونا ہے۔ تم لوگ میری فکر چھوڑ دو۔'' وہ چیخ کر گویا ہوئی تھی۔

''لیکن اس طرح تو تم مر جاؤ گی راضیہ۔'' ناجیہ نے تاسف سے اسے دیکھا تو وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

''میں مر رہی ہوں ناجیہ، تمہیں نہیں خبر اس شخص کی جدائی آری بن کر میرے وجود کو کاٹتی چلی جا رہی ہے۔ میں اس کی محبت کے بنا جی ہی نہیں سکتی، لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ وہ مجھے اپنی محبت دینے کو تیار نہیں ہے۔''

اور تب ناجیہ نے بغور اس مغرب کی لڑکی کو دیکھا تھا اور اس کے کانوں میں اس کے کہے الفاظ گونج اٹھے تھے۔

''تم مشرقی لڑکیوں کے ساتھ یہ بڑی پرابلم ہے۔ جب محبت کرتی ہیں تو کرتی چلی جاتی ہیں، بھلا ایک ہی شخص کو روئے چلے جانا کہاں عقل مندی ہے۔''

اور اب وہی لڑکی مشرقی لڑکیوں کی طرح بول رہی تھی۔ واہ ری محبت! اس کا جی چاہا دل کھول کر ہنسے اور پھر ہنستی چلی جائے، لیکن اس کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی تھی۔ کل جب اس نے نوما کو ساری صورتِ حال بتانے کے لیے فون کیا تو پتہ چلا وہ ارمغان کی شادی کے سلسلے میں میکے گئی ہوئی ہے اور تب اسے شدت سے اپنے خالی ہاتھ رہ جانے کا احساس ہوا تھا۔ محبت کسی کا انتظار نہیں کرتی۔ نہ ہی مشروط ہے۔ یہ تو بس تب تک ہے جب تک مٹھی میں قید ہے...... مٹھی

کھولی اور یہ اُڑنچھو۔ کم از کم اس کے ساتھ تو ایسا ہو رہا تھا۔

کال بیل کی آواز نے اس کی سوچوں کا تسلسل توڑا تھا۔ وہ جھک کر دیکھنے لگی۔ راضیہ نے گیٹ کھول دیا تھا اور ایک لمبا تڑنگا شخص اندر گھس آیا تھا۔ راضیہ اس سے الجھ رہی تھی۔ اسے پہچاننے میں اسے چند لمحے لگے اور اگلے ہی پل وہ بھاگتی ہوئی نیچے پہنچی تھی۔

"عذیر تم!" آنسو جھر جھر آنکھوں سے بہنے لگے تھے اور وہ عذیر کے بازو سے لگی چھما چھم رونے لگی تھی۔

"احمق لڑکی کیا بالکل بھگوڑا لوگی تم؟" عذیر نے ہنستے ہوئے اسے خود سے الگ کیا تھا۔

"اور راضیہ کیسی ہو تم۔" اس نے چپ چاپ کھڑی راضیہ کو مخاطب کیا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"چچی اماں کدھر ہیں؟" راضیہ نے کھلے گیٹ سے باہر جھانکا۔

"وہ گھر میں آپ لوگوں کا انتظار کر رہی ہیں۔"

"عذیر کے بچے کب سے آئے ہوئے ہو یہاں؟" ناجیہ چیخی۔

"کل رات سے۔" اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "اچھا اب چل رہی ہو میرے ساتھ یا نہیں۔"

"بالکل نہیں تم ابھی جاؤ اور چچی اماں کو لے کر آؤ ورنہ تمہارا داخلہ ممنوع ہے یہاں۔" ناجیہ نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر دھکیلا۔ تبھی چچی اماں ہنستی ہوئی اندر داخل ہوئیں انہیں اپنے قدموں پہ چل کر آتے دیکھ کر دونوں کی چیخیں نکل گئیں۔

"چچی اماں آپ......؟" ناجیہ تیزی سے آگے بڑھی اور انہیں تھام لیا۔

"دیکھا تم نے سائنس نے کتنی ترقی کر لی ہے۔ اماں اب اپنے قدموں پر چل پھر سکتی ہیں۔"

عذیر بہت خوشی سے بتا رہا تھا۔

پھر عذیر نے وہیں ڈرائنگ روم میں بیٹھے بیٹھے بیتے دنوں کی ساری کتھا سن ڈالی۔ عزیز احمد بھی انہیں یوں اچانک دیکھ کر خوش اور حیران ہوئے اور پھر سب سے بڑی بات تو بھاوج کی صحت یابی تھی۔ ثوبیہ عذیر کا سامنا کرنے سے کتراتی پھر رہی تھی اور عذیر کو اس کی یہ ادا بہت بھائی۔ اماں جان نے جب اس کے سامنے ثوبیہ کا نام لیا تھا تو اس نے تھوڑا اعتراض کیا تھا۔ وہ بھی اس کے مغربی پن سے خائف تھا، لیکن اماں نے جو دو آپشنز اس کے سامنے رکھے تھے ان میں یہی بہتر تھی کہ وہ ثوبیہ کے لیے اقرار کر لیتا۔ دوسرا آپشن اسے ہرگز قبول نہ تھا۔

رات کے کھانے کے بعد جب سب لان میں چہل قدمی کرنے لگے تو عذیر نے اسے جا پکڑا۔ وہ سیڑھیوں پر چپ چاپ بیٹھی ایک سمت کو گھورے جا رہی تھی۔

"تم نے پھر غلط فیصلہ کر لیا ناجیہ۔" وہ اس کے پاس ہی سیڑھیوں پر آ بیٹھا۔

ناجیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ کیا اس کا چہرہ کھلی کتاب ہے جو عذیر با آسانی پڑھ لیتا ہے۔ اس نے نظریں جھکائیں اور نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں نے کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا۔"

"تم کب تک خود کو اور دوسروں کو فریب دیتی رہو گی ناجیہ عزیز احمد؟" اس نے اپنی کھوجتی نظریں اس پر جما دیں۔

"تمہارا چہرہ، تمہاری آنکھیں اس بات کا چیخ چیخ کر اعلان کر رہی ہیں کہ تم نے ایک بار پھر غلط فیصلہ کر کے سب کچھ گنوا دیا ہے۔"

"تم نجومی ہو یا صرف میرا چہرہ ہی پڑھ سکتے ہو۔" وہ آپے سے باہر ہو گئی۔

"کیا سمجھتے ہو تم سب مجھے ہاں۔ میں غلط فیصلے کرتی ہوں۔ میں نے آج تک کوئی فیصلہ صحیح نہیں کیا۔ مجھ میں اتنی عقل ہی نہیں، لیکن...... لیکن میرے فیصلوں سے کسی کا کیا نقصان ہوا؟ ہاں بولو، جو نقصان ہوا میرا ہی ہوا ناں۔ خالی ہاتھ تو میں ہی رہی کسی کا کیا گیا۔ بتاؤ تمہارا کچھ بگڑ گیا میرے کسی بھی فیصلے سے۔ بتاؤ، بتاؤ۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اسے امید تھی ارمغان کے لوٹ آنے کی۔ اس روز جب راضیہ نے اسے اطلاع دی تھی ارمغان کے پرپوزل کے بارے میں تو وہ ایک لمحہ کو سن ہو گئی تھی اور اسی ایک لمحے میں اسے احساس ہوا تھا کہ ارمغان بہت چپکے سے نقشم کی جگہ براجمان ہو گیا ہے۔ اسے یقین تھا ارمغان ایک بار تو ضرور اس سے رابطہ کرے گا۔ وہ جو اس کی اس قدر بے اعتنائی کے باوجود اسے چاہ رہا تھا تو کیا اب اتنی آسانی سے پیچھے ہٹ جائے گا؟ وہ اس کے فون کی منتظر رہی، لیکن جب انتظار طویل ہو کر اسے پریشان کرنے لگا تو اس نے ہمت کر کے دوبارہ اسے فون کرنے کا سوچا تھا، لیکن ادھر سے آتی آواز اس کے حوصلے کو توڑ گئی تھی پھر اس نے نوما کے گھر نمبر ملایا اور وہاں سے اسے جو اطلاع ملی وہ اسے بالکل خالی کر گئی تھی۔

بس یہی تھی اس کی محبت، وہ ایک بار پلٹ کر پوچھتا تو سہی کہ اس نے یہ فیصلہ کیوں کیا تھا۔

عذیر نے اسے جی بھر کے رونے دیا اور جب وہ اچھی طرح رو چکی۔ تب وہ اس کا ہاتھ

پکڑ کر لان میں لے آیا۔

"یہ جو زندگی ہوتی ہے ناں ناجیہ بڑی عجیب ہے، اس میں ایسے ایسے نشیب و فراز آتے ہیں کہ ایک لمحے کو تو عقل سن ہو جاتی ہے۔ سمجھ ہی نہیں آتی کہ یہ ہوا کیا ہے۔ زندگی اس ایک لمحے میں ختم ہوتی لگتی ہے، لیکن آہستہ آہستہ ہر چیز اپنی جگہ پر آ جاتی ہے۔ خلا پُر ہونے لگتا ہے، تب گزرا وقت ایک دھندلے نقش کی طرح ذہن میں رہتا ہے۔ میں نے تمہیں کہا تھا خوشی بار بار دستک نہیں دیتی اور تم دیر مت کرنا لیکن تم نے پھر دیر کر دی سو اب خالی ہاتھ ہو وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ سب کچھ اپنے ہاتھوں سے گنوانے کے بعد رونا چہ معنی دارد؟"

"تم عذیر دوست ہو کر تو ایسی باتیں مت کرو۔" اس نے گالوں پہ پھسل آنے والے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے شکایتی لہجے میں کہا۔

"دوست، دوست ہی آئینہ دکھائیں تو بات بنتی ہے۔ یہی نشانی ہے اچھے دوست کی۔ اینی وے میں ارمغان سے بات کروں؟"

"نہیں اب فائدہ نہیں اس کی شادی ہوگئی ہے۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"اوہ!" وہ تاسف سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ پھر قدرے توقف سے راضیہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"اور یہ اپنی راضیہ بی بی۔ یہاں پائی جا رہی ہیں۔ میں نے تو سنا تھا کہ یہ میکے شاذ و نادر ہی آتی ہیں اور آتی بھی ہیں تو چند گھنٹوں کے لیے۔"

"پتا نہیں ہم کیسے نصیب لے کر آئی ہیں۔" ناجیہ نے سرد آہ بھری۔ پھر عذیر کو ساری بات بتانے لگی اور عذیر بس چپ ہی کر گیا تھا۔

☆======☆======☆

حفیظہ نے خون میں لت پت اسد ملک کی تصویر کو بغور دیکھا اور نیچے لگی سرخی کو پھر سے پڑھنے لگی۔

"ملک پور کے جاگیردار کا بیوی کے ہاتھوں قتل۔"

تفصیلات میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہ حفیظہ کے لیے ناقابلِ یقین تھا۔ اتنا وہ جانتی تھی رومانہ بدکردار نہ تھی اور نہ ہی وہ اسد ملک کے علاوہ کسی اور کو چاہتی تھی اسد اپنی بدکرداری کی وجہ سے تو قتل ہو سکتا ہے بات کو الٹے معانی پہنا دینا تو اخبار والوں کی عادت تھی۔ اس روز جب "طباق" میں ڈنر کرتے ہوئے اچانک اسد ملک چلا آیا تھا اور وہ خوفزدہ ہو کر سلجوق شاہ کے پیچھے چھپی تھی تو اس ایک لمحے میں اس کو لگا تھا جیسے بس اس کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔

اسد ملک کی بربریت سے وہ اچھی طرح واقف تھی اور پھر وہ گھر سے فرار ہوئی تھی۔ سلجوق شاہ کے ہمراہ تھی۔ یہ ساری باتیں اس کی نام نہاد "غیرت" کو جوش دلانے کے لیے کافی تھیں لیکن خلافِ توقع اس نے صبر کا مظاہرہ کیا تھا اور صرف یہ کہہ کر پلٹ گیا تھا کہ وہ جلد یا بدیر اسے ملک پور واپس پہنچا دے گا۔ گھر آنے تک وہ کانپتی رہی تھی اگرچہ سلجوق شاہ نے اسے بھرپور تحفظ کا احساس دلایا تھا، لیکن وہ غیر مطمئن تھی۔ اب تک وہ سب شہر میں اس کی موجودگی سے ناواقف تھے، لیکن اب یہ حقیقت ان پر کھل گئی تھی تو اس کا ٹھکانہ تلاش کرنے میں کتنی دیر لگتی؟ اور اسے یقین تھا کہ اسد ملک نے گھر تک اس کا پیچھا کیا ہوگا اور جلد یا بدیر وہ اسے یہاں سے برآمد کر لے گا۔

پھر......؟ اس خوف نے اس کی نیندیں اُڑا رکھی تھیں۔ اسے اپنے ساتھ وکیل انکل کی رسوائی کا بھی خوف تھا وہ مفت میں زد میں آ جاتے اس لیے جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ اس سلسلے میں اس نے وکیل انکل سے بات کی تھی انہوں نے بھی اسے بھرپور تحفظ کا یقین دلایا تھا لیکن اس کی تسلی پھر بھی نہیں ہوئی تھی اور آج اخبار میں اسد ملک کے قتل کی خبر پڑھ کر اسے مطمئن ہو جانا چاہئے تھا، لیکن ایسا نہ ہوا تھا۔ کچھ بھی تھا وہ اس کا کزن تھا۔ خون کا رشتہ تھا اس سے ان سب کی تمام تر زیادتیوں کے باوجود اس کا دل اسد ملک کے قتل پر افسردہ ہو گیا تھا۔

اسے پھپھو بیگم کی شکستگی کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ انسان کیسے کیسے جتن کرتا ہے۔ اپنی ہوس کی تکمیل کے لیے اس بات سے بے نیاز ہو کر کہ زندگی سے بڑھ کر بے ثبات کچھ ہے ہی نہیں۔ ایک ملک پور اسد ملک کے نام کروانے کے لیے پھپھو بیگم نے کیسے کیسے جتن کر ڈالے تھے اور وہ تایا جان جنہوں نے ملک پور بچانے کے لیے رومانہ کا رشتہ اسد ملک سے کر دیا تھا کہ اسد کی شادی حفیظہ سے نہ ہونے پائے اور پھر اسی ملک پور کے لیے انہوں نے سجاول سے اس کا جھوٹا نکاح کر دیا تھا۔ واہ ری دولت ایک تیرے لیے کیسے کیسے رشتے بدل جاتے ہیں؟ کیسے خون پانی ہو جاتا ہے؟

اور زندگی جس کے لیے انسان سب کچھ کرتا ہے ایک پل میں ختم ہو جاتی ہے۔

کیا اسد ملک کو یقین ہوگا کہ اس کی از حد چاہنے والی بیوی اسے اپنے ہاتھوں سے مار ڈالے گی؟ اس نے کبھی سوچا ہوگا کہ دوسرے انسانوں کی زندگی اپنی بندوق کی نال پہ رکھنے والا خود بھی کسی گولی کا شکار ہو جائے گا اور ایک پل میں اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔

ہونہہ سامان سو برس کا، پل کی خبر نہیں۔

یکدم اس کا دل چاہا وہ ملک پور جائے اور تایا جان کا شکست خوردہ چہرہ دیکھے، دیکھے کہ

بیٹی کا دکھ وہ کیسے برداشت کر رہے ہیں؟

وہ پھوپھو بیگم سے ملے اور پوچھے اتنی چالیں چلنے کے بعد بھی ان کے ہاتھ کیا آیا؟ اچانک اسے اپنے شانوں پر دباؤ محسوس ہوا تو وہ چونکی دیکھا احسن انصاری کھڑے تھے اس کے سامنے وہ بیٹھ گئے اور کہنے لگے۔

''اسد کے بارے میں سوچ رہی ہو۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ کوئی انسان کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جب تک وہ اوپر والی ذات نہ چاہے۔ ہر بات، ہر کام کی ایک حد ہوتی ہے۔ خدا ظالم کی رسی دراز کرتا رہتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ شاید رب کو مظلوموں پر رحم نہیں آتا اور پھر جب جب رسی کھینچتا ہے تو کیا کچھ منہ کے بل آگرتا ہے۔ انسان نے کبھی تصور نہیں کیا ہوتا۔ رب کے نزدیک زندگی پلک جھپکنے سے زیادہ کچھ نہیں۔ ہر چیز پر اسی مالکِ کُل کا اختیار ہوتا ہے۔ جب ہم اچھے برے حالات سے گزرتے ہیں تو یہ سب لکھا جا چکا ہوتا ہے۔ اس میں نیک لوگوں کی آزمائش ہوتی ہے تو برے لوگوں کی بھی۔ وہ دیکھتا ہے کہ ایک بے اختیار انسان ذرا سے اختیار پہ کیا کچھ کرتا ہے۔

سرخرو ہونے والوں کے لیے بڑا انعام ہے تو حد سے گزرنے والوں کے لیے عذاب۔ یہ ساری تقسیم اسی کی کی ہوئی ہے۔ ہم محض مہرے ہیں محض مہرے۔'' انہوں نے بات مکمل کر کے حفیظہ کی طرف دیکھا۔ وہ عجیب تذبذب کا شکار نظر آ رہی تھی۔

''انکل میں ملک پور جانا چاہتی ہوں ایک بار۔'' بالآخر اس نے کہا۔

''کیوں؟'' انہوں نے مختصراً پوچھا۔

''میرا دل چاہتا ہے میں ان سب کے شکست خوردہ چہرے دیکھوں۔''

''کسی ہارے ہوئے پر فتح کا جشن منانا چاہتی ہو؟'' وہ خفیف سا مسکرائے تھے۔

''نہیں...... یا شاید۔''

''پھر ہم میں اور ان میں فرق کیا ہوا؟ بہر حال میں خود ایک دو روز میں وہاں جا رہا ہوں...... کیس Re-open ہو گیا ہے چند Discussions کرنی ہیں سلیمان ملک سے اور ہاں نئی خبر تو تمہیں دی ہی نہیں۔ سجاول ٹھیک ہو گیا ہے۔ چند روز قبل سلیمان ملک کا فون آیا تھا اور اس نے بصد مسرت یہ خبر دی تھی۔ اپنے تئیں انہوں نے یہ دعویٰ غلط ثابت کرنا چاہا ہے کہ انہوں نے ایک لڑکی کا نکاح اپنے پاگل بیٹے سے کر ڈالا تھا۔''

''خبر نہیں ان کی رسی اور کتنی دراز ہونا ہے۔'' وہ خود کلامی کرتی وہاں سے اٹھ گئی۔

☆======☆======☆

پھپھو بیگم کے بَین تھمنے میں نہ آ رہے تھے۔

''کلموہی بالآخر جان لے کر ہی ٹلی۔ کہتی تھی میں اس گھر کو تباہ کر کے چھوڑوں گی۔ کر دیا تباہ سب کچھ، نہ جانے کون سا وقت تھا جو اس عذاب کو میں نے اپنے گھر لانے کا سوچا تھا۔'' وہ تب سے اب تک کئی بار اسے پیٹ چکی تھیں اور رومانہ نے...... چپ چاپ ان کا تشدد برداشت کیا تھا۔ اُف تک نہ کی تھی۔ اپنے اردگرد اسد کی تصویریں پھیلائے گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی رہتی تھی ایک لفظ نہ بولتی تھی۔ نہ روتی تھی۔

پولیس کئی بار آ چکی تھی اور ہر بار سلیمان ملک نے انہیں ٹال دیا تھا۔ انہیں سلیمان ملک کا لحاظ بھی تھا۔ ورنہ اپنی کارروائی مکمل کر چکے ہوتے، لیکن جب اخبارات نے اس خبر کو اچھالا اور ابھی تک قاتل کے گرفتار نہ ہونے پر پولیس کے کردار پر شک کیا تو مجبوراً پولیس کو سخت اقدام لینا پڑا وہ ہر صورت رومانہ ملک کو گرفتار کرنا چاہتے تھے اور یہاں آ کر سلیمان ملک کا اثر ورسوخ بالکل ختم ہو گیا تھا۔ انہوں نے شہباز ملک سے رجوع کیا، لیکن وہ اس ضمن میں ان کی کوئی بھی بات سننے کو تیار نہ تھے۔

''میرا بازو کٹا ہے سلیمان ملک، میں بے دست و پا ہو گیا ہوں اور تم کہتے ہو میں رپورٹ واپس لے لوں ہرگز نہیں۔ تمہاری خود سر بیٹی نے میری متاعِ حیات چھین لی ہے اور خود تم چاہتے ہو کہ تمہارا کوئی نقصان نہ ہو۔ تمہاری بیٹی سزا یافتہ ہو بھی جائے تو بھی میرا نقصان نہیں پورا ہونے والا۔'' شہباز ملک کے لہجے میں ذرا بھی لچک نہ تھی۔

''وہ اس خاندان کی بیٹی ہے شہباز یہ بھی تو سوچو اخبارات اس کے کردار پر جتنی کیچڑ اچھال رہے ہیں کیا اس سے ہماری، سب کی رسوائی نہیں ہو رہی؟'' ان کا لہجہ لجاجت بھرا تھا۔

''وہ صرف تمہاری بیٹی ہے سلیمان۔ جیسے اسد صرف میرا بیٹا تھا۔ ارے اس کو تو رشتوں کی پہچان ہی نہیں۔ اسے گولی چلاتے ہوئے ذرا احساس نہیں ہوا کہ وہ اپنے شوہر پر گولی چلا رہی ہے۔ کیا وقعت تھی اس لڑکی کی؟ دو ٹکے کی لڑکی۔ جو نہ جانے کتنی راتیں اس کے ساتھ گزار چکی تھی اور اب اگر اس نے چھو لیا تو کیا قیامت آ گئی تھی۔ جو اس نے میرے شیر جیسے بیٹے کو پل میں ختم کر ڈالا۔ اگر وہ اس خاندان کی بیٹی ہے تو اسد بھی تو اس خاندان کا بیٹا تھا۔ پھر تم فیصلہ کرو۔ کیا اس خاندان کے بیٹے کے قاتل کو چھوڑ دیا جائے۔ بنو منصف اور فیصلہ کرو، انصاف یہی ہے کہ دونوں کو مرنا چاہئے۔ رسوائی و بدنامی برابر حصے میں آئے گی۔ یہی انصاف ہے۔ آئندہ اس سلسلے میں میرے پاس مت آنا۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔'' وہ بات ختم کر کے وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

رومانہ ملک گرفتار ہوگئی۔ سلیمان ملک منہ چھپائے ملک پور میں بیٹھ گئے تھے، لیکن ان کے منہ چھپانے سے کیا ہوتا تھا۔ رسوائی پورے ملک پور کے گرد ناچتی پھر رہی تھی۔

راشدہ بیگم خالی نظروں سے حویلی کی دیواروں کو تکا کرتیں۔

سجاول ٹھیک ضرور ہوا تھا لیکن اس حد تک نہیں کہ وہ عدالتی معاملات نپٹا سکتا۔ وہ بھی ٹکر ٹکر ماں باپ کی شکل دیکھتا رہتا۔

رومانہ نے صرف پہلی پیشی پر زبان کھولی تھی۔

''میں ایک ہی بار بیان دوں گی۔ اس کے بعد مجھ سے کچھ نہ پوچھا جائے۔ میرا شوہر اسد ملک بدکردار آدمی تھا۔ وہ غیر عورتوں سے تعلقات کو جائز سمجھتا تھا اور اپنی بیوی کا حق اسے دینے پر تیار نہ تھا۔ جو شخص اپنی شادی کی رات کسی غیر عورت کے پہلو میں گزار آئے، اس کی بیوی کیا کرے؟

می لارڈ! میں نے اس شخص سے عشق کیا۔ اس کی تمام تر برائیوں اور خامیوں کے باوجود اس کو پوجتی رہی، لیکن وہ، وہ مجھ پر دوسری عورتوں کو ترجیح دیتا رہا میں نے تو اپنی کوکھ تک اجاڑ ڈالی کہ شاید اس شخص کو سیدھی راہ یاد آجائے، لیکن وہ گناہوں کی پاتال میں وہاں تک دھنس چکا تھا۔ جہاں سے شاید واپسی کے سارے راستے مسدود ہو چکے تھے۔ جب تک وہ یہ سب گھر کے باہر کرتا رہا میں نے چپ چاپ سب کچھ برداشت کیا، لیکن جب وہ ان عورتوں کو گھر میں لانے لگا تو میری برداشت ختم ہوئی۔ می لارڈ! کوئی عورت یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ اس کا شوہر اس کی موجودگی میں...... میرے لیے اسے قتل کرنا ناگزیر ہوگیا تھا۔ مجھے اپنے کیے پر کوئی شرمندگی نہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے اس زمین کو گناہ کے بوجھ سے آزاد کیا۔ ہوسکتا ہے می لارڈ! میرا باپ مجھے پاگل ثابت کرنے کی کوشش کرے، لیکن میں یہ اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے بقائمی ہوش وحواس اپنے شوہر کو قتل کیا۔ اگر ایک شوہر اپنی بیوی کو بدچلنی کے صرف شبہے میں قتل کرسکتا ہے تو بیوی کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ بھی بدکرداری پر اپنے شوہر کو قتل کرسکے اور میں نے یہ حق حاصل کرلیا ہے۔''

اس نے بیان مکمل کرکے کسی کی طرف بھی دیکھے بنا کٹہرا خالی کردیا تھا۔

فیصلہ اگلی تاریخ تک ملتوی کردیا گیا تھا۔

سلیمان ملک رومانہ کی رہائی کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگارہے تھے۔

لیکن اس نے اعتراف کرکے اپنے لیے مشکلات کھڑی کرلی تھیں۔

اس وقت بھی وہ وکیل سے مشورہ کرنے کی غرض سے نکلے تھے۔ جب راستے میں ہی

احسن انصاری مل گئے۔

''میں جلدی میں ہوں۔'' کہہ کر انہوں نے گزر جانا چاہا تھا، لیکن احسن انصاری نے راستہ روک لیا تھا۔

''مجھے زیادہ وقت نہیں لینا۔ صرف چند ضروری باتیں ڈسکس کرنا ہیں۔''

''میری وکیل سے اپائنٹ منٹ ہے۔'' وہ رکنے پر آمادہ نہ تھے۔

''میں نے کہا ناں صرف تھوڑی دیر اور یہی آپ کے حق میں اچھا ہوگا۔''

''آپ دھمکی دے رہے ہیں وکیل صاحب؟'' سلیمان ملک جزبز ہوئے۔

''نہیں بالکل نہیں میں تو مفاہمت کی راہ تلاش کررہا ہوں۔ چلتے ہیں واپس؟''

انہوں نے خفیف سا مسکراتے ہوئے اندر کی طرف اشارہ کیا۔ ناچار سلیمان ملک کو واپس لوٹنا پڑا۔

☆======☆======☆

اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے پھول چنتے چنتے اچانک کوئی کانٹا بے دھیانی میں چبھ جاتا ہے اور خون کی دھاریں پھوٹ نکلتی ہیں۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہوا تھا۔ وہ پھول چننے میں اتنی محو تھی کہ پتا ہی نہ چلا ہاتھ لہولہان ہوگئے تھے۔ وہ کیسے آنکھیں بند کیے محبت کی شاہراہ پر دوڑی چلی جارہی تھی۔ زادان انصاری کی بے پایاں محبتوں نے اسے اور کچھ دیکھنے کا موقع ہی کب دیا تھا۔ وہ تو نازاں تھی ایک شخص اسے یوں چاہتا ہے کہ اس کے دل کے سارے خلا پُر ہوگئے تھے۔ پھر یہ کیسی ٹھوکر لگی تھی؟ اس نے کھڑکی کے باہر جھانکا۔

حفیظہ ملک سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ ذرا پرے زادان ٹہل رہا تھا اور ابھی کچھ دیر پہلے وہ بھی اسی منظر کا حصہ تھی جسے زادان نے بے رحمی سے نکال پھینکا تھا۔ کس قدر بے گانگی تھی اس کے لہجے میں۔ وہ تو چائے لے کر گئی تھی۔ بڑے دنوں بعد زادان شام کے وقت گھر میں موجود تھا۔ اس نے بڑے اہتمام سے چائے بنائی تھی۔ شامی کباب بنائے تھے اور پاپڑ تلے تھے اور ابھی وہ دروازے میں ہی تھی کہ اس کے کانوں میں حفیظہ کی آواز آئی۔ وہ بہت آہستگی سے کہہ رہی تھی۔

''ایک شادی شدہ شخص کی زندگی ڈسٹرب کرکے میں خواہ مخواہ کیسے اس کا حصہ بن جاؤں۔''

''خواہ مخواہ کیوں؟'' زادان نے کہا تھا۔ ''ہر بندے کی اپنی ایک جگہ ہوتی ہے۔ میری زندگی میں اب بھی تمہاری جگہ ہے۔ نوما سے شادی کرلینے کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ میرے دل کے ہر کونے میں براجمان ہوگئی ہے۔ یہ دل حفیظہ ملک، یہ دل اب بھی تمہارے ایک اشارہ

ابرو پر سب کچھ چھوڑ دینے کو تیار ہے۔ تم کہو تو سہی۔''

زادان کا پُرعزم لہجہ نوما کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لے گیا۔ اس نے بمشکل دروازے کا پٹ تھام کر خود کو سنبھالا دیا اور ذرا آگے سرک کر باہر جھانکا۔ حفیظہ کی اس طرف پشت تھی جبکہ زادان کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

''نوما سے آپ کی لو میرج ہے ناں۔'' کافی دیر بعد حفیظہ کی آواز آئی تھی۔

اور اس سے آگے وہ سننا نہیں چاہتی تھی۔ زادان کا انکار شاید اس کی جان ہی لے لیتا وہ تیزی سے پلٹ آئی۔ ایک خوش فہمی تو زندہ رہنے کے لیے ہونی چاہیے تھی۔ ورنہ تو کچھ نہ بچا تھا۔ شاید اسی لیے چھپ کر باتیں سننے سے منع فرمایا گیا ہے۔

لیکن اس نے کب جان بوجھ کر سب سنا تھا۔ از خود اس کے کانوں میں ساری بات پڑ گئی تھی۔ وہ کان تو بند نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔ فی الحال کسی کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی رات وہ کھانے پر بھی نہیں آئی تو بیگم احسن کو تشویش ہوئی۔ انہوں نے رحمہ کو بھیجا کہ اسے بلا لائے۔ رحمہ کمرے میں آئی تو وہ اوندھی لیٹی تھی۔

''خیریت بھابی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' وہ تشویش سے آگے بڑھ آئی۔

''ہاں، بس یونہی ذرا سر میں درد ہے۔'' اس نے یونہی لیٹے لیٹے کہا تھا۔

''کوئی ٹیبلٹ لی ہوتی بھائی کو بھیجتی ہوں۔'' وہ واپس جانے کو پلٹی۔

''ارے نہیں رحمہ۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے ٹیبلٹ لی ہے۔'' اس نے منع کیا۔

''کھانے پر آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔ آجائیں پھر۔'' اس نے جاتے جاتے کہا پہلے تو اس کے جی میں آئی منع کر دے۔ پھر جانے کیا سوچ کر اٹھ گئی۔ باتھ روم میں جا کر پانی کے چھینٹے منہ پر مارتے ہوئے اس نے بغور اپنا چہرہ دیکھا۔ شکستگی ایک پل کی بھی ہو تو کیسے چہرہ بدل جاتا ہے۔ اس کا چہرہ اندرونی کرب کا غماز تھا۔

اس نے چہرے کا ہلکا سا پف کیا۔ کم از کم وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی کم مائیگی کا سب کو پتہ چلے۔ لائٹ کلر کی لپ اسٹک لگا کر اس نے بالوں کو برش کیا اور ہاتھ سے کپڑوں کی سلوٹیں دور کرتی نیچے آگئی۔ ٹیبل پر سب ہی موجود تھے۔ اس نے ایک گہری نظر حفیظہ اور دوسری زادان پر ڈالی جو کہ آمنے سامنے کی کرسیوں پر براجمان تھے۔ پھر زادان کے ساتھ والی خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''طبیعت زیادہ خراب ہو تو ڈاکٹر کے پاس چلی جاؤ۔'' بیگم احسن نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''نہیں آنٹی اب تو بہتر ہے۔ بس سر بھاری بھاری ہو رہا تھا اسی لیے میں لیٹی رہی۔''

بہت نارمل لہجے میں اس نے کہا تھا۔

کھانا کھانے کو قطعاً جی نہ چاہ رہا تھا۔ بلکہ اس وقت تو اسے زادان کے ساتھ بیٹھے ہوئے بھی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ذرا سا سر اٹھا کر سامنے دیکھا حفیظہ بھی بے دلی سے کھا رہی تھی۔ اس نے چند لقمے لیے اور پلیٹ پرے کھسکا دی۔

''کیا ہوا؟'' زادان نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کچھ نہیں بس جی نہیں چاہ رہا۔''

''اور حفیظہ آپ بھی کچھ نہیں لے رہیں؟'' رُوئے سخن حفیظہ کی طرف مڑ گیا تو وہ کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ حفیظہ نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ نوما کو اٹھتے دیکھ کر وہ بھی اٹھ کر پیچھے آگئی۔ نوما کا رخ کمرے کی طرف تھا کہ حفیظہ نے آواز دے لی۔

''نوما آؤ تھوڑی دیر چہل قدمی کریں۔''

''نہیں میرا موڈ نہیں ہو رہا۔'' اس نے رکھائی سے جواب دیا۔

''پلیز تھوڑی دیر کے لیے کل تو ویسے بھی میں جا رہی ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ متذبذب سی پلٹ آئی۔

لان میں ہر سُو چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ کوریڈور کی جلتی لائٹ ایسے میں کچھ اچھی نہ لگ رہی تھی۔ حفیظہ نے لائٹ آف کی اور نوما کا ہاتھ پکڑ کر لان کے سب سے آخری کونے میں آگئی۔

''چاندنی رات کا بھی الگ سے حسن ہے۔ ناقابلِ بیان سا۔ صرف محسوس کیا جانے والا۔'' حفیظہ نے کہا تو نوما ''ہوں'' کر کے رہ گئی۔

''بالکل اسی طرح ہر رشتے اور ہر جذبے کا بھی الگ سے حسن ہوتا ہے، لیکن یہ تب تک جب تک جذبے اور رشتے اپنی جگہ پر موجود ہوں۔ جیسے چاندنی کو اٹھا کر کمرے میں لے جائیں تو پھر یہ چاندنی نہیں رہے گی۔ اس کا حسن ختم ہو جائے گا۔ میں دنیا کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ میری دنیا گھر سے اسکول، پھر کالج اور پھر گھر تک محدود تھی۔ میں اپنے بابا اور ادی جان کی لاڈلی بیٹی تھی۔ انہوں نے سچ مچ مجھے کبھی کانٹا تک نہ چبھنے دیا تھا۔ زندگی کے نشیب و فراز کیا ہوتے ہیں۔ حقیقتاً میں کچھ نہ جانتی تھی۔ خوشیاں اور بس خوشیاں غم کیا ہوتے ہیں یا کیسے ہوتے ہیں کبھی واسطہ ہی نہ پڑا۔ چہرے کے پیچھے کتنے چہرے ہوتے ہیں؟ لہجوں میں درحقیقت کیا چھپا ہوتا ہے؟ مجھے کوئی تجربہ نہ تھا۔ میرے اردگرد سب محبت کرنے والے تھے اور بقول بابا جان میں یہ Deserve کرتی تھی۔

میری منگنی ہوئی۔ ہمارے خاندان میں باہر شادیاں کرنے کا رواج نہیں ہے، جانے کب، کیسے میں سلجوق شاہ کو پسند آ گئی۔ سلجوق بابا کے بہت گہرے دوست کے بیٹے تھے۔ میرے بابا نے میرے معاملے میں دوسری بغاوت کی، پہلی بغاوت انہوں نے مجھے تعلیم دلا کر کی تھی۔ سلجوق شاہ سے میرا رشتہ طے ہو جانا بابا کی دوسری بغاوت تھی جو نا قابلِ معافی تھی۔ ہماری منگنی رہی۔ اس رشتے کو توڑنے کی در پردہ سازشیں ہوتی رہیں۔ پھپھو بیگم اور تایا جان کسی صورت میرا رشتہ نہیں ہونے دینا چاہتے تھے لیکن بابا جان اپنے کیے فیصلے پر مستقل مزاجی سے ڈٹے رہے اور شادی کی تاریخ آ گئی۔ مہندی کی رات پھوپھو بیگم نے دس لاکھ حق مہر کا مطالبہ کر دیا۔ جو کہ منظور ہو گیا یہ سب ان کی توقع کے خلاف تھا۔ لٰہذا یہ اسکیم فیل ہو جانے پر اگلے دن انہوں نے جان بوجھ کر لڑائی کی اور بارات واپس بھجوادی۔

بابا جان کے لیے یہ صدمہ جان لیوا ثابت ہوا اور یہیں سے چہروں کے پردے اترنے شروع ہوئے۔ تایا جان اور پھپھو بیگم میرے سگے نہیں تھے۔ وہ بابا جان کے سوتیلے بہن بھائی تھے اور انہوں نے اپنی ماں کی حق تلفی کا بدلہ لینے کے لیے یہ سب کیا تھا۔ دوسرا ان کی نظر ملک پور پر تھی۔

تایا جان نے کوئی چکر چلا کہ عدالت سے مجھے طلاق دلوائی اور اپنے پاگل بیٹے سے میرا نکاح کر دیا۔ بے ہوشی کے عالم میں میرے انگوٹھے کی نشانات نکاح نامے پر لگوائے گئے اور مجھے سجاول کی بیوی بنا دیا گیا۔ بہت مشکلوں سے میں حویلی سے فرار ہوئی اور اذغان کے ساتھ یہاں آ پہنچی۔ وکیل انکل بابا کے دوست تھے اور ہماری جاگیر کے معاملات انہی کے ہاتھ میں تھے۔ مجھے سر چھپانے کو آسرا مل گیا۔ پھر وکیل انکل نے مجھے امید دلائی کہ میرا اور سلجوق کا تعلق پھر سے بحال ہو سکتا ہے۔

میرے سامنے زندگی اندھی سڑک کی طرح ہے، جس پر میں چلی جا رہی ہوں۔ میں نے زندگی میں پہلی اور آخری محبت ایک ہی شخص سے کی ہے۔ خبر نہیں سلجوق اور میرا ساتھ مقدر میں ہے کہ نہیں، لیکن میں سلجوق کی جگہ کسی اور کو دینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ رہا سلجوق کا مسئلہ تو ڈیئر، مرد کی محبت بس چڑھتے سورج کی سی ہوتی ہے۔ ہاتھ جلانے کے باوجود اچھی لگتی ہے۔ تم سرتاپا جھلس بھی جاؤ تو بھی زادان کی محبت کی منتظر رہو گی اور رہنا بھی چاہئے۔ محبت صرف لینے کا نہیں دینے کا بھی نام ہے۔ سورج اگر رخ بدل بھی رہا ہو تو اس کو احساس دلانا چاہئے کہ کوئی سورج مکھی ہے اور صرف اس کو ضیاء چاہئے۔ مرد کی محبت ایسی ہوتی ہے۔ ڈھل جانے والی، موم ہو جانے والی۔''

بات ختم کر کے اس نے نوما کا ہاتھ دبایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس سے زیادہ وہ نوما کا دل صاف نہیں کر سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی زادان اور اس کے بیچ ہونے والی گفتگو نوما نے سن لی تھی اور اس نے زادان کو احساس بھی دلایا تھا لیکن وہ عجیب ڈھیٹ شخص تھا۔ اسے قطعاً پروا نہیں تھی۔ انتہائی ڈھٹائی سے بولا تھا۔

''اسے اس کے حصے کی محبت مل رہی ہے۔ اس لیے اسے فکر مند نہیں ہونا چاہئے۔ میں اپنے خالی وجود کو کیسے آباد کروں حفیظہ تم بن؟''

اور حفیظہ وہاں سے اٹھ آئی تھی، لیکن اٹھنے سے پہلے اس نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ اور اس نے فوراً انکل کے آفس فون کر کے انہیں اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ انہوں نے وجہ پوچھی تھی اور اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ نہیں چاہتی کہ اس کی وجہ سے زادان اور نوما کا گھر ڈسٹرب ہو اور وہ ساری بات سمجھ کر چپ ہو گئے تھے اور اب اسے انکل کا انتظار تھا۔ وہ آج لیٹ ہو گئے تھے۔ وہ صبح ہر حال میں یہاں سے جانا چاہتی تھی۔ خواہ گھر کا بندوبست ہوتا یا نہیں اس نے مہرینہ پھپھو سے بھی بات کر لی تھی۔ انہیں کیا اعتراض ہونا تھا۔ وہ تو خود چاہتی تھیں کہ الگ گھر کا بندوبست ہو تو وہ ناجیہ کو اپنے ساتھ رکھ سکیں۔ اگرچہ ناجیہ نے ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ پھر بھی انہیں موہوم سی امید تھی۔

اسے وہاں ٹہلتے کافی دیر ہو گئی تھی لیکن انکل کا ہنوز اتا پتا نہ تھا۔ مایوس ہو کر وہ کمرے میں چلی آئی۔ مہرینہ سو چکی تھیں۔ وہ یونہی الماریاں کھول کر چیک کرنے لگی۔ اس کا سامان ہی کتنا تھا۔ چند جوڑے کپڑے اور بس۔

کلاک نے بارہ کا گھنٹا بجایا تو وہ بستر پر آ گئی۔ ذہن سوچوں کی آماجگاہ تھا اور وہ اپنا آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دے رہی تھی اور پتہ نہیں کیوں اس سارے میں سلجوق شاہ کہیں فٹ نہ ہو پا رہے تھے۔ اس نے بار بار ذہن جھٹکا تھا اور اسی طرح جانے کب نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی۔

☆======☆======☆

ایسی اچھی آنکھیں میں نے کہیں نہیں دیکھیں جیسے دو تارے آکاش سے دھرتی پہ اُترے ہوں یا اندھیاری رات میں جیسے جگنو دمک رہے ہوں جھلمل جھلمل کرتی آنکھیں
نیاری آنکھیں، پیاری آنکھیں
کاجل بن کجراری آنکھیں
ایسی اچھی آنکھیں میں نے کہیں نہیں دیکھیں

عذیر آنکھوں میں شرارت بھرے ثوبیہ پہ نظریں جمائے بول رہا تھا۔ ثوبیہ سے چائے کا گھونٹ لینا مشکل ہو گیا تھا۔ اس کی سرخ ہوتی رنگت عذیر کو محظوظ کر رہی تھی۔

''مغربی حسن پر مشرقی حیا کتنا زبردست، کتنا خوبصورت۔'' عذیر نے وارفتگی سے ثوبیہ کو دیکھا۔ وہ ایک دم کپ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کدھر چل دیں؟'' اسے اس کا اٹھنا اچھا نہیں لگا۔

''وہ...... میں پانی، پانی پی آؤں۔'' اس نے اٹک اٹک کر کہا تو عذیر کو ہنسی آ گئی۔

''پانی یہ سامنے تو رکھا ہے۔''

''نہیں میں......'' اس نے باہر جانے کو قدم بڑھائے، لیکن مشکل یہ تھی کہ باہر بھی عذیر کے قریب سے گزر کر جانا پڑتا۔ وہ اس سے تھوڑے فاصلے پر آ کر رک گئی۔ نظر اٹھا کر دیکھا۔ عذیر کی نظروں میں شرارت ہی شرارت تھی۔

''عذیر پلیز!'' وہ ملتجی ہوئی تھی۔

عذیر ہنس پڑا۔ ''او کے لیکن ایک بات تو بتاتی جاؤ؟''

''کیا؟'' وہ جلدی سے بولی۔

''یہی کہ تم کو مجھ سے کتنا پیار ہے، تم کو مجھ سے کتنا پیار ہے؟'' وہ باقاعدہ گنگنانے لگا اور ثوبیہ نے جو وہاں سے دوڑ لگائی تو سیدھا کچن میں آ کر سانس لیا تھا۔ پھولتی سانسوں کے بیچ ہی اس نے پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا تھا، نتیجتاً اچھو ہو گیا۔

''آرام سے۔ کون پیچھے لگا ہوا ہے؟'' راضیہ کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا وہ بھی کچن میں موجود تھی۔ اس نے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔

اس نے پانی کا گلاس رکھا اور باہر نکلنے کو تھی کہ راضیہ نے آواز دی۔

''سنو میں ذرا باہر جا رہی ہوں۔ پاپا آئیں تو بتا دینا۔''

''سلجوق بھائی کی طرف جائیں گی؟'' اس نے قیاس لگایا تھا۔

''نہیں بازار تک۔'' وہ نظریں چرا گئی۔

''ٹھیک ہے۔'' ثوبیہ سر ہلاتی چلی گئی۔ راضیہ نے پانی پیا۔ پھر ٹیبل پر دھرے پرس کو اٹھا کر باہر آ گئی۔ اس کا ذہن بالکل خالی ہو رہا تھا۔

جب سے وہ سلجوق شاہ کا گھر چھوڑ کر آئی تھی ایک پل کو سلجوق شاہ کا خیال اس کے ذہن سے محو نہیں ہوا تھا۔ گھر چھوڑتے سمے اسے کوئی خوش فہمی نہیں تھی کہ سلجوق شاہ اسے روک لیں گے یا یہ کہ اسے منانے آئیں گے۔ لیکن جوں جوں دن گزرتے گئے تھے اس کے اندر یہ خواہش جنم

لینے لگی تھی کہ وہ اسے منانے آئیں۔ یا اسے فون پر ہی گھر واپس آنے کا کہہ دیں لیکن ان کی طرف سے مکمل خاموشی تھی اور دن گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی یہ خواہش وحشت بن گئی تھی۔ وہ لمحہ لمحہ مرنے لگی تھی۔ یہ خیال اس کے جسم سے جان کھینچنے لگتا کہ وہ سلجوق شاہ کو اب نہیں دیکھ سکے گی اور آج لیٹے لیٹے جب اس نے انگلیوں پہ دن شمار کیے تو یاد آیا آج ان کی شادی کی سالگرہ تھی۔ سلجوق کو یہ بھی یاد نہ رہا تھا۔ کم از کم Wish تو کر دیتے اس کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں۔

پاپا نے کتنا کہا تھا وہ سلجوق سے بات کرتے ہیں لیکن وہ ایسا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اب تو اسے خود بھی خبر نہیں تھی کہ وہ کیا چاہتی تھی۔ اس نے ایک پل کو سوچا تھا پھر سلجوق شاہ کے آفس کا نمبر گھما ڈالا تھا۔ وہ آفس میں ہی تھے اور اس کا دل بہت شدت سے انہیں ایک نظر دیکھ لینے کو مچلا تھا اور اس نے فوراً ہی ارادہ کر لیا تھا۔

''ہاں ایک نظر دیکھ کر لوٹ آؤں گی۔ اس سے کیا ہوگا بس چپکے سے۔'' اس نے سوچا تھا۔

رکشہ آفس کے سامنے رکوا کر وہ نیچے اتری، پیسے دے کر اس نے بیگ میں رکھی چادر نکالی اور اچھی طرح اوڑھ لی۔ اس حلیے میں اسے کوئی بھی نہ پہچان سکے گا۔ اس نے سوچا اور اندر داخل ہو گئی۔

سلجوق شاہ نے گلاس ونڈو کے اس پار سے بڑی حیرت سے اس لڑکی کو دیکھا اور جوں جوں وہ قریب آتی گئی وہ اسے پہچان گئے، لیکن اس طرح اس کی آمد پر وہ حیران بھی ہوئے تھے۔ وہ پردے برابر کر کے اپنی کرسی پر آ بیٹھے پی اے کو ہدایت کی کہ ابھی جو لڑکی اندر آئے گی اسے فوراً ان کے پاس بھیج دیں اور خود دروازے پر نظریں لگائے بیٹھ گئے۔ ان کے دل کو عجیب سی خوشی ہو رہی تھی اس کے آنے کی جسے وہ خود بھی پہچان نہ پا رہے تھے۔ وہ اندر آ چکی تھی اور باہر Reception پر کھڑی حامد خان سے کچھ پوچھ رہی تھی۔ پھر اس نے ادھر دیکھا۔ سلجوق شاہ اضطراری کیفیت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ اب واپس پلٹ رہی تھی۔ وہ بے قراری سے باہر لپکے۔

''راضیہ، راضیہ۔'' وہ بلا ارادہ پکار بیٹھے، لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

''راضیہ پلیز۔'' وہ دیوانہ وار اس کے پیچھے بھاگے اردگرد کی پروا کیے بغیر۔ بالآخر انہوں نے اسے کوریڈور میں جا لیا۔

''راضیہ ایک منٹ رکو تو سہی۔'' انہوں نے اس کو بازو سے پکڑ کر روکا اور ان کا لمس اس

کے حوصلے پانی کرنے لگا تھا۔ اس نے بہت آہستگی سے بازو چھڑانے کی کوشش کی۔

''مجھے جانے دیں پلیز۔'' بھرائی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔ چہرے کا نقاب سرک کر نیچے آ گیا تھا۔

''نہیں اندر چلو۔'' ان کے لہجے میں آپ ہی آپ تحکم آ گیا تھا اور ہمیشہ کی طرح راضیہ کسی معمول کی طرح ان کے پیچھے چل دی۔

اسے بیٹھنے کا کہہ کر انہوں نے کولڈ ڈرنکس کا کہا اور پھر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ سر جھکائے اپنی کھلی ہتھیلیوں کو گھور رہی تھی۔

کئی لمحے خاموشی میں ہی بیت گئے۔ کبھی کبھی یوں ہوتا ہے ناں ہم بہت کچھ کہنا چاہ رہے ہوتے ہیں لیکن کچھ نہیں کہہ پاتے۔ وہ بھی راضیہ سے کہنا چاہتے تھے کہ وہ اسے ان دنوں بہت یاد کرتے رہے ہیں۔ انہیں پل پل اس کی کمی محسوس ہوتی ہے، لیکن الفاظ لبوں تک آ کر دم توڑ رہے تھے۔

''حفیظہ کیسی ہیں؟'' ایک نم سی مسکراہٹ نے راضیہ کے لبوں کو چھوا تھا۔ وہ پلکیں نہ اٹھا رہی تھی کہیں آنسو رازِ دل عیاں نہ کر جائیں۔

اور اس کے سوال نے جیسے لمحہ بھر پہلے کا فسوں توڑ کر رکھ دیا۔ انہوں نے ٹیبل کی دراز کھولی اور جانے کیا تلاش کرنے لگے۔

ایک پل کے آشنا
ایک پل کے آشنا
اور عمر بھر کے اجنبی
کیا کچھ بیت جاتا ہے
ایک پل کے کھیل میں
ایسے جیسے زندگی
ایسے جیسے کچھ بھی نہیں

پیون نے کولڈ ڈرنکس لا کر رکھیں تو دونوں جیسے چونکے۔

''اس کے بعد چائے لے آنا۔'' انہوں نے پیون سے کہا۔ تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''نہیں شاہ...... نہیں میں چلوں گی۔'' وہ شاہ جی کہتے کہتے رک سی گئی تھی۔

''یہ ٹھنڈا تو پی لو۔'' انہوں نے اصرار کیا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تو تھوڑی دیر بیٹھو تو سہی۔'' اب کے وہ بھی نظریں نہ اٹھا رہے تھے۔

یہ کیا شکست ہوئی اس کے میرے بیچ کہ اب
حوصلہ بھی نہیں آنکھ تک ملانے کا

اس نے خاموشی سے پرس اٹھایا اور باہر نکل گئی۔ سلجوق شاہ اسے جاتا دیکھتے رہے۔ پھر اٹھ کر کھڑکی میں آ گئے۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے فٹ پاتھ پر چلی جا رہی تھی۔ جب تک وہ نظر آتی رہی وہ وہیں کھڑے رہے۔

شکست بری طرح ان کے وجود پر حاوی ہوئی تھی۔ حفیظہ اور راضیہ دونوں میں کسی ایک کا انتخاب کرنا ان کے لیے دن بدن مشکل ترین ہوا جا رہا تھا۔

وہ رات کو بستر پر لیٹتے تو ایسا لگتا۔ جیسے ابھی کہیں سے کھلکھلاتی راضیہ چلی آئے گی۔ ان کی سرد مہری کے باوجود وہ ان کو بلانے کی کوشش کرے گی اور وہ حسبِ عادت اسے ڈسٹرب کرنے پر ڈانٹ دیں گے اور پھر وہ ساری رات تکیہ بھگوتی رہے گی۔

وہ خود سمجھ نہیں پائے تھے کہ راضیہ کی ان کے دل میں کیا جگہ ہے؟ دل اب بھی حفیظہ کی محبت میں پورا پورا ڈوبا ہوا تھا۔ راضیہ سے محبت جتاتے جتاتے وہ ایک دم کہیں سے چلی آتی اور پھر انہیں راضیہ کا وجود ناگوار محسوس ہونے لگتا۔ وہ سونے کی ایکٹنگ کرتے راضیہ کو جھڑک دیتے، لیکن اس کے بعد وہ تمام رات بے چین ہی رہتے۔ صبح راضیہ کی روئی روئی متورم آنکھیں انہیں شرمندگی سے دوچار کرتیں لیکن وہ اپنے کیے پر سوری نہ کر سکتے اس کے باوجود اس نے ان سے بے پایاں محبت کی تھی۔ اب اس سے بڑھ کر وہ اور کیا کر سکتی تھی ان کے لیے کہ حفیظہ کے لیے بیچ میں سے ہٹ گئی تھی اور وہ اسے روک نہ پائے تھے۔

وہ بہت بے چین سے گھر لوٹے تھے۔ گھر کی ویرانی اپنے عروج پر تھی ربیعہ کی شادی کے بعد تو گھر بالکل خالی ہو گیا تھا۔ انا بی پہلے اریج کے ساتھ مصروف رہا کرتی تھیں۔ اب اس سے فارغ ہو کر بالکل ہی ڈھے گئی تھیں۔ سارا دن کمرے میں پڑے پڑے گزار دیتیں۔ سلجوق شاہ کے آنے پر انہیں کھانا وغیرہ دے دیتیں پھر کمرے میں چلی جاتیں۔

وہ گھڑی اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ رہے تھے جب انا بی کچھ لفافے اٹھائے اندر داخل ہوئیں۔

''اے بٹوا یہ کچھ کھط (خط) آئے ہیں تمہارے۔ دیکھ لو خیریت کے ہیں ناں۔'' انہوں نے لفافے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیئے۔

''میں فریش ہو کر دیکھتا ہوں۔ آپ پلیز چائے بنوا دیں اسٹرونگ سی۔''

وہ ٹاول لے کر باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے بولے۔ انا بی سر ہلاتی باہر نکل گئیں اور

جب انابی چائے لے کر آئیں تو سلجوق شاہ سر نیہوڑائے ایک ٹک سینٹر ٹیبل پر رکھے کارڈز کو دیکھ رہے تھے۔ انابی کے آنے پر بھی وہ متوجہ نہ ہوئے تو وہ ہول کر آگے بڑھیں۔

''اے بنّو سب خیریت تو ہے نا؟'' انہوں نے سائیڈ پر ٹرے رکھتے ہوئے کہا۔

''آج...... انابی...... آج ہماری Wedding aniversary ہے۔''

''کیا ہے؟'' وہ اچنبھے سے گویا ہوئیں۔

''ہماری شادی کی سالگرہ...... یہ سب کارڈز راضیہ نے بھیجے ہیں۔ مجھے دیکھیں میں آج کا دن بھول ہی گیا۔'' وہ جیسے خود کلامی کر رہے تھے۔

''اے بنّو سچ کہوں تم نے دلہن کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ کتنی اچھی تھی وہ کیسے کیسے نہ تمہارا خیال رکھا۔ کتنی محبت کی تم سے، چند اجب تم اسے ایک بار اپنی مرضی سے بیاہ کر لے آئے تو اس کی خوشی ناخوشی کا خیال رکھنا تمہارا فرض تھا۔ عورت کو چاہیے بھی کیا ہوتا ہے اور ساری زندگی میں ساری خدمت اطاعت کے بدلے دو لفظ پیار محبت کے، عورت تو پودا ہی محبت کا ہوتا ہے۔ محبت نہ ملے تو سوکھ جاتا ہے۔ وہ تم سے کیوں ناخوش تھی یا تم دونوں کے بیچ کیا تھا یہ تو میں نہیں جانتی پر اتنا ضرور جانتی ہوں وہ تم سے سچی محبت کرتی تھی اور کئی بار مجھے ایسا لگا تھا کہ وہ تمہیں دیکھ کر جیتی ہے۔ تم نے اس کی ناقدری کی پھر ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا جاؤ منا کر لے آؤ وہ تمہارے ایک بار کہنے پر چلی آئے گی اتنا مجھے یقین ہے۔''

''حفیظہ کیا کرے گی انابی؟'' بے ساختہ ان کے لبوں سے نکلا تھا۔

انابی نے چونک کر انہیں دیکھا۔ پھر جیسے انہیں اب تک کی ساری صورتِ حال سمجھ میں آ گئی۔ انہوں نے کچھ دیر نظروں ہی نظروں میں سلجوق شاہ کا چہرہ جانچا۔ وہاں کشمکش کے آثار تھے۔

''بند کتاب کیوں کھولتے ہو بنّو۔ جب کہ وہ ممنوعہ بھی ہو۔''

''پتہ نہیں انابی۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ حفیظہ میری محبت ہے تو میں راضیہ کے بغیر بھی خود کو نامکمل محسوس کر رہا ہوں۔ میں کیا کروں؟'' وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھامے بے بسی سے بولے تھے۔

☆======☆======☆

''حفیظہ سجاول کی بیوی ہے اور بس۔'' سلیمان ملک رعونت سے بولے۔

راشدہ بیگم نے ترحم آمیز نظروں سے انہیں دیکھا۔ پھر دھیمے سے بولیں۔

''اب بھی ملک صاحب۔ اب بھی آپ کے غرور کا سر نیچا نہیں ہوا۔ تباہ برباد تو ہو گئے۔

عزت رُل گئی۔ بیٹی قاتلہ بن گئی۔ عدالتوں میں کیسے عزت اچھل رہی ہے اور آپ ابھی بھی غرور کا تاج سر پر پہنے بیٹھے ہیں اور کیا چاہتے ہیں آپ؟ کیوں غیض الٰہی کو آواز دیتے ہیں وہ اب آپ کی رسی کھینچ رہا ہے اور آپ کو عقل نہیں آ رہی؟'' ان کا لہجہ گلوگیر ہو گیا تھا۔

''میں اپنی بیٹی کو بری کرا لوں گا۔ دیکھتا ہوں کون سی عدالت اسے سزا سناتی ہے۔ میں نے شہر کا سب سے بڑا اور مہنگا وکیل کیا ہے۔ ایک دو پیشیوں میں ہی فیصلہ ہو جائے گا۔ تم دیکھنا سلیمان ملک نے کبھی ہار نہیں مانی۔ اب بھی جیت اسی کی ہو گی؟'' ان کی فرعونیت میں رتی برابر بھی فرق نہ آیا تھا۔

''سارے فیصلے اوپر والے کے ہوتے ہیں ملک صاحب۔ کوئی انسان کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا جب تک وہ خود نہ چاہے۔ آپ کے ہاتھ میں بھی کچھ نہیں ہے۔ خالی ہاتھ رہ گئے ہیں آپ۔ یہ ملک پور جس کے لیے آپ نے سارا کھیل کھیلا یہ بھی آپ کے پاس نہیں رہے گا۔ آپ کے سر پر تو جانے کتنے لوگوں کی بددعائیں ہیں۔ کس کس سے بھاگیں گے۔ کہاں پناہ لیں گے۔ یہ دولت، یہ جاگیر آپ کو نہیں بچا سکے گی۔ سنا آپ نے۔'' وہ اونچی آواز میں بولتی باہر نکل گئیں۔

''ہونہہ پاگل عورت میرے اختیارات نہیں جانتی میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ یہ ملک پور یہ جائیداد سب کچھ ہے میرے پاس یہ اتنی ڈھیروں ڈھیر دولت کس کام آئے گی۔ بس اگلی پیشی میں فیصلہ ہو جائے گا۔ حفیظہ اس گھر میں آ جائے گی اور ساری جاگیر سجاول کے نام کراتے ہی میں اس کو بھی اس کے باپ کی طرح ختم کروا دوں گا اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ سب سمجھیں گے طبعی موت مری ہے ہاہاہا۔'' وہ اپنے عزائم بلند آواز میں بیان کرتے ہوئے خود کو خدا سمجھ رہے تھے۔

''کون کہتا ہے سجاول پاگل تھا۔ کوئی بھی یہ ثابت نہیں کر سکے گا۔ جب میں عدالت میں سجاول کو پیش کروں گا تو مقدمے کا رخ ہی بدل جائے گا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا۔ ہونہہ بڑا آیا احسن کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں ہو گا۔ پھر میں دیکھوں گا۔ وہ کیسے حفیظہ کو اپنے گھر رکھ سکتا ہے۔''

انسان جب اپنی تباہی پر آتا ہے تو وہ ایسے ایسے کئی مفروضوں سے اپنے آپ کو بلند تر تصور کر لیتا ہے اور یہی بلندی جب اسے دھکا دیتی ہے تو ایسے چُور چُور ہو جاتا ہے کہ نام و نشان بھی نہیں ملتا۔

سلیمان ملک بھی خود [illegible] ہی بلندی پر بٹھا کر خوش بیٹھے تھے۔

"ملک صیب، سلیم صاحب آئے ہیں۔"

"ہاں بٹھاؤ ہم آتے ہیں۔" انہوں نے شاہی انداز سے کہا ملازم باہر نکل گیا۔ انہوں نے اپنی پگڑی کو سر پر جمایا اور گردن اکڑائے مہمان خانے میں چلے آئے۔

"اسلام علیکم ملک صاحب!" وہ انہیں دیکھ کر احتراماً کھڑا ہو گیا۔

"وعلیکم اسلام کیسے ہیں وکیل صاحب آپ؟" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کا کہا اور خود بھی ایک طرف براجمان ہو گئے۔

"اللہ کا شکر ہے، ملک صاحب چند ضروری باتیں میں آپ سے ڈسکس کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے بہت دن آپ کا انتظار کیا فون پر بھی پیغام چھوڑے۔ شاید آپ کو ملے نہیں۔"

"نہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میرا کوئی پیغام مجھ تک نہ پہنچے۔ میں کھال نہ کھنچوا دوں۔" انہوں نے ابرو چڑھا کر کہا تھا۔

"میرے پاس وقت کم ہے ملک صاحب اس لیے چاہتا ہوں میں آپ سے جو کچھ پوچھوں وہ صحیح صحیح بتائیں۔ کیونکہ کیس جیتنے کے لیے اصل حقائق کا میرے علم میں ہونا از حد ضروری ہے۔"

سلیم صاحب نے بغور ملک صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ملک صاحب کا چہرہ تن سا گیا۔

"میں نے سارے حقائق سے آپ کو آگاہ کر دیا ہے۔ اسد بدکردار تھا۔ وہ اپنی بیوی کو اس کے جائز حقوق بھی نہیں دیتا تھا۔ گھر میں غیر عورتوں کو لاتا تھا۔ ایک شریف اور غیرت مند بیوی یہ برداشت نہیں کرسکتی۔ سو رومانہ نے بھی غصے میں آکر یہ قدم اٹھالیا۔ بدکردار بیوی کو قتل کرنے کی سزا کو غیرت مندی کا تقاضا کہہ کر بدلا جاسکتا ہے تو بدکردار شوہر کے قتل پر اتنا واویلا کیوں؟"

"بات شوہر یا بیوی کی نہیں ہے ملک صاحب۔ بات ایک شخص کے قتل ہونے کی ہے۔ ایک انسانی جان کی، یہ فیصلہ تو عدالت کرے گی کہ قاتلہ کی نیت کیا تھی۔ فی الحال تو مسئلہ قتل کا ہے رومانہ بی بی نے قتل کسی بھی وجہ سے کیا ہو۔ آپ مجھے یہ بتائیں کیا رومانہ کا ذہنی توازن بالکل ٹھیک ہے؟"

"ایک لڑکی اپنے شوہر کو گولی چلا رہی ہے کیا اس کا ذہنی توازن ٹھیک ہوسکتا ہے؟" سلیمان ملک نے الٹا سوال کیا۔

"بچپن میں کبھی محسوس ہوا ہو کہ وہ نارمل نہیں ہے۔" وکیل صاحب نے ان کا سوالیہ انداز

یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

"جی نہیں۔ وہ بہت سمجھدار لڑکی ہے۔ کم بولتی ہے۔ لوگوں سے بھی کم ملتی ہے۔ ہاں شادی کے بعد اس کے انداز بدل گئے تھے وہ بات بات پر چیختے چلانے لگی تھی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ اسد کا رویہ اس کے ساتھ اچھا نہیں تھا اور وہ احتجاجاً...... اس نے تو اپنی کوکھ میں پلنے والے اسد کے بچے کو بھی مار ڈالا تھا۔"

"ہوں۔ That is the point۔ ملک صاحب رومانہ بی بی صرف اس پوائنٹ پر بچائی جاسکتی ہیں کہ ان کا ذہنی توازن درست نہیں اور یہ بہت بڑا Clue ملا ہے۔ ایک باہوش عورت کبھی بھی اپنے بچے کو نہیں مار سکتی بس اس کے علاوہ ملک صاحب کوئی اور بات جو اس کیس میں مدد دے سکے، میرے علم میں نہ ہو۔ دیکھیں رسوائی تو ہونی ہے وہ ہو رہی ہے۔ اس لیے آپ کچھ بھی مت چھپائیے گا۔" وکیل صاحب نے اپنے کاغذات سمیٹتے ہوئے کہا تھا۔

"آپ نے جو کچھ پوچھا ہے میں نے سچ سچ بتا دیا ہے۔ وکیل صاحب کچھ نہیں چھپایا۔ بس میری بیٹی رہا ہونی چاہیے۔ کسی بھی طرح۔ آپ جتنا روپیہ چاہیں لے سکتے ہیں۔ مگر فیصلہ ہمارے حق میں ہونا چاہیے۔ میں ناکامی کسی صورت برداشت نہیں کروں گا۔" انہوں نے چھپے لفظوں میں جیسے دھمکی دی تھی۔

"ناکامی اور کامیابی کا دارومدار قسمت پر ہے ملک صاحب، میں اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں آگے جو رومانہ بی بی کی قسمت۔" وہ سلیمان ملک کی دھمکی نظر انداز کرتے ہوئے آرام سے بولے تھے۔ اسی وقت ایک خوش پوش جوان اندر داخل ہوا تھا۔ وکیل صاحب نے استفہامیہ پہلے جوان کو پھر ملک صاحب کی طرف دیکھا۔

"یہ میرا بیٹا ہے سجاول ملک۔ اس ساری جائیداد کا وارث۔" ان کے لہجے میں فخر اتر آیا تھا۔

وکیل صاحب نے بڑی حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ وہ بائیں ہاتھ کی چھنگلی منہ میں دبائے ناخن چبا رہا تھا اور اپنا وہم دور کرنے کے لیے وہ اٹھ کر اس کے قریب آئے تھے۔

"Hello young man۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ سجاول بدک کر پیچھے ہٹا تھا اور ملک صاحب کے پیچھے چھپتے ہوئے بولا تھا۔

"نہیں بابا میں ہاتھ نہیں ملاؤں گا۔ میرے ہاتھ گندے ہو جائیں گے۔"

سلیمان ملک سٹپٹا کر اٹھے تھے۔ وہ سجاول کے Abnormal ہوئے کا راز کسی پر نہیں

کھلنے دینا چاہتے تھے۔

''تم اندر چلو بیٹا۔'' انہوں نے اسے اندر کی جانب دھکیلا تھا۔ پھر پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر لا کر بولے تھے۔

''اسے نیند میں چلنے اور بولنے کی عادت ہے۔'' ان کے وضاحتی بیان پر وکیل صاحب نے یقین کیا تھا یا نہیں۔ البتہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔

☆======☆======☆

دارالامان کے اس تنگ سے کمرے میں پہلے دو روز تو اس کا دم خوب ہی گھٹا تھا۔ ساٹھ پاور کا بلب کسی بیمار شخص کی طرح اپنی زرد زرد آنکھوں سے اسے تکتا محسوس ہوتا تھا۔ کمرے میں بے تحاشا گھٹن تھی۔ اس نے کھڑکیاں بھی کھولی تھیں لیکن ماحول میں کچھ خاص فرق نہیں آیا تھا۔

ناجیہ اور عزیز احمد نے ان دونوں سے اپنے ہاں چلنے پر اصرار بھی کیا تھا لیکن وہ نہ مانی تھیں۔ احسن انکل نے کہا تھا کہ اتنی جلدی مکان کا بندوبست نہیں ہو سکتا وہ چند دن اور رہ لے۔ لیکن اب تو بالکل گنجائش نہ نکلتی تھی۔

''فیصلہ ہونے تک انکل ہم دارالامان میں رہ لیتے ہیں چند دنوں کی بات ہے۔ آپ اتنی دیر مکان کی تلاش جاری رکھیں۔'' حفیظہ نے مضبوط لہجے میں کہا تھا کہ احسن انصاری کو اعتراض کرنے کی ہمت نہ پڑی تھی۔ وہ تو خود شرمندہ تھے۔ زادان انہیں یوں شرمندگی سے دو چار کرے گا وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ انہوں نے Women hostels میں پتہ کیا لیکن فوری طور پر وہاں کوئی کمرہ خالی نہ تھا۔ مجبوراً وہ انہیں اس دارالامان میں چھوڑ گئے تھے۔

''میں جلدی ہی Women hostel میں تمہیں کمرہ دلوا دوں گا۔ فیصلہ ہونے میں اب دیر نہیں ہے اس لیے گھر خریدنے کا خیال رہنے دو چند دنوں کی بات ہے۔'' انہوں نے جاتے ہوئے اسے تسلی دی تھی۔ حفیظہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ وہ ان کی مشکور تھی کہ انہوں نے اسے اتنے دن چھت فراہم کی تھی۔ اسے تحفظ دیا تھا۔ اسے بیٹی کی طرح پیار دیا تھا خیال رکھا تھا اور صرف انہوں نے ہی نہیں۔ آنٹی، رحمہ، اذغان، سب ہی تو اس سے پیار کرتے تھے۔ بس ایک زادان ٹھیک ہوتے تو وہ کبھی بھی گھر چھوڑ کر نہ آتی۔ اس نے انکل سے کہہ دیا تھا۔ تبھی آتے سمے انہوں نے کچھ نہ پوچھا تھا۔ بس اپنا خیال رکھنے کی تاکید ضرور کی تھی اور اس کا گھر آباد ہونے کی دعا دی تھی۔

رحمہ اداس تھی تو نوما چپ وہ تو انجانے میں بھی کسی کو تکلیف پہنچانے کا نہ سوچ سکتی تھی اور یہ تو اس کے محسن تھے وہ ان سب کو کیسے تکلیف دے سکتی تھی۔ اس گھر سے چلے آنے کا مقصد

ہی یہی تھا کہ نہ وہ زادان کے سامنے ہو نہ وہ اس کے متعلق سوچے اور نہ ہی ان کی زندگی ڈسٹرب ہو۔

خود اپنی زندگی کب ڈھب پر آتی وہ لاعلم تھی۔ اس نے تو اب سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس کا ذہن خالی سلیٹ کی مانند تھا۔ آئندہ کا کوئی خوش کن تصور اس کے ذہن میں نہیں ابھرتا تھا۔ اسے اپنی زندگی خالی رستے کی مانند محسوس ہونے لگی تھی۔ کوئی امید کا جگمگاتا دیا نہیں تھا۔

فیصلہ جو بھی ہو۔ اب اس ساری کہانی میں ایک اور کردار بھی شامل ہو گیا تھا۔ جس کو کہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کمرے میں ایک دم حبس کا احساس ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑکی میں چلی آئی۔ مہرینہ پھپھو باہر کوریڈور میں بیٹھی تھیں۔ ساتھ شاید ساتھ والے کمرے کی لڑکی تھی۔ دونوں باتوں میں مصروف تھیں۔

''تایا جی اگر معافی کا اعلان کر دیں تو وہ کم از کم اپنے گھر تو جا کر رہ سکیں۔'' اس نے بے اختیار سوچا تھا۔ اچانک کمرے کا دروازہ زور سے کھلا تھا۔ وہ پلٹی ایک بدحال سی لڑکی کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

''حفیظہ ملک تم ہو؟'' اس نے اکھڑ پنے سے پوچھا۔

''ہاں۔'' وہ ذرا آگے آئی۔

''تمہارا فون ہے...... ہی ہی یہاں پہلے ایسے ہی فون آتے ہیں۔ پھر بعد میں ہاہا...... ویسے تم کس کے ساتھ گھر سے بھاگی ہو کوئی وزیر شذیر ہی ہو گا۔ کیونکہ تم خود بھی شہزادی لگ رہی ہو...... ہاہا خیر فون سن لو کہیں مایوس نہ ہو جائے۔''

وہ عجیب انداز سے ہنستی باہر نکل گئی۔ حفیظہ کا چہرہ پسینے سے بھیگ گیا تھا۔

''اُف۔ یہاں کیا اس طرح کی لڑکیاں آ کر رہتی ہیں۔'' اس نے پہلے اس پہلو پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ فون کا خیال آتے وہ تیزی سے آفس کی طرف آئی۔

میڈم جہاں آرا سر جھکائے کچھ لکھنے میں مصروف تھیں۔ اسے دیکھ کر ہاتھ سے ہی فون کی طرف اشارہ کر دیا۔ اسے نے جھجکتے ہوئے فون اٹھایا تھا۔

''ہیلو!'' بہت آہستگی سے اس نے بولا تھا۔

''ہیلو حفیظہ کیسی ہو؟'' دوسری طرف سے احسن انکل کی آواز سن کر وہ نارمل ہوئی۔

''جی اسلام علیکم انکل۔ میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے لہجے کو خوشگوار بنانے کی محض کوشش کی تھی۔

''ہاں حفیظہ صبح تمہیں کورٹ میں پیش ہونا ہے۔ تمہارا بیان ریکارڈ ہو گا۔ میں صبح جاتے

...وئے تمہیں Pick کرلوں گا۔'' انہوں نے کہا تھا وہ ایک لمحے کو چپ کر گئی تھی۔

''لیکن انکل میں آج تک عدالت نہیں گئی۔ مم...... مجھے بہت عجیب سا محسوس ہو رہا ...ہے۔ بلکہ خوف آ رہا ہے۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔ تمہارا پیش ہونا ضروری ہے جب تک تم حلفیہ بیان ...یں دو گی۔ کیس مضبوط نہیں ہو گا اور پھر تمہارے تایا جان جو تمہارے بارے میں لاعلم ہیں ...نہیں دیکھ کر ان پر بھی اثر ہو گا۔ بس تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ صبح نو بجے ...یار رہنا۔'' انہوں نے حتمی انداز میں کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ کچھ لمحے ریسیور کو گھورتی رہی ...سر رکھ کر باہر جانے کے لیے مڑی تو میڈم جہاں آرا نے آواز دے ڈالی۔

''یہ محترمہ بھی تم سے ملنے کا شوق رکھتی ہیں۔'' لہجہ کچھ اچھا نہ تھا۔ اس نے کرسی پر خاموش ...ٹھی لڑکی کو استفہامیہ دیکھا۔ وہ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ چند ثانیے بغور اسے دیکھتی رہی ...ر دھیرے سے گویا ہوئی۔

''ہم کہیں باہر بیٹھ کر باتیں کر لیں؟'' حفیظہ نے الجھن آمیز انداز سے سر ہلایا اور اسے ...لیے باہر آ گئی۔ خشک گھاس پر بیٹھتے ہوئے دونوں کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔

''ہم دونوں آج پہلی بار ملی ہیں، لیکن ہم دونوں ایک دوسرے سے واقف ہیں۔'' اس ...کی نے نہایت ڈرامائی انداز سے کہا تھا۔ تب حفیظہ نے سر اٹھا کر اس کا تفصیلی جائزہ لیا۔

میدہ شہاب رنگت جس میں گھلی ہلکی ہلکی زردی اسے مزید دلکش بنا رہی تھی۔ بڑی بڑی ...ابناک آنکھیں۔ گولڈن براؤن شانوں تک ترشے ہوئے بال، ہلکے پیازی رنگ کے سوٹ ...یں وہ مزید کچھ نکھری نکھری لگ رہی تھی، لیکن آنکھوں میں دور تک اداسی اور کھوج جیسے بہت ...کچھ کھو چکی ہو، لیکن حقیقتاً وہ زندگی میں اس سے پہلی بار مل رہی تھی۔

''میں راضیہ ہوں۔ راضیہ سلجوق شاہ۔'' اس نے نہایت ٹھہرے ہوئے انداز سے گویا ...ما کہ کیا۔ حفیظہ نے دوبارہ بس ایک نظر ہی اس پر ڈالی تھی۔ اس کے بعد گویا اس کی ہمت ...اب دے گئی تھی۔ اب کے راضیہ اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

''مجھے شاید یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔'' کافی دیر بعد وہ خود ہی بولی۔ ''لیکن میں مجبور ہو گئی ...ں دل کے ہاتھوں، حفیظہ آپ نہیں جانتیں آپ نہیں سمجھ سکتیں...... میں سلجوق شاہ کے بغیر ...رہ نہیں رہ سکتی۔'' اس نے حفیظہ کے ہاتھ تھام لیے تھے چھن سے کچھ ٹوٹا تھا اس کے اندر اور ...ں کی کرچیاں دور تک پھیلی تھیں۔ حفیظہ کا پورا وجود جیسے لہو میں ڈوب گیا تھا۔

''ایک پل۔ میں نے دیکھا ہے، کوشش بھی کی ہے۔ بہت دنوں سے میں سلجوق شاہ سے

دور ہوں اور لمحہ لمحہ مر رہی ہوں۔ میں ان کے بغیر واقعی کچھ نہیں ہوں۔ آپ نے تو...... آپ کا تو صرف رشتہ بندھا ہے ناں۔ میں نے تو ان کی قربت دیکھی ہے۔ وہ مجھے اچانک ملے ہیں۔ معجزہ بن کر ابھی تو میں اس معجزے پر ہی حیران ہوں اور آپ...... مجھ سے میری محبت، میری زندگی چھیننے چلی آئی ہیں پلیز، پلیز، ایسا مت کیجئے مجھے سلجوق شاہ دے دیجئے پلیز۔''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

حفیظہ کو لگا جیسے وہ ایک پل بھی اور اس کے سامنے ٹھہری تو بہہ جائے گی۔ وہ بنا کچھ کہے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے یوں جاتے دیکھ کر راضیہ تڑپ کر سیدھی ہوئی۔

''پلیز حفیظہ یوں مت جائیے میں نے بڑی مشکل سے خود کو راضی کیا ہے۔ میرے پھیلے ہاتھوں کو خالی مت لوٹائیے۔ میں اس امید کے ساتھ آپ کے پاس آئی ہوں کہ آپ مجھے مایوس نہیں لوٹائیں گی پلیز۔'' اس نے اس کے پیروں پر سر رکھ دیا۔ حفیظہ تڑپ کر پیچھے ہٹی اور اسے شانوں سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کر دیا۔

''محبت اپنی جگہ لیکن اس طرح اپنی سطح سے گر کر محبت کی بھیک مانگنا اور پھر یہ بھی امید رکھنا کہ خالی ہاتھ نہ لوٹو۔ تم ابھی کم سن ہو محبت پوری طرح کرنا نہیں آئی تمہیں۔ عشق تو عالم ذات میں درویش کر دیتا ہے۔ کچھ ملے نہ ملے، تمہارا عشق ابھی خام ہے۔ عشق کی معراج تک پہنچو گی تو تمہاری جھولی خود بخود سمٹ جائے گی۔ تمہارے آگے پتھروں کا ڈھیر لگے یا پھولوں کا، تمہیں پروا نہیں ہو گی محبت کرنا سیکھو ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔''

وہ اس کے کندھوں پر ہلکا سا دباؤ چھوڑتی آگے بڑھ گئی۔ راضیہ کو ایک بار پھر ٹوٹ کر رونا آیا۔ وہ وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر چیخ چیخ کر رونے لگی تھی۔

☆======☆======☆

کتنے عرصے بعد اس حویلی میں رونقیں اُتری تھیں۔ ہر طرف ہنسی خوشی کی آوازیں آ رہی تھیں۔ انابی کا بس نہ چل رہا تھا کہ آج وہ ان سب کے آگے نعمتوں کا ڈھیر لگا دیں صبح سے کچن میں تھیں خانساماں سے جانے کیا کیا پکوائے جا رہی تھیں۔

تینوں بہنیں عرصے بعد اکٹھی ہوئی تھیں اور باتیں تھیں کہ ختم ہونے کا نام نہ لے رہی تھیں۔

''بس ایک افسوس ہے ہما۔'' صوفیہ بجو نے اپنے چھوٹے کو تھپکتے ہوئے کہا تھا۔

ہما جو ربیعہ سے کسی مسئلے پر الجھی ہوئی تھی چونک کر ان کی شکل دیکھنے لگی۔

''بابا جان نے بہت جذباتیت سے کام لیا مرنے سے کچھ دن قبل بہت رقیق القلب ہو

رہے تھے جب ربیعہ کے سلسلے میں مَیں ہاسپٹل گئی تو راستے میں کہنے لگے۔ ''صوفیہ، بیٹیاں پُل صراط کی طرح ہوتی ہیں۔ بہت سنبھل کر چلنا پڑتا ہے۔ ذراسی بے احتیاطی آسمان سے زمین پر لے آتی ہے۔ میں بھی آسمان سے زمین پر آچکا ہوں۔ میرے حوصلے میرا ساتھ چھوڑے دے رہے ہیں۔''

اور تب میں نے انہیں تسلی دی تھی کہ وہ کیوں پریشان ہوتے ہیں ربیعہ ٹھیک ہو جائے گی۔ میرے ذہن میں ہلکا سا شائبہ بھی نہ تھا کہ تم یہ قدم اٹھا چکی ہو اور بابا جان بی بی جان کو اپنی غیرت کی بھینٹ چڑھا چکے ہیں۔''

''آپی پلیز اب اس ذکر کو جانے دیجیے۔'' ربیعہ نے ان کی بات کاٹی۔

''آؤ ہما تمہیں لان دکھاؤں۔ راضیہ بھابی نے بڑی محنت کی ہے۔'' وہ ہما کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا لے گئی وہ شرمندہ شرمندہ سی اس کے پیچھے تھی۔

''میری وجہ سے اتنا کچھ ہوا ربیعہ واقعی میں سزا کے قابل ہوں۔'' اس کی آواز بھیگ گئی۔

''سب کچھ لکھا ہوتا ہے پروردگار کی طرف سے۔ جب جب جو جو ہونا ہوتا ہے ازل سے رقم ہے ہماری تقدیروں میں، ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ جو ہو گیا اسے بھول جاؤ، سلجوق بھائی نے رزاق بھائی نے تمہیں معاف کر کے بہت بڑے ظرف کا ثبوت دیا ہے۔ شاہوں میں یہ روایت پہلی دفعہ پڑی ہے۔ میرا خیال ہے آئندہ کے لیے یہ واقعات سبق ہیں۔ بیٹیاں واقعی پُل صراط ہوتی ہیں لیکن ان کے جذبات اور احساسات بھی ہوتے ہیں، جن پر پابندی، انہیں شعلہ جوالہ بنا دیتی ہے۔ ہم سب یقیناً اس بات کو ذہن میں رکھیں گے اور دوبارہ یہ کہانی اپنے آپ کو نہیں دہرائے گی۔ کیوں ٹھیک ہے ناں!'' ربیعہ نے بہت ہلکے پھلکے انداز سے اسے ریلیکس کیا تھا اور وہ تقریباً مطمئن ہو گئی تھی۔

''لان تو واقعی زبردست ہے۔'' ہما نے لان پر نگاہ کی تھی۔ اُجڑے ہوئے لان کی شکل ہی بدل گئی تھی۔ بیش قیمت پودے، مخملیں گھاس بھرپور توجہ کا نتیجہ تھی۔ پہلے کبھی کسی نے توجہ ہی نہ دی تھی اور بات ہوتی بھی شوق کی ہے اور پھر معلومات کی بھی راضیہ کے پاس شوق بھی تھا اور پودوں کے بارے میں معلومات بھی تبھی تو یہ لان پہلے والا لگ ہی نہیں رہا تھا۔ وہ ستائشی نظروں سے ایک ایک پودا دیکھ رہی تھی۔

''چلو بٹو ا کھانا کھالو......'' انا بی ہانپتی کانپتی آ پہنچیں۔

''انا بی ابھی تھوڑی دیر پہلے تو آپ نے اتنا بھاری ناشتا کروایا ہے اب کھانا۔'' ہما نے کہا تو

وہ چڑھ دوڑیں۔

''اے لڑکی ایک تو میں تمہارے معدوں پر حیران ہوں۔ دو دو نوالے کھا کر تمہارا پیٹ بھر جاتا ہے۔ جان کہاں سے آئے۔ تبھی تو ذرا سا کام کر کے ہانپنے لگتی ہیں بلکہ کام ہوتا ہی کہاں ہے آج کل کی لڑکیوں سے ہر کام کے لیے خادمائیں۔ پہننے اوڑھنے میں ہی اوازار رہتی ہیں۔ چلو چل کر کھانا کھاؤ اور خبردار جو کم کھایا ہو تو موئی ڈیٹنگ (Dieting) کو آگ لگے۔'' انہوں نے تو اچھے خاصے لتے لے لیے تھے۔

دونوں ہنستی ہوئی چل پڑی تھیں۔

''او کے انا بی، اب اگر بھوک نہ بھی ہوئی تو پیٹ پر باندھ لیں گی۔''

کھانے پر سلجوق شاہ بھی آ گئے تھے۔

''بھیا، بھابی کب تک واپس آ رہی ہیں۔ آپ تو ان کے میکے چکر لگاتے رہتے ہوں گے۔''

ربیعہ نے پوچھا تو سلجوق شاہ بس ایک نظر اس پر ڈال کر دوبارہ کھانے میں محو ہو گئے۔

''کیا بہت لمبا چوڑا کام تھا امریکہ میں؟'' صوفیہ بجو نے پوچھا۔ اصل میں انہوں نے سب سے یہی کہا تھا کہ راضیہ کی ممی نے اسے امریکہ بلوایا ہے۔ شاید پراپرٹی وغیرہ کے سلسلے میں۔

''امریکہ میں؟'' انا بی نے حیرت سے پہلے سلجوق پھر صوفیہ کو دیکھا۔

''اے میاں! کیا بہو امریکہ چلی گئی۔ تم نے بتایا نہیں اور پھر اس کو روکا بھی نہیں۔ ایسی بھی کیا ناراضگی؟''

''کیا ناراضگی؟'' تینوں کے منہ سے بیک وقت نکلا تھا۔

''اے لو تمہیں نہیں معلوم؟'' انا بی نے تاسف سے انہیں دیکھا گویا ان کی لاعلمی پر ماتم کیا۔

''ارے بہو رانی ناراض ہو کر گئی تھی۔''

''انا بی آپ پلیز۔'' سلجوق نے انہیں روکنا چاہا۔

''اے بس بٹوا حد ہو گئی۔'' انہوں نے سلجوق کو ڈپٹ کر رکھ دیا۔

''ایک تو تمہاری زیادتی ہے۔ اوپر سے تم اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے پردے ڈالتے پھرتے ہو۔ تم ہی بتاؤ لڑ کیوں کر کے مُردے اکھاڑنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ اے کتنی اچھی تھی بہو۔ کیسے سب کا خیال رکھتی تھی اور خود سلجوق میاں...... تم ہی بتاؤ۔ کبھی اس نے شکایت

کا موقع دیا۔ اسے ایک ٹانگ پر کھڑی رہتی تھی تمہاری خدمت کے لیے۔ تمہیں دیکھ دیکھ کر جیتی تھی۔ کیسے جنت بنا دیا تھا اس نے تمہارا گھر اور تم نے پھر سے پیچھے مڑ کر دیکھنا شروع کر دیا۔ حلال حرام کی تمیز بھول گئے۔ لو بتاؤ جو تعلق ختم ہی ہو گیا۔ پھر سے کیسے جوڑنا ہے جبکہ شرعی اور قانون، کسی طرح بھی یہ نہیں ہو سکتا۔'' انابی نے گزشتہ دنوں کا سارا غبار گویا آج ہی نکالنا تھا۔

انابی کے یوں بھانڈا پھوڑنے پر سلجوق چیں بہ جبیں ہو اٹھے تھے۔

''انابی جب آپ اصل بات نہیں جانتیں تو خواہ مخواہ فتوے مت صادر کریں۔''

ان کے لہجے میں پہلی دفعہ گستاخی آئی تھی۔ انابی کو شاید توقع نہیں تھی کہ وہ انہیں یوں کاٹ کر الگ کر دیں گے۔ سو ناراضگی کے طور پر واک آؤٹ کر گئیں۔ تینوں سلجوق کا منہ تک رہی تھیں۔

''کیا قصہ ہے سلجوق؟'' صوفیہ بجو نے پہل کی۔

''کوئی قصہ نہیں بس صرف اتنی سی بات ہے کہ میرا اور حفیظہ کا نکاح ختم نہیں ہوا اور اسی بات پر راضیہ گھر سے چلی گئی۔'' انہوں نے سر جھکائے کہا تھا۔

''یہ کس نے کہہ دیا کہ نکاح باقی ہے۔ جبکہ عدالت تم دونوں کے بیچ علیحدگی کروا چکی ہے۔''

''یہی تو ساری بات ہے۔ طلاق اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک ایک فریق یا دونوں فریق نہ چاہیں۔ سب جانتے ہیں کہ میں نے حفیظہ کو طلاق نہیں دی تھی۔ یہ طلاق سراسر عدالتی کارروائی کی بنیاد پر دی گئی تھی۔'' وہ اپنے مؤقف پر ڈٹے ہوئے تھے۔

''ہاں تو طلاق کا مطالبہ حفیظہ کی طرف سے ہوا تھا۔ تمہارے طلاق نہ دینے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کیا عدالت نے یک طرفہ کارروائی عمل میں لا کر اس کو طلاق نہیں دی اور بابا جان نے خود تمہاری طرف سے نصف حق مہر بھی ادا کر دیا تھا؟'' صوفیہ بجو انہیں جھٹلانے کی پوری کوشش میں تھیں۔

''حفیظہ نے قطعاً طلاق کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ یہ سب سلیمان ملک کی کارستانی تھی۔ خلع کے کاغذات بھی حفیظہ کی طرف سے نہیں بلکہ سلیمان ملک کی طرف سے داخل کروائے گئے تھے، اور جب حفیظہ نے طلاق مانگی نہیں اور میں نے دی نہیں تو طلاق کیسے ہوئی؟''

''اور وہ جو عدالت میں پیش ہوئی تھی لڑکی تم نے تو دیکھا تھا یا نہیں؟''

''بجو وہ کوئی اور لڑکی تھی جسے برقعہ پہنا کر پیش کیا گیا تھا۔'' وہ جھنجھلائے۔

''اور تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ نقاب ہٹا کر منہ دیکھ لیتے۔'' وہ طنزیہ گویا ہوئیں۔

''بس یہی غلطی ہو گئی۔ اگر اسی وقت یہ قدم اٹھا لیا جاتا تو سارا راز فاش ہو جاتا، لیکن ایک تو میں ذہنی طور پر اس قدر دباؤ میں تھا کہ خیال ہی نہ آیا کہ حفیظہ کی جگہ کوئی اور لڑکی بھی ہو سکتی ہے، پھر میرے بار بار کے Contact کے نتیجے میں حفیظہ نے کوئی رسپانس نہیں دیا تھا تو میں یہی سمجھا کہ حفیظہ خود عدالت میں آ گئی ہے۔

سازش ہی اس قدر منظم کی گئی تھی کہ کسی کو ایک پل کے لیے بھی شبہ نہیں ہوا کہ اتنا بڑا کھیل کھیلا جا رہا ہے اور یقیناً اس کھیل میں وکیل اور جج حضرات بھی شامل تھے۔ سلیمان ملک کے لیے کسی کو بھی خرید لینا کیا مشکل ہے؟''

''لیکن سلجوق اب اگر یہ سب ہو بھی جاتا ہے تو راضیہ کدھر جائے گی۔ کیا چھوڑ دو گے اسے؟'' وہ راضیہ کے بارے میں فکر مند ہوئیں۔

''پتہ نہیں بجو۔ میں خود بے طرح الجھ چکا ہوں مجھے راضیہ کی بھی فکر ہے اور حفیظہ کا خیال بھی، میں نے شادی کرنے میں جلدی کی اگر کچھ دن رک جاتا، تو اس وقت یہ صورتِ حال نہ ہوتی۔'' وہ واقعی شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھے۔

''صبح حفیظہ بھی آ رہی ہے۔ امید ہے کل ہی فیصلہ ہو جائے گا۔ اگر احسن صاحب یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ عدالت میں پہلے پیش کی جانے والی لڑکی حفیظہ نہیں کوئی اور تھی تو پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں رہتا۔'' وہ کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ باقی سب کا دل بھی جیسے بھر سا گیا تھا۔ کھانا جوں کا توں پڑا رہا۔

''پتہ نہیں اس گھر میں کوئی بھی مکمل خوشی کیوں نہیں آتی۔ ہر خوشی اپنے پیچھے کوئی دکھ چھپائے کیوں آتی ہے۔'' ربیعہ نے ہولے سے کہا تھا۔ باقی دونوں کی نظریں بھی اس کے کہے کی تائید کر رہی تھیں۔

☆======☆======☆

تیرے عشق نے ڈیرا میرے اندر کیتا
بھر کے زہر دا پیالہ، مَیں تاں آپے پیتا
چھیتی بوہڑیں وے طبیبا، نئیں تاں میں مر گئیا
تیرے عشق نچایا، تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا!

رومانہ کی بند آنکھوں کے پیچھے جیسے طوفان اُمڈ کر آیا تھا۔ اس نے تان ساتھ والی بیرک کی دیوار کے ساتھ لگا دیئے۔

چھیتی بوہڑیں وے طبیبا، نئیں تاں میں مر گئیا

تیرے عشق نچایا، تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا!
وے میں صدقے ہوواں، دیویں مڑ جے دکھالی
پیرا! میں بھل گیا تیرے نال نہ گیا
تیرے نال نہ گیا، کر کے تھیا تھیا!
چھیتی بوہڑیں وے طبیبا
چھیتی بوہڑیں وے طبیبا
تیرے عشق، تیرے عشق نچایا
تیرے نال نہ گیا، پیرا! میں بھل گیا
تھیا تھیا......!

رومانہ کے اندر جوار بھاٹا اٹھا تھا۔ اس نے سلاخوں کے پار سے دیکھا، خون میں لت پت اسد، اس کا محبوب۔

پیرا! میں بھل گیا

آواز آئی۔

تیرے نال نہ گیا

اس کے پیروں میں حرکت ہوئی تھی۔

چھیتی بوہڑیں وے طبیبا
نئیں تاں میں مر گیا
تیرے عشق نچایا، کر کے تھیا تھیا!

اسے لگا جیسے اس کے پیروں میں گھنگھرو بندھ گئے ہوں۔ چھن چھن چھنا چھن۔

وہ گول گول گھومنے لگی۔ ایڑیوں کے بل

پیرا! میں بھل گیا
تیرے نال نہ گیا

راشدہ بیگم نے وکیل صاحب کی طرف دیکھا۔ وہ آج اس کو بیان یاد کروانے آئے تھے اور سلیمان ملک نے راشدہ بیگم کو ہمراہ بھجوا دیا تھا۔ بمعہ ملازمہ کے۔

''رومانہ ہوش کر۔'' وہ دوبارہ چلائی تھیں۔ رومانہ کے کان صرف ایک ہی آواز سن رہے تھے اور پاؤں ایک ہی تال پر تھرک رہے تھے۔

''رومانہ میری بیٹی۔'' انہوں نے بے خود ہو کر سلاخوں سے سر ٹکرایا تھا۔

''کیا کر رہی ہیں ملکانی جی؟'' ملازمہ نے انہیں سنبھالا تھا۔

''تم بی بی کو باہر گاڑی میں لے کر چلو۔'' وکیل صاحب نے ملازمہ سے کہا۔ وہ راشدہ بیگم کو لے کر باہر چلی گئی۔ وکیل صاحب نے کچھ دیر رومانہ کا جائزہ لیا۔ پھر وہ بھی پلٹ گئے اب کیا سکھانا تھا۔

☆======☆======☆

وہ شاید زندگی میں اتنا نہیں روئی تھی جتنا آج رو رہی تھی۔ ناجیہ، ثوبیہ، عذیر سب ہی اس کے گرد تھے اور سب ہی چپ کرانے کے لیے کوشاں، لیکن وہ گھٹنوں میں سر دیئے چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ کبھی یہ چیخیں دبی دبی سسکیوں میں بدل جاتیں۔ کبھی اور زیادہ بلند ہو جاتیں۔ وہ تینوں پریشانی کے عالم میں اسے دیکھ رہے تھے۔

''راضیہ میری جان پلیز۔'' ناجیہ نے اسے بازوؤں کے حلقے میں لینا چاہا تھا۔ مگر اس نے ہاتھ جھٹک دیئے تھے وہ پھر پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔

''کچھ کہو تو سہی راضی۔ آخر ہوا کیا؟'' عذیر نے پھر سے کوشش کی۔ شاید وہ کچھ بولے اس کا ذہن کچھ دیر کو ہی ریلیکس تو ہو، لیکن وہ کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہ تھی۔

''پلیز راضیہ۔'' ناجیہ نے اسے بری طرح جھنجھوڑا اور پھر ایک تھپڑ رسید کر دیا۔

''کیا سمجھتی ہو تم۔ اپنے آپ کو ہاں۔'' راضیہ سر اٹھا کر ناجیہ کو دیکھنے لگی رونا بھول کر جیسے اسے توقع نہ تھی۔

''کچھ نہ کہہ کر، ہر بات دل میں چھپا کر تم زندہ رہ لو گی۔ اکیلے غم اٹھا سکو گی...... ہاں؟''

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بول رہی تھی۔ عذیر اور ثوبیہ پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئے تھے۔

''کیا کیا ہے سلجوق شاہ نے تمہارے ساتھ، بتاؤ نہیں تو آج بلکہ ابھی میں اور بابا جان جا کر پتا کرتے ہیں۔ پکڑتے ہیں اس کا گریبان تم لاوارث نہیں ہو کہ تمہارے ساتھ جیسا چاہے سلوک روا رکھا جائے۔ ہم ہیں اس کا مواخذہ کرنے والے تم ہمیں اپنی قسم سے آزاد تو کرو۔ یوں چپ چاپ اکیلے ہی اکیلے کہاں تک لڑو گی، تم پلیز راضیہ بتاؤ پلیز کچھ کہو۔'' بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی۔ راضیہ نے اپنے کاندھوں سے اس کے ہاتھ ہٹائے

''کیا بتاؤں کس بات کا مواخذہ کرو گی تم اس نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ میں تو اپنی مرضی سے اس کا گھر چھوڑ کر آئی ہوں۔'' اس نے ہتھیلیوں سے گالوں پر آنے والے اشک پونچھے۔

''کیوں کس لیے تمہاری اپنی Choice تھے سلجوق شاہ پھر کیوں......؟''

''سلجوق شاہ نے مجھے سب کچھ دیا گھر، عزت، محبت...... ہاں محبت بھی تقسیم شدہ محبت

نہیں۔ بلکہ رہن رکھی ہوئی محبت وہ کسی اور کی محبت مجھے دیتا رہا کسی کے خیال میں کھو کر، میں تو نہیں تھی ہی نہیں ناجیہ۔ تصویر کے کسی حصے میں نہیں، میرا وجود تھا مگر وہ میرے وجود پر حفیظہ ملک کے چہرے کو کھوجتا رہا، بہت تکلیف دہ ہوتی ہے اس طرح کی محبت جو کسی اور کو تصور میں لا کر کی جائے، دی جائے۔ اس کے پاس میرے نصیب کی محبت تھی ہی نہیں تو بتاؤ ناجیہ محبت کے بغیر کب تک جیا جا سکتا ہے۔ کم از کم میں تو نہیں جی سکتی اور پھر سلجوق شاہ کی محبت کے بغیر تو بالکل بھی نہیں۔ بھلے وہ مجھے کسی اور کے حصے کی محبت دیتا رہا، لیکن محبت تو تھی ناں پر اب اس نے وہ محبت بھی چھین لی ہے مجھ سے، مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ یہ برداشت نہیں ہو رہا مجھ سے کچھ کرو For God sake۔'' وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر بلک اٹھی۔

''تم اس قدر پاگل لڑکی ہو مجھے اندازہ نہیں تھا۔'' ناجیہ نے تاسف سے اسے دیکھا۔

محبت خمیر میں ہوتی ہے۔ ملک، قوم رنگ، نسل سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اب کوئی تصور کر سکتا تھا کہ ساری زندگی مغرب میں گزار دینے والی راضیہ احمد کسی شخص کی محبت میں مشرقی لڑکیوں کو بھی مات دے گی۔ اب تو یہاں بھی یہ دور چل نکلا تھا۔

تُو نہیں اور سہی، اور نہیں اور سہی

اور یہ بے وقوف لڑکی سمجھ رہی تھی کہ سلجوق شاہ کے بغیر مر جائے گی۔ حالانکہ جب تک اس کا غم تازہ رہتا شاید تب تک ہی، پھر یہی راضیہ احمد شاید کبھی سلجوق شاہ کو یاد بھی نہ کرے، عذیر اٹھ کر قریب آیا اور راضیہ پر نظر جما دی۔

''تمہیں پتا تھا کہ سلجوق شاہ کے لیے حفیظہ ملک کیا اہمیت رکھتی ہے؟'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔ راضیہ نے ایک دم سر اٹھایا تھا اور پھر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میں بتاتا ہوں۔'' وہ کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب ہو گیا۔

''مجھے نقشم نے بتایا تھا۔ سلجوق شاہ اور نقشم آپس میں دوست تھے۔ بہت گہرے سلجوق شاہ کے بابا اور حفیظہ ملک کے بابا اگرچہ دوست تھے لیکن وہ یہ رشتہ جوڑنے کے بارے میں کبھی سوچ نہ سکتے تھے۔ غیر خاندان میں شادی کرنے کا تصور دونوں خاندانوں میں نہیں تھا۔ پھر سلجوق شاہ کو حفیظہ ملک پسند آ گئی اور یہ پسند شدید محبت میں ڈھل گئی۔ خاندانی روایات سے بغادت کرنا آسان نہیں ہوتا۔ سلجوق شاہ کے مجبور کرنے پر اس کے والد جہانگیر شاہ نے رحمٰن ملک کے آگے دستِ سوال دراز کر دیا۔ رحمٰن ملک تو ایسا کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اس انکار نے سلجوق شاہ کی بے چینی اور بڑھا دی۔ انہوں نے کہہ دیا کہ وہ شادی کریں گے تو صرف حفیظہ ملک سے ورنہ نہیں۔ یوں جہانگیر شاہ کو ایک بار پھر بلکہ

۔بار رحمٰن ملک کے سامنے حفیظہ کے لیے ہاتھ پھیلانا پڑا اور بالآخر رحمٰن ملک نے مجبور ہو کر ندانی روایات سے بغاوت کر ڈالی۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ بغاوت کرنا آسان نہیں ہوتا۔ یوں رحمٰن ملک نے غیر ندان میں بیٹی دینے کا فیصلہ کر کے اپنے لیے مشکلات کھڑی کر لیں۔ سب لوگ ان کے دشمن گئے اور یہ رشتہ ختم کرنے کی بھرپور کوشش کرنے لگے۔ انہوں نے اپنی سی چالیں چل لیں۔ ا کہ شادی سے ایک دن پہلے فون پر دس لاکھ حق مہر کی شرط رکھ دی۔ جسے جہانگیر شاہ نے مان ۔یوں ان کی یہ سازش بھی ناکام ہو گئی۔ بارات پہنچی نکاح ہو گیا اور اچانک ہی دونوں طرف مہمانوں میں جھگڑا ہو گیا۔ گولیاں چلیں اور نتیجتاً حفیظہ کے تایا جان نے بارات واپس لوٹا ۔ایسا کوئی بھی نہ چاہتا تھا لیکن ایسا ہو گیا۔ سلجوق شاہ ناکام و نامراد واپس آ گئے ۔ ان کے یہ زندگی موت کا مسئلہ بن گیا۔ اگلے دن ہی انہیں کہہ دیا گیا کہ وہ لوگ حفیظہ کو کسی طور ت نہیں کریں گے اس لیے اس کی طلاق بھجوا دی جائے، لیکن سلجوق شاہ امریکہ چلے گئے وہ تے تھے بذریعہ تشدد ان سے طلاق حاصل کی جا سکتی تھی۔ اس لیے وہ کچھ دنوں کے لیے منظر ٹ گئے......''

عذیر بولتے بولتے خاموش ہو گیا تو ثوبیہ نے بے چینی سے کہا۔

''پھر کیا ہوا؟''

''پھر اس کے بعد کوئی رابطہ نہیں ہو سکا۔ کیونکہ نقشم اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا تھا اور جب واپس ...... اس کہانی کا انجام کیا ہوا معلوم نہیں۔ ہاں جب ناجیہ نے مجھے تصاویر بھجوائیں تب رور چونکا تھا اور مجھے راضیہ کے فیصلے پر افسوس بھی ہوا تھا۔ ایک شخص جب ٹوٹ کر کسی لڑکی بت کرے تو پھر وہ کسی اور کو محبت نہیں دے پاتا، یہ غلط نہیں ہے اور اگر وہ کسی کو اپنی محبت کا ۔لاتا ہے تو وہ سراسر جھوٹ ہوتا ہے زخمِ محبت پر پھاہا ہوتا ہے اور بس۔ اگر تم نے شادی سے ہ سے مشورہ کیا ہوتا تو میں تمہیں کبھی بھی یہ قدم اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔'' عذیر نے ا سے راضیہ کو دیکھا تھا۔

''محبت مشورہ نہیں چاہتی۔'' راضیہ بھڑک کر بولی تھی۔ ''محبت بس محبت ہوتی ہے۔ یہ ہ کر نہیں کی جاتی۔ مجھے سلجوق سے محبت ہوئی تھی تو میں بس اتنا جانتی تھی کہ وہ میرے پاس شادی کی آفر انہیں میں نے دی تھی اور ڈیڈی نے لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا ل ریڈی میرڈ ہیں یہ سراسر میرا اپنا فیصلہ تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ میری محبت سلجوق شاہ کو لے گی اور اگر نہ بھی سمیٹ پائی تو کم از کم یہ تو ہوگا کہ میں ان کے پاس ہوں گی۔ وہ

میرے قریب ہوں گے۔ مجھے انہیں چھونے، انہیں پانے کا اعزاز تو حاصل ہوگا، لیکن مجھے اب احساس ہوا کہ محبت کے بدلے محبت کا ملنا لازمی امر ہے ورنہ سب کچھ مرنے لگتا ہے۔ وجود، احساسات، طلب بڑی بری شے ہے اور وہ حفیظہ ملک کہتی ہے ابھی مجھے عشق کرنے کا سلیقہ نہیں آیا مجھے محبت......"

"کیا تم حفیظہ سے ملی تھیں؟" عذیر اور ناجیہ بیک وقت حیرت سے چلائے تھے۔

"مجھے محبت کی بھیک جہاں کہیں سے بھی مانگنی پڑی مانگوں گی۔ کیونکہ مجھے اس محبت کی ضروت ہے میں اس محبت کو پانے کے لیے آخری حد تک جاسکتی ہوں۔"

"لیکن اس طرح اپنی سطح سے گر کر۔ راضیہ کیا رہ جائے گا تمہارے پاس۔ اپنی انا کو کھو کر بھی تم اگر اپنی محبت پانے میں ناکام ہوگئیں تو، تو کیا کرو گی تم......؟" ناجیہ نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"مجھے اگر مگر کے چکروں میں مت الجھاؤ۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "مجھے صرف سلجوق چاہئیں۔ جس طرح بھی ملیں۔" وہ پیروں میں چپل اُڑستی تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتے رہے تھے۔

"اس کا واقعی کچھ نہیں ہوسکتا۔" کافی دیر بعد عذیر نے کہا تھا۔ اسی وقت عزیز احمد اند داخل ہوئے تھے۔ تینوں کو یوں خاموش سر جھکائے بیٹھے دیکھ کر وہ ٹھٹکے تھے اس لیے ادھر چلے آئے۔

"کیا ہوا؟ راضیہ کہاں ہے؟" ان کا پہلا دھیان ادھر ہی گیا تھا۔

"جی۔" عذیر نے فقط اتنا کہا پھر ناجیہ کی طرف دیکھا آیا بتائے یا نہیں۔

"میں پانی لے کر آتی ہوں۔" وہ دامن بچا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے پیچھے ہی ثوبیہ بھی چلی آئی۔ دونوں واپس آئیں تو عزیز احمد ایک لفافہ کھولے بیٹھے تھے۔

شاید عذیر نے انہیں مطمئن کر دیا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی عزیز احمد نے کہا۔

"آؤ بھئی تم دونوں بھی دیکھو بلکہ سلیکٹ کرو۔ کون سے کارڈز پرنٹ کروانے ہیں" ناجیہ نے پانی کا گلاس ٹیبل پر رکھا۔ جبکہ ثوبیہ تھوڑا جھجک کر پیچھے ہوگئی۔

"کارڈز ابھی پرنٹ کروانے ہیں جبکہ ڈیٹ تو Fix ہوئی نہیں؟" ناجیہ نے کارڈز کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے عذیر کی طرف دیکھا پھر ثوبیہ کو اشارے سے قریب بلایا۔

"ڈیٹ بھی Fix ہو جائے گی۔ میں نے آج شام کو بلایا ہے۔ بھابی آئیں گی تم کھانے پر اہتمام کر لینا عذیر تمہاری واپسی کب تک ہے؟" وہ اسے کہہ کر عذیر کی طرف

ہوئے۔

"بس چچا جان اگلی پندرہ کو، امی جان تو اب ادھر ہی رہیں گی۔ واپس جانے پر رضامند نہیں ہیں میں نے بہت کہا ہے اکیلی یہاں کیا کریں گی۔ مگر مان کے نہیں دے رہیں۔"

"اکیلی کیوں میں انہیں اپنے ساتھ رکھوں گا۔ اچھی بات ہے وہاں جا کر کیا کریں گی وہ۔ ناجیہ بھی چلی جائے گی، راضیہ بھی پھر یہ اتنا بڑا گھر میں اکیلا کیا کروں گا۔ یہاں دونوں بہن بھائی ہوں گے تو ایک دوسرے کا دکھ سکھ ہی بانٹ لیں گے۔" وہ ایک پل کو اداس ہو گئے تھے۔

"ہاں یہ بھی ہے۔" عذیر ہنسا۔ پھر عزیز احمد تو اٹھ گئے اور عذیر کی شوخ نظروں سے بچنے کے لیے ثوبیہ بھی واک آؤٹ کر گئی اور وہ دونوں کارڈ سلیکٹ کر کے ہی اٹھے تھے۔

☆======☆======☆

اسے لگ رہا تھا جیسے وہ سرِ بازار دوپٹہ اتار کر کھڑی ہو اور ہر آنے جانے والے کی نظر اس پر پڑ رہی ہو۔ اس نے اپنے آپ کو اتنی مشکل میں کبھی محسوس نہیں کیا تھا جتنا اس سمے محسوس کر رہی تھی۔ حالانکہ کمرہ عدالت میں چند لوگ ہی تھے وہ بھی اس کیس سے متعلقہ۔

سلجوق شاہ، احسن انکل، اہلکار، سلیمان ملک، سجاول، اور ایک اور شخص جس سے حفیظہ ناواقف تھی۔ شاید سلجوق شاہ کے ساتھ تھا۔

کارروائی شروع ہو چکی تھی۔ سب سے پہلے سلجوق شاہ کو بلوایا گیا تھا اور انہوں نے بڑے مطمئن انداز میں تمام سوالوں کے جواب دیئے تھے۔ حفیظہ بڑی سی چادر میں خود کو لپیٹے ہوئے تھی۔ اس لیے سلیمان ملک کی نظرِ ابھی تک اس پر نہیں پڑی تھی، لیکن جب اس کا نام پکارا گیا۔ تو وہ گویا اپنی جگہ سے اچھل پڑے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ حفیظہ یوں عدالت میں چلی آئے گی۔ وہ حفیظہ جسے وہ پچھلے کئی ماہ سے ڈھونڈ رہے تھے، تو گویا وہ احسن انصاری کے پاس تھی۔ انہوں نے قہر آلود نظروں سے احسن انصاری کو دیکھا۔ "تم سے تو میں نمٹ لوں گا۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائے تھے۔ حفیظہ سے سوالات پوچھے جا رہے تھے اور وہ بہت سکون سے جواب دے رہی تھی۔

"خلع کے کاغذات کس کی طرف سے داخل کروائے گئے؟" پوچھا گیا تھا اور سلیمان ملک چوکنے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔

"میرے تایا سلیمان ملک کی طرف سے!" حفیظہ کے جواب نے انہیں پہلو بدلنے پر مجبور کر دیا۔

"کیا وہ آپ کے گارجین تھے؟"

"نہیں!"

"کیا اس میں آپ کی مرضی شامل تھی؟"

"نہیں!"

"آپ کے والدین کی؟"

"نہیں!"

"خلع کے کاغذات پر سائن آپ سے زبردستی کروائے گئے؟"

"جی نہیں، بلکہ جب میں نے سائن کرنے سے انکار کیا تو تایا جان نے میرے جعلی سائن کر ڈالے اور انہوں نے اس بات کا اقرار میرے اور میری ماں کے سامنے کیا۔"

"آپ کے والد صاحب نے اس پر کوئی تعرض نہیں کیا؟"

"میرے والد صاحب کا اس دوران انتقال ہو چکا تھا۔"

"آپ کو طلاق کے کاغذات کب موصول ہوئے؟"

"مجھے تاحال کاغذات موصول نہیں ہوئے۔ صرف زبانی اطلاع دی گئی تھی کہ مجھے طلاق مل گئی ہے۔"

"کیا آپ نے اپنا نصف حق مہر وصول کیا؟"

"نہیں اس بات کی بھی صرف اطلاع دی گئی کہ سلجوق شاہ نے میرا حق مہر ادا کر دیا ہے۔"

"ٹھیک؟" وکیل صاحب کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"مس حفیظہ رحمٰن ملک آپ کا دوسرا نکاح کب ہوا؟"

"طلاق ہو جانے کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد۔"

"کیا آپ کی رضامندی سے؟"

"نہیں بلکہ بے ہوشی کے عالم میں میرا انگوٹھا لگوایا گیا۔"

"کیا آپ کے دوسرے شوہر کا آپ سے خونی رشتہ ہے؟"

"جی ہاں سجاول میرے تایا سلیمان کا بیٹا ہے جسے انہوں نے بچپن میں ہی ہمیں دے دیا تھا اور نکاح ہونے سے قبل تک میں اسے بھائی ہی سمجھتی رہی تھی۔ میرا مطلب سگے بھائی سے ہے۔"

"کیا سجاول حقوق زوجیت ادا کرنے کے قابل ہے؟"

حفیظہ کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"کیا سجاول حقوق زوجیت ادا کرنے کے قابل ہے؟" سوال دوہرایا گیا۔

"وہ پیدائشی پاگل ہے۔ اس کا ذہنی توازن درست نہیں۔ وہ شروع سے مجھے بہن کہتا رہا ہے اور اس نکاح کے بعد بھی وہ مجھے بہن کہہ کر بلاتا رہا ہے۔"

وہ کٹہرے سے باہر آئی تو اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ سلجوق شاہ نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں حوصلہ دیا تھا، لیکن اس کے ہاتھ پیر بالکل بے جان ہو رہے تھے۔ وہ بے دم سی ہو کر پیچھے پڑی کرسیوں پر گر پڑی۔

اب سلیمان ملک کٹہرے میں کھڑے تھے۔ وہ کیا کہہ رہے تھے وہ کچھ نہ سن پا رہی تھی۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ تبھی کوئی دھیرے سے اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ وہ چونکی۔

"ڈرنا مت حفیظہ۔" سجاول نے ہولے سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دبایا تھا۔

اس نے حیران ہو کر سجاول کو دیکھا۔ وہ بالکل ٹھیک لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی آ گئی تھی۔

"اوہ!" اسے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔ "اگر طلاق ثابت ہو گئی تو اسے سجاول کے ساتھ رہنا پڑے گا۔ تایا جان نے اس کا علاج کروالیا ہوگا اور وہ یہ بات عدالت میں ثابت کریں گے سجاول پاگل نہیں تھا۔ پھر کیا اسے واقعی سجاول کے ساتھ رہنا پڑے گا؟" اس نے سوچتے سوچتے سر کو جھٹکا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں حفیظہ اپنے آپ اکیلی مت سمجھنا۔ وہ جس طرح آہستگی سے آ کر بیٹھا تھا۔ اسی طرح اٹھ گیا۔ پتہ نہیں وہ کون سے ساتھ کی بات کر رہا تھا۔ وہ نئے خدشوں میں گھر گئی تھی۔

احسن انکل بہت پُر امید تھے۔

"بس اگلی تاریخ پر فیصلہ ہو جائے گا۔ سلیمان ملک کو تو بات کرنا نہیں آئی۔ تم نے دیکھا تھا؟" وہ اس سے پوچھ رہے تھے۔ اس کا سر نفی میں ہل گیا۔

"نہیں انکل، وہ آپ سجاول سے ملے تھے۔ مجھے محسوس ہوا ہے جیسے وہ ابنارمل نہیں رہا۔ تایا جان نے اس کا علاج کروالیا ہوگا۔" اس نے اپنا خدشہ بیان کیا۔ تو وہ سوچ میں پڑ گئے۔

"پھر بھی کچھ نہیں ہو سکتا۔" قدرے توقف کے بعد انہوں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

"بس وہ طلاق نامہ مل جائے اور وہ لڑکی جو عدالت میں حفیظہ بن کر پیش ہوئی تھی۔ پھر میں اس کو کیسے غلط ثابت کرتا ہوں۔ تم خود دیکھ لو گی۔" انہوں نے دارالامان کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے اسے ایک بار پھر تسلی دی تھی، لیکن اس کا دل واہموں سے آزاد نہیں ہوا تھا۔

☆======☆======☆

"تمہارے باپ نے فرعون کا روپ دھار رکھا ہے سجاول اور اس کی اس خدائی نے ہم سب کو ڈبو دیا ہے اور اب بھی اس کی آنکھیں نہیں کھلیں۔ اب بھی وہ دولت اور جاگیر کے نشے میں چُور ہے۔ اس کے ہر ہر گناہ کی سزا اس کو اولاد کے روپ میں ملتی رہی ہے، لیکن اس نے نصیحت نہیں پکڑی۔ اس نے احمد جمیل کا قتل کیا اور تم نے وہ منظر دیکھ لیا۔ تم ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ ساری جوانی تم نے پاگل ہو کر گزار دی۔ اس کے دل میں پھر بھی ہوس سمائی رہی۔ اس نے مہرو پر مظالم کی انتہا کر دی جانے وہ کیسے بچ گئی۔ ورنہ اپنی طرف سے تو اس نے اس کو بھی مروا ہی دیا تھا۔ رحمٰن ملک کی بیٹی کے ساتھ اس نے کون سا ظلم روا نہیں رکھا۔ اس کو جھوٹی طلاق دلوائی۔ بھائی رحمٰن کو زہر دے کر مروایا۔ حفیظہ کا جھوٹا نکاح تمہارے ساتھ کروایا۔ محض "ملک پور" کے لیے اور یہ ملک پور اس کو کیا دے سکا اس کی اپنی بیٹی عدالتوں میں ذلیل و خوار ہوئی اپنے ہاتھوں شوہر کو مار دیا اور اب پاگل بنی بیٹھی ہے۔ سارے ظلموں کا حساب تو ہو گیا۔ پھر بھی اس کی آنکھیں نہیں کھلیں اب اور کیا چاہتا ہے یہ شخص۔ کہاں لے جا کر چھوڑنا چاہتا ہے۔ اسے کچھ بھی دکھائی کیوں نہیں دیتا۔

تُو جا سجاول...... جا...... یہاں سے چلا جا۔ بھاگ جا نہیں تو اس شخص کی کرنیوں کی سزا کہیں پھر تجھے نہ ملنے لگے۔ جا کچھ نہیں اس "ملک پور" میں سوائے لاشوں کے جا میرا بیٹا بھاگ جا" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ سجاول آگے بڑھ آیا۔ ماں کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کے کہنے لگا۔

"نہیں اماں بھاگ گیا تو پھر تم کیا کرو گی۔ اماں میں نے حفیظہ کو دیکھا تھا اس روز بہت کمزور لگ رہی تھی۔ میں نے اسے کہا تھا کہ گھبرائے مت میں اس کا ساتھ دوں گا اماں حفیظہ یہاں واپس آ جائے گی۔ ہم چلے جائیں گے۔ بابا نہیں جاتے تو نہ جائیں۔ میں خود حفیظہ کے حق میں بیان دوں گا۔ تم بے فکر رہو حفیظہ کے حق میں بیان دوں گا۔ تم بے فکر رہو اماں۔" سجاول کی آنکھوں میں کچھ کر دکھانے کی چمک تھی۔

"میں تو برباد ہو گئی۔ بیٹی پاگل ہو کر پاگل خانے جا پہنچی۔ جانے کیا سما گیا اس کے دماغ میں بس...... تھیا تھیا...... تھیا تھیا۔" وہ بلک بلک کر رونے لگیں۔ بیٹے کا غم تو تھا۔ اگرچہ علاج کے بعد وہ ٹھیک ہو گیا تھا لیکن اب بھی بیٹھے بٹھائے اسے دورہ پڑ جاتا تھا اور پھر وہ پہلے والا سجاول ہی بن جاتا تھا۔

"سن سجاول!" راشدہ بیگم نے آنسو پونچھتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں اسے کہا تو سجاول آگے جھک آیا۔ وہ ہولے ہولے اس سے کچھ کہنے لگیں۔ پھر اسے اپنے پیچھے آنے کہہ کا کر باہر

نکل گئیں۔ سجاول بھی پیچھے آیا۔ ان کا رخ اسٹور کی طرف تھا۔ جہاں ڈھیر سارے پرانے بکس رکھے ہوئے تھے۔

پھر انہوں نے سجاول کی مدد سے لکڑی کے ایک بکس کا تالا توڑا اور اس میں سے کچھ تلاش کرنے لگیں۔ کافی تلاش کے بعد انہوں نے ایک پلاسٹک کا تھیلا باہر نکالا جس میں کاغذات تھے۔ صندوق بند کر کے وہ باہر نکل آئیں اب ان کا رخ کمرے کی طرف تھا۔

کمرے میں پہنچ کر انہوں نے کنڈی چڑھائی اور سجاول کو بیٹھنے کا کہہ کر تھیلا کھولنے لگیں۔ سجاول خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ، یہی ہیں...... تم یہ کاغذات کسی بھی طرح حفیظہ تک پہنچا دو۔ وہ مقدمہ جیت جائے گی۔ ہمارے سر سے ایک گناہ کا تو کم ہو گا بلکہ اگر ہو سکا تو میں خود عدالت میں بیان دوں گی اور بتاؤں گی کہ حفیظہ بن کر پیش ہونے والی لڑکی رومانہ تھی۔ بس اب اس کہانی کا اختتام ہو جانا چاہیے۔"

"پر اماں میں تو نہیں جانتا حفیظہ کہاں رہتی ہے۔" سجاول الجھ گیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" انہوں نے کاغذات دوبارہ تھیلے میں ڈالے اور انہیں بیڈ کے نیچے ایک کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دیا۔

"تم ایسا کرنا اب جس دن ملک صاحب تمہیں عدالت چلنے کا کہیں تم طبیعت کی خرابی کا بہانا کر دینا پر بعد میں مَیں اور تم چلیں گے۔" انہوں نے فٹافٹ پروگرام ترتیب دیا تھا۔ سجاول نے سر ہلا دیا تھا۔

"کچھ تو بوجھ کم ہو گناہوں کا۔" راشدہ بیگم کی آنکھیں ایک بار پھر نم ہونے لگی تھی۔

☆======☆======☆

"اس سارے معاملے میں میری بیٹی کا کیا قصور ہے سلجوق شاہ؟" عزیز احمد نے بے حد تھکے تھکے لہجے میں کہا تھا۔

"پتا نہیں انکل کس کا کیا قصور ہے؟" انہوں نے کنپٹیوں کو دونوں انگلیوں سے دبایا۔ پژمردگی ان کے چہرے سے ہویدا تھی۔

"میں تو خود الجھ چکا ہوں۔ پتہ نہیں تقدیر نے یہ کیا کھیل کھیلا ہے میرے ساتھ۔ میرے تو ہاتھ اور پیر سب بندھے ہوئے ہیں۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا کیا کروں میں؟"

"راضیہ تمہاری مرضی سے تمہاری زندگی میں داخل ہوئی تھی اور اگر تمہیں یاد ہو تو تم نے میرے پوچھنے پر یہی بتایا تھا کہ حفیظہ تمہاری زندگی کا گزشتہ باب تھی جو ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا

ہے اور یہ کہ راضیہ کی زندگی پر یہ سب باتیں اثر انداز نہیں ہوں گی۔ پھر یہ باب کیسے کھل گیا، یا یہ باب کھولنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا راضیہ نے تمہیں خوشی نہیں دی؟ کیا اس نے تمہاری خدمت کرنے میں کوتاہی کی یا اس نے تم سے محبت نہیں کی، ایسا کیا کیا اس نے کہ تم پھر پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئے؟'' عزیز احمد کا رویہ یکایک جارحانہ ہو گیا۔

''محبت اس نے بھی کی میں نے بھی کی وہ میری محبت ہے انکل میں نے اس کے لیے اپنی روایات سے ٹکر لی تھی۔ بہت مشکل سے ملی تھی وہ مجھے پھر تقدیر...... بس انکل یہ تقدیر ہمیں ہمیشہ مات دلاتی ہے۔ پلک جھپکنے میں ایسا کھیل کھیل جاتی ہے کہ انسان سمجھ ہی نہیں پاتا اور وہی تقدیر اسے ایک بار پھر میرے سامنے لے آئی ہے۔ اسی رشتے کے حوالے سے تو کیا میں تقدیر کو لوٹا دوں؟

پھر وہ لڑکی کیا کرے گی جس کے لیے سب کچھ میں ہوں۔ جس نے میرے لیے سب کچھ کھو دیا ہے۔ رشتے ناطے عیش آرام اب اگر میں بڑھ کر اس کا ہاتھ نہ تھاموں تو وہ، وہ تو مر جائے گی اور اپنی محبت کوئی مرتے نہیں دیکھ سکتا انکل۔''

''اور وہ بھی تو مر جائے گی سلجوق شاہ جس کے لہو میں تم اتر چکے ہو۔ وہ کیسے زندہ رہے گی سلجوق شاہ جس کی زندگی تم سے ہے۔ وہ کیسے جیئے گی سلجوق شاہ جس کی دھڑکنوں کا عنوان ہی تم ہو یہ بھی تو سوچو اس کا کیا قصور ہے وہ کیوں نارسائی کا کرب جھیلے غلطی تو تمہاری ہے ناں تو پھر وہ اکیلی سزا کیوں سہے۔ پلڑا برابر رکھو سلجوق شاہ پھر فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی۔'' وہ بات مکمل کر کے اٹھ کھڑے ہوئے پھر جاتے جاتے پلٹے۔

''بالکل ایسے ہی جیسے تم حفیظ کو مرتا نہیں دیکھ سکتے۔ میں بھی اپنی بیٹی کو مرتا نہیں دیکھ سکتا۔'' اس مضبوط، تنومند شخص کی آنکھیں اور لہجہ دونوں بھرا گئے تھے۔

سلجوق شاہ نے بے بسی سے سر پیچھے ٹیک دیا۔

''یا میرے مالک تُو میرے لیے جو فیصلہ بہتر ہے فرما دے۔ میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا۔'' انہوں نے دعا کی تھی۔

''سر چار بجے آپ کو ائیر پورٹ پہنچنا ہے۔'' ان کے پی اے نے اندر آ کر اطلاع دی تھی۔ انہوں نے چونک کر وال کلاک کی سمت دیکھا۔ پونے چار ہو رہے تھے۔ وہ جلدی سے چیزیں سمیٹنے لگے۔ ربیعہ اور ارمغان انگلینڈ جا رہے تھے۔ اگرچہ دوپہر کو وہ ان سے مل آئے تھے لیکن ربیعہ کا اصرار تھا کہ وہ انہیں ایئر پورٹ تک سی آف کرنے آئیں اور انہوں نے سیدھے ایئر پورٹ پہنچنے کا وعدہ کر لیا تھا، لیکن پھر عزیز احمد کے چلے آنے سے ان کے ذہن سے یکسر نکل

گیا۔

پی اے کو آفس لاک کرنے کا کہہ کر وہ جلدی سے باہر نکل آئے۔ ڈرائیو تو پندرہ منٹ کی تھی لیکن ٹریفک کی وجہ سے مسئلہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے گاڑی کی رفتار انہوں نے تیز ہی رکھی تھی۔ تبھی ان کے موبائل پر بیپ ہوئی۔ انہوں نے سامنے دھیان رکھتے ہوئے موبائل اٹھایا۔ راضیہ کا نمبر تھا۔ وہ اس وقت ذہنی طور پر بہت ابتر حالت میں تھے۔ راضیہ کا رونا انہیں مزید ڈسٹرب کر دیتا: انہوں نے بات کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے موبائل آف کر دیا اور سائیڈ پر رکھتے ہوئے بس ایک پل کو ان کی نظر چوکی تھی اور پھر دور تک ایک دھماکے کی آواز گونجی تھی۔

☆======☆======☆

لاکھ ضبط خواہش کے
بے شمار دعوے ہوں
اس کو بھول جانے کے
بے پناہ ارادے ہوں
اور اس محبت کو ترک کر کے جینے کا
فیصلہ سنانے کو
کتنے لفظ سوچے ہوں
دل کو اس کی آہٹ پہ
برملا دھڑکنے سے کون روک سکتا ہے
پھر وفا کے صحرا میں
خوشبوؤں کو چھونے کی
جستجو میں رہنے سے
روح تک پگھلنے سے
ننگے پاؤں چلنے سے
کون روک سکتا ہے
آنسوؤں کی بارش میں
چاہے دل کے ہاتھوں سے
ہجر کے مسافر کے
پاؤں تک بھی چھو آؤ

جس کو لوٹ جانا ہے
اس کو دور جانے سے
راستہ بدلنے سے
دور جانکلنے سے
کون روک سکتا ہے

ریسیور رکھتے ہوئے اس نے زیر لب نظم پڑھی تھی۔ یہ راستہ پل بھر کو مقدر تھا اور وہ اتنی دیر ہی چلی، جتنی دیر چلنا تھا اس کے بعد سے نہ راستہ اپنا نہ منزل اور نہ ہی ہم سفر۔ کسی اور کے ہم سفر کے سنگ کتنی دیر چلا جا سکتا ہے؟ اس نے بہتیرا سمجھایا تھا خود کو بڑی تاویلیں دی تھیں لیکن دل نے ایک نہ سنی تھی، اس کی ایک ہی طلب تھی۔ ایک ہی خواہش اور تب اس نے آخری بار سلجوق شاہ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہ اس سے کہنا چاہتی تھی۔

"سلجوق شاہ مجھے تمہاری دوسری بیوی بن کر رہنا منظور ہے۔ بے شک تم اپنے گھر میں نہ رکھو لیکن اپنا نام مت چھینو، مجھے زندگی گزارنے کو کوئی آسرا تو دو۔"

لیکن اس نے بات نہیں سنی تھی۔

گویا اس نے اپنے دل میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہنے دی تھی۔

اس کی کہیں جگہ نہیں بنا سکا تھا اتنے دنوں میں؟

آنسوؤں کی بارش میں
چاہے دل کے ہاتھوں سے
ہجر کے مسافر کے
پاؤں تک بھی چھو آؤ
جس کو لوٹ جانا ہے
اس کو دور جانے سے
راستہ بدلنے سے
دور جانکلنے سے
کون روک سکتا ہے
کون روک سکتا ہے

اس نے گالوں پر بہہ آنے والے اشک ہتھیلیوں کی پشت سے صاف کیے تھے۔ وہ مر بھی

نہیں سکی تھی، لیکن وہ زندہ بھی نہیں تھی۔ اس کا پورا وجود صلیب پر لٹکا تھا اور وہ حفیظہ کہتی تھی اس کا عشق ابھی خام ہے۔ ہاں شاید اس کا عشق خام تھا۔ اس نے ایک پل میں فیصلہ کیا اور ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔

اسی وقت ثوبیہ اپنا عروسی جوڑا اٹھائے اندر داخل ہوئی۔

"دیکھو راضیہ۔ کیسا ہے ابھی ابھی ٹیلر کے ہاں سے لائی ہوں۔" وہ اسے اپنے ساتھ لگائے پوچھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ اندرونی خوشیوں سے دمک رہا تھا۔

"خدا کرے یہ خوشیاں تمام عمر تمہاری آنکھوں میں یونہی چمکیں۔" اس کے دل نے بے ساختہ دعا دی۔

"ہاں اچھا لگ رہا ہے۔" اس نے کریڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے نظر بھر کے دیکھا۔

"تم کسے فون کر رہی ہو۔ اچھا سلجوق بھائی کو ہاں کارڈ تو انہیں مل گیا ہوگا۔ تم بھی کہہ دو شاید چلے ہی آئیں۔" ثوبیہ نے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں ممی کو فون کر رہی ہوں۔ میں ان کے پاس جا رہی ہوں۔"

"کیا؟" ثوبیہ اپنی جگہ پر اچھل ہی پڑی۔

"تم ممی کے پاس جا رہی ہو۔ مگر کیوں؟"

"میں اس بے مہر زمین پر نہیں رہنا چاہتی۔ وہ بے وفا مٹی مجھے اپنے اندر سمو لے گی۔ تو میں اس مٹی کے دکھ بھول جاؤں گی۔" وہ پھیکی سی ہنسی ہنسی تھی۔

"لیکن راضی...... ڈیڈی تمہیں جانے دیں گے بھلا؟" وہ متفکر تھی۔

"پتہ نہیں۔" اس نے لب کاٹے۔ "لیکن وہ مجھے مرتا بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ممی کے پاس چلی جاؤں شاید وہاں جا کر میں بھول جاؤں۔ جی سکوں۔" اس کی آنکھیں پھر بھرنے لگی تھیں۔

"لیکن راضی تمہیں شاید معلوم نہیں ممی نے شادی کر لی ہے اور اب وہ نئے شوہر کے ساتھ برمنگھم شفٹ ہو گئی ہیں۔ سنا ہے ان کا نیا شوہر بہت مالدار ہے۔"

"کیا......" راضیہ کے لیے یہ انکشاف کسی صدمے سے کم نہیں تھا۔

"ہوں، ایک دن فون آیا تھا ان کا وہ ڈیڈی کو افسوس میں مبتلا کرنے کی خواہش مند تھیں لیکن ڈیڈی نے کہا وہ ایک چھوڑ دس شادیاں کر لیں۔ انہیں پرواہ نہیں۔"

ثوبیہ کے چہرے پر دکھ کا سایہ سا لہرایا۔ راضیہ نے تھک کر کرسی سے ٹیک لگالی۔ کبھی کبھی ہر راستے پر "آگے راستہ بند ہے" کا بورڈ لگ جاتا ہے۔

ثوبیہ الجھن سے اسے تکتی رہی۔ پھر آگے بڑھ کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''I am sorry راضی! میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکی۔ کاش میں سلجوق بھائی کو منا سکتی کسی بھی طرح۔'' وہ افسردہ تھی۔

''ارے نہیں میری جان۔'' اس نے خود کو کمپوز کیا۔ ''تم اپنا دل اداس مت کرو یہ جو خوشیاں اور غم ہوتے ہیں ناں، اتنے ہی ملتے ہیں جتنے مقدر میں لکھے ہوتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر نہیں۔ تم اپنے آپ کو خوش رکھو۔ خوشیاں باہیں کھولے تمہاری منتظر ہیں۔ اللہ تمہارا نصیب اچھا کرے۔ پارلر سے ٹائم لیا کل کے لیے۔'' اس نے موضوع بدلا۔

''ہاں وہ تو ناجیہ نے پچھلے ہفتے ہی بکنگ کروادی تھی کل تم چلنا میرے ساتھ۔''

''کیوں نہیں!'' اس نے اس کے ماتھے پر پیار کیا۔ وہ شانت سی ہوتی واپس مڑ گئی۔

راضیہ نے آخری کوشش کے طور پر سلجوق کا نمبر ڈائل کیا ادھر سے جواب موصول نہ ہونے پر وہ چابیاں اٹھا کر باہر نکل آئی۔

''مرنے سے پہلے ایک اور کوشش۔'' اس نے بجھے دل سے سوچا اور گاڑی کو سلجوق شاہ کے گھر کے راستے پر ڈال دیا۔

☆======☆======☆

یہ لمحہ جاوداں کر لو
کہ اب لفظوں سے بات آگے چلی ہے
وداعِ دل فگاراں کی گھڑی ہے
جدائی سامنے تن کر کھڑی ہے
یہ لمحہ جاوداں کر لو
کہ تم نے جو کہا سچ تھا
کہ میں نے جو سنا سچ تھا
مگر پھر بھی
یہ لمحہ جاوداں کر لو
کہ
وداعِ دلفگاراں کی گھڑی ہے
جدائی سامنے تن کر کھڑی ہے

وہ ساکت کھڑی تھی۔ اس کے سامنے سلجوق شاہ کا کفن میں لپٹا ٹکڑے ٹکڑے وجود تھا اور

خراش زدہ چہرہ۔ اس قدر جوانمرگی پر آنسو بہاتی بین کرتی، روتی کرلاتی عورتیں اور وہ یوں ساکت کھڑی تھی جیسے یہ سب جھوٹ ہو۔ فریبِ نظر ہو ابھی سلجوق اٹھ بیٹھے گا اور کہے گا۔

''دیکھا کیسا مذاق کیا میں نے؟''

لیکن اس کی سوچ پر کسی عورت کا بین ضرب کی طرح لگا اور اس کے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں۔

''نہیں شاہ جی نہیں یہ آپ کو زیب نہیں دیتا۔ آپ اس طرح نہیں کر سکتے۔ یوں دامن بچا کر نکل جانا بہادری نہیں۔

آپ کو فیصلہ کرنا چاہئے تھا۔ میں بھی آپ سے محبت کرتی تھی۔ مجھے بھی کچھ دینا تھا آپ کو۔ مگر آپ تو بزدلوں کی طرح بھاگ نکلے یہ غلط ہے شاہ جی This is totaly wrong۔'' اس نے چار پائی سے اپنا سر ٹکرایا تھا۔ کسی نے بہت دھیرے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''تم ابھی تک محبت میں طلب رکھتی ہو؟'' اس نے سر اٹھایا۔ سیاہ چادر میں لپٹا حفیظہ ملک کا وجود سرخ انگارہ سی آنکھیں۔

''میں نے کہا تھا دل سے طلب ختم کر ڈالو سب کچھ مل جائے گا۔''

''کیا مل جائے گا۔'' راضیہ چیخی تھی۔ ''کیا مل گیا تمہیں۔ بتاؤ تمہیں تو طلب نہیں تھی پھر کچھ کیوں نہ ملا تمہیں۔ کیوں تم خالی دل، خالی ہاتھ رہ گئیں کیوں تمہارے پاس کوئی اچھی یاد نہیں؟ جھوٹ کہتی ہو تم اگر تمہیں طلب نہ ہوتی تو کیوں پلٹ کر سلجوق شاہ کی طرف دیکھتیں۔ کیوں اسے دوبارہ اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کرتیں۔ تمہاری طلب تو بہت خطرناک ہے، تم نے تو میری ساری محبت بے کار کر کے رکھ دی۔ ارے محبت یوں نہیں ہوتی چھین کر۔ میں نے اپنا آپ مار دیا صرف اور صرف اس شخص کے لیے اور اس کو مجھ سے تم نے محبت نہیں کرنے دی۔ تمہاری طلب نے مجھے راکھ کر دیا حفیظہ ملک۔ خود بھی خالی ہاتھ رہ گئیں اور مجھے بھی مار دیا۔ حفیظہ ملک کاش تم اپنی طلب کا اندازہ کر سکو۔ کاش تم......''

''راضیہ!'' انا بی نے آگے بڑھ کر سنبھالا تھا۔

ہما، ربیعہ بھی ان کی طرف آ گئی تھیں۔ عورتیں حیرانگی سے ان دونوں کو تک رہی تھیں۔

حفیظہ ملک کا سر جھک گیا تھا۔ پتہ نہیں غم سے یا طلب کی شرمندگی سے۔

''اس نے انا بی اس نے، آپ تو گواہ ہیں ناں۔ اس نے میرے شوہر کو مجھ سے محبت نہیں کرنے دی۔ انا بی آپ تو جانتی ہیں ناں۔ اس کو چاہئے تھا جب ایک بار وہ اس سے چھن گیا

تھا تو صبر کرتی، لیکن انابی اس نے چھین کر ہی دم لیا۔''

وہ حواس کھو بیٹھی تھی۔ ربیعہ اسے زبردستی اٹھا کر کمرے میں چھوڑ آئی۔ انابی نے حفیظہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''دل پر مت لینا حفیظہ!'' انہوں نے جانے کون سے دل کی بات کی تھی۔ اس نے آنکھوں میں آنسو بھرے یونہی سر ہلا دیا۔ سر سے چادر ڈھلک کر شانوں پر آٹھہری۔

''مجھے صبر کرنا چاہئے تھا انابی۔ جب ایک بار تقدیر نے دے کر چھین لیا تو واقعی مجھے صبر کرنا چاہئے تھا۔

لیکن انابی میں بے خبر تھی۔ مجھے خبر نہیں تھی کہ سلجوق نے پچھلا باب بند کر کے نئے باب کی ابتدا کر لی ہے۔ خواب تو میرے بھی ٹوٹے تھے انابی، زندگی تو میرے لیے بھی عذاب بنی۔ نقصان تو میرا بھی ہوا۔ پھر یہ اکیلی کیوں ماتم کناں ہے کیوں مجھے قصوروار گردان رہی ہے۔ چادر تو میرے سر سے بھی اُتری ہے۔ کھلے آسمان تلے تنہا رہ جانے کا ملال اسی کو کیوں ہے؟'' حفیظہ نے کفن میں لپٹے شخص پر نگاہ ڈالی۔

''ہاں یہ شخص۔'' وہ ذرا سا آگے جھکی۔ ''یہ شخص اس کی آنکھوں میں خواب بھرنے والا، اس کی زندگی میں محبت کی چاشنی بھرنے والا۔ کیوں اس طرح لیٹا ہے، اٹھتا کیوں نہیں، اٹھو سلجوق شاہ۔'' اس کے دل نے بے آواز پکارا۔

''دیکھو سارے فیصلے ہو گئے۔ ہمارے حق میں، تایا جان نے ہمارے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ انہوں نے سارے گناہ قبول کر لیے ''ملک پور'' بانہیں کھولے ہمارا منتظر ہے۔ اٹھو سلجوق شاہ گاڑی تیار ہے۔ ہمیں چلنا ہے ابھی۔'' وہ ذرا سا اور جھکی پٹیوں میں جکڑا چہرہ اس کے بے حد قریب تھا اس نے اپنے لرزتے ہاتھ سلجوق کے چہرے پر رکھے۔ ایک یخ بستہ لہر اس کے تن میں پھیل گئی۔

ٹھنڈا وجود، وہ کپکپائی
انسان کی کہانی کیا ہے؟
اور اس کی اوقات کتنی؟
بس ایک پل کا کھیل اور پل کے اس کھیل میں عمروں کے دعوے۔
صدیوں کی لڑائیاں!
سلجوق شاہ اب کسی کے پاس نہ رہا تھا۔
وہ راضیہ اور حفیظہ دونوں کی ضرورتوں سے بے نیاز ہو گیا تھا۔

اسے کسی کی فکر رہی تھی نہ طلب۔
اس کے پیروں میں کوئی زنجیر نہ رہی تھی
نہ کسی وعدے کی، نہ کسی چاہت کی۔

''پر سلجوق شاہ یوں تو نہیں کرتے!'' اس کے اندر کوئی بلکا تھا۔

ابھی تو تم نے بہت دور تک میرے ساتھ چلنے کا وعدہ کیا تھا۔

وہ محبت کیا ہوئی؟

وہ چاہت کیا ہوئی؟ وہ خواب، وہ وعدہ اور ان کے پیچھے ساری جدوجہد کیا اسی دن کے لیے کی تھی؟

اس کے منہ سے چیخ نما فریاد نکلی تھی۔

''اس طرح نہیں کرتے۔'' اس نے اپنا سر چارپائی سے ٹکرایا تھا۔

''نہیں کرتے۔''

اس کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہا تھا۔

دور کہیں سورج ڈوب رہا تھا
سارے دن کی تھکن سمیٹے
دکھ اپنے دامن میں چھپائے

وہ سلجوق شاہ کے کمرے کی طرف آ گئی۔ اسے لگا جیسے وہ پہلے سے اس کمرے کو جانتی تھی۔ اس کی ساری سیٹنگ دیکھی بھالی تھی۔

وہیں بیڈ، وہیں صوفے وہیں ڈریسنگ ٹیبل۔ سلجوق شاہ نے وہی سیٹنگ رکھی تھی جو وہ اس کے ساتھ ڈسکس کیا کرتا تھا۔ اس نے ذرا غور سے دیکھا۔ بیڈ کے اوپر لگی دولہا دلہن کی بڑی ساری تصویر۔ دولہا بنا سلجوق اور دلہن......

اس کے دل پر گھونسا پڑا۔ سب کچھ ویسا تھا، جیسا انہوں نے سوچا تھا، لیکن منظر کا ایک حصہ بدل گیا تھا۔ عروسی لباس پہنے وہ چہرہ بدل گیا تھا۔ تقدیر بڑی ظالم ہے۔ اپنے لکھے پر غور نہیں کرتی۔ نظر ثانی بھی نہیں کرتی۔

اس کے دل میں طلب تھی، لیکن راضیہ احمد کو یوں بلکتے تڑپتے دیکھ کر اس نے فیصلہ کیا تھا۔ وہ واپس ملک پور لوٹ جائے گی۔ سلجوق کی زندگی سے نکل جائے گی، لیکن ایسا کٹھن فیصلہ کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ اس نے بیڈ کی پائنتی سے ٹیک لگائے راضیہ احمد کو دیکھا اور پلٹ گئی۔

ہوائیں بین کرنے لگی تھی۔
میری محبت کی کہانی
صحراؤں کی پیاس کی کہانی ہے
جو صدیوں سے صرف پیاس ہی پیاس ہے
میری محبت کی کہانی
رُتوں کی بیوگی کی کہانی ہے
جس کے ہاتھ میں بیتے ہوئے لمحوں کی خشک ٹہنیوں اور جلی ہوئی پتیوں کے سوا کچھ بھی نہیں
میری محبت کی کہانی
خشک دریاؤں کی کہانی ہے
جن کے برہنہ سینے
پگڈنڈیوں اور راہگزاروں
کی ایڑیوں تلے کچلے جاتے ہیں
میری محبت کی کہانی ایک ایسی کہانی ہے
جس کا مرکزی کردار
خود اپنی ذات کے ادھورے پن کی کربناک صلیب پر لٹکا
کسی گمشدہ کردار کو صدائیں دے رہا ہے
اور صدیوں کے انتظار میں دفن ہے
اور انتظار بھی کبھی ختم نہ ہونے والا
دور کہیں ڈوبتا سورج
فضائے بسیط میں گم ہوتی کونجوں کی قطار
اور ملک پور کے راستے پر ہچکولے لیتی گاڑی اور اس میں بیٹھے سب ہی نفوس اپنے اپنے اندرونی غم سے سر جھکائے۔
ناجیہ۔
مہرینہ۔
سفید چادر اوڑھے حفیظہ ملک
کچھ کھو کر کچھ پانا

اور سب کچھ کھو کر کچھ پانا
نہ پانے کے مترادف ہوتا ہے
اور وہ سب ہی خالی ہاتھ تھے
بالکل خالی ہاتھ۔
زندگی کی طلب میں، زندگی ان کے ہاتھ سے کہیں چھوٹ کر جا گری تھی۔
اور وہ سب ایک قدرِ مشترک رکھتی تھیں۔
تینوں خالی ہاتھ تھیں۔
زندگی گنوا کر عمر بتانے کے لئے تو کوئی بھی جگہ ہو سکتی تھی۔
وجود کا خالی کھوکھا کہیں بھی اُٹھا کر رکھ دو کیا فرق پڑتا ہے؟
''ملک پور'' کی کچی پگڈنڈی ہو
یا
امریکہ کی چمچماتی تارکول کی سڑک
جب تقدیر ہاتھوں میں ڈھول باندھ لے
تو پھر سب مٹی ہو جاتا ہے۔

☆======ختم شد======☆